ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

آسان تفسیر القرآن

تفسیرِ ربانی

تالیف وترتیب

حضرت مولانا مفتی اصغر علی ربانی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
استاذ و مفتی دار الافتاء جامعۃ دار العلوم کراچی

جلد اوّل

سورۃ الفاتحۃ و سورۃ البقرۃ

مکتبہ ربانیہ کراچی
Islamic Studies Publishers
Karachi-Pakistan

وقل رب زدنی علماً

مکتبہ ربانیہ کراچی

ISLAMIC STUDIES PUBLISHERS

۱

آسان تفسیر القرآن

جملہ حقوق بحق مکتبۂ ربانیہ محفوظ ہیں۔

مکتبۂ ربانیہ
Islamic Studies Publishers
Karachi-Pakistan

باہتمام : عبیدالرحمٰن ربانی
جلد اوّل: سورۃ الفاتحہ تا سورۃ البقرۃ
طبع اوّل : ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ بمطابق اگست 2018ء
ناشر : مکتبۂ ربانیہ کراچی

فون : 0314-6107967
0302-2426288
(92-21) 35031011

ای میل

rabbaniglobal@yahoo.com
ibnerabbani@gmail.com

عرض ناشر

الحمدللہ!! اگرچہ مکتبۂ ربانیہ نے

آسان تفسیر القرآن

کی تصحیح وطباعت میں ہرممکن احتیاط سے کام لیا ہے، لیکن کبھی کبھی کتابت، طباعت اور جلدسازی میں غلطی ہوجاتی ہے، اگر کسی صاحب کو ایسی غلطی کا علم ہوتو براہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

(ادارہ)

ضروری انتباہ!!

اس کتاب کے جملہ حقوق کاپی رائٹ آفس میں رجسٹرڈ ہیں۔اس کتاب کی کتابت، تدوین وترتیب اور کسی بھی طریقے سے کاپی کرنا ''کاپی رائٹ ایکٹ 1962ء'' کے تحت قابل تعزیر جرم ہے اور اس کی خلاف ورزی پر بطور رجسٹرڈ کاپی رائٹ مالک (Owner) قانونی کارروائی کی جائے گی۔

(ادارہ)

ملنے کا پتہ

مکتبۂ ربانیہ کراچی
131/30 سیکٹر 36/A زیڈ ون ڈرم کے ایریا کورنگی کراچی
نزد جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

- ادارۃ المعارف، جامعہ دارالعلوم کراچی
- بیت القرآن، اردو بازار کراچی
- دارالاشاعت، اردو بازار کراچی
- مکتبہ معارف القرآن، جامعہ دارالعلوم کراچی
- ادارہ اسلامیات، اردو بازار کراچی
- مکتبہ فہم دین (جامع مسجد بیت السلام ڈیفنس)

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

آسان تفسیر القرآن

تفسیرِ ربّانی

تالیف وترتیب

حضرت مولانا مفتی اصغر علی ربّانی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اُستاذ و مفتی دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

جلد اوّل

سُوْرَةُ الْفَاتِحَة و سُوْرَةُ الْبَقَرَة

مکتبہ ربانیہ کراچی

131/30 سیکٹر 36/A ڈبل روم کے ایریا کورنگی کراچی

نزد جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

بسم الله الرحمن الرحيم

پیشِ لفظ

آسان تفسیر القرآن کی اشاعت کا مقصد

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دین ودنیا کی فلاح وکامیابی اور رشد وہدایت کا ایک جامع اور کامل ترین دستورِ ہدایت کلام پاک کی صورت میں نازل کیا ہے جس میں ہر زمانہ، ہر نسل اور ہر طرح کے حالات کے لئے رہنمائی موجود ہے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے علمی وعملی کمالات اور فضائل ومحاسن کا مجموعہ بنایا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب کو بھی پچھلی تمام آسمانی کتابوں اور علومِ الٰہی کا خلاصہ اور لازوال خزانہ بنایا ہے چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت قیامت تک جاری وساری ہے لہذا قرآن مجید کی رہنمائی بھی قیامت تک کی انسانیت کے لئے جاری وساری رہے گی۔

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی رہنمائی کے دونوں حصوں "قرآن وسنت" کے ہر دور میں محفوظ اور روشن رہنے کے ایسے ظاہری وباطنی اسباب پیدا فرمائے ہیں کہ غور وفکر کرنے والوں کے لئے یہ اللہ کی ایک بڑی نشانی اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزوں میں سے ایک زندہ معجزہ ثابت ہوا ہے، ان خدائی انتظامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس دور میں کتاب وسنت کی جس قسم کی خدمت کی ضرورت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کے دلوں میں اس کا داعیہ پیدا کر کے اس طرف متوجہ فرما دیتے ہیں، عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر آج تک قرآن وحدیث کی خدمات جن جن شکلوں میں انجام دی گئی ہیں وہ انہیں محض آسان وعام فہم بنانے کی مخلوق کی کوشش اور ہر دور کی ضرورت کے پیش نظر صرف اور صرف ایک خدائی انتظام تھا۔ اس میں قطعاً مبالغہ نہیں کہ قرآن حکیم کے متعلق جتنا کچھ لکھا گیا ہے اتنا کسی کتاب یا موضوع پر نہیں لکھا گیا مگر یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ قرآن کے الفاظ اتنے جامع، وسیع المعنیٰ اور زورِ زبان وبیان سے اس قدر بھرپور ہیں کہ کسی بھی زبان میں ان کی ترجمانی کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی ان کے ہمہ جہت پہلوؤں کا احاطہ ممکن ہے، لہذا تا قیامت علمائے امت کلامِ پاک کی تفسیر وتعبیر کے انتہائی مشکل کام میں اپنی زندگیاں لگا کر اس کے اعجاز وکمال کو خراج وتحسین پیش

کرتے ہیں رہیں گے۔

کلامِ پاک کی تلاوت باعثِ برکت، اس کی خدمت میں عظمت، اس کے احکامات پر عمل بہت بڑی سعادت، اس کے پیغامات کی اشاعت عینِ عبادت اور اس کے سائے میں زندگی بسر کرنا ایک عظیم نعمت ہے۔

دورِ حاضر کی جدتوں اور عوام الناس کی ذہنی و علمی سطح اور زبان کی تبدیلیوں نے ضرورت پیدا کر دی ہے کہ قرآن مجید کی ایک ایسی تفسیر تیار کی جائے جو سلفِ صالحین کے اصولوں کے مطابق بھی ہو اور دورِ جدید کے عام تعلیم یافتہ مسلمانوں کی دینی، علمی اور فکری ضرورتوں کو بھی ایک حد تک پورا کرنے والی ہو۔

بندۂ ناچیز کی نصف صدی سے زیادہ زندگی قرآن و حدیث کی خدمت میں گزری، ایک طویل تجربہ ہے کہ موجودہ دور میں میسر اکثر اردو تفاسیر بڑے اونچے درجے کی ہیں اور علمی زبان و علمی محاوروں اور قیل وقال سے بھری پڑی ہیں، جن سے علماء و طلباء ہی ٹھیک طور پر استفادہ کر سکتے ہیں، عوام الناس ان کو پڑھنے اور سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں، چنانچہ مرد و خواتین کی ایک بڑی تعداد کا اصرار تھا کہ ایک ایسی تفسیر تیار کی جائے جس کو پڑھنا اور سمجھنا آسان ہو۔

الحمد للہ! اس سلسلے میں ایک طویل عرصہ محنت و کوشش ہوئی، اور "آسان تفسیر القرآن" تالیف کرنا شروع کی، جس میں الفاظ کا چناؤ انتہائی آسان اور عام فہم کیا گیا، علمی بحث و نقطہ بینی سے اجتناب برتا گیا ہے، جو کہ مقصد کے پیشِ نظر تھا کہ تفسیر عوام الناس کے لئے ہے۔

ربِّ کریم کی توفیق سے ایک طویل عرصہ محنت کے بعد قرآن کریم کی یہ تفسیر "آسان تفسیر القرآن" ۱۰ جلدوں میں مکمل ہوئی، مالکِ کریم کی بارگاہ میں یہ التجاء ہے کہ وہ اس خدمت کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما کر اِسے مسلمانوں کے لئے مفید بنادے، اور اس ناچیز کے لئے آخرت کا ذریعہ۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

بندہ:

اصغر علی ربانی

جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۷ رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ

فہرست

آسان تفسیر القرآن

(جلد اوّل)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	مؤلف کا تعارف	۲۹
۲	مقدمہ	۴۹
۳	خاص خاص پیغمبروں کا بیان	۴۹
۴	خلفائے راشدین کی شہادت	۶۵
۵	وحی اور اسکی حقیقت	۷۰
۶	حواس خمسہ یعنی، آنکھ، کان، ناک، منہ، ہاتھ پیر	۷۰
۷	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزولِ وحی کے چار طریقے	۷۱
۸	تاریخ نزولِ قرآن	۷۲
۹	مکی اور مدنی سورتیں	۷۴
۱۰	قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کیوں نازل ہوا؟	۷۵
۱۱	سات چیزوں پر قرآن مجید لکھا گیا ہے	۷۶
۱۲	قرآن مجید میں نقطے کی ضرورت کیوں پیش آئی جبکہ پہلے نقطے نہیں تھے	۷۸
۱۳	عربی کے حروف	۸۰
۱۴	نون ساکن اور تنوین کا پہلا قاعدہ	۸۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۵	نون ساکن اور تنوین کا دوسرا قاعدہ	۸۳
۱۶	نون ساکن اور تنوین کا تیسرا قاعدہ	۸۳
۱۷	نون ساکن اور تنوین کا چوتھا قاعدہ	۸۳
۱۸	نون ساکن اور تنوین کا پانچواں قاعدہ	۸۴
۱۹	علم تفسیر	۸۴
۲۰	تفسیر کے کل چھ سرچشمے ہیں	۸۵
۲۱	اسرائیلیات کا حکم	۸۸
۲۲	تفسیر قرآن کے بارے میں شدید غلط فہمی	۸۹
۲۳	تفسیر بالرائے	۹۱
۲۴	دنیا کی سب سے بڑی نعمت قرآن مجید ہے	۹۳
	سورة الفاتحة	
۱	"اَعُوْذُ بِاللّٰهِ" کی تفسیر	۹۹
۲	"اَعُوْذُ بِاللّٰهِ" پڑھنے کی وجہ اور اسکے فضائل	۹۹
۳	"بِسْمِ اللّٰهِ" کی تفسیر	۱۰۰
۴	آٹھ نام یہ ہیں	۱۰۱
۵	ہر کام کو "بِسْمِ اللّٰهِ" سے شروع کرنے کی حکمت	۱۰۲
۶	احکام و مسائل	۱۰۲
۷	اللہ تعالیٰ کی تعریف (الف)	۱۰۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۸	سورۂ فاتحہ کی فضیلت	۱۰۶
۹	سورۂ فاتحہ کے اسماء مبارکہ اور انکی وضاحت	۱۰۷
۱۰	اللہ تعالیٰ کی تعریف (ب)	۱۱۱
۱۱	صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت	۱۱۲
۱۲	شرک کی دو قسمیں جلی اور خفی	۱۱۵
۱۳	چند شرکیہ عقائد درج ذیل ہیں	۱۱۵
۱۴	انعام یافتہ لوگوں کا راستہ	۱۱۶
۱۵	احکام و مسائل	۱۱۷
	سورة البقرة	
۱	سورۃ البقرہ کا خلاصہ	۱۱۷
۲	سورۂ بقرہ کی فضیلت	۱۲۰
۳	اس کتاب میں کوئی شک نہیں	۱۲۲
۴	قرآن مجید کا مقصد	۱۲۴
۵	متقیوں کی صفات	۱۲۵
۶	اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان	۱۲۶
۷	قیامت پر ایمان	۱۲۷
۸	کامیاب لوگ	۱۲۸
۹	کافر	۱۲۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۰	کفر کی مختلف قسمیں	۱۳۰
۱۱	کفر کا نتیجہ	۱۳۱
۱۲	دنیا میں گناہوں کی سزا	۱۳۳
۱۳	نصیحت کرنے والے کو ہر حال میں نصیحت کرنے کا ثواب ملے گا	۱۳۴
۱۴	منافقوں کی طرف سے ایمان کا دعویٰ	۱۳۴
۱۵	منافقوں کا دھوکہ	۱۳۵
۱۶	منافقوں کی بیماری	۱۳۶
۱۷	جھوٹ بولنے کا وبال	۱۳۷
۱۸	منافقوں کی سازشیں	۱۳۸
۱۹	منافقوں کی بے عقلی	۱۳۹
۲۰	منافقوں کا ہنسی اڑانا	۱۴۰
۲۱	گمراہی اور خسارہ	۱۴۱
۲۲	منافقوں کی پہلی مثال	۱۴۲
۲۳	منافقوں کا انجام	۱۴۳
۲۴	منافقوں کی دوسری مثال	۱۴۵
۲۵	منافقوں کی بے بسی	۱۴۶
۲۶	منافقوں کی بے یقینی	۱۴۷
۲۷	اللہ تعالیٰ کی قدرت	۱۴۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲۸	عبادت کا مطالبہ	۱۵۰
۲۹	شرک کی ممانعت	۱۵۱
۳۰	کلام کی سچائی کا دعویٰ	۱۵۴
۳۱	کلام اللہ کا چیلنج	۱۵۵
۳۲	مخالفین کی بے بسی	۱۵۶
۳۳	نیکوکاروں کو خوشخبری	۱۵۷
۳۴	جنّت کی نعمتیں	۱۵۸
۳۵	قرآن مجید کی مثالیں	۱۵۹
۳۶	مثالوں کا اثر اور نتیجہ	۱۶۱
۳۷	ہدایت اور گمراہی	۱۶۲
۳۸	گمراہ کون ہوتے ہیں	۱۶۴
۳۹	احکام ومسائل	۱۶۵
۴۰	اللہ تعالیٰ کا انکار کیسے؟	۱۶۶
۴۱	اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں	۱۶۷
۴۲	انسان کا مقام	۱۶۹
۴۳	فرشتوں کی گزارش	۱۷۰
۴۴	فرشتوں کو جواب	۱۷۱
۴۵	فرشتوں کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ فساد پھیلائیگا اور خون بہائیگا؟	۱۷۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۴۶	علم کی برتری	۱۷۲
۴۷	حضرت آدم علیہ السلام کا فرشتوں سے مقابلہ	۱۷۳
۴۸	علم کی فتح	۱۷۴
۴۹	احکام ومسائل	۱۷۵
۵۰	فرشتوں کا سجدہ	۱۷۶
۵۱	احکام ومسائل	۱۷۷
۵۲	حضرت آدم علیہ السلام جنت میں	۱۷۷
۵۳	اس درخت سے نہ کھانا	۱۷۸
۵۴	شیطان کا بہکانا	۱۸۰
۵۵	جنت سے نکلنا	۱۸۱
۵۶	پیغمبر کی عصمت (بے گناہی) کا مسئلہ	۱۸۲
۵۷	حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ	۱۸۳
۵۸	وحی کی ضرورت	۱۸۴
۵۹	کافروں کا انجام	۱۸۵
۶۰	حضرت آدم علیہ السلام کا زمین پر اتارا جانا سزا نہیں بلکہ زمین میں خلیفہ بنانے کیلئے تھا	۱۸۶
۶۱	بنی اسرائیل پر انعامات	۱۸۶
۶۲	قرآن کا انکار نہ کرو	۱۸۸
۶۳	اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو نہ بیچو	۱۸۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۶۴	حق کو مت چھپاؤ	۱۹۰
۶۵	نماز، زکوۃ اور اتحاد	۱۹۲
۶۶	دوسروں کو نیکی کا حکم دو اور خود بھی اس پر عمل کرو	۱۹۳
۶۷	کیا فاسق وعظ و نصیحت نہیں کرسکتا؟	۱۹۳
۶۸	صبر اور نماز سے مدد	۱۹۴
۶۹	مسجد کے سوا کسی جگہ جماعت	۱۹۵
۷۰	آخرت کا تصور	۱۹۵
۷۱	بنی اسرائیل کی فضیلت	۱۹۶
۷۲	قیامت کے دن کیا کام آئے گا؟	۱۹۷
۷۳	مصائب سے رہائی	۱۹۹
۷۴	فرعون اور اسکی فوج کا سمندر میں غرق ہونا	۲۰۱
۷۵	بچھڑے کی پوجا	۲۰۲
۷۶	معافی کا اعلان	۲۰۳
۷۷	کتاب اور فرقان	۲۰۳
۷۸	شرک کی سزا	۱۰۴
۷۹	بنی اسرائیل کی ایک اور گستاخی	۲۰۶
۸۰	منّ وسلوٰی	۲۰۸
۸۱	بنی اسرائیل کی شہری زندگی	۲۱۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۸۲	اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تبدیلی کی سزا	۲۱۱
۸۳	بارہ چشمے	۲۱۲
۸۴	بنی اسرائیل کی بے صبری	۲۱۴
۸۵	بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا غضب	۲۱۵
۸۶	اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب	۲۱۶
۸۷	ایمان اور نیک عملوں کا اجر	۲۱۷
۸۸	طور پہاڑ کو اُن کے سروں پر اٹھانا	۲۱۹
۸۹	اللہ تعالیٰ کے حکموں سے منہ موڑنے کی سزا	۲۲۰
۹۰	شکلیں بدل جانا	۲۲۱
۹۱	احکام و مسائل جس قوم کی شکلیں بدل دی گئیں اسکی نسل نہیں چلتی	۲۲۳
۹۲	گائے ذبح کرنے کا حکم	۲۲۳
۹۳	اللہ تعالیٰ کے حکم میں بہانہ بازی	۲۲۴
۹۴	مُردے کا زندہ ہونا	۲۲۷
۹۵	یہود کی سخت دِلی	۲۲۹
۹۶	اللہ تعالیٰ کے کلام میں ردّ و بدل	۲۳۰
۹۷	یہودیوں کی منافقت	۲۳۲
۹۸	جھوٹی آرزوئیں	۲۳۳
۹۹	جنت کے ٹھیکدار	۲۳۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۰۰	جنّت اور دوزخ	۲۳۶
۱۰۱	بنی اسرائیل کا پختہ عہد	۲۳۸
۱۰۲	خونریزی اور جلاوطنی	۲۴۰
۱۰۳	صِرف بعض حکموں کے فرمانبرداری	۲۴۱
۱۰۴	آخرت کے بدلے دنیا	۲۴۳
۱۰۵	حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد	۲۴۴
۱۰۶	نفس پرستی	۲۴۵
۱۰۷	بنی اسرائیل کی ہٹ دھرمی	۲۴۶
۱۰۸	جان بوجھ کر کفر	۲۴۷
۱۰۹	بُرا سودا	۲۴۸
۱۱۰	ایمان کی دعوت کا انکار	۲۴۹
۱۱۱	بچھڑے کی پوجا	۲۵۰
۱۱۲	موت کی تمنّا	۲۵۲
۱۱۳	لمبی عمر کی خواہش	۲۵۳
۱۱۴	حضرت جبرائیل علیہ السلام کی دشمنی	۲۵۴
۱۱۵	یہودیوں کا عہد توڑنا	۲۵۶
۱۱۶	کتاب اللہ کی مخالفت	۲۵۷
۱۱۷	جادُو کے عمل	۲۵۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۱۸	هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ	۲۵۹
۱۱۹	جادو کی خرابیاں	۲۶۰
۱۲۰	گھاٹے والا سودہ	۲۶۲
۱۲۱	جادو شریعت کی نظر میں	۲۶۳
۱۲۲	الفاظ کا غلط استعمال	۲۶۳
۱۲۳	کافروں کی ضد	۲۶۴
۱۲۴	آیات کی منسوخی	۲۶۵
۱۲۵	پیغمبر سے سوالات	۲۶۷
۱۲۶	کفار کا حسد	۲۶۸
۱۲۷	آخرت کی تیاری	۲۶۹
۱۲۸	جنت کا حق دار کون؟	۲۷۰
۱۲۹	مذہبی گروہ بندیاں	۲۷۲
۱۳۰	مسجدوں کو ویران کرنے والے	۲۷۴
۱۳۱	اللہ تعالیٰ ہر طرف موجود ہے	۲۷۵
۱۳۲	شانِ نزول	۲۷۶
۱۳۳	اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں	۲۷۶
۱۳۴	کُنْ فَیَکُوْنُ!	۲۷۷
۱۳۵	واضح دلیلیں	۲۷۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۳۶	پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری	۲۷۹
۱۳۷	یہودیوں اور عیسائیوں کی خواہش	۲۸۰
۱۳۸	قیامت کے دن پکڑ	۲۸۱
۱۳۹	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش	۲۸۲
۱۴۰	خانہ کعبہ کی اہمیت	۲۸۸
۱۴۱	امن والا شہر	۲۸۹
۱۴۲	مسلمانوں کیلئے دعا	۲۹۱
۱۴۳	دین ابراہیمی	۲۹۳
۱۴۴	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وصیّت	۲۹۳
۱۴۵	حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیّت	۲۹۵
۱۴۶	اپنے ہی عمل کام آئیں گے	۲۹۶
۱۴۷	ملّت ابراہیمی	۲۹۷
۱۴۸	تمام پیغمبروں پر ایمان	۲۹۸
۱۴۹	آپ کو اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے	۲۹۹
۱۵۰	اللہ تعالیٰ کا رنگ	۳۰۰
۱۵۱	حق کو چھپانا	۳۰۳
۱۵۲	اپنے اعمال ہی کام آئیں گے	۳۰۴
۱۵۳	مسلمانوں کا قبلہ	۳۰۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۵۴	قبلہ بدلنے پر پہلا اعتراض	۳۰۶
۱۵۵	احکام ومسائل بیت اللہ کی طرف رُخ کرنا	۳۰۸
۱۵۶	میانہ رَو	۳۰۸
۱۵۷	عقیدے میں میانہ روی	۳۰۹
۱۵۸	عمل اور عبادت میں میانہ روی	۳۰۹
۱۵۹	قبلہ کی تبدیلی کی حکمت	۳۱۰
۱۶۰	قبلہ بدلنے پر اعتراض	۳۱۱
۱۶۱	پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی آرزو	۳۱۱
۱۶۲	خانہ کعبہ قبلہ مقرر ہو گیا	۳۱۴
۱۶۳	اہل کتاب کی ہٹ دھرمی	۳۱۵
۱۶۴	اہل کتاب اور پیغمبر اسلام	۳۱۶
۱۶۵	نیکی میں آگے بڑھنا	۳۱۶
۱۶۶	خانہ کعبہ	۳۱۷
۱۶۷	پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات	۳۱۹
۱۶۸	ذکر وشکر	۳۲۰
۱۶۹	صبر اور نماز	۳۲۰
۱۷۰	شہید زندۂ جاوید ہوتا ہے	۳۲۲
۱۷۱	امتحان اور آزمائش	۳۲۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۷۲	صبر کرنے والوں کی سیرت	۳۲۴
۱۷۳	صبر کرنے والوں کا صلہ	۳۲۵
۱۷۴	حج کے حکم	۳۲۶
۱۷۵	تفسیر شانِ نزول	۳۲۷
۱۷۶	اللہ تعالیٰ کی لعنت	۳۲۷
۱۷۷	کفر کی موت	۳۲۹
۱۷۸	اللہ تعالیٰ کی نشانیاں	۳۳۰
۱۷۹	غیر اللہ سے محبت	۳۳۱
۱۸۰	تمام قوت اللہ تعالیٰ کیلئے ہے	۳۳۲
۱۸۱	مشرکوں کی بے بسی	۳۳۳
۱۸۲	حلال اور پاکیزہ غذا	۳۳۴
۱۸۳	احکام ومسائل	۳۳۶
۱۸۴	باپ دادا کی پیروی	۳۳۶
۱۸۵	احکام ومسائل	۳۳۷
۱۸۶	باپ دادا کی پیروی کی مثال	۳۳۷
۱۸۷	حرام غذائیں	۳۳۸
۱۸۸	مجبوری کی صورتیں	۳۴۰
۱۸۹	برے عالموں کی سزا	۳۴۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۹۰	گھاٹے والا سودہ	۳۴۲
۱۹۱	اصل نیکی / اچھے عقیدے	۳۴۳
۱۹۲	قصاص (قتل کے بدلے قتل)	۳۴۶
۱۹۳	معاف کرنا اور احسان کرنا	۳۴۸
۱۹۴	قصاص میں زندگی ہے	۳۴۹
۱۹۵	وصیت	۳۵۱
۱۹۶	وصیت میں تبدیلی	۳۵۱
۱۹۷	تفسیر فقہاء کرام نے وصیت کی کئی قسمیں بیان کی ہیں	۳۵۲
۱۹۸	احکام ومسائل	۳۵۳
۱۹۹	روزوں کا حکم اور مریض ومسافر کے لئے رعایت	۳۵۳
۲۰۰	پہلی امتوں کے روزے	۳۵۴
۲۰۱	احکام ومسائل	۳۵۵
۲۰۲	مجبوری کا فدیہ	۳۵۶
۲۰۳	رمضان کی فضیلت	۳۵۷
۲۰۴	قرآن مجید کی خصوصیات	۳۵۸
۲۰۵	روزہ کی فرضیت	۳۵۹
۲۰۶	اللہ تعالیٰ آسانی چاہتا ہے مشکل نہیں	۳۶۰
۲۰۷	دُعا	۳۶۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲۰۸	پیغمبر ﷺ نے دعا کے قبول ہونے کی تین صورتیں بیان فرمائی ہیں	۳۶۲
۲۰۹	میاں بیوی کا تعلق	۳۶۲
۲۱۰	تفسیر شانِ نزول	۳۶۳
۲۱۱	اعتکاف کے احکام	۳۶۵
۲۱۲	ناحق مال	۳۶۶
۲۱۳	چاند کا حساب	۳۶۷
۲۱۴	جاہلیت کی ایک رسم	۳۶۸
۲۱۵	اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ	۳۶۹
۲۱۶	جنگ اور جلاوطنی	۳۷۰
۲۱۷	جہاد کا حکم	۳۷۱
۲۱۸	کافروں کی طرف سے پہل	۳۷۱
۲۱۹	زیادتی نہ کرو	۳۷۱
۲۲۰	فتنہ قتل سے بدتر ہے	۳۷۲
۲۲۱	خانہ کعبہ کا احترام	۳۷۳
۲۲۲	شرک کے خاتمے تک لڑو	۳۷۴
۲۲۳	حرمت والے مہینے	۳۷۴
۲۲۴	اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا	۳۷۶
۲۲۵	حج وعمرہ	۳۷۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲۲۶	سر منڈانا	۳۸۰
۲۲۷	میقات	۳۸۲
۲۲۸	حج کے مہینوں میں حج وعمرہ کو جمع کرنے کے چند احکام	۳۸۲
۲۲۹	مُحرِم کے لئے تین چیزیں منع ہیں	۳۸۳
۲۳۰	احکام ومسائل	۳۸۳
۲۳۱	حج کا زادِراہ	۳۸۴
۲۳۲	حج کے لئے تجارت	۳۸۵
۲۳۳	عرفات اور مشعر الحرام	۳۸۶
۲۳۴	عمل میں برابری کا حکم	۳۸۹
۲۳۵	طوافِ زیارت	۳۹۰
۲۳۶	مناسکِ حج کے بعد	۳۹۰
۲۳۷	دنیا کے طلب گار	۳۹۱
۲۳۸	گنتی کے چند دنوں میں اللہ کی یاد	۳۹۳
۲۳۹	منیٰ کا قیام اور اللہ کے ذکر کی تاکید	۳۹۴
۲۴۰	قسمیں کھانے والے جھگڑالو منافقین	۳۹۵
۲۴۱	منافقوں کا فتنہ فساد	۳۹۶
۲۴۲	جھوٹا وقار	۳۹۷
۲۴۳	اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والا	۳۹۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲۴۴	اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ	۳۹۸
۲۴۵	جان بوجھ کر غلطی نہ کرو	۴۰۰
۲۴۶	کافروں کا نامعقول رویہ	۴۰۰
۲۴۷	بنی اسرائیل سے عبرت	۴۰۱
۲۴۸	مؤمنوں کا مذاق نہ اڑاؤ	۴۰۲
۲۴۹	ایک اُمّت	۴۰۴
۲۵۰	آزمائش کی گھڑی	۴۰۶
۲۵۱	کہاں خرچ کریں؟	۴۰۸
۲۵۲	احکام ومسائل	۴۰۹
۲۵۳	جنگ کا حکم	۴۰۹
۲۵۴	احکام ومسائل	۴۱۱
۲۵۵	حرمت والے مہینہ میں جنگ	۴۱۲
۲۵۶	ایمان، ہجرت اور جہاد	۴۱۵
۲۵۷	شراب اور جوا	۴۱۶
۲۵۸	یتیموں کی اصلاح	۴۱۹
۲۵۹	مشرک عورت سے نکاح	۴۲۰
۲۶۰	احکام ومسائل	۴۲۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲۶۱	حیض کی حقیقت	۴۲۴
۲۶۲	شانِ نزول	۴۲۵
۲۶۳	احکام ومسائل	۴۲۷
۲۶۴	بیوی کا درجہ	۴۲۸
۲۶۵	قسموں کا غلط استعمال	۴۲۹
۲۶۶	لغو قسمیں	۴۳۱
۲۶۷	قسم کی تین قسمیں	۴۳۱
۲۶۸	طلاق کی ابتداء	۴۳۳
۲۶۹	طلاق یافتہ عورت کی عدّت	۴۳۵
۲۷۰	رجعت کا بیان	۴۳۷
۲۷۱	میاں بیوی کے حقوق اور شوہر کا درجہ	۴۳۷
۲۷۲	اسلام سے پہلے معاشرہ میں عورت کا درجہ	۴۳۸
۲۷۳	عورت کو مرد کی نگرانی سے آزاد کرنا فساد کا سبب ہے	۴۴۰
۲۷۴	خلاصہ کلام!	۴۴۰
۲۷۵	رجعی طلاق	۴۴۰
۲۷۶	طلاق کی تین قسمیں	۴۴۲
۲۷۷	تیسری طلاق	۴۴۴
۲۷۸	بیویوں کے ساتھ برتاؤ	۴۴۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲۷۹	عورت کی رضا	۴۴۹
۲۸۰	دودھ پلانے کی مدّت	۴۵۰
۲۸۱	آپس کی رضامندی	۴۵۲
۲۸۲	بیوہ کی عدّت	۴۵۳
۲۸۳	احکام ومسائل	۴۵۵
۲۸۴	دوسرے نکاح کا پیغام	۴۵۵
۲۸۵	بیوی کو چھونے سے پہلے طلاق اور مہر	۴۵۷
۲۸۶	مہرِ مثل	۴۵۹
۲۸۷	نصف مہر	۴۵۹
۲۸۸	نمازوں کی پابندی	۴۵۹
۲۸۹	نمازِ خوف	۴۶۱
۲۹۰	بیوہ کے لئے وصیّت	۴۶۱
۲۹۱	موت سے نہ بھاگو	۴۶۳
۲۹۲	دوبارہ زندگی	۴۶۴
۲۹۳	احکام ومسائل	۴۶۵
۲۹۴	قرضِ حسن	۴۶۶
۲۹۵	جہاد کی اہمیت	۴۶۷
۲۹۶	حضرت طالوت کا قصہ	۴۶۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲۹۷	بنی اسرائیل کا زوال	۴۶۹
۲۹۸	سپہ سالار کا تقرر	۴۷۰
۲۹۹	طالوت کی خصوصیات	۴۷۱
۳۰۰	طالوت کے بادشاہ ہونے کی نشانی	۴۷۲
۳۰۱	لشکر کی آزمائش	۴۷۴
۳۰۲	ہار، جیت کا دارومدار لشکروں کے کم یا زیادہ ہونے پر نہیں	۴۷۵
۳۰۳	صبر و استقامت	۴۷۷
۳۰۴	حضرت داؤد علیہ السلام کا کارنامہ	۴۷۸
۳۰۵	مناقب حضرت داؤد علیہ السلام	۴۷۹
۳۰۶	گذشتہ نشانیاں	۴۸۰
۳۰۷	دوسرے پارہ کا خلاصہ	۴۸۰
۳۰۸	پیغمبروں کے درجے	۴۸۱
۳۰۹	حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۴۸۳
۳۱۰	اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو	۴۸۵
۳۱۱	آیت الکرسی	۴۸۷
۳۱۲	دین میں داخل کرنے پر زبردستی نہیں	۴۹۱
۳۱۳	شانِ نزول	۴۹۱
۳۱۴	ہدایت اور گمراہی	۴۹۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۳۱۵	حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود	۴۹۴
۳۱۶	اُجڑی بستی کی مثال	۴۹۶
۳۱۷	مُردوں کو زندہ کرنا	۴۹۹
۳۱۸	اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی مثال	۵۰۳
۳۱۹	خیرات ضائع نہ کرو	۵۰۵
۳۲۰	خیرات ضائع کرنے کی مثال	۵۰۷
۳۲۱	اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی ایک اور مثال	۵۰۹
۳۲۲	ریاکاری سے خرچ کرنے کی مثال	۵۱۰
۳۲۳	اللہ تعالیٰ کی راہ میں اچھی چیز دو	۵۱۳
۳۲۴	احکام ومسائل	۵۱۶
۳۲۵	اللہ تعالیٰ کے وعدے اور انعام	۵۱۶
۳۲۶	خیرات کیسے کی جائے	۵۱۹
۳۲۷	احکام ومسائل	۵۲۱
۳۲۸	خیرات کا پورا پورا اجر	۵۲۱
۳۲۹	احکام ومسائل	۵۲۲
۳۳۰	خیرات کے حقدار	۵۲۲
۳۳۱	خیرات کا ثواب	۵۲۴
۳۳۲	سود حرام ہے	۵۲۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۳۳۴	سود کی نحوست اور خیرات کی برکت	۵۲۷
۳۳۵	سود لینا چھوڑ دو	۵۲۸
۳۳۶	شانِ نزول	۵۲۹
۳۳۷	تنگدست سے رعایت	۵۳۱
۳۳۸	سود کیا ہے؟	۵۳۳
۳۳۹	سود کے بارے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات	۵۳۴
۳۴۰	لِکھت پڑھت	۵۳۵
۳۴۱	اسلام میں عدل وانصاف قائم کرنے کا اہم اصول یہ ہے کہ گواہوں کو کوئی تکلیف یا نقصان نہ پہنچے	۵۴۰
۳۴۲	رہن (گروی رکھنے) کے بارے میں ہدایات	۵۴۲
۳۴۳	اللہ تعالیٰ حساب کتاب لیں گے	۵۴۴
۳۴۴	تفسیر شانِ نزول	۵۴۵
۳۴۵	اجزائے ایمان	۵۴۵
۳۴۶	دعائیں	۵۴۶

تعارف نامہ

کائنات میں کچھ شخصیات ایسی بھی ہوتی ہیں جن کا وجود دنیا میں بسنے والوں کے لئے سراپا رحمت ہوتا ہے، انہیں لوگوں میں سے حضرت اقدس والد بزرگوار حضرت مولانا مفتی اصغر علی ربّانی دامت برکاتہم بھی ہیں۔

والد صاحب مدظلہم نہایت ہی سادہ مزاج اور با اخلاق انسان ہیں، ان کی ذات ستودہ صفات کئی خوبیوں کی حامل ہے، ان میں غیظ وغضب، حسد، بغض، حرص وہوس کافور ہے، بخل وحبِ مال، رعونت وتکبر، خود پسندی اور درشتی وسختی کا نام ونشان تک نہیں ہے، حرکات وسکنات میں اتباع سنت کی زیادہ فکر رہتی ہے، دوسروں کو بھی سنت نبوی پر چلنے کی ہر وقت تلقین کرتے ہیں، اور صبر وشکر، اخلاص وصدق، توکل ومحبتِ الٰہی میں ہر وقت ڈوبے رہتے ہیں۔

اظہارِ تشکر:

حضرت والد صاحب مدظلہم کے متعلقین اور چند شاگرد علماء حضرات کا اصرار رہا کہ آپ کے مبارک حالات اور دینی خدمات پر مشتمل ایک کتاب ترتیب دی جائے۔

واضح رہے کہ اکابر کے سوانح لکھنے کا ہمیشہ سے معمول چلا آیا ہے اگر چہ اس سے پورے طور پر صاحبِ سوانح کا مکمل تعارف حاصل نہیں ہوتا، تاہم اجمالی تعارف تو ہو ہی جاتا ہے، سوانحی تذکرہ کی اہمیت اور افادیت بہرحال اپنی جگہ مسلّم ہے۔

اکابر وسلف صالحین کی سوانح حیات وحالاتِ زندگی جمع کرنے کے لئے چاہے کتنی ہی تفصیل اور استیعاب سے کام لیا جائے اور حالات وواقعات کو جمع کر لیا جائے، کتنی ہی محنت وکاوش کی جائے، حقیقت یہ ہے کہ یہ سوانحی تذکرے ان بزرگوں کی مکمل شخصیت کا صحیح تعارف کرانے کے لئے قطعی ناکافی ہوتے ہیں، اور ان میں پیش کردہ

حالات ووقائع ان اکابر حضرات کے اصلی کمالات سے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتے۔

کسی شخصیت کا محض سیرت نگاری کے ذریعے مکمل تعارف کرانا ممکن ہی نہیں، اس لئے اصل چیز زیارت وصحبت ہے، جس کے ذریعے شخصیت کا صحیح تعارف ہوتا ہے۔

سیرت نگاری کا فائدہ:

جن اکابر اہل اللہ کے لئے سوانح نگاری کا اہتمام نہیں کیا گیا، اوران کے حالاتِ زندگی کو قلم بند نہیں کیا گیا تو ان میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جن کے نام کے سوا ان کے اصل حالات اور دینی خدمات سے کوئی بھی آشنا نہیں، اس لئے سیرت نگاری کسی شخصیت کے اجمالی تعارف کے علاوہ آئندہ نسلوں میں اس کے ذکرِ خیر کے باقی رہنے کا سبب بن جاتی ہے، اوراس کا دعائے ابراہیمی (وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ) سے مستحسن ہونا ثابت ہے جو صاحبِ سیرت کے لئے ذکرِ خیر کا ذریعہ ہوتی ہے اور صاحبِ سوانح کے متبعین اور متوسلین کے لئے بھی ہدایت وپیروی کے علاوہ اُنس ومحبت اور سکون قلب کا مؤثر سبب بن جاتی ہے۔

حق تعالیٰ ہم سب کو سلفِ صالحین کے نقش قدم پر چلنے اوران کے اتباع کی توفیق عطا فرمائیں۔

حضرت داداجان (مرحوم) کا مختصر تذکرہ

(جناب حکیم امام الدّین صاحبؒ)

میرے دادا کا اسم گرامی امام الدّین تھا، آپ شب بیدار، خاموش طبع، متقی اور پرہیزگار انسان تھے، ہاتھ میں ہمہ وقت تسبیح موجود رہتی اور ہر وقت ذکر قلبی سے سرشار رہتے تھے، آپ ایک بہترین حاذق طبیب تھے نہ صرف علاقہ بلکہ دور دراز سے لوگ آپ کی خدمت میں علاج کے لئے حاضر ہوتے اور بأمرالٰہی شفایاب ہوکر

واپس لوٹتے، آپ کا ایک خاص معمول یہ بھی تھا کہ کبھی کسی مریض سے چاہے غریب ہو یا صاحبِ ثروت سے علاج کرنے کے عوض پیسے طلب نہیں کرتے تھے، کسی نے دے دیئے تو ٹھیک ہے اور نہ دیئے تو مطالبہ نہیں فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ میں شفا رکھی تھی، جو بھی واپس جاتا تعریف کرتا، کبھی بھی ان کے بارے میں کسی شخص سے کوئی شکایت کے الفاظ نہیں سنے گئے۔

آپ انتہائی خوش طبع اور سادہ مزاج انسان تھے، آپ کا علماء کے ساتھ دلی تعلق تھا، اس علمی ذوق وشوق کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے اپنے اکلوتے بیٹے اور غریبی کی زندگی میں اکلوتے سہارے کو دینی تعلیم کے لئے وقف کر دیا، یہ ان کے اخلاص ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ کا صاحبزادہ محقق ومدقق عالم اور وقت کے معروف علمی اور دینی درسگاہ (جامعہ دارالعلوم کراچی) کے ممتاز عالم دین اور مفتی ہیں، اور تدریس کے میدان کے شہسوار ہیں، عربی وفارسی کی مشکل سے مشکل کتاب حل کرنے میں ان کو مہارت تامہ حاصل ہے۔

بحر حال پاکستان ہجرت فرمانے کے بعد اکثر زندگی صوبہ پنجاب کے ضلع مظفر گڑھ کے ایک شہر شاہ جمال میں گزری، آپ پیدل چلنے کے عادی تھے اور آپ کی صحت کا راز بھی یہ ہی تھا، روزانہ معمول کے مطابق صبح فجر کے بعد چہل قدمی کرتے کرتے ایک علاقے سے دوسرے علاقے اپنے رشتہ دار واقارب کی خیریت دریافت کرتے اور پھر شام کے وقت گھر میں داخل ہوتے، ایک دن اچانک سڑک پار کرتے موٹر سائیکل سوار سے ٹکر ہوگئی اور ایک ٹانگ سے معذور ہوگئے، پھر والد صاحب حضرت دادا صاحب کو علاج معالجے اور تیمارداری کے غرض سے انہیں کراچی لے آئے، حضرت والد صاحب کی رہائش ایک زمانہ تک دارالعلوم کراچی کے اندر رہی، چنانچہ دادا صاحبؒ شام کے اوقات میں عصر کے بعد اکثر اپنی وہیل چیئر پر بیٹھے ذکر واذکار میں مشغول رہتے اور اس دوران حضرت والد صاحب کے شاگرد حضرات اور دیگر طلباء ملاقات کے لئے آتے، اور جس کو کوئی جسمانی تکلیف ہوتی اور علاج دریافت کرتا تو اس کو نسخہ لکھوا دیتے اور تیار کرنے کا طریقہ بھی بتا دیتے یا منگوا کر اپنے سامنے بٹھا کر تیار کروا لیتے، چنانچہ ایک عرصہ تک اسی معذوری کی حالت میں آخری عمر گزری، اور 1998ء میں قضائے الٰہی

سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

آپ کے جنازہ میں اکابرین علمائے کرام اور طلباء کی ایک بڑی تعداد موجود تھی اور آپ کی تدفین جامعہ دارالعلوم کراچی میں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمالِ خیر کو قبول فرمائیں اور انہیں اپنے جوارِ رحمت اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں، آمین۔

مختصر تعارف

(حضرت مولانا مفتی اصغر علی ربّانی صاحب دامت برکاتہم)

پیدائش و اسم گرامی:

حضرت مولانا مفتی اصغر علی ربّانی کی ولادت باسعادت ۱۳۵۹ھ مطابق 1940ء ضلع حصار (ہندوستان) میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم:

والد صاحب دامت برکاتہم کی تعلیم و تربیت کی ابتداء اپنے آبائی علاقے (ہندوستان) سے ہوئی، آپ کو پڑھنے لکھنے کا شوق بچپن ہی سے تھا، کبھی کبھار اپنے بچپن کا ذکر کرتے ہوئے چند واقعات سناتے ہیں کہ ایسے حالات میں ہم نے تعلیم حاصل کی کہ پاؤں میں چپل نہ ہوتی تھی اور سر پر کتابوں کی گٹھری رکھ کر درسگاہ کے ساتھیوں کے ساتھ تپتی دھوپ میں دوڑ لگاتے اور جہاں کہیں درخت کا سایہ ملتا سانس لیتے اور پھر سے دوڑ لگانا شروع کر دیتے اور میلوں سفر کر کے درسگاہ پہنچتے اور پھر اسی طرح گھر واپس آتے اور صبح و شام یہی معمول تھا۔

ہجرتِ پاکستان:

آپ کی عمر تقریباً دس سال تھی جب ہندوستان کی تقسیم کا عمل وجود میں آیا، اور مسلمان سرزمینِ پاک کی طرف والہانہ ہجرت کرنے لگے، یہاں تک کہ لوگ اپنی زمینیں، تیار فصلیں، گھریلو سامان سب کچھ چھوڑ کر خالص اللہ کے لئے الگ وطن کی جانب اٹھ کھڑے ہوئے۔

حضرت دادا جانؒ بھی اپنے بال بچے لے کر اللہ کے بھروسے ہندوستان سے پاکستان پیدل ہجرت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

اور دس لاکھ افراد کے قافلے کے ساتھ بے سروسامانی میں طرح طرح کی تکلیفیں اٹھا کر تقریباً چار ماہ کی طویل پیدل مسافت طے کر کے "چشتیاں" کے مقام پر پاکستان میں داخل ہوئے، ابھی ہجرت مکمل ہوئی تھی کہ اللہ تعالٰی کی طرف سے آزمائشوں کا سلسلہ جاری تھا، ملک بھر میں سیلاب اور بارشوں نے تباہی مچا رکھی تھی اور طرح طرح کی وبائیں پھیلی ہوئیں تھی اور غم کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوگیا کہ والد صاحب کی دو (۲) دودھ پیتی بہنوں کو میری باہمت دادی جان ہندوستان سے ایک بڑے ٹوکرے میں رکھ کر سر پر اٹھا کر لائی تھیں، پاکستان پہنچتے ہی ایک ایک کر کے قضائے الٰہی سے انتقال کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، والد صاحب اکثر 14 اگست کو اپنی والدہ کی اس عظیم قربانی اور تکلیف کو ذکر کر کے غمگین ہو جاتے ہیں۔

سلسلۂ تعلیم:

چنانچہ وقت گزرتا گیا اور ہجرت کی تکلیف ڈھلنے لگیں اور زندگی آہستہ آہستہ معمول پر آئی، تو والد صاحب نے اپنی تعلیم کا سلسلہ پھر سے شروع کیا۔

اور پھر درسِ نظامی کی تعلیم (علم دین) حاصل کرنے کے لئے جامعہ خیر المدارس ملتان میں ۱۳۷۸ھ

مطابق 1959ء اپنے تعلیمی سلسلہ کو جاری رکھا، اور خداداد صلاحیتوں کی بنیاد پر ہر امتحان میں اعلیٰ نمبروں کے ساتھ کامیاب ہوتے رہے، درمیان میں موقوف علیہ کا سال آپ نے جامعہ قاسم العلوم ملتان میں تحصیل علم کے لئے گزارا۔

اور پھر دورۂ حدیث کے سال دوبارہ خیر المدارس ملتان تشریف لے آئے اور اس سال بڑے بڑے علم وعمل کے پیکر اساتذہ کرام سے دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھیں، "بخاری شریف" حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ جالندھری سے پڑھی، اور "ترمذی شریف" حضرت علامہ محمد شریف کشمیریؒ سے پڑھی اور "مسلم شریف" حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ ملتانیؒ سے پڑھی۔

دفاعِ وطن

{وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا}

ترجمہ:۔اور جس نے خدا کی راہ میں جہاد کیا، پھر شہید ہوا یا غالب آیا ہم اس کو اجرِ عظیم عطا کریں گے۔

اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ وہ جذبہ، وہ شعور،، وہ ولولہ، وہ یقین وایمان جس نے کہ پاکستان کو وجود بخشا، اسلام اور اسلامیت کا تھا۔

۱۹۴۷ء میں قائد اعظمؒ کے بے پناہ جدوجہد کے نتیجہ میں جو پاکستان دنیا کے نقشے پر جلوہ گر ہوا تھا اور جن نامساعد حالات سے گزر کر یہ ملک آگے بڑھ رہا تھا اس کو اگر کسی نے صحیح معنوں میں عزت، وقار اور استحکام بخشا ہے تو وہ صدر ایوب کی عظیم شخصیت ہے انہوں نے اپنی بے پناہ صلاحیتوں سے ثابت کردیا ہے کہ پاکستانی قوم وہ

قوم ہے جو پہاڑوں سے ٹکرا سکتی ہے، سمندروں کو پھلانگ سکتی ہے، مشکلات کے ہمالیہ اس کے سامنے انتہائی بے مایہ ہوتے ہیں، شجاعت، بسالت اور دلیری ان کی گھٹی میں ہے، آزمائش وکشاکش کے دور میں اس کا اصلی جوہر چمکتا ہے اور جب وہ اس بھٹی میں پڑتی ہے تو کندن کی طرح چمک کر نکلتی ہے اور اس کے کردار کی رفعتوں سے اس کے آباؤ اجداد کا گلستانِ تاریخ مہک اٹھتا ہے۔

والد صاحب مدظلہم یومِ پاکستان کے موقع پر اکثر ان دنوں کی روداد سنایا کرتے ہیں، 1965ء اس سال والد صاحب حفظہ اللہ جامعہ قاسم العلوم ملتان میں درسِ نظامی کے موقوف علیہ (ساتویں سال) میں زیر تعلیم تھے۔ صدر ایوب خان مرحوم نے وطن کے بیٹوں کو اسلام کے قلعے کی حفاظت کے لئے پکارا، چنانچہ والد صاحب مدظلہم نے بھی دیگر نوجوان کی طرح لبّیک کہتے ہوئے وطن عزیز کی حفاظت کے لئے خود کو پیش کر دیا۔

سنِ فراغت:

اس طرح ذوق وشوق محنت ولگن کے ساتھ آپ نے ۱۳۸۶ھ مطابق 1966ء میں دینی تعلیم کے حصول سے دورۂ حدیث میں (1000) میں سے (987) نمبرات حاصل کر کے نمایاں کامیابی حاصل کی۔

یہاں برکت کی نیت سے انوار احادیث آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر حضرت والد بزرگوار تک چند مبارک ومحبوب سندِ احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔

أصلها ثابت و فرعها في السماء

"قال الامام البخاری حدثنا المکی بن ابراهیم قال حدثنا یزید بن ابی عبید عن مسلمة هو ابن الاکوع قال سمعت النبی ﷺ یقول: من یقل علی مالم اقل فلیتبوأ مقعده من النار. (الصحیح البخاری، الجلد الأول، ص: ۲۱، قدیمی کتب خانه)"

السند المتصل في الجامع الصحيح للامام البخاری رحمه الله تعالیٰ رحمة واسعة

رحمة اللعٰلمین سیدنا محمد رسول الله ﷺ

۱	سیدنا سلمة بن الاکوع رضی اللہ عنہ	۱۴	الشیخ شمس الدین محمد بن احمد الرملی
۲	الشیخ یزید بن ابی عبید	۱۵	الشیخ ابوالمواهب احمد بن عبدالقدوس الشناوی
۳	الشیخ المکی بن ابراہیم	۱۶	الشیخ احمد بن محمد بن یونس القشاوی
۴	الشیخ الامام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری	۱۷	الشیخ ابراہیم بن حسن الکردی المدنی
۵	الشیخ ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر الفربری	۱۸	الشیخ ابوطاہر محمد عبدالسمیع بن ابراہیم الکردی المدنی
۶	الشیخ ابومحمد عبداللہ احمد السرخسی	۱۹	الشیخ الامام احمد المعروف بالشاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی
۷	الشیخ ابوالحسن عبدالرحمٰن بن مظفر بن محمد بن داؤدی	۲۰	الشیخ الشاہ عبدالعزیز المحدث الدہلوی
۸	الشیخ ابوالوقت عبدالاول بن عیسیٰ بن شعیب السجزی الھروی	۲۱	الشیخ محمد اسحاق الدہلوی والشیخ الشاہ ابوسعید الدہلوی
۹	الشیخ سراج الدین حسین بن مبارک الزبیدی	۲۲	الشیخ الشاہ مولانا عبدالغنی المحدث الدہلوی
۱۰	الشیخ ابوالعباس احمد بن ابی طالب الحجار	۲۳	الشیخ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم النانوتوی
۱۱	الشیخ ابراہیم بن احمد التنوخی	۲۴	شیخ الہند مولانا محمود الحسن الدیوبندی
۱۲	الشیخ احمد علی بن حجر العسقلانی	۲۵	الشیخ مولانا محمد یاسین السرہندی
۱۳	الشیخ زین الدین زکریا بن محمد الانصاری	۲۶	الشیخ مولانا خیر محمد جالندھری

(۲۷) فضلية الأستاذ الشيخ مولانا المفتی أصغر علی ربّانی حفظه الله تعالى

أصلها ثابت وفرعها في السماء

"قال الامام مسلم بن الحجاج حدثنا يحيى بن يحيى قال قرأت على مالك عن نافع عن ابن عمر (رضى الله تعالىٰ عنهما) أن رسول الله ﷺ قال: الذى تفوته صلوٰة العصر كأنما وتر أهله وماله. (الصحيح المسلم، الجلد الأول: ص: ٢٢٥، قديمى كتب خانه)"

السند المتصل فى الجامع الصحيح للامام مسلم رحمه الله تعالى رحمة واسعة

رحمة اللعٰلمين سيدناوحبيبنامحمد رسول الله ﷺ

۱	سیدنا عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما	۱۴	الشیخ زین الدین زکریا بن محمد الانصاری
۲	الشیخ نافع بن سرجس الدیلمی (مولیٰ ابن عمرؓ)	۱۵	الشیخ نجم الدین محمد بن احمد الغیطی
۳	الشیخ امام دارالھجرۃ مالک بن انس المدنی	۱۶	الشیخ احمد بن خلیل السبکی
۴	الشیخ یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر اللیثی المصمودی	۱۷	الشیخ سلطان محمد بن احمد المزاحی
۵	الشیخ الامام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری النیشابوری	۱۸	الشیخ ابراہیم بن حسن الکروی المدنی
۶	الشیخ ابواسحاق ابراہیم بن محمد الجلودی النیشابوری	۱۹	الشیخ ابوطاہر محمد عبدالسمیع بن ابراہیم الکروی المدنی
۷	الشیخ ابواحمد محمد بن عیسیٰ بن عبدالرحمٰن بن عمرویہ الجلودی	۲۰	الشیخ الامام احمد المعروف بالشاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی
۸	الشیخ ابوالحسین عبدالغافر بن محمد الفارسی	۲۱	الشیخ الشاہ عبدالعزیز المحدث الدہلوی
۹	الشیخ ابوعبداللہ محمد بن فضل الفراوی	۲۲	الشیخ الشاہ محمد اسحاق المحدث الدہلوی
۱۰	الشیخ مؤید بن محمد الطوسی النیسابوری	۲۳	الشیخ الشاہ مولانا عبدالغنی المحدث الدہلوی
۱۱	الشیخ فخر الدین علی بن احمد بن عبدالوحد المعروف بابن البخاری	۲۴	الشیخ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم النانوتوی
۱۲	الشیخ صلاح الدین محمد بن ابراہیم بن ابی عمر المقدسی	۲۵	شیخ الہند مولانا محمود الحسن الدیوبندی
۱۳	الشیخ احمد بن علی بن الحجر العسقلانی	۲۶	شیخ العرب والعجم مولانا السید حسین احمد المدنی

(۲۷) الشیخ المحدث المفتی مولانا محمد عبداللہ الملتانی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین

(۲۸) فضلية الأستاذ الشيخ مولانا المفتى أصغر على ربّانى حفظه الله تعالى

أصلها ثابت و فرعها في السماء

"قال الامام أبو عيسى الترمذي حدثنا اسمٰعيل بن موسى الفزاري ابن ابنة السدى الكوفى حدثنا عمر بن شاكر عن انس بن مالك قال قال رسول الله ﷺ (يأتي على الناس زمان الصابر فيهم على دينه كالقابض على الجمر). (جامع الترمذى: الجلد الأول: ص: ۵۰، ابواب الفتن)"

السند المتصل فى السنن للامام الترمذى رحمه الله تعالىٰ رحمة واسعة

سيدنا رحمة اللعٰلمين محمد رسول الله ﷺ

۱	سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ	۱۴	الشیخ نجم الدین محمد بن احمد الغیطی
۲	الشیخ عمر بن شاکر	۱۵	الشیخ شہاب الدین احمد بن خلیل السبکی
۳	الشیخ اسمٰعیل بن موسیٰ الفزاری	۱۶	الشیخ سلطان محمد بن احمد المزاحی
۴	الشیخ الامام ابوعیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ الترمذی	۱۷	الشیخ ابراہیم بن حسن الکردی المدنی
۵	الشیخ ابوالعباس محمد بن احمد بن محبوب المحبوبی المرغوزی	۱۸	الشیخ ابوطاہر محمد عبدالسمیع بن ابراہیم الکردی المدنی
۶	الشیخ ابومحمد عبدالجبار بن محمد بن عبداللہ المرزبانی	۱۹	الشیخ الامام احمد المعروف بالشاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی
۷	الشیخ القاضی ابوعامر محمود بن قاسم بن محمد الازدی	۲۰	الشیخ الشاہ عبدالعزیز المحدث الدہلوی
۸	الشیخ ابوالفتح عبدالملک بن عبداللہ بن ابی سہل الکروخی	۲۱	الشیخ الشاہ محمد اسحاق الدہلوی والشیخ الشاہ ابوسعید الدہلوی
۹	الشیخ ابوالحفص عمر بن طبرزد البغدادی	۲۲	الشیخ الشاہ مولانا عبدالغنی المحدث الدہلوی
۱۰	الشیخ فخرالدین علی بن احمد بن عبدالواحد المعروف بابن البخاری	۲۳	الشیخ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم النانوتوی
۱۱	الشیخ عمر بن ابی الحسن المراغی القاہری	۲۴	شیخ الہند مولانا محمود الحسن الدیوبندی
۱۲	الشیخ عزالدین عبدالرحیم بن علی بن الفرات	۲۵	نورالعلم والعرفان الشیخ مولانا الشاہ محمد انور الکاشمیری
۱۳	الشیخ زین الدین زکریا محمد الانصاری	۲۶	الشیخ مفسر القرآن مولانا السید شمس الحق الافغانی

(۲۷) صدر المدرسین الشیخ علامۃ محمد شریف الکاشمیری رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین

(۲۸) فضلية الأستاذ الشيخ مولانا المفتى أصغر على ربّانى حفظه الله تعالى

اساتذہ کرام:

(۱)…. حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ

(۲)…. صدر مفتی حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب ملتانیؒ

(۳)…. صدر المدرسین حضرت مولانا علامہ محمد شریف صاحبؒ کشمیری

(۴)…. شیخ الحدیث حضرت مولانا صدیق احمد فیصل آبادیؒ

(۵)…. حضرت مولانا محمد شریف صاحب

(۶)…. حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب

(۷)…. حضرت مولانا محمد اسحٰق کوہاٹی

(۸)…. حضرت مولانا سید ابوذر عطاء المنعم بخاریؒ

(۹)…. حضرت مولانا عتیق الرحمن (محمود کوٹی)

(۱۰)…. حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحبؒ ملتانی

(۱۱)…. حضرت موسیٰ خان روحانی بازیؒ۔

والد صاحب مدظلہم کے ہم درس اور ہم سبق ساتھی یہ ہیں:

(۱)…. شیخ الحدیث مولانا صدیق احمد صاحب دامت برکاتہم کے بھتیجے مولانا قاری حبیب احمد صاحب

(۲)…. رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کے بھتیجے مولانا رشید احمد صاحب

(۳)…. پیر طریقت حضرت مولانا عبداللہ صاحب بہلوی کے صاحبزادے میاں عزیز احمد صاحب

(۴)…. پیر بشیر احمد پسروری صاحب کے صاحبزادے پیر رشید احمد صاحب (پسروری)

(۵)…. صدر المدرسین علامہ محمد شریف کشمیری کے صاحبزادے کمانڈر مسعود اختر کشمیری (شہید جہاد افغانستان)

(۶).... حضرت مولانا احمد حسن صاحب (مہتمم جامعہ حقانیہ، یزمان منڈی ضلع بہاولپور)

(۷).... حضرت مولانا فیض الباری صاحب (مہتمم جامعہ مدنیہ نیو کراچی)

والد صاحب مدظلہم سے تعلیم و تربیت حاصل کرنے والے علماء و مفتیانِ کرام کی فہرست تو بہت طویل ہے، ان میں سے چند اہم شخصیات کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱).... مولانا محمد سلیم صاحب (مہتمم دار العلوم الحسینیہ، شہداد پور)

(۲).... مفتی عبد المنان صاحب (دار العلوم الحسینیہ، شہداد پور)

(۳).... مفتی محمد یونس صاحب (مہتمم دار العلوم نواب شاہ)

(۴).... مفتی محمد اویس صاحب (مہتمم دار العلوم گجرانوالہ)

(۵).... مفتی محمد نجیب صاحب (پرنسپل حرا فاؤنڈیشن اسکول جامعہ دار العلوم کراچی)

(۶).... مفتی محفوظ احمد صاحب (جامعہ اشرفیہ سکھر)

(۷).... مولانا لقمان حکیم صاحب (سول جج گلگت)

(۸).... مفتی عبد اللہ شوکت بٹگرامی (جامعہ بنوریہ سائٹ ایریا کراچی)

(۹).... مفتی محمد عمر (کینیڈا)

(۱۰).... مفتی اکرام اللہ (امریکہ)

(۱۱).... مفتی محمد شاکر (جوہانسبرگ، ساؤتھ افریقہ)

(۱۲).... مفتی شہباز (لندن)

(۱۳).... مفتی محمد شفیق (جوہانسبرگ، ساؤتھ افریقہ)

(۱۴).... مفتی عبد الحکیم صاحب (جامعہ خیر المدارس ملتان)

(۱۵).... درسون علی یلماز (ترکی)

درس وتدریس:

آپ نے دینی تعلیم سے فراغت کے بعد درس نظامی کی تدریس شروع فرمائی اور ملک کے متعدد مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، علمِ حدیث، علمِ تفسیر اور علمِ فقہ سے خصوصی لگاؤ کے پیشِ نظر آپ نے "تفسیر" میں بیضاوی شریف، جلالین، "حدیث" میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن اَبی داؤد اور سنن ترمذی اور "فقہ" ہدایہ (کامل) وغیرہ کتب کی بارہا تدریس فرمائی، اس کے بعد آپ ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء میں جامعہ دارالعلوم کراچی تشریف لائے اور تاحال جامعہ دارالعلوم کراچی میں افتاء اور تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

فتویٰ نویسی:

تحریر فتاویٰ میں بھی آپ کی خاصی خدمات ہیں، چنانچہ جامعہ دارالعلوم کراچی کے ۱۴۲۰ھ تک کے ریکارڈ کے مطابق آپ کے فتاویٰ کی تعداد (۲۷۹۱۴) تھی جو کہ آپ کی خدمت، محنت اور لگن کی آئینہ دار ہے۔

بیعت، سلوک:

جامعہ خیر المدارس ملتان اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے بانی حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ آپ کے شیخ اور مربی رہے۔

تصانیف

آسان تفسیر القرآن

والد صاحب مدظلہم نے ایک طویل تجربہ کے بعد یہ محسوس کیا کہ عوام اردو تفاسیر سے مکمل فائدہ نہیں اٹھا سکتے بلکہ صرف علماء وطلباء ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ تفسیریں اردو میں ہونے کے باوجود عوام کے لئے اس لئے ناقابلِ فہم ہیں کہ ان میں بے شمار عربی اور فارسی الفاظ اور محاورے ہیں جو کہ عوام کی عام گفتگو میں

بالکل ناپید ہیں، مختصریوں کہہ لیجئے کہ یہ تفسیریں علماء کی اردو زبان میں ہیں عوام کی اردو زبان میں نہیں ہیں، اس لئے عوام صحیح معنیٰ میں ان تفسیروں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، والد صاحب نے اس بات کو محسوس کیا اور عوام کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے" آسان تفسیر القرآن" کے نام سے آسان لفظوں میں ایک تفسیر کی کتاب ترتیب دینا شروع کی، اور یہ تفسیر دس (10) جلدوں میں الحمد للہ ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۰۱۶ء مکمل ہو چکی ہے۔

جَامِعُ التِّرْمِذِيْ وَ الْمَذْهَبُ الْحَنَفِيْ

آپ نے تقریباً سات مرتبہ صحاح ستہ کی مشہور کتاب" جامع الترمذی" اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب" ہدایہ" کی تدریس فرمائی، آپ نے اپنی علمی فراست اور قابلیت سے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور فقہ حنفی میں گہرا ربط محسوس کیا، لیکن" جامع الترمذی" میں اس کا ذکر مفقود تھا، اس کمی کو آپ نے شدت سے محسوس کیا اور پھر اس کمی کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے بھروسے" جامع الترمذی" کی ایسی شرح تحریر کرنا شروع کی جو کہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے، جس کے لئے" جامع الترمذی والمذہب الحنفی" نام تجویز فرمایا۔

یہ شرح اس انداز سے تحریر فرمائی کہ ہر حدیث کو مکمل سند کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور پھر اس حدیثِ مبارکہ کے متعلق علمائے احناف کا مؤقف بیان کرتے ہیں، اور پھر اس مؤقف کی تائید کے لئے فقہائے احناف کی انتہائی مستند اور مشہور درجنوں کتب کے حوالے عبارت، کتاب کے نام، جلد، اور صفحہ کی قید کے ساتھ نقل فرماتے ہیں، اور مزید یہ کہ تخریج حدیث بحوالہ ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ حدیث اور شرح میں کسی مشکل لفظ کی وضاحت کے لئے اردو اور عربی میں حاشیے لکھ کر شرح کو آسان فرمایا ہے۔

" جامع الترمذی" پر جو آپ نے وقیع کام کیا ہے وہ اہل علم اور طلبہ کی ایک اہم ضرورت ہے، جس پر مستقل طور پر قلم اٹھانے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے، اس سلسلہ میں کافی محنت ہوئی، درجنوں کتابوں سے ریسرچ کی گئی اور حنفی مذہب کو منقح کرنے اور مؤید بالحدیث ثابت کرنے کی کوشش کی، جس میں الحمد للہ! آپ کافی حد تک کامیاب بھی ہیں، جو کہ مذہب حنفی کی بھی بہت بڑی خدمت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آج کے مصروف ترین دور میں یہ شرح ایک بہت بڑی علمی خدمت ہے، جس میں 150 سے زائد کتب احناف کے حوالے درج ہیں، جو کہ مختصر سی لائبریری ہے 13 جلدوں میں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کتاب کی تکمیل 20 سال کی انتہائی محنت کے بعد گزشتہ رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ میں ہوئی۔

اس کتاب کی اکابر علمائے پاکستان اور چند بیرون علمائے کرام نے دعاؤں کے ساتھ ساتھ بطور تقاریظ، تائید وتوصیف فرمائی۔ جزاهم الله جزاء خيرا في الدنيا و الأخرة و متعنا الله بعلومهم و فيوضهم.

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کو صحت وعافیت کے ساتھ دنیا وآخرت کی تمام خیر وبرکات عطا فرمائے، اور ان کی اس علمی کاوش کو قبول فرمائیں، اور ہم سب کے لئے نافع بنائے۔ آمین

الفتاوى السراجية

علم فتویٰ کی ایک مستند کتاب ہے اسی وجہ سے یہ الدر المختار اور رد المحتار اور فتاویٰ عالمگیریہ کے مآخذ میں شامل ہے، لیکن یہ کتاب بے توجہی کا شکار ہونے کی وجہ سے کبھی قابل قدر انداز میں شائع نہیں ہوئی، والد صاحب دامت برکاتہم نے اس کتاب کی طرف بھرپور توجہ دیکر مختلف نسخوں سے مقابلہ کرکے اس کی اول تا آخر بے شمار غلطیوں کو دور فرمایا، پوری کتاب کی ترقیم فرمائی اور اس کی مکمل تحقیق اور تعلیق فرمائی اور جدید دور کے تقاضوں کے مطابق اسے کمپوز کرایا، عنقریب یہ کتاب انشاء اللہ تعالیٰ اہل علم تک پہنچنے والی ہے۔

فتاویٰ ربانی

فقہ اسلامی جس شکل میں آج ہمارے پاس موجود ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر آج تک ہر دور میں اُمت کے بہترین صلاحیتوں کے افراد اور اعلیٰ دِماغ کے حامل اور گہری بصیرت رکھنے والوں نے اس کی تیاری میں حصہ لیا، دُنیا کی کسی قوم، کسی مذہب اور کسی تہذیب وتمدن میں اس کی نظیر نہیں ملتی اور نہ ہی کسی قوم کے علمی ذخائر میں ایسی گہرائی اور ایسی وسعت کی مثال نہیں ملتی ہے، اگر اسلامی علوم کو ایک گلدستے سے تشبیہ دی جائے تو اس

گلدستے کا سب سے نمایاں پھول فقہِ اسلامی ہوگا، اسی فقہ کا ایک حصہ ہے جسے "فتویٰ" یا "فتاویٰ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

درحقیقت کسی سوال کے جواب میں بتائے گئے مسئلے کا نام "فتویٰ" ہے اور اس فتویٰ کا سلسلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک سے چلا آرہا ہے، کیونکہ قرآنِ کریم نے خود فرمایا ہے:

{فَسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. [النحل: ۴۳]

"پس اہل علم سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے"۔

اس زمانے میں فتویٰ کا منصب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے وابستہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوالات پوچھے جاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سوالات کے جوابات عنایت فرماتے تھے، جیسا کہ قرآن کریم میں موجود ہے کہ کئی مواقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال پوچھے گئے مثلاً: "يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ" (البقرة:۱۸۹) آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔۔۔۔"يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ" (البقرة:۲۲۰)، "يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ" (البقرة:۲۲۲) "يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى" (البقرة:۲۲۰) وغیرہ۔

اسی طرح قرآن کریم میں فتویٰ اور استفتاء کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: "يَسْئَلُوْنَكَ فِي النِّسَاءِ" (النساء:۱۲۷)۔۔۔یہ آپ سے عورتوں کے بارے میں استفتاء کرتے ہیں، "قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ" ۔۔۔آپ کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ اس طرح فتویٰ دیتا ہے۔

حضرت والد صاحب مدظلہم کو افتاء سے خصوصی دلچسپی رہی ہے اسی طرح تحریر فتاویٰ میں بھی آپ کی خاصی خدمات ہیں۔

آپ ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء میں جامعہ دارالعلوم کراچی تشریف لائے، اور اول روز سے ہی اکابر دارالعلوم کراچی نے آپ کی خداداد صلاحیتوں اور تبحر علمی کو دیکھ کر اور آپ کے اندازِ تحریر فتاویٰ کو جان کر بے انتہاء خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسی منصب کے لئے چن لیا، اور حضرت والد صاحب مدظلہم نے بھی اکابر کی امیدوں

سے بڑھ کر دن رات ایک کر کے محنت کی اور تا حال اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی سرانجام دے رہے ہیں۔

چنانچہ جامعہ دارالعلوم کراچی کے پچاس سالہ جشن کے موقع پر ۲۰۰۲ء تک جب دارالافتاء کی کارکردگی کا جائزہ لیا گیا تو والد صاحب مدظلہم کے فتاویٰ کی تعداد ستائیس ہزار نوسو چودہ (۲۷۹۱۴) تھی، فتاویٰ کی یہ تعداد دارالعلوم کراچی کے ہر ایک نائب مفتی اور ہر ایک رفیق دار الافتاء کی تعداد سے کہیں زیادہ تھی، اور فتاویٰ کی تعداد کے اعتبار سے والد صاحب، مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے بعد دوسرے نمبر پر رہے۔

فتاویٰ کی یہ تعداد آپ کی ہمت، محنت اور لگن کی آئینہ دار ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

آپ نے اب تک اپنی زندگی کا نصف حصہ تقریباً چار دہائیاں دارالافتاء دارالعلوم کراچی کی خدمت میں گزارا، ابتدائی دور میں ڈاک کا زیادہ رجحان تھا، ملک بھر سے ڈاک کی صورت میں استفتاء موصول ہوتے تھے، اور جب کبھی ڈاک زیادہ جمع ہوجاتی یا فتویٰ لکھنے والوں کی کمی ہوجاتی تو حضرت والد صاحب جمعہ کے دن (چھٹی کا دن) بھی تحقیق وتحریرِ فتاویٰ میں رات گئے تک مصروف رہتے تھے۔

اس طرح مختلف زمانوں میں حضرت والد صاحب مدظلہم کے لکھے ہوئے فتاویٰ دارالافتاء دارالعلوم کے نقلِ فتاویٰ کے بہت سے رجسٹرز میں بکھرے پڑے ہیں، چنانچہ خیال ہوا کہ ان فتاویٰ کا کوئی مجموعہ مرتب کیا جائے، چنانچہ ایک عرصہ سے اس سلسلے میں محنت ہورہی ہے کہ ایک معتد بہ حصہ مکمل کر کے "فتاویٰ ربّانی" کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا جائے، اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ ان شاء اللہ ان کی اشاعت فائدے سے خالی نہ ہوگی۔

الاحتجاج بصحیح مسلم بن الحجاج

حضرت والد صاحب دامت برکاتہم اپنی ذات میں ایک ادارہ جیسے ہیں، اللہ رب العزت نے آپ کے وقت میں بڑی برکت رکھی ہے کہ آج کے اس مصروف ترین دور میں خالق ومالک آپ سے دینِ حق کے اتنے بڑے بڑے کام لے رہے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص انعام ہے۔

علمِ حدیث جو تاجدارِ کونین سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پُرنور اقوال وافعال کا مجموعہ ہے صحیح مسلم علمِ حدیث کی ایسی کتاب جسے محدثینِ کرام نے بالاتفاق صحیح قرار دیا ہے۔

"الاحتجاج بصحیح مسلم بن الحجاج" پر آپ نے جو قلم اٹھایا ہے یہ اپنی نوعیت کا منفرد کام ہے اور طلباء وعلماء اور خاص طور پر تخصص فی الافتاء کے طلباء کے لئے انتہائی مفید کتاب ہے کیونکہ تقریباً 1400 سال میں جتنی کتابیں فقہاء احناف نے تحریر فرمائیں ہیں ان سب پر محیط ہے اور اس کتاب کی اُخص الخاص بات یہ ہے کہ جو حوالہ جات فقہاء کرام کی کتابوں سے لئے گئے ہیں ان میں بھی متقدمین فقہاء کرام کی کتابوں کو ترجیح دی گئی ہے سب سے پہلے ہمارے فقہ حنفی کے ستون اور مدون (امام محمد رحمۃ اللہ علیہ) کی دس کتابوں کو بنیاد بنایا گیا ہے، اس کے بعد "المبسوط للسرخسی، بدائع الصنائع، بحر الرائق" وغیرہ کی کتب کو ترجیح دی گئی ہے، پھر اس کے بعد فقہ حنفی کی مستند کتابوں کے حوالہ جات تحریر کئے گئے ہیں۔

یہ شرح تکمیل کے مراحل میں ہے انشاء اللہ العزیز عنقریب علماء وطلباء کی خدمت میں پیش کی جائے گی، دُعا ہے کہ یہ علم وعمل کا آفتاب، حسن وجمال کا ماہتاب، دل گیروں کا دل نواز، یونہی چمکتا، دمکتا رہے، اپنی نورانی کرنوں سے پورے عالم کو منور کرتا رہے۔ آمین۔

الخیر الجاری ﷺ مختصر صحیح البخاری

جامع صحیح البخاری کو حدیث کی عام کتابوں میں گوناگوں خصوصیات، امتیازات، اور صحت ومقبولیت کے لحاظ سے جو تفوق وبرتری حاصل ہے وہ اظہر من الشمس ہے اسی لئے جمہور محدثین کی رائے ہے کہ **أصح الکتب بعد کتاب اللہ الجامع الصحیح البخاری۔**

اللہ رب العزت نے آپ کو اپنے فضل وکرم سے آقائے دوجہاں فخر کون ومکاں حضرت سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پُرنور احادیث کے صحیح ترین مجموعہ **صحیح البخاری** کی شرح **الخیر الجاری** کی تألیف کا موقع عنایت فرمایا اس نعمت عظمٰی پر جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

حضرت والد صاحب دامت برکاتہم نے (التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح) کو معیار بنا کر "الخیر الجاری" تالیف کرنا شروع کی، کیونکہ اس میں مکررات کو حذف کیا گیا ہے۔

(التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح) علامہ ابو العباس اُحمد بن اُبی طالب الحَجّار کی تالیف ہے ابو العباسؒ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے۔

ابو العباسؒ فرماتے ہیں:

"بخاری شریف حدیث کی کتابوں میں اُعظم الکتب ہے اور اس کے فوائد سے کوئی انکار نہیں کرسکتا ہے، لیکن بخاری شریف میں مکرر حدیثیں ہیں متفرق اُبواب میں اگر کوئی شخص کسی حدیث کو تلاش کرنا چاہے تو اسے تلاش کرنے میں بڑی کوشش کرنی پڑتی ہے۔

اس سے مقصود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا کثرتِ طرق الحدیث ہے اور ہماری تالیف کا مقصود اصل الحدیث ہے تاکہ جانا جائے کہ بخاری کی تمام احادیث صحیح ہیں اور ہم نے تعددِ طرق کو مختصر کرکے اس کتاب کا نام "التجرید الصریح" رکھا۔"

"الخیر الجاری شرح مختصر صحیح البخاری" یہ تالیف سینکڑوں کتابوں کے مطالعے کا اور تدریس کتب حدیث کے تقریباً نصف صدی تجربے کا نچوڑ ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے سچی محبت کا نمونہ ہے اکابرین علماء دیوبند کے علوم کا امین ہونے کی گواہی ہے اور اس کتاب کو والد صاحب مدظلہم نے اپنے مشفق و مربی استاد حضرتِ اقدس حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے "الخیر الجاری" نام رکھا۔

بلا مبالغہ آپ کی شخصیت اس دور میں اکابر کے علم وعمل کی تابندہ مثال ہے اور اسلاف کی یادیں تازہ کرنے میں آپ کا وجود مسعود اپنی مثال آپ ہے۔

علامہ محمد اقبالؒ کا یہ شعر آپ کی شخصیت کی عکاسی کرتا ہے:

اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل — اس کی ادا دلفریب اس کی نگہ دلنواز
نرم گفتگو گرم دم جستجو — رزم ہو یا بزم پاک دل و پاک باز

آپ کے مسائل کا حل

اللہ تبارک وتعالیٰ کا دین اور اس کے اَحکامات قرآن کریم اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں مسلمانوں کو عطا ہوئے، اب ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام معاملات خواہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، انہیں شریعتِ اسلامی کے مطابق استوار کرے، کیونکہ یہ شریعت آخری شریعت ہے اور قیامت تک آنے والے لوگوں کے لئے یہی شریعت راہنمائی اور ہدایت کا ذریعہ ہے۔

"آپ کے مسائل اور ان کا حل" کے نام سے مختصر سوال وجواب میں عام زندگی میں پیش آنے والے بہت سارے مسائل کو کتابی صورت میں جمع کیا گیا ہے، تاکہ بہت سارے مسائل کے جواب سے واقفیت ہو اور ضرورت پڑنے پر عمل کیا جاسکے یا دوسرے کو بتایا جاسکے۔

"آپ کے مسائل اور ان کا حل" کی چند خصوصیات یہ ہیں:

(۱)....تمام سوالات کے جوابات عام فہم آسان انداز میں دیئے گئے ہیں، علمی انداز جو فتویٰ نویسی کا خاص انداز ہے اس سے اجتناب برتا گیا ہے۔

(۲)....مسائل کے جوابات عام فہم اور سہل ہونے کے باوجود متانت وثقاہت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنے دیا گیا۔

(۳)....صرف سوال کے جواب پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ بہت سی جگہوں پر ضرورت کے تحت مشورہ بھی دیا گیا ہے۔

(۴)....اختلافی مسائل سے عموماً اجتناب کیا گیا ہے۔

(۵)....عام طور پر جواب میں اختصار کو ملحوظ رکھا گیا ہے، کہیں کہیں تفصیل سے جواب بھی دیئے گئے ہیں۔

(۶)....عمومی انداز کی بنا پر عام طور پر مسئلہ بتادیا گیا، حوالہ جات کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

(۷)....ایک ہی جلد میں تقریباً تمام موضوعات (عقائد وایمانیات، طہارت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خرید وفروخت، معاملات وغیرہ) اور روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے دیگر مسائل کو یکجا مرتب کیا گیا ہے۔

از قلم

عُبید الرّحمٰن ربانی

(فاضل: جامعہ دار العلوم کراچی)

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

قرآن مجید کی تلاوت کیلئے ہمیں اسکی اہم اور بنیادی باتیں معلوم ہونی چاہئیں قرآن مجید چونکہ سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے اسلئے سب سے پہلے پیغمبروں اور وحی کے بارے میں چند ضروری باتیں سمجھ لینی چاہئیں۔

خاص خاص پیغمبروں کا بیان

پیغمبروں کے تین طبقے: پہلا طبقہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام تک ہے، دوسرا طبقہ حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام تک ہے، تیسرا طبقہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ہے۔

پہلے طبقے میں حلال وحرام کی بابت کوئی شریعت نہیں تھی صرف وظائف اور آداب تھے، دوسرے طبقے میں حلال وحرام اور عبادت کیلئے شریعت مقرر ہوئی جسکا ذکر سورۂ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۳ میں موجود ہے اور جیسا کہ شفاعت کی حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے صاحب شریعت پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام ہوئے اور آپ کی شریعت میں پیغمبر کے مخالفوں سے جہاد کا حکم نہ تھا بلکہ مخالفین عذاب الٰہی سے ہلاک کردیئے جاتے تھے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی اور جہاد کا حکم نازل ہوا اور یہ حکم تا قیامت جاری رہے گا، گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تیسرا طبقہ شروع ہوا۔

زمین وآسمان کی پیدائش کب کی ہے؟ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور ابلیس کو حکم دیا کہ بطور تعظیم آدم کو سجدہ کرو تو فرشتوں نے

سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا اور تکبر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے روگردانی کی جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلیے مردود ہو گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: حضرت آدم علیہ السلام کو زمین کی مختلف مٹیوں سے ملا کر بنایا گیا جس میں ہر طرح کی مٹی شامل تھی، پھر اس میں روح ڈال دی اور جنت مین داخل ہونے سے پہلے حضرت حوا علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کیا پھر شیطان کے فساد سے وہ جنت سے نکلے تو اولاد کا سلسلہ میاں بیوی کے ملاپ کے ذریعے جاری کیا گیا، جس وقت حضرت آدم علیہ السلام کے پتلے میں روح پھونکی گئی تو انکو چھینک آئی اور انہوں نے "الحمدللہ" کہا اور اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے جواب میں "یَرْحَمُكَ اللّٰهُ" فرمایا۔

روح پھونکنے سے پہلے شیطان انکے پتلے کو دیکھ کر کہتا تھا کہ یہ کسی بڑے کام کیلیے بنایا گیا ہے پتلے کو اندر سے خالی دیکھ کر یہ بھی کہا کرتا تھا کہ اگر اس میں جان پڑی تو پیٹ میں بات نہ ٹھہرے گی حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے تک زمین پر جن آباد تھے پھر انکے فساد کی وجہ سے فرشتوں نے ان کو زمین سے بیدخل کر دیا پھر اسکے دو ہزار سال بعد حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے نکلنا: اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو جنت میں داخل کرنے کے بعد فرمایا تھا کہ جنت میں سے تمام نعمتیں کھاؤ مگر اس درخت سے کچھ مت کھانا بلکہ اس کے قریب بھی نہ جانا لیکن شیطان نے حضرت آدم وحوا علیہما السلام سے قسم کھا کر کہا کہ اسکے کھانے سے تم ہمیشہ کی زندگی کے مالک بن کر فرشتوں کی طرح ہو جاؤ گے، چناچہ حضرت آدم وحوا علیہما السلام دونوں نے اس ممنوعہ درخت سے کھالیا، جسکی وجہ سے ان سے جنت کا لباس اتر گیا اور وہ اپنے اوپر پتے لپیٹنے لگے۔

اللہ نے حضرت آدم وحوا علیہما السلام دونوں کو پکارا تم نے یہ کیا کیا؟ کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے نہیں روکا تھا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ابلیس سمیت زمین پر اتار دیا اور فرمایا تم زمین میں اپنی محنت مشقت کی روٹی کھاؤ گے، یہ دونوں زمین میں اتار دیئے جانے کے بعد ایک عرصہ تک ایک دوسرے سے جدا رہے حضرت

آدم علیہ السلام کو سری لنکا کے قریب اتارا گیا اور حضرت حوّا علیہا السلام کو جدّہ اور سانپ کو اصفہان میں، بالآخر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مقام عرفات میں آپس میں ملاقات ہوئی۔

اسکے بعد وہ دونوں گھریلو زندگی گزارنے لگے اور انکی زندگی میں سب سے پہلا بیٹا انکے ہاں قابیل پیدا ہوا پھر ہابیل پیدا ہوا شادی کے جھگڑے اور نیز قابیل کے ہدیہ قبول نہ ہونے اور ہابیل کے قبول ہونے کی وجہ سے قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا جس سے حضرت آدم وحوّا علیہما السلام کو بہت رنج ہوا پھر اسکے بعد ان سے کثرت سے اولاد پیدا ہوئی پھر انکی زندگی ہی میں انکی اولاد سے لاتعداد اولاد پیدا ہوئی، بالآخر حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے ہم شکل بیٹے حضرت شیث کو اپنا قائم مقام بنا کر (930) برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

حضرت نوح علیہ السلام: حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام تک سولہ سو بیالیس برس کے عرصہ میں جو دس پشتیں پیدا ہوئیں انکے سب لوگ نیک تھے، عبادت اور خدائی تعلیم کے پابند تھے، قرآن شریف اور دیگر آسمانی کتابوں میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی پیدائش کے بعد لوگ اپنے بزرگ جو مر جاتے تھے انکے مجسّے (یعنی بُت) بنا کر پوجنے لگے اور اللہ سے مدد مانگنے میں انکو سفارش کرنے والے قرار دینے لگے بلکہ ان مرے ہوئے بزرگوں کی ایسی عزّت کرنے لگے جس طرح اللہ کی عزّت کرتے تھے اور انکی روحانی طاقتوں سے مدد مانگتے تھے اور زناکاری کا زور ہونے لگا، زمین پر انسان کی بدی بڑھ گئی اور خیالات خراب ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ میں تمام انسانوں اور جانوروں کو جو زمین میں بستے ہیں صفحہ ہستی سے مٹانے والا ہوں اور ساتھ ہی ارشاد ہوا تم کو اور تمہارے اہل وعیال کو اور ان لوگوں کو جو تم پر ایمان لائے ہیں اس عذاب سے بچاؤں گا اور تم اپنے ساتھ کشتی میں ہر جاندار کا ایک ایک جوڑا رکھ لینا جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی تیار کر لی تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا اور یہ پانی ڈیڑھ سو دن (یعنی پانچ ماہ) تک اسی طرح برستا رہا اور زمین پر ہر طرف پانی ہی پانی پھیل گیا، یہاں تک کہ بلند سے بلند پہاڑ سے بھی پانی کی سطح پندرہ ہاتھ بلند ہوگئی اور اس طرح تمام جاندار روئے زمین پر ختم ہوگئے، آخر سات ماہ بعد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ (ارارات)

پر جا ٹکی اور دنیا میں نئے سرے سے انسانی زندگی کا آغاز ہوا، چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: " وَ غِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَ اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَ قِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ " اور پانی خشک ہو گیا اور طوفان ختم ہو گیا اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹک گئی اور کہا گیا کہ ظالموں کی بربادی ہو، طوفان میں حضرت نوح علیہ السلام کا ایک لڑکا کنعان بھی غرق ہو گیا، کشتی میں جو لوگ بچ گئے تھے انکی کوئی اولاد نہ ہوئی اسکے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے نسل آگے بڑھی، اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ: تیری نسل سے دنیا کو دوبارہ آباد کرونگا، چنانچہ موجودہ آبادی حضرت نوح علیہ السلام کی نسل سے ہے، اسی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام کو آدمِ ثانی کہا جاتا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام: حضرت نوح علیہ السلام کے بعد انکی نسل سے ایک شخص عاد بن ارم پیدا ہوا اسی کے زمانے میں مشہور صاحب عظمت اور حکمران قومِ عاد اولیٰ کی بنیاد پڑی اور جب یہ قوم انتہائی عروج پر پہنچی تو انہوں نے صحیح مذہب چھوڑ کر بھٹکنا شروع کر دیا اور طرح طرح کی برائیاں ان میں پیدا ہو گئیں، انہوں نے بھی اپنے بزرگوں اور بڑے آدمیوں کے ہم شکل بت بطور یادگار بنا کر انکی پرستش شروع کر دی اور اپنے سرداروں اور بادشاہوں کے بڑے بڑے مقبرے بنا کر انکے ذریعہ مرادیں مانگنے لگے اور اس طرح ساری قوم رفتہ رفتہ شرک میں مبتلا ہو گئی، آخرکار حضرت ہود علیہ السلام اس قوم کی ہدایت کیلئے بھیجے گئے مگر حضرت ہود علیہ السلام کی تمام کوششوں کے باوجود وہ قوم نہ سنبھلی اور انکو جھٹلاتی رہی۔

قوم عاد کی تباہی: اسی طرح یہ قوم بھی پورے عروج پر تھی حضرت ہود علیہ السلام مسلسل پچاس سال تک وعظ و نصیحت کرتے رہے لیکن وہ قوم انکو جھوٹا سمجھتی رہی آخر انہوں نے مجبوراً انکے لئے بددعا کی تین برس تک بارش نہیں ہوئی اور سارے چشمے وغیرہ خشک ہو کر رہ گئے اسکے بعد بھی حضرت ہود علیہ السلام انکو سمجھاتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے رہے اسکے باوجود بھی ان میں سے بہت سے لوگ ایمان نہیں لائے، آخرکار حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: اے قومِ عاد! مجھے جو پیغام پہنچانے کا حکم تھا وہ میں نے تم تک پہنچا دیا اب تمہاری ہلاکت یقینی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک اور سخت آندھی چلی جو مسلسل سات دن اور آٹھ راتیں چلتی رہی،

جسکے نتیجے میں قوم عاد اور جو کچھ انہوں نے بنایا تھا خاک کا ڈھیر ہو کر رہ گیا اور حضرت ہود علیہ السلام اپنے پیروکاروں سمیت اس طوفان سے محفوظ رہے۔

حضرت صالح علیہ السلام: قوم عاد کی تباہی کے بعد ثمود کی قوم کو عروج حاصل ہوا، جب تک وہ عاد کی قوم کی تباہی کو اپنے سامنے رکھ کر چلتے رہے اور حضرت ہود علیہ السلام کی شریعت اور اس دور کے علمائے کرام کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے رہے دن بدن انکو ترقی نصیب ہوئی اور اس قوم نے شام کے علاقوں میں اپنی یادگاریں قائم کیں، اسکے علاوہ پہاڑوں کو تراش کر ان میں بڑے بڑے محل بناتے تھے جنکے آثار آج بھی مدینہ اور شام کے درمیانی علاقوں میں پائے جاتے ہیں وقت جوں جوں گزرتا گیا انکے دلوں میں تاریکی پھیلتی گئی اور اس پر حکومت کے نشے نے انکا دماغ خراب کردیا، بُت پرستی اور کفر و شرک کا وہی پرانا طریقہ اختیار کرلیا اور اللہ تعالیٰ کو بھلادیا، چنانچہ اس قوم میں حضرت صالح علیہ السلام خدا تعالیٰ کا پیغام لیکر آئے شروع میں ان لوگوں نے انکا مذاق اڑایا، پھر ان سے کہا اگر تو سچا ہے تو کوئی معجزہ دکھا، حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا! تم خود بتاؤ کیا معجزہ دیکھنا چاہتے ہو؟ آپس میں مشورہ کرنے کے بعد انہوں نے کہا سامنے جو بڑی چٹان ہے اس میں سے دس ماہ کا حاملہ بڑی اونٹنی نکلے جو ہماری آنکھوں کے سامنے بچہ دے، جب وہ اونٹنی نکلی تو لوگوں نے انکو جادوگر بتایا، اس اونٹنی نے آگے بڑھ کر انکے تالاب اور چشموں کا سارا پانی پی ڈالا، ان لوگوں کو بہت فکر لاحق ہوئی اور انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے اسکی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا! کہ ایک دن تمہارے مویشی پانی پیا کریں اور ایک دن یہ اونٹنی اور ساتھ ہی یہ بھی تنبیہ کی کہ خبردار! اس اونٹنی کے نقصان کے درپے نہ ہونا، مجھے تمہاری نیت میں کچھ گڑبڑ معلوم ہوتی ہے، اگر تم نے اسے قتل کیا تو سمجھ لینا تمہاری خیر نہیں، لیکن وہ کب ماننے والے تھے آخر ایک دن جب اونٹنی چشمے پر پانی پینے آئی تو انہوں نے اسکے پاؤں کاٹ ڈالے، حضرت صالح علیہ السلام کو جب اطلاع ملی تو فرمایا: چوتھے روز تم سب ہلاک ہوجاؤ گے، اسکے بعد وہ مکّہ کی طرف روانہ ہوگئے اور وہیں انتقال فرمایا، جیسا کہ انہوں نے فرمایا چوتھے دن ایک شدید زلزلہ آیا اور ساری قوم تباہ و برباد ہوگئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق تاریخ دانوں کا کہنا یہ ہے کہ انکی پیدائش بابل شہر میں ہوئی، انکے والد کا نام (آزر) تھا اور شاہی دربار میں انکی بہت عزت تھی ایک رات نمرود نے خواب دیکھا جس کی نجومیوں نے یہ تعبیر دی کہ اس سال آپکی حکومت میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو آپ کو بہت نقصان پہنچائیگا، اس پر شاہی احکام صادر ہوئے کہ سال کے آخری دن تک جتنے لڑکے ملک میں پیدا ہوں سب کو قتل کردیا جائے، اتفاق کی بات ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کو بھی حمل رہ گیا آزر بادشاہ کا بڑا خیر خواہ تھا اسکا ارادہ تھا کہ اگر لڑکا پیدا ہوا تو فوراً قتل کردیا جائے، جب ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تو آزر کسی سفر پر گیا ہوا تھا بعد میں جب آزر کو معلوم ہوا تو وہ قتل کے ارادے سے باز رہا اور اس طرح ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کی ہدایت کیلئے زندہ رہے، آخر جب وطن میں انکے خلاف تکلیف رسائیاں بڑھ گئی تو وہ اپنی بیوی سارہ اور اپنے بھتیجے لوط کیساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے اور کنعان میں جا کر رہنے لگے، وہاں کچھ ایسی برکت ہوئی کہ بڑے مالدار ہوگئے اور ہزاروں مویشی جمع ہوگئے ایک عرصے تک حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام ایک ہی جگہ رہتے رہے لیکن مویشیوں کی کثرت اور جگہ کی کمی کی وجہ سے ایک دوسرے کے مشورہ کے بعد حضرت لوط علیہ السلام شمال کی طرف اپنے متعلقین کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔

حضرت لوط علیہ السلام: آگے چل کر وہ سدوم اور عمورہ کی آبادیوں کے قریب پہنچے یا آس پاس یہ بستیاں اس زمانے میں بہت آباد تھیں اور لوگ خوشحال تھے ایک عرصے تک قرب وجوار میں قحط پڑا اور لوگ ان بستیوں میں اناج مانگنے اور خریدنے آنے لگے جب یہ لوگ زیادہ مقدار میں آنا شروع ہوئے تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس طرح اگر یہ لوگ آتے رہے تو ہمارا غلہ اور مال ودولت ختم ہوجائیگا آخر یہ طے پایا کہ جب یہ لوگ آیا کریں تو ان لوگوں کے ساتھ زبردستی بدفعلی کیا کرو اس طرح بے عزتی ہونے پر وہ آنا بند کردیں گے رفتہ رفتہ وہ لوگ اس کے عادی ہوگئے اور آس پاس کے لوگوں پر بھی اسکے اثرات پھیلنے لگے اس طرح لوگوں میں یہ گندی عادت پڑگئی، آخر حضرت لوط علیہ السلام نے انکو سمجھانا شروع کیا اور اسکے برے نتائج کی طرف توجہ دلائی لیکن

بھلا وہ کب ماننے والے تھے، آخر جب وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انکی بستیاں الٹ دی گئیں اور وہ اپنے اپنے انجام کو پہنچے۔

حضرت شعیب علیہ السلام: اسکے بعد حضرت شعیب علیہ السلام نے مدین میں وعظ ونصیحت شروع کی اور لوگوں کو سمجھایا کہ تم اپنی دولت اور حکومت پر بھروسہ نہ کرو اور ناپ تول میں لیتے وقت زیادتی اور دیتے وقت کمی نہ کرو اس طرح بے ایمانی کرنا اللہ کے حکم کے خلاف ہے، لیکن ان لوگوں نے کہا بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے جو ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں ہم تو وہی کرینگے تم تو سیدھے سادھے آدمی ہو بھلا ان باتوں کو تم کیا جانو؟

حضرت شعیب علیہ السلام بڑے حاضر جواب اور خوش بیان پیغمبر گزرے ہیں انہوں نے فرمایا ''اے میری قوم میری مخالفت نہ کرو کہیں تمہیں، ہود کی قوم، صالح کی قوم اور لوط کی قوم کی طرح عذاب نہ پہنچے، مدین والے اور ایکہ والے بڑے لالچی تھے، دیتے وقت کم تولتے تھے اور دوسروں سے لیتے وقت زیادہ لیتے تھے، آخر ایک دن ان کو بھی اپنی سزا بھگتنی پڑی اور اچانک ایک کالے بادل کے ٹکڑے سے ان پر آگ برسی اور زلزلے نے انکی بستیوں کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں، جس سے سوائے حضرت شعیب علیہ السلام اور انکے ماننے والوں کے سب لوگ تباہ و برباد ہوگئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی والدہ سے معلوم ہوگیا تھا کہ وہ بنی اسرائیل سے ہیں انہیں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ ہارون تمہارا بھائی اور مریم بہن ہے آہستہ آہستہ انہوں نے بنی اسرائیل کی تکلیفوں اور معاشرتی بے بسی کو محسوس کیا اور ایک روز جب انہوں نے قبطی افسر کو دیکھا کہ وہ اسرائیلی مزدور کو بری طرح مار رہا ہے تو وہ بے قابو ہوگئے انہوں نے قبطی افسر کو اس سے باز رکھنے کیلئے بطورِ پیغمبرہ ایک گھونسا مارا جس سے وہ مرگیا جب انہوں نے یہ سنا کہ انکی گرفتاری کیلئے شاہی حکم آنے والا ہے تو وہ مدین چلے گئے، اس علاقے میں ایک نیک بزرگ رہتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انکی بکریاں چرانے پر اس شرط کیساتھ نوکری کرلی کہ آٹھ برس بعد انکی ایک بیٹی سے نکاح ہوجائیگا میعاد پوری ہونے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی کو لیکر

واپس مصر کے ارادے سے روانہ ہوئے، سفر کے دوران ایک رات اچانک انکی بیوی کو بچے کی پیدائش کی تکلیف شروع ہوئی، یہ ایک پہاڑی علاقہ تھا اور سردی خوب زوروں پر تھی اس وقت آگ کی سخت ضرورت تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دور آگ دکھائی دی جب قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک ہرے بھرے درخت کا اوپر والا حصہ روشن ہے، اس منظر کو دیکھ کر وہ کچھ گھبرا سے گئے اچانک آواز آئی ''ڈرو مت! میں اللہ ہوں یہ مقامِ ادب ہے اپنی جوتی اتار کر آگے آؤ'' پھر ارشاد ہوا: اے موسیٰ! یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ عرض کیا پروردگار! میری لاٹھی ہے اس سے بکریوں کیلئے پتے جھاڑتا ہوں اور اسکے علاوہ یہ اور کام بھی دیتی ہے، ارشاد ہوا: اسکو پھینک دو زمین پر لاٹھی گرتے ہی اژدہا بن گئی اور گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ چاندی کی طرح چمکنے لگا اسکے بعد حکم ہوا کہ مصر روانہ ہو جاؤ چونکہ فرعون مصر نے بڑا ظلم ڈھا رکھا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس مظلوم قوم (بنی اسرائیل) کو ظالم بادشاہ کے پنجے سے چھڑاؤں۔

حضرت عزیر علیہ السلام کا سو برس بعد زندہ ہونا: جب بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کر کے تمام شہر کو گرا دیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی مسجد بھی ڈھادی گئی تو اس تباہی کو دیکھ کر حضرت عزیر علیہ السلام کو خیال آیا کہ اب یہ علاقہ بھلا کیا آباد ہو سکے گا، اسی وقت اللہ کے حکم سے حضرت عزیر علیہ السلام کی روح قبض کر لی گئی اور جب انہیں دوبارہ زندہ کیا گیا تو انہوں نے دیکھا کہ شہر آباد ہو چکا ہے اس دوران میں تقریباً ایک سو سال کا عرصہ گزر چکا تھا جب یہ علاقہ انکی آنکھوں کے سامنے آباد ہوا انکی سواری کے جانور کی ہڈیوں پر انکے سامنے گوشت چڑھایا گیا ان کا کھانا باوجود سو سال گزرنے کے خراب نہ ہوا تو انہوں نے کہا "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اور اس وقت بابل والوں کے بجائے اس شہر پر ایرانیوں کا قبضہ تھا اسکا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام: اسی دور کے ایک مشہور پیغمبر حضرت ایوب علیہ السلام ہیں یہ اپنے وقت کے بڑے دولت مند انسان تھے ہزاروں مویشی تھے اور سینکڑوں خدمت گزار ہر وقت موجود رہتے تھے اور اولاد بھی بہت تھی،

لیکن اسکے باوجود بھی حضرت ایوب علیہ السلام ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور اسکی نعمتوں کا شکر ادا کرتے تھے تورایت میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے پوچھا کہ تو نے ایوب جیسا عبادت گزار اور اللہ شناس انسان کہیں دیکھا ہے شیطان نے کہا انکے پاس خوب مال و دولت ہے اور مزے کرتے ہیں ایسی حالت میں اگر عبادت کی تو کیا، کمال تو یہ ہے کہ اگر یہ دولت ان سے چھین لی جائے اور عیش و آرام کی زندگی باقی نہ رہے اسکے باوجود عبادت کرتے رہیں اور اسی طرح شکر گزاری کی زندگی گزاریں تو میں سمجھوں گا کہ سچا عبادت گزار ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر ایسا ہی ہے تو جا میرے اس نیک بندے کو آزما کر دیکھ لے میں تجھے اختیار دیتا ہوں کہ تو اسکی ایک ایک چیز کو تباہ کر کے دیکھ سکتا ہے، چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش شروع ہوگئی، سب سے پہلے ایک خدمت گار نے آکر اطلاع دی کہ ہم لوگ ہل چلا رہے تھے اور کچھ مویشی اِدھر اُدھر چرتے پھر رہے تھے ڈاکوؤں نے حملہ کیا اور سارے جانور ہنکا کر لے گئے اور جتنے نوکر وغیرہ تھے سب کو قتل کر دیا صرف میں بچا ہوں جو آپ کے پاس اطلاع دینے آیا ہوں ابھی یہ شخص پورا حال بیان کرنے نہ پایا تھا کہ ایک دوسرا خدمت گار گھبرایا ہوا آیا کہ کسدی قوم کے چوروں کی ایک جماعت آپ کے تمام ملازموں کو قتل کر کے سارے اونٹ لے گئی اسکے بعد ایک اور نوکر آیا اور بتایا کہ آپ کے تمام بیٹے اور بیٹیاں جس گھر میں ایک جگہ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے اچانک آندھی کی وجہ سے اسکی چھت گر پڑی اور وہ سب دب کر مر گئے، حضرت ایوب علیہ السلام نے یہ سب خبریں صبر کیساتھ سنیں اور تعالیٰ کی سامنے سجدے میں گر پڑے اور فرمایا کہ: میں ماں کے پیٹ سے اکیلا پیدا ہوا تھا یہ سب کچھ آپ ہی کا دیا ہوا تھا اور آپ ہی نے لے لیا۔

اسکے بعد حضرت ایوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی عبادت پہلے سے بھی زیادہ کرنے لگے شیطان کو ایک حد تک شکست ہو چکی تھی لیکن وہ اس پر بھی باز نہ آیا اور کہنے لگا کہ ابھی تو وہ تندرست ہیں ہاں بیماری اور جسمانی تکالیف کے باوجود اسی طرح عبادت کرتے رہیں تو میں انکو تیرا سچا بندہ سمجھونگا یہ دوسرا حربہ تھا جو اس نے حضرت ایوب علیہ السلام کی شکر گزاری کو نیچا دکھانے کیلئے استعمال کیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تو یہی چاہتا ہے تو یوں بھی آزما کر دیکھ

لے، تب شیطان نے انکے جسم پر ہاتھ پھیرا جسکی وجہ سے سارے جسم میں پھنسی پھوڑے نکل آئے، اسکے باوجود وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرتے رہے، ایک روز انکی بیوی نے جو ہر وقت انکی خدمت کرتی رہتی تھیں کہا کہ آپ ہمیشہ اللہ کا شکر ہی ادا کرتے رہیں گے کتنی کتنی مصیبتیں ہم پر پڑیں لیکن آپ نے کبھی شکایت نہیں کی اس پر حضرت ایوب علیہ السلام سخت ناراض ہوگئے اور فرمایا کہ: یہ بھی کوئی انصاف ہے کہ ہمیشہ اچھی چیزوں کی امید رکھیں اور دکھ تکلیف پہنچے تو گھبرا جائیں یا اپنے پیدا کرنے والے کی شکایت کرتے پھریں آخر جب ان تمام آزمائشوں میں حضرت ایوب علیہ السلام پورے اترے اور شیطان کو منہ کی کھانی پڑی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر تندرست کر دیا اور پہلے سے زیادہ مال و دولت عطا فرمایا اور انہوں نے ایک سو چالیس برس کی عمر تک بڑی پرسکون زندگی گزاری۔

حضرت یونس علیہ السلام: حضرت یونس علیہ السلام کو حکم ملا کہ آپ نینوا شہر میں جا کر وہاں کے باشندوں کو ہدایت کریں اور انہیں برے کام سے بچنے کی تلقین کریں، چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا مگر جب لوگوں کی نافرمانی حد سے بڑھ گئی اور وہ کسی طرح سیدھے راستے پر نہیں آئے اور آپ کے قتل کے درپے ہوئے تو آپ نے انکو عذاب کی خبر سنائی اور خود اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کئے بغیر ترسین کی طرف جانے والی ایک کشتی میں سوار ہوگئے، کشتی روانہ ہوئی اور جب سمندر کے بیچ میں پہنچی تو سخت طوفان آ گیا، جب خطرہ زیادہ بڑھ گیا تو طے پایا کے قرعہ ڈالا جائے کہ کس کی وجہ سے ہم پر یہ بلا نازل ہوئی، قرعہ میں حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا اس پر کشتی والوں نے انہیں سمندر میں ڈال دیا طوفان فوراً رک گیا اور حضرت یونس علیہ السلام کو سمندر میں ایک بڑی مچھلی نے نگل لیا اور کئی دن تک اس مچھلی کے پیٹ میں زندہ سلامت رہے، آخر اسی حالت میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور اس اندھیرے سے نجات پائی، کچھ دنوں بعد اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نینوا شہر میں داخل ہوئے، اس وقت شہر کی آبادی ایک لاکھ سے اوپر تھی، نینوا والوں نے اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہونے سے پہلے معافی مانگ لی اور اس طرح عین وقت پر وہ تباہی سے بچ گئے۔

حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام: حضرت زکریا علیہ السلام کا زمانۂ نبوت وہ تھا جب کہ

بنی اسرائیل پر رومیوں کی حکومت تھی اور قیصر کی طرف سے انطیفس بن ہیرودس بیت المقدس کا گورنر تھا حضرت زکریا علیہ السلام اس وقت بیت المقدس میں ایک خادم کی حیثیت سے رہتے تھے، آپ کافی بوڑھے ہو چکے تھے اور آپ کی بیوی ایشع بھی بوڑھی اور بانجھ تھیں ایک روز عبادت کے دوران حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا مانگی کہ پردگار مجھے ایک وارث عطاء فرما وہ توریت کے حکموں کی حفاظت کرے، اسی وقت ایک فرشتہ آپ پر ظاہر ہوا اور بتایا کہ تمہاری بیوی بہت جلد حاملہ ہوگی اور اسکے پیٹ سے ایک پیغمبر پیدا ہوگا، تم اسکا نام یحیٰی رکھنا، آپ نے تعجب سے فرمایا! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے، فرشتہ نے جواب دیا! کہ ایسا ہی ہوگا اور اسکی علامت یہ ہے کہ جب حمل ٹھہر جائیگا تو تین دن تک تم کسی سے گفتگو نہ کرسکو گے اور صرف اشارے سے بات کرو گے، کچھ دنوں بعد حضرت یحیٰی علیہ السلام پیدا ہوئے جنہوں نے جنگل میں پرورش پائی، لوکی اور شہد پر گزارہ کرتے رہے، حضرت یحیٰی علیہ السلام بیت المقدس میں تشریف لائے اور وعظ و نصیحت شروع کی تو راہبوں اور یہودیوں نے مخالفت شروع کی اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچانا شروع کردیں، بیت المقدس کے گورنر انطیفس نے اپنی بھاوج سے اپنے بھائی کی حیات میں اس سے طلاق دلوائے بغیر شادی کرلی تھی، مفسدوں کو موقع ملا اور انہوں نے لوگوں کے سامنے حضرت یحیٰی علیہ السلام سے پوچھا کہ جو شخص ایسا کرے آپ کا اسکے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ نے بے دھڑک فرمایا کہ وہ زانی ہے، پھر کیا تھا فوراً انطیفس کو اطلاع دی گئی اس نے آپ کو اپنے سامنے بلا کر اسکی تصدیق کی تو آپ نے جو حق بات تھی اسکے سامنے بھی صاف صاف بیان کردی اور اس طرح حضرت یحیٰی علیہ السلام اس ناپاک سازش کی بناء پر شہید کردیئے گئے، چغلخوروں نے یہ بھی کہا کہ اس کا باپ زکریا بھی بہت خطرناک آدمی ہے اور اس قسم کی باتیں کرتا ہے تو درباری اسکی تلاش میں بھی روانہ ہوگئے مگر وہ اطلاع پاکر پہلے ہی جنگل میں جا چھپے تھے، آخر راہبوں کو اجازت ملی کہ وہ خود ہی تلاش کرکے قتل کر ڈالیں یہ برابر جنگل میں حضرت زکریا علیہ السلام کو تلاش کرتے رہے حضرت زکریا علیہ السلام ایک درخت کی کھوہ میں چھپ گئے تھے اتفاق سے چادر کا ایک کونا باہر سے نظر آرہا تھا ان بدبختوں نے اس سے اندازہ لگایا اور درخت کیساتھ انہیں بھی آرے سے

کاٹ کر شہید کر دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام: جس زمانے میں حضرت یحییٰ علیہ السلام اور انکے والد حضرت زکریا علیہ السلام کو یہودیوں نے سازش کر کے شہید کر دیا تھا، اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل میں موجود تھے، حضرت زکریا علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم کے خالو تھے، جس طرح حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی ایشع بانجھ تھی اسی طرح دوسری بہن حنہ زوجہ عمران بھی بانجھ تھیں، حضرت حنہ نے یہ منت مانی تھی کہ اگر میرے ہاں اولاد پیدا ہو جائے تو میں بیت المقدس کی خدمت کیلئے مقرر کر دونگی، اتفاق سے انکے پیٹ سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جسکا نام مریم رکھا گیا اور حضرت حنہ انکو مسجد کی خدمت کیلئے لے گئیں، پہلے تو عبادت گاہوں کے خدمت گاروں نے لڑکی کو لینے سے انکار کر دیا لیکن حضرت زکریا علیہ السلام کے سمجھانے پر انہیں مسجد میں رکھ لیا، قرعہ اندازی کے بعد اسکی پرورش حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد کی گئی، حضرت مریم جب بڑی ہوئیں تو ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہنے لگیں اور رفتہ رفتہ ان سے بڑی کرامات ظاہر ہونے لگیں، جب حضرت مریم علیہا السلام کی عمر آٹھ سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ بی بی حنہ کا انتقال ہو گیا، جب وہ بڑی ہو گئیں تو ایک روز اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر ایک مکان جو مشرق کی جانب تھا غسل کیلئے گئیں، پھر گھر والوں کے سامنے درمیان میں پردہ ڈال دیا تا کہ اسکی آڑ میں غسل کر لیں، اس وقت اچانک ان کو ایک شخص نظر آیا جسے دیکھ کر وہ کانپ اٹھیں اور اس سے پناہ مانگنے لگیں اس نے کہا گھبراؤ نہیں میں فرشتہ ہوں اور تمہیں بیٹے کی خوشخبری دینے آیا ہوں، حضرت مریم علیہا السلام نے فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اب تک کسی انسان نے مجھے چھوا تک نہیں اور نہ ہی میں بدکار ہوں، فرشتہ نے کہا اللہ کیلئے کوئی چیز مشکل نہیں اسکے بعد حاملہ ہو گئیں، اس حمل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو یہودیوں نے تہمت لگائی اور بی بی مریم کو بدنام کرنا شروع کر دیا، کم عمری میں ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کرامتیں ظاہر ہونے لگیں، مثلاً مُردوں کو زندہ کرنا اور اندھوں کو اچھا کر دینا کچھ دنوں بعد آپ علیہ السلام دین کی تبلیغ کرتے ہوئے بیت اللحم آ پہنچے تو بنی اسرائیل راہبوں اور عالموں کو یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام اپنی تبلیغ میں کامیاب ہو گئے تو ہماری آمدنی کا ذریعہ ختم ہو جائیگا، ہماری عزت باقی

نہ رہے گی، ان چیزوں کے پیش نظر انہوں نے عوام میں آپ کی بدنام کرنا شروع کر دیا اور آپ علیہ السلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں شروع کر دیں تو آپ علیہ السلام نے ان سے فرمایا، اے دین کے عالمو! افسوس ہے تمہارے حال پر کہ تم لوگوں نے غلط باتیں کر کر کے آمدنی کا ایک نیا راستہ کھول رکھا ہے، اسکے علاوہ تمہارے باپ دادا پیغمبروں کو ناحق قتل کر کے مجرم بنے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی کوشش: جب راہبوں کو آپ سے خطرہ پیدا ہو گیا تو آپ کو مجرم قرار دینے کی غرض سے ایک جلسۂ عام منعقد کیا جس میں روم کا بادشاہ قیصر بھی موجود تھا، اسکی موجودگی میں آپ علیہ السلام سے پوچھا کہ قیصر کو جزیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ آپ علیہ السلام انکے مطلب کو سمجھ گئے تھے لہٰذا آپ علیہ السلام نے ان سے ایک اشرفی منگائی اور اسے دیکھ کر فرمایا کہ قیصر کی چیز قیصر کو دو (یعنی جزیہ) اور جو اللہ کی چیز ہے اللہ تعالیٰ کو دو (یعنی عبادت اللہ کی کرو)، جب اس سازش پر ناکام ہو گئے تو ایک دفعہ پھر موقع پا کر ہیرودس حاکم کے یہاں آپکی شکایت کردی کہ یہ شخص یہودیوں کو بغاوت پر آمادہ کرتا ہے، اگر آپ اسکو سزائے موت نہ دینگے تو ہم قیصر کے دربار میں جائیں گے، جس وقت آپ علیہ السلام کو سازش کا علم ہوا تو آپ ایک مکان میں اپنے حوّاریوں کے ساتھ روپوش ہو گئے اور ان لوگوں نے آپ علیہ السلام کی تلاش شروع کر دی، اس دوران سارے حواری ایک ایک کر کے آپ علیہ السلام سے دور ہو گئے، ان میں ایک شخص جاسوس تھا جو کئی دن تک آپ علیہ السلام کے ساتھ روپوش رہا آخر انعام کے لالچ میں آ کر وہ بدبخت یہودیوں کو یہاں تک لے آیا جہاں آپ پناہ کیلئے چھپے ہوئے تھے، پہلے خود اندر گیا لیکن اسکے پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان میں اٹھا لیا، جب اس بدبخت نے آپ علیہ السلام کو اپنی جگہ نہ پایا تو گھبرایا ہوا دروازے کی طرف لوٹا تو اللہ تعالیٰ نے اسکی صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت جیسی بنا دی اور یہودیوں نے اسے گرفتار کر کے سولی پر لٹکا دیا۔

افقِ عرب پر ایک نیا ستارہ: ان حالات میں ۵۷۰ء جلوس نوشیروانی، یعنی: خانہ کعبہ پر ابرہہ

بادشاہ کی فوج کشی کے ۵۵ روز بعد ۱۲ ربیع الاول کو آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے، چونکہ آپ کے والد ماجد عبداللہ کا آپ ﷺ کی ولادت سے چند مہینے پہلے انتقال ہو چکا تھا اس لئے آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ ﷺ کی پرورش کی ذمہ داری اپنے سَر لی، بی بی حلیمہ کو بطور دائیہ مقرر کیا اور وہ آنحضرت ﷺ کو اپنے قبیلے میں لے گئیں وہیں ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ آپ ﷺ اپنے رضاعی بھائیوں کیساتھ بکریاں چرا رہے تھے کہ اچانک فرشتے نمودار ہوئے اور آپ ﷺ کا سینہ چاک کر کے قلب مبارک کو دھو دیا، چار سال کی عمر میں بی بی آمنہ کا انتقال ہو گیا تو اسکے بعد آپ کے چچا ابو طالب بڑی محبت سے آپکی پرورش کرنے لگے۔

بعض پیغمبروں کے پیشے: حضرت آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے اور کپڑے بننے کا کام بھی آپ علیہ السلام ہی سے شروع ہوا درہم اور اشرفی بھی آدم علیہ السلام نے بنائیں دوسرے پیغمبر نجاری یعنی بڑھئی (کارپینٹر) کا کام کرتے تھے، حضرت ادریس علیہ السلام درزی کا کام کرتے تھے، حضرت ہود اور صالح علیہم السلام تاجر تھے، حضرت ابراہیم اور لوط علیہم السلام نے بھی کھیتی باڑی کا پیشہ اختیار کیا تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام مویشی پالتے تھے اور انکا دودھ اور اُون فروخت کرتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیشہ بکریاں پالنا تھا، حضرت داؤد علیہ السلام جنگی زرّہ بنایا کرتے تھے، حضرت سلیمان علیہ السلام ایک عظیم الشان سلطنت کے بادشاہ ہونے کے باوجود اپنی گزر بسر کیلئے ٹوکریاں اور زنبیلیں بنایا کرتے تھے۔

مسلمانوں کیلئے ایک تقویت: ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کہیں تشریف لے جا رہے تھے اتفاقاً ابوجہل بھی اس طرف سے گزر رہا تھا اس نے آپ کی شان میں سخت کلمات کہے اور اسلام کے بارے میں اہانت آمیز گفتگو اختیار کی، آپ ﷺ اسکی تمام بکواس کو ضبط کے ساتھ سنتے رہے اور یہ ساری باتیں اتفاق سے لونڈی سُن رہی تھی اسکے بعد جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا اس طرف سے گزر ہوا تو اس لونڈی نے حضرت حمزہ کو سب کچھ بتادیا یہ سُن کر انکو بہت غصہ آیا اور ابوجہل کی تلاش میں نکل پڑے، وہ خانہ کعبہ میں ملا تو آپ نے سرِ محفل ابوجہل کو بالوں سے پکڑ کر اٹھالیا اور فرمایا تو میرے بھتیجے کو برا کہتا ہے، تجھے نہیں معلوم میں اسکا چچا ہوں، آپ اپنے وقت

کے بڑے بہادر اور بارعب انسان تھے اور کافروں کو آپکے اس انداز سے بڑی تکلیف ہوئی، اسکے بعد آپ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں نے ابوجہل کو آپ کی توہین کا مزہ چکھا دیا ہے، کیا آپ کو اسکی خوشی نہ ہوگی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اصل خوشی تب ہوگی جب آپ واقعی ایمان لاؤ گے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے جواب سے متاثر ہوکر فوراً کلمہ توحید پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔

مدینہ کے کافروں کی سازش: جب قریش کو یہ پتہ چلا کہ اکثر مسلمان ہجرت کر کے مدینے چلے گئے ہیں تو انہیں یقین ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ بھی ضرور مکّہ سے ہجرت فرمائیں گے چنانچہ ان لوگوں نے ایک جلسہ عام منعقد کیا جس میں قریش اور دوسرے قبیلوں کے سرداروں کو بلایا گیا، حاضرین میں سے بعض کا خیال تھا کہ آپ ﷺ کو قید کرلیا جائے اور بعض کا خیال تھا کہ شہر سے نکال دیا جائے، لیکن ابوجہل کی رائے یہ تھی کہ ہر قبیلے سے بندے منتخب کر کے مقرر کردو کہ یہ لوگ کسی طرح سے آنحضرت ﷺ کو قتل کردیا جائے، بظاہر ہم سارے مل کر انکو بچانے کی کوشش کریں گے، اسطرح کسی فرد پر جرم ثابت نہیں ہوگا، حاضرین مجلس نے اس رائے سے اتفاق کیا اور اسی دن رات میں آنحضرت ﷺ کے گھر کا گھیراؤ کرلیا، اُدھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے سے اطلاع دیدی اور آپ ﷺ گھر سے باہر نکل آئے اور ایک مٹھی بھر مٹی دشمنوں کی طرف پھینک دی جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سب کافروں کی آنکھوں میں چلی گئی، اسکے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا اور عبداللہ بن اریقط کو اجرت پر رہبر مقرر کیا اور کہا کہ غیر معروف راستے سے لیجانا ہے اور رات ہی رات ایک غار میں چھپ گئے، قریش بھی ڈھونڈتے ہوئے غار تک پہنچ گئے، چونکہ غار کے منہ میں مکڑی نے رات ہی رات میں جالا بُن دیا تھا اس وجہ سے کفار یہ دیکھ کر مطمئن ہوکر واپس ہو گئے اور آتے ہی حضور ﷺ کی گرفتاری پر سو اونٹوں کے انعام کا اعلان کردیا۔

جب آپ حضرات کو غار میں تین دن گزر گئے اور دشمن کا زور شور بھی کم ہو گیا تو آپ حضرات واپسی کے ارادے سے آپ ایک اونٹنی پر سوار ہوئے، دوسرے اونٹ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تیسرے اونٹ پر عامر بن

فہیرہ سوار ہوئے اور غیر معروف راستے سے سفر شروع کر دیا اور شروع رات سے دوسرے دن کی ظہر تک سفر کرتے رہے اور ظہر کے وقت ایک میدان میں تھوڑی دیر کیلئے آرام کے ارادے سے ٹھہر گئے، اس دوران سراقہ بن مالک (جس نے قریش سے آپکی گرفتاری کا وعدہ کیا تھا) آپہنچا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان کے حق میں بددعا کی تو اسکی سواری کے چاروں پاؤں زمین میں دھنس گئے، جب اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امان مانگی تو آپ نے اسے امان دی، اسکے بعد اس نے آپ سے وعدہ کیا کہ جو بھی راستے میں ملے گا اسے واپس کرتا جاؤنگا، اس طرح آپ حضرات خفیہ راستوں سے مدینہ آپہنچے، پھر وہاں سے یہ حضرات قبا میں داخل ہو گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری: صفر ١١ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچانک بیمار ہو گئے اور درد کی تکلیف سے اسکی ابتداء ہوئی جب طبیعت زیادہ بگڑ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلالیا اور فرمایا! میں تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے تم لوگوں پر رحم کرنے کی درخواست کرتا ہوں اور تم کو اسی کے سپرد کرتا ہوں اور ساتھ ہی تمہیں اور پوری امت کو خوشخبری سناتا ہوں کہ تم اللہ کی نافرمانی مت کرو اور بندوں پر ظلم مت کرو اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آخرت میں جنت کا مقام ان لوگوں کو دیا جائیگا جو دنیا میں سرکشی نہ کرینگے اور فساد نہ پھیلائیں گے کیونکہ جنت اللہ سے ڈرنے والوں کیلئے ہے اور جہنّم سرکشوں کا ٹھکانہ ہے اسکے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی کے دروازے بند کر دیئے صرف ایک دروازہ کھلا رکھا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان کے پاس تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درد کی شدّت سے بے ہوش گئے اور اس دوران میں نماز کا وقت آپہنچا، آخر تکلیف میں کچھ کمی ہوئی تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری کے دوران تیرہ نمازیں پڑھائیں، دوشنبہ پیر کو صبح کی نماز کے وقت حجرے سے باہر تشریف لائے صدیق اکبر اس وقت امامت کرانے والے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے تو آپ نے انہیں نماز پڑھانے کا اشارہ کیا اور خود حضرت ابوبکر

پیچھے نماز ادا فرمائی، اسکے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے لوگو! چاہے آگ بڑھکے، فتنے آئیں، لیکن تم یہ یاد رکھنا کہ قرآن مجید نے جس کو حلال یا حرام قرار دیا ہے اسکے سوا میں کسی چیز کو حلال یا حرام قرار نہیں دینا، اسکے بعد آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر وفات پا گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔

یہ خبر سنتے ہی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غمگین ہو گئے اوّل تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو انتہائی محبت کی وجہ سے اسکا یقین ہی نہیں آ رہا تھا دوسرا انہوں نے جوش میں آ کر تلوار نکالی اور کہنے لگے، خبردار! جس نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتقال فرما گئے ہیں میں اسکی گردن اڑادونگا، جب صدیق اکبر نے یہ سب کچھ دیکھا پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ان باتوں سے روکا، جب ان پر اسکا کوئی اثر نہ ہوا تو ایک طرف کھڑے ہو کر لوگوں کو سمجھایا، اسکے بعد آخر میں آپ نے قرآن مجید کی ایک آیت تلاوت فرمائی جس سے لوگوں پر بہت اچھا اثر ہوا، لوگ کافی حد تک سنبھل گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جوش بھی ٹھنڈا ہو گیا اور ساتھ ساتھ یہ بھی یقین آ گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعی انتقال ہو گیا، جس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا تھا وہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روضہ مبارک تعمیر کیا گیا جو امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہے۔

خلفائے راشدین کی شہادت

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت: جب ۲۳ھ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حج کے فرائض ادا کر کے مدینے تشریف لائے تو ابولولؤ نام کا ایک ایرانی غلام آپکی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے آقا کی شکایت کی کہ اس نے مجھ پر بہت زیادہ ٹیکس رکھا ہے تو آپ نے جواب میں فرمایا یہ بظاہر تو زیادہ معلوم نہیں ہوتا لیکن میں پھر بھی تمہارے لئے مغیرہ سے بات کرونگا ایک تو ایرانی فتوحات کی بنا پر اس غلام کا دل جوش انتقام سے بھرا ہوا تھا دوسرا آپ کا جواب بھی ناگوار گزرا تو ایک روز وہ صبح کی نماز میں خنجر لیکر آ پہنچا اور آپ کے نماز میں کھڑے ہوتے

ہی صف سے نکل کر اس نے آپ پر وار کر دیا، جسکی وجہ سے مسجد کے اندر ہی بھگدڑ مچ گئی اور جب اسکے لئے بھاگنا ناممکن ہو گیا تو اس نے خودکشی کر لی اور جب آپ نے اسکے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ ایک مجوسی غلام تھا تو آپ نے فوراً اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ کسی مسلمان کی گردن پر اپنے خلیفہ کا خون نہیں ہے، اس حادثہ کی خبر سنتے ہی تمام مسلمانوں میں بے چینی پھیل گئی اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کے اردگرد جمع ہو گئے اور آپ سے اسکی درخواست کی کہ آپ خود ہی کوئی خلیفہ مقرر کر دیں پہلے تو آپ نے اس سے انکار کیا، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آپ نے چھ صحابہ کرام کے نام تجویز کئے اور فرمایا میری موت کے بعد انہیں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لینا اور انتقال کے بعد آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس سپرد خاک کر دیا گیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپس کے اختلافات بڑھتے جا رہے تھے اور مال سازی اور دنیا سازی کا جذبہ بڑھتا جا رہا تھا تو لوگوں میں بغاوت حد سے بڑھ گئی اگر انکی بغاوت کو سختی کیساتھ دبا دیا جاتا تو یقیناً یہ فتنہ رک جاتا، مگر آپ نے ایسا نہیں کیا کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ بہت بردبار طبیعت کے مالک تھے اس لئے آپ نے کسی کو سزا دینا مناسب نہ سمجھا اور لوگوں نے آپ کی نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور آخرکار آپ کو ایک ہفتہ تک گھر میں بند رکھا، آپ نے اس پر بھی صبر کیا اور بغیر کچھ کھائے پیئے صرف قرآن مجید کی تلاوت سے روحانی غذا حاصل کرتے رہے، ظالموں نے اس پر بھی بس نہ کی اور تلوار لئے گھر میں گھس آئے، انکی بیوی نائلہ جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن تھی بچانے کیلئے آگے بڑھیں تو قاتلوں نے ان پر بھی حملہ کر دیا اور انکی انگلیاں کٹ گئیں، آخر انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جنہوں نے ہمیشہ ایمانداری سے اپنے فرائض انجام دیئے شہید کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت: اسکے بعد خلافت کی ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کی گئی اور انہوں نے پانچ سال تک خلافت کی ذمہ داری نبھائی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے مسلمانوں میں

اختلافات اور بھی بڑھ گئے جسکی وجہ سے آپس میں خانہ جنگی شروع ہوگئی اور آپس میں مل بیٹھ کر اختلافات دور کرنے کے بجائے لوگوں نے آپس میں تلواریں سنبھال لیں جسکے نتیجے میں ہزاروں مسلمان شہید ہوئے اور اسلامی فتوحات میں اضافہ ہونے کے بجائے اپنا فتح کیا ہوا علاقہ خطرے میں پڑ گیا، اسی زمانے میں ایک نئی جماعت نے جنم لیا یہ خارجی لوگ تھے اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جان کے دشمن تھے، آخر اسی جماعت کے ایک فرد نے کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صبح نماز کیلئے جاتے ہوئے مسجد کے دروازے پر شہید کر دیا، شہادت کے وقت آپکی عمر ٦٤ سال کی تھی۔

سال کے مہینوں کے نام

(۱)....محرَّم	(۵)....جُمَادَی الْاُولٰی	(۹)....رَمْضَانْ
(۲)....صَفَرْ	(٦)....جُمَادَی الثَّانِیه	(۱۰)....شَوَّال
(۳)....رَبِیْعُ الْاَوَّل	(۷)....رَجَب	(۱۱)....ذِیْقَعْدَة
(۴)....رَبِیْعُ الثَّانِیْ	(۸)....شَعْبَانْ	(۱۲)....ذِی الحَجَّة

ہفتہ کے دنوں کے نام

اسلامی نام	اردو نام	اسلامی نام	اردو نام
یَوْمُ السَّبْت	ہفتہ	یَوْمُ الْاَرْبَعَاْ	بدھ
یَوْمُ الْاَحَد	اتوار	یَوْمُ الْخَمِیْس	جمعرات
یَوْمُ الْاِثْنِیْن	پیر	یَوْمُ الْجُمْعَه	جمعہ
یَوْمُ الثَّلَاء	منگل		

موسموں کے نام

اسلامی نام	اردو نام	اسلامی نام	اردو نام
اَلصَّیف	گرمی	اَلْخَرِیْف	خزاں
اَلشِّتَاءِ	سردی	اَلرَّبِیْع	بہار

رشتہ داروں کے نام

اسلامی نام	اردو نام	اسلامی نام	اردو نام
اَبٌ	باپ	زَوْجُ العمَّة	پھوپھا
اُمٌّ	ماں	زوجَةُ الْخَالِ	ممانی
جَدٌّ	دادا	اِبْنُ الْاُخْتِ	بھانجا
جَدَّةٌ	دادی/نانی	بِنْتُ الْاَخْتِ	بھانجی
اَخٌ	بھائی	اِبْنُ الْاَخِ	بھتیجا
اُخْتٌ	بہن	بِنْت الْاَخِ	بھتیجی
زَوْجٌ	شوہر	خَتَنٌ	داماد
زَوجَةٌ	بیوی	اِبْنُ الْاِبْنِ	پوتا
اِبْنٌ	بیٹا	اِبْنُ الْبِنْتِ	پوتی
بِنْتٌ	بیٹی	كَنَّةٌ	بہو
عَمٌّ	چچا	سِبْطٌ	نواسا

عَمَّةٌ	چچی، پھوپھی	حَمَاةٌ	ساس
خالٌ	ماموں	صِهْرٌ	خسر

جانوروں کے نام

اسلامی نام	اردو معنٰی	اسلامی نام	اردو معنٰی
بَقرٌ	گائے	غَزَالَةٌ	ہرنی
غَنَمٌ	بھیڑ	ذِئبٌ	بھیڑیا
شَاةٌ	بکری	عِجلٌ	بچھڑا
جَامُوسٌ	بھینس	عِجلَةٌ	بچھڑی
جَمَلٌ	اونٹ	اَرْنَب	خرگوش
حِسَانٌ	گھوڑا	دُبٌّ	ریچھ
اَسَدٌ	ببر شیر	زَرَافَة	زرافہ
هِرَّةٌ	بلّی	قِرَدَةٌ	بندر
كَلْبٌ	کتّا	فَارٌ	چوہا
فِيلٌ	ہاتھی	نملہ	چیونٹی
حِمَارٌ	گدھا	نَحل	شہد کی مکھی
حِمَارَةٌ	گدھی	دجاجة	مرغی
فَرَسٌ	گھوڑی	ذُبَابَة	مکھّی
ثَوْرٌ	بیل	تِمسَاح	مگرمچھ

نَمِرٌ	شیر	حَيَّةٌ	سانپ
نَمِرَةٌ	شیرنی	دیک	مرغا
غَزَالٌ	ہرن	عَقرَبٌ	بچھو

وحی اور اسکی حقیقت

ہر مسلمان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسکو دنیا میں آزمائش کیلئے بھیجا ہے اور اسکے ذمہ کچھ فرائض عائد کر کے پوری کائنات (سورج، چاند، بارش، ہوا، زمین، حیوان وغیرہ) کو اسکی خدمت کیلئے لگادیا ہے تا کہ اس دنیا میں پیدا کی ہوئی چیزوں سے ٹھیک ٹھیک کام لے اور دوسرے یہ کہ اس دنیا کی چیزوں کو کام میں لائے، اللہ تعالیٰ کے حکموں کو سامنے رکھ کر کوئی ایسا کام نہ کرے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو ان دونوں کاموں کیلئے انسان کو علم کی ضرورت ہے جب تک اسکو یہ معلوم نہ ہو کہ اس کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ اسکی کون سی چیز کے کیا فائدے ہیں؟ ان سے کس طرح جائز فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے؟ اس وقت تک وہ دنیا کی کوئی بھی چیز اپنے فائدے کیلئے استعمال نہیں کرسکتا جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کیا ہے وہ کون سے کام پسند کرتا ہے اور کن باتوں اور کاموں کو ناپسند کرتا ہے۔ اس وقت تک اسکے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا ناممکن ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جن کے ذریعہ اسے ان باتوں کا علم حاصل ہوتا رہے؛

(الف) انسان کے حواس خمسہ (ب) عقل (ج) وحی۔

حواس خمسہ یعنی، آنکھ، کان، ناک، منہ، ہاتھ پیر

انسان کو بہت سی چیزیں اپنے حواس کے ذریعہ معلوم ہوجاتی ہیں اور بہت سی عقل کے ذریعہ اور جو باتیں ان دونوں ذریعوں سے معلوم نہ ہوسکیں ان کا علم وحی کے ذریعہ عطا کیا جاتا ہے۔ جو چیزیں انسان کو اپنے حواس کے ذریعہ سے معلوم ہوجاتی ہیں انکا علم نری عقل سے نہیں ہوسکتا مثلاً ایک دیوار کو آنکھ سے دیکھ کر آپ کو یہ علم ہوجا

تا ہے کہ اسکا رنگ سفید ہے۔ لیکن اگر آپ اپنی آنکھ بند کر کے صرف عقل کی مدد سے اس دیوار کا رنگ معلوم کرنا چاہیں تو یہ ناممکن ہے اسی طرح جن چیزوں کا علم عقل کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے وہ صرف حواس سے معلوم نہیں ہوسکتیں مثلاً آپ صرف آنکھ سے دیکھ کر یا ہاتھ سے چھو کر یہ پتہ نہیں لگا سکتے کہ اس دیوار کو کسی انسان نے بنایا ہے، اس نتیجے پر پہنچنے کیلئے عقل کی ضرورت ہے جہاں تک حواس خمسہ کام دیتے ہیں وہاں تک عقل کوئی رہنمائی نہیں کرتی جہاں حواس خمسہ جواب دے دیتے ہیں وہیں سے عقل کا کام شروع ہوجاتا ہے یہ بھی ایک حد پر جا کر رک جاتی ہے بہت سی باتیں ایسی ہیں جنکا علم نہ حواس کے ذریعہ ہوسکتا ہے اور نہ عقل کے ذریعہ اس قسم کے سوالوں کا جواب دینے کیلئے اللہ تعالیٰ نے وحی کو ذریعہ بنایا ہے جو اپنے پیغمبروں کے ذریعہ بندوں تک پہنچانے کا انتظام کیا ہے بہت سے دینی عقیدوں کا علم عطا کرنا بھی وحی کا کام ہے عقل کا نہیں، انسان کو پیدا کرنے کے بعد اسے بتانا تھا کہ کیوں اس دنیا میں آیا اسکی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ وہ کس طرح اپنا مقصد زندگی حاصل کرسکتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزولِ وحی کے چار طریقے

(۱)…. "صحیح بخاری" کی حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کبھی تو مجھے گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے وحی کی یہ صورت میرے لئے سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے پھر جب یہ سلسلہ ختم ہوجاتا ہے جو کچھ آواز نے کہا ہوتا ہے مجھے یاد ہوچکا ہوتا ہے۔

(۲)…. کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک مرد کی صورت میں آجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیتا ہے ایسے موقع پر عموماً حضرت جبرائیل علیہ السلام مشہور صحابی دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے بعض دفعہ کسی دوسری شکل میں بھی تشریف لاتے تھے نزولِ وحی کی یہ صورت سب سے آسان ہوتی تھی۔

(۳)…. حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پوری عمر میں صرف دو مرتبہ اپنی اصل شکل میں دکھائی دیئے۔

(الف)…. جبرائیل علیہ السلام وحی کے وقت اپنی اصل شکل میں دکھائی دیئے۔

(ب)....دوسری مرتبہ معراج میں۔

(۵)....وحی کی چوتھی صورت یہ تھی کہ حضرت جبرائیل کسی بھی صورت میں سامنے آئے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں کوئی بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈال دیتے تھے۔

پہلا طریقہ وحی نازل ہونے کا جو گھنٹیوں کی آواز کی طرح ہوتا تھا وہ مسلسل آواز ہوتی تھی بیچ میں ٹوٹتی نہیں تھی سننے والے کو اس آواز کی سمت متعین کرنا مشکل ہوتا تھا کیونکہ یہ آواز ہر جہت (طرف) سے سنائی دیتی تھی، جب اس طریقے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہت زیادہ بوجھ پڑتا تھا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس حدیث کے آخر میں فرماتی ہیں کہ میں سخت جاڑوں کے دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی پر پسینہ آجاتا تھا، ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سانس رکنے لگتا، چہرہ مبارک کھجور کی خشک شاخ کی طرح زرد پڑ جاتا سامنے کے دانت سردی کی وجہ سے کپکپانے لگتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنا پسینہ آتا کہ اسکے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ (الاتقان/معارف القرآن)

تاریخ نزولِ قرآن

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، یہ لوحِ محفوظ میں ہے لوح محفوظ سے اسکا نزول دو مرتبہ ہوا ایک مرتبہ پورے کا پورا آسمانی دنیا کے بیت العزت میں نازل کردیا گیا (جسے بیت المعمور بھی کہتے ہیں) جو کعبۃ اللہ کے اوپر آسمان پر فرشتوں کی عبادت گاہ ہے یہ نزول لیلۃ القدر میں ہوا تھا پھر تھوڑا تھوڑا کرکے حسبِ ضرورت تیئس سال تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اسکا نزول ہوتا رہا۔

اہم بات! پہلی مرتبہ آسمانی دنیا پر کلام پاک کو نازل کرنے کی حکمت امام ابوشامہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کی کہ قرآن مجید کی بلند شان کو ظاہر کرنا تھا اور فرشتوں کو یہ بات بتانی تھی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو

زمین والوں کی ہدایت کیلئے اتاری جانے والی ہے، یہ کلام پاک تین جگہ محفوظ ہے، پہلا آپ ﷺ کے قلب مبارک میں، دوسرے لوحِ محفوظ میں، تیسرے بیت العزّت میں۔

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت: سب سے پہلے جو آیتیں اتریں وہ "سورۃ علق" کی ابتدائی آیتیں ہیں، اسکے بعد تین سال تک وحی کا سلسلہ بند رہا اس کے بعد "سورۃ مدثّر" کی آیات اِسی فرشتہ نے آپ ﷺ کو سنائیں جو غارِ حرا میں آیا تھا اسکے بعد وحی کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

مکّی اور مدنی آیتیں: اسکا صحیح مطلب سمجھ لینا ضروری ہے، مکی آیتوں سے مراد وہ آیات ہیں جو آپ ﷺ پر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے نازل ہوئیں۔

مدنی آیتوں سے مراد وہ آیات ہیں جو کہ آپ ﷺ کے مدینہ پہنچنے کے بعد نازل ہوئیں، بعض لوگ مکی آیتوں کا مطلب یہ مراد لیتے ہیں کہ وہ آیات جو مکّہ میں نازل ہوئیں اور مدنی کا مطلب یہ مراد لیتے ہیں کہ وہ آیتیں جو مدینہ میں نازل ہوئیں لیکن یہ مطلب درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ کئی آیتیں ایسی ہیں جو مکّہ میں نازل نہیں ہوئیں لیکن چونکہ ہجرت سے پہلے نازل ہو چکی تھیں اسلئے انہیں مکّی کہا جاتا ہے چنانچہ جو آیتیں منیٰ، عرفات یا معراج کے سفر میں نازل ہوئیں یہاں تک کہ جو آیتیں سفرِ ہجرت کے دوران مدینہ میں نازل ہوئیں وہ بھی مکّی آیتیں کہلاتی ہیں اسی طرح جو مدینہ میں نازل نہیں ہوئیں وہ بھی مدنی کہلاتی ہیں اسی طرح بعض آیتیں سورۃ حج کی مکّی ہیں مگر وہ سورۃ مدنی ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سورت کی ابتدائی آیتیں ہجرت سے پہلے نازل ہو گئیں اسلئے اسے مکّی قرار دیدیا گیا اگرچہ بعد میں اسکی بعض آیتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہوں۔ (مناہل القرآن)

مکّی اور مدنی آیتوں کی خصوصیات

(۱)....مکّی سورتوں میں عموماً "یٰاَیُّهَا النَّاسُ" کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے۔

(۲)....ہر وہ سورۃ جس میں لفظ "کلّا" آیا ہے وہ مکّی ہے یہ لفظ پندرہ سورتوں میں ۳۳ بار استعمال ہوا ہے یہ ساری آیتیں قرآن مجید کے آخری نصف حصّے میں ہیں۔

(۳)....جس سورۃ میں سجدے کی کوئی آیت آتی ہے (حنفی مسلک کے مطابق) وہ سورۃ مکّی ہے۔

(۴)....ہر وہ سورۃ جس میں جہاد کی اجازت اور اسکے حکموں موجود ہیں وہ مدنی ہے۔

(۵)....ہر وہ آیت جس میں منافقوں کا ذکر ہے وہ مدنی ہے۔

(۶)....مدنی سورتوں کے شروع میں "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" آیا ہے۔

❁.....❁.....❁

مکی اور مدنی سورتیں

(۱) سورۂ بقرہ
(۲) سورۂ آل عمران
(۳) سورۂ نساء
(۴) سورۂ مائدہ
(۵) سورۂ براۃ
(۶) سورۂ رعد
(۷) سورۂ رحمن
(۸) سورۂ مجادلہ
(۹) سورۂ ممتحنہ
(۱۰) سورۂ صف
(۱۱) سورۂ جمعہ
(۱۲) سورۂ منافقون
(۱۳) سورۂ تغابن
(۱۴) سورۂ طلاق
(۱۵) سورۂ حدید
(۱۶) سورۂ تحریم
(۱۷) سورۂ زلزال
(۱۸) سورۂ نصر
(۱۹) سورۂ نحل
(۲۰) سورۂ حج
(۲۱) سورۂ نور
(۲۲) سورۂ احزاب
(۲۳) سورۂ محمد
(۲۴) سورۂ فتح
(۲۵) سورۂ حجرات
(۲۶) سورۂ حشر

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: یہ کل ۲۶ سورتیں مدنی ہیں، ان کے سوا باقی اٹھاسی ۸۸ سورتیں مکّی ہیں۔

قرآن مجید کی کل آیتیں: قرآن مجید کی تمام آیتیں چھ ہزار ہیں جبکہ عام مشہور قول کے مطابق ۶۶۶۶ ہیں، صحیح قول کے مطابق قرآن مجید کی کل آیتیں ۶۲۳۶ ہیں، بعض حضرات اس سے کم زیادہ بھی بتاتے ہیں، حروف مقطعات سے شروع ہونے والی سورتیں کل ۲۹ ہیں۔

قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کیوں نازل ہوا؟

یہ سوال مشرکوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تھا قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی یہ حکمتیں تھیں۔

(۱)....آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اُمّی) یعنی: لکھے پڑھے نہیں تھے اگر سارا قرآن ایک مرتبہ نازل ہو گیا ہوتا تو اسکو یاد رکھنا دشوار ہوتا اسکے برخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام لکھنا پڑھنا جانتے تھے اس لئے توریت ان پر پوری کی پوری ایک ہی مرتبہ نازل کردی گئی۔

(۲)....اگر پورا قرآن مجید ایک ہی دفعہ نازل ہوجاتا تو اسکے حکموں کی پابندی فوراً لازم ہوجاتی اور ممکن تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت پابندی نہ کرسکتی۔

(۳)....آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی قوم کی طرف سے ہر روز کچھ نہ کچھ اذیتیں برداشت کرنا پڑتی تھیں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے بار بار قرآن مجید لیکر آنے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کو تسلی ہوتی تھی اور ان اذیتوں کا مقابلہ کرنا آسان ہوجاتا تھا۔

(۴)....قرآن مجید کا ایک بڑا حصّہ لوگوں کے سوالات کے جوابات اور مختلف واقعات سے متعلق ہے جس وقت سوالات ہوتے اسی وقت جوابات سے اطمینان ہوتا اس سے مسلمانوں کو ہر بات کا جواب یاد رہتا جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قرآن مجید کی آیتیں وقت اور حالات کے تقاضے کے مطابق نازل ہوئیں۔

کتابتِ وحی: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب میں وحی کے الفاظ لکھتا تو قرآن مجید کے نقل کرنے کے بوجھ سے مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے میری ٹانگ ٹوٹنے والی ہے اور میں چل نہ سکوں گا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے علاوہ گیارہ صحابہ رضی اللہ عنہ کتابتِ وحی کے فرائض انجام دیتے تھے جن میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت معاویہ بن ابی صفیان رضی اللہ عنہ، حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ، حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ، وغیرہ بطورِ خاص

قابل ذکر ہیں۔

سات چیزوں پر قرآن مجید لکھا گیا ہے

(۱)....پتھر کی سلوں پر۔ (۲)....چمڑے کے ٹکڑوں پر۔ (۳)....کھجور کی شاخوں پر۔

(۴)....بانس کے ٹکڑوں پر۔(۵)....درخت کے پتوں پر۔ (۶)....جانوروں کی ہڈیوں پر۔

(۷)....کبھی کبھی کاغذ کے ٹکڑے بھی استعمال کئے جاتے تھے۔

اس زمانے میں عرب میں کاغذ نہیں ملتا تھا اس لئے قرآنی آیتیں زبانی یاد رکھنے کیساتھ ساتھ ان چیزوں پر بھی لکھی جاتی تھیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب قرآن مجید کا کوئی حصّہ نازل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاتبِ وحی کو یہ ہدایت فرماتے کہ اسے فلاں سورۃ میں فلاں آیت کے بعد لکھا جائے۔(فتح الباری)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن مجید کا ایک نسخہ تو وہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگرانی میں لکھوایا تھا، اگرچہ وہ کتابی شکل میں نہیں تھا بلکہ الگ الگ پرچوں کی شکل میں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن مجید کے جتنے نسخے لکھے گئے تھے کوئی آیت چمڑے پر، کوئی درخت کے پتے پر، کوئی شانے کی ہڈیوں پر، یعنی: مختلف چیزوں پر لکھے گئے تھے یا پھر وہ مکمل نسخے نہیں تھے کسی صحابی کے پاس ایک سورۃ لکھی ہوئی تھی کسی کے پاس پانچ دس سورتیں کسی کے پاس چند آیتیں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس آیت کے ساتھ تفسیری جملے بھی لکھے ہوئے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں یہ ضروری سمجھا کہ قرآن مجید کو اکٹھا کر کے محفوظ کیا جائے اسکے علاوہ بات یہ تھی جس کی تفصیل حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ جنگ یمامہ میں قرآن مجید کے حافظوں کی ایک بڑی تعداد شہید ہوگئی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں کی

رائے یہ تھی کہ اگر مختلف مقامات پر قرآن مجید کے حافظ اگر اسی طرح شہید ہوتے رہے تو اندیشہ ہے کہ قرآن مجید کا ایک بڑا حصہ ضائع نہ ہو جائے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ قرآن مجید جمع کرنے کا کام شروع کر دیں انہوں نے کہا جو کام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا وہ ہم کیسے کریں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ کام بہتر ہی بہتر ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نوجوان اور سمجھدار ہو ہم تمہارے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں کرتے تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کتابتِ وحی کا کام کرتے رہے ہو، لہٰذا تم قرآن مجید کی آیتوں کو تلاش کر کے انہیں جمع کر دو، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! اگر یہ حضرات مجھے کوئی پہاڑ ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانے کا حکم دیتے تو مجھ پر اتنا بوجھ نہ ہوتا جتنا قرآن مجید جمع کرنے کا ہوا، چنانچہ میں نے قرآنی آیات کو تلاش کیا اور ان کو کھجور کی شاخوں، پتھر کی سِلوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کیا۔ (صحیح بخاری)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے طریق کار کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے خود حافظ قرآن تھے اپنی یاداشت سے پورا قرآن لکھ سکتے تھے ان کے علاوہ سینکڑوں حافظ اس وقت موجود تھے ان کی ایک جماعت بنا کر بھی قرآن مجید لکھا جاسکتا تھا لیکن انہوں نے یہ اعلان عام کر دیا کہ جس شخص کے پاس قرآن مجید کی جتنی آیتیں لکھی ہیں وہ ان کے پاس لے آئے کوئی شخص قرآن مجید کی آیات لیکر آتا تو درج ذیل چار طریقوں سے اسکی تصدیق کرتے۔

(۱)۔۔۔۔ سب سے پہلے اپنی یاداشت سے اس کو ملا کر دیکھتے۔

(۲)۔۔۔۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حافظ قرآن تھے وہ اور زید رضی اللہ عنہ دونوں وصول کرتے۔ (فتح الباری بحوالہ ابن ابی داوٗد)

(۳)۔۔۔۔ کوئی لکھی ہوئی آیت اس وقت تک قبول نہ ہوتی جب تک دو قابل اعتبار گواہوں نے اس بات کی گواہی نہ دی ہو کہ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لکھی گئی تھی۔

(۴)....اس کے بعد ان لکھی ہوئی آیتوں کا ان مجموعوں کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا تھا جو مختلف صحابہ رضی اللہ عنہ نے تیار کر رکھے تھے۔

تلاوت کلام پاک میں آسانی پیدا کرنے کے اقدامات: قرآن مجید کے نسخے چونکہ نقطوں اور زبر، زیر، پیش سے خالی تھے، عرب کے لوگ تو پڑھ لیتے تھے مگر اس کے علاوہ دوسرے لوگوں کو تلاوت میں دشواری ہوتی تھی، اسمیں نقطوں اور زبر، زیر، پیش کا اضافہ کیا گیا تاکہ سب لوگ آسانی سے تلاوت کر سکیں۔

احزاب یا منزلیں: صحابہ رضی اللہ عنہ وتابعین کا معمول تھا کہ وہ ہر ہفتے ایک قرآن ختم کر لیتے تھے اس مقصد کیلئے انہوں نے روزانہ تلاوت کی ایک مقدار مقرر کی ہوئی تھی جسے حزب یا منزل کہا جانے لگا اسی طرح پورے قرآن کو کل سات احزاب میں یعنی ایک ہفتے کے دنوں میں تقسیم کر دیا گیا۔(البرہان)

پارے: یہ پاروں کی تقسیم جو تیس پارے کہلاتے ہیں معنیٰ کے اعتبار سے نہیں بلکہ بچوں کو پڑھانے کیلئے آسانی کے خیال سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ کی تقسیم ہے لیکن بعد میں لکھنے والوں کی کتابوں میں اس کی کوئی دلیل نہیں ملی بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے یہ تقسیم عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہ کے بعد تعلیم کی سہولت کیلئے کی گئی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

قرآن مجید میں نقطے کی ضرورت کیوں پیش آئی جبکہ پہلے نقطے نہیں تھے

اہل عرب کے ہاں ابتدائی زمانے میں حروف پر نقطے لگانے کا رواج نہیں تھا، پڑھنے والے اس طرز کے اتنے عادی تھے کہ انہیں کوئی تحریر نقطوں کے بغیر پڑھنے میں دشواری نہیں ہوتی تھی، وہ اگلی پچھلی باتوں کی مدد سے جس حرف پر شبہ ہوتا اسکی پہچان با آسانی کر لیتے تھے خاص طور سے قرآن مجید کی حفاظت کا دارومدار کتابت پر نہیں بلکہ حافظوں پر تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو نسخے عالم اسلام کے مختلف حصوں میں بھیجے تھے انکے ساتھ

قاری بھی بھیجے گئے تھے جو انہیں پڑھنا سکھاتے تھے۔

قرآن مجید پر نقطے سب سے پہلے کس نے ڈالے؟ اس بارے میں مختلف قول ہیں، سب سے پہلے یہ کارنامہ حضرت ابوالاسود دؤلی رضی اللہ عنہ نے انجام دیا، بعض نے کہا کہ یہ کام کوفہ کے گورنر زیاد بن ابی سفیان نے کیا بعض کہتے ہیں: یہ کام حجاج بن یوسف نے کیا، یعنی: انہوں نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اور یحییٰ بن یعمر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ کرایا اس سلسلے میں تمام روایات کو پیش نظر رکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حرکات سب سے پہلے ابو الاسود دؤلی رضی اللہ عنہ نے وضع کئے یہ حرکات اس طرح نہیں تھے جیسے آج کل رائج ہیں بلکہ زبر کیلئے حرف کے اوپر ایک نقطہ زیر کیلئے حرف کے نیچے ایک نقطہ اور پیش کیلئے حرف کے سامنے ایک نقطہ اور تنوین کیلئے دَو، دَو نقطے مقرر کئے گئے تھے اسکے بعد خلیل بن احمد نے ہمزہ اور تشدید کی علامت وضع کی اسکے بعد حجاج بن یوسف نے یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن مجید پر نقطے اور حرکات دونوں لگانے کی فرمائش کی اس موقع پر حرکات کا اظہار نقطوں کے بجائے زبر، زیر، پیش کی موجودہ صورتیں مقرر کی گئیں۔ واللہ اعلم بالصواب

رکوع (ع) سے کیا مراد ہے؟ اس کی ترتیب قرآن مجید کے مضامین کے لحاظ سے کی گئی ہے ، جہاں اسکا سلسلہ ختم ہوا وہاں ''رکوع'' کی علامت کیلئے حاشیہ پر (ع) بنادی گئی اس علامت کا مقصد آیتوں کی ایسی درمیانی مقدار کو متعین کرنا ہے جو ایک رکعت میں پڑھی جاسکے اس کو رکوع اس لئے کہتے ہیں کہ نماز میں اس جگہ پہنچ کر رکوع کیا جائے پورے قرآن مجید میں (۵۴۰) رکوع ہیں اگر تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھا جائے تو رمضان کی ستائیسویں رات کو آسانی کیساتھ قرآن مجید ختم ہوسکتا ہے۔

تجوید کے بارے میں ضروری اور اہم باتیں: قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، یعنی: اللہ تعالیٰ کا کلام اور جنت والوں کی زبان ہے اسکو اسکی شان کے مطابق ڈھنگ سے پڑھنا چاہئے قرآن کے قاری، یعنی: پڑھنے والے کیلئے علم تجوید کا سیکھنا نہایت ضروری ہے ورنہ بسا اوقات غلط پڑھنے سے معنیٰ ہی بدل جاتے ہیں اور ثواب کے بجائے الٹا گناہ کما لیتے ہیں ساری عمر قرآن مجید پڑھتے رہتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ

ہم نے اتنے قرآن ختم کر لئے لیکن کیا ہمارا قرآن پڑھنا صحیح بھی ہے؟ کیا ہم قاعدے کے مطابق پڑھتے ہیں؟ کیا ہم نے اپنا قرآن کسی قاری یا قاریہ کو سنا کر تسلی کر لی ہے؟ اگر نہیں تو فکر کی بات ہے آج ہی اس غفلت سے توبہ کرلیں اور اپنا قرآن صحیح کر لیں ذیل میں ہم تجوید کے بارے میں مختصر اور مفید قاعدے بیان کریں گے ان شاء اللہ اس کے مطابق پڑھنے کی کوشش کریں یہ قرآن مجید کی تلاوت کیلئے ضروری اور اہم باتیں ہیں۔ حروف کو بدلنا اور زبر، زیر، پیش کو بدلنا گناہ ہے۔

عربی کے حروف

عربی کے کل ۲۹ حروف اور انکی ادائیگی کا طریقہ: ء ، ہ: یہ حلق کے بالکل آخری حصے سے ادا ہوتے ہیں۔ ع ، ح: یہ حلق کے درمیانے حصے سے ادا ہوتے ہیں۔ غ ، خ: یہ حلق کے شروع حصے جو زبان کی طرف ہے وہاں سے ادا ہوتے ہیں اور موٹے پڑھے جاتے ہیں۔ ق: زبان کی جڑ بالمقابل تالو (کوے کے پاس) کو لگتی ہے تو ادا ہوتا ہے یہ موٹا اور پُر پڑھا جاتا ہے۔ ک: ق کے مخرج سے ذرا آگے زبان سے ادا ہوتا ہے اور یہ باریک پڑھا جاتا ہے۔ ج ، ش ، ی: زبان کا درمیانی حصّہ بالمقابل تالو کو لگے تو ادا ہوتے ہیں۔ ض: درمیانی زبان کی دونوں کروٹیں بالمقابل داڑھوں کو لگے تو ادا ہوتا ہے اور موٹا پڑھا جاتا ہے بائیں کروٹ سے آسانی سے ادا ہوتا ہے آخر میں قلقلہ ہوگا۔ ے ، ن ، ر: زبان کے شروع کے کنارے سامنے کے دانتوں کو لگیں تو ادا ہوتے ہیں۔ ت ، د ، ط: زبان کی نوک کے سامنے اوپر والے دو دانتوں کی جڑ سے لگے تو ادا ہوتے ہیں ط موٹا پڑھا جاتا ہے۔ ث ، ذ ، ظ: زبان سامنے والے دو دانتوں کے سروں کو لگے (زبان تھوڑی سی باہر نکالیں ورنہ لفظ نکلنے سے پہلے سیٹی بجے گی) تو ادا ہوتے ہیں۔ ظ موٹا پڑھا جاتا ہے۔ ب ، ف ، م ، و ، ا: حروف شفوی ہیں، یعنی: ہونٹو سے ادا ہوتے ہیں۔ ل ، ر ، ا: یہ وہ حروف ہیں جو کبھی موٹے کبھی باریک پڑھے جاتے ہیں (ل) عموماً باریک پڑھا جاتا ہے مگر لفظ (اللہ) سے پہلے والے حرف پر زیر

یا پیش ہوتو لفظ (اللہ) کے ل کو موٹا پڑھا جاتا ہے، جیسے" سُبْحَانَ اللّٰہِ، عِبَادَاللّٰہِ، مَاشَآءَاللّٰہِ" اگر لفظ اللہ سے پہلے والے حرف پر زیر ہوتو لفظ (اللہ) کے (ل) کو باریک پڑھیں گے، جیسے" بِسْمِ اللّٰہ "اسی طرح (ر) سے پہلے زیر اور پیش ہوتو (ر) موٹی پڑھی جاتی ہے جیسے "اَلرَّحْمٰنِ، الرَّحِیْم، سُرُرٌ" اگر زیر ہوتو باریک پڑھی جاتی ہے جیسے" اِرْبَۃِ، مِرْصَادٌ"۔

عربی حروف اور انکی قسمیں:

(۱)..... حروف حلقی چھ ہیں (ء، ھ، ع، ح، غ، خ)۔

(۲)..... حروف مستعلیہ سات ہیں (خ، ص، ض، غ، ط، ق، ظ) یہ حروف ہمیشہ موٹے پڑھے جاتے ہیں جنکا مجموعہ" خُصَّ، ضَغْطٍ، قِظْ" ہے۔

(۳)..... حروف قلقلہ پانچ ہیں (ق، ط، ب، ج، د) جنکا مجموعہ قُطْبُ جَدٍ ہے، لفظ کے آخری حرف کو اسکے مخرج میں ہلا کر پڑھنا تا کہ دو آوازیں پیدا ہوں قلقلہ کہلاتا ہے جیسے اَلْحَقُّ۔

(۴)..... باریک پڑھے جانے والے حروف ۱۴ ہیں (ب، ت، ج، ح، د، ش، ع، ف، ک، م، ن، و، ہ، ی) یہ حروف ہمیشہ ہر جگہ باریک پڑھے جاتے ہیں۔

(۵)..... نرم حروف تین ہیں (ث، ذ، ظ)۔

(۶)..... سختی سے پڑھے جانے والے حروف (ز، س، ص) ز، اور، س، سختی سے پڑھے جاتے ہیں اور ص، کو موٹا یا پُر کر کے پڑھا جاتا ہے۔

عربی حروف کے کچھ ضروری اصول: اگر ہم ان اصولوں کو سمجھ لیں تو قرآن مجید پڑھنے میں آسانی ہو جائیگی ان کا سمجھنا اس وقت ممکن ہے جب کسی تجوید کے استاد سے ایک مرتبہ سبقاً سبقاً پڑھا جائے اور خاص خاص قواعد کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں ان شاء اللہ آپ بہت جلد کلام پاک کو صحیح تلفظ اور تجوید کے ساتھ پڑھنا شروع کر دیں گے ممکن ہے شروع شروع میں آپ کو یہ قواعد مشکل معلوم ہوں لیکن ذرا سی توجہ، محنت

وفکر سے انشاء اللہ تعالیٰ کلام پاک صحیح پڑھنے میں کامیاب ہوجائیں گے اور اسی طرح غلط پڑھنے کے ایک بڑے گناہ سے بچ جائیں گے پختہ ارادے اور محنت کے بغیر کوئی کام انجام کو نہیں پہنچ سکتا ارادہ اور ہمت کریں توفیق کے دروازے خود بخود کھلتے جائیں گے، اب اسکے بعد مذکورہ اصولوں کے نام ملاحظہ فرمائیں۔

(۱).... حروف حلقی یا حروف اظہار: یعنی حرف کو مخرج میں خوب واضح کر کے پڑھنا۔

(۲).... حروف اخفاء: یعنی حرف کو اپنے مخرج میں چھپا کر پڑھنا۔

(۳).... حروف قلقلہ: یعنی لفظ کے آخری حرف کو اسکے مخرج میں ہلا کر پڑھنا۔

(۴).... حروف اِدغام: ادغام بمعنی ملا دینا یعنی ایک حرف کو دوسرے حرف کے ساتھ اس طرح ملانا کہ دونوں ایک ہوجائیں۔

(۵).... اِقلاب: بمعنیٰ بدلنا، الٹنا، تبدیل کرنا۔

(۶).... چھٹا قاعدہ نون کا ہے اور اسکے پانچ قاعدے ہیں جنکا ذکر مثالوں سمیت آگے آرہا ہے۔

نون ساکن اور تنوین کا پہلا قاعدہ

حروف حلقی یا حروف اظہار: یہ چھ حروف حلق کے مختلف حصوں سے ادا ہوتے ہیں؛ اس لئے انہیں حروف حلقی کہا جاتا ہے ان میں (غنّہ) بالکل نہیں ہوتا اور غُنّہ کہتے ہیں ناک میں آواز چھپانے کو، قاعدہ یہ ہے کہ نون ساکن (نْ) اور تنوین کے بعد (تنوین کہتے ہیں دوزبر، دوزیر، دوپیش کو) جب ان چھ حروف حلقی میں سے کوئی ایک حرف آئے تو وہاں (غنّہ) نہیں ہوگا بلکہ اظہار ہوگا جیسے يَنْهَوْنَ میں (نْ) کے بعد (ھ) ہے اور یہ حروف حلقی میں سے ہے، لہٰذا یہاں اظہار کریں گے اور غُنّہ نہیں کریں گے، اسی طرح دوسری مثالیں ملاحظہ کیجئے "اَنْعَمْتَ، مِنْ غَفُورٍ، وَالنْحَرْ، مِنْ عَلَقٍ، مَنْ خَلَقَ، يَومٍ عَقِيمٍ، مَنْ هَاجَرَ، نَارٌ حَامِيَةٌ"۔

نون ساکن اور تنوین کا دوسرا قاعدہ

دوسرا قاعدہ حروف ''یَرْمَلُوْنْ'' کا ہے اور اسکے چھ حروف ہیں اور وہ یہ ہیں (ی، ر، م، ل، و، ن) اسکا قاعدہ یہ ہے کہ نون ساکن یا تنوین کے بعد یَرْمَلُوْن میں سے کوئی حرف آئے تو وہاں ادغام کیساتھ غُنّہ ہوگا اور ادغام کے معنیٰ ملانا یعنی ایک حرف کو دوسرے حرف میں ملا دینا اور اِدغام بھی دو طرح کا ہے یعنی اسکے دو قاعدے ہیں۔

پہلا قاعدہ: دو حرف کا ملا کر پڑھنا کہ اسکی اپنی خاصیت کم ہو جائے اس میں پورا غُنّہ کرنا ہے نون ساکن یا تنوین کے بعد (ل) اور (ر) آجائے تو نون ساکن کی آواز ختم ہو جائیگی یعنی ایسے موقع پر غُنّہ نہیں ہوگا صرف ادغام ہوگا جیسے مِنْ رَبِّکَ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ۔

دوسرا قاعدہ: جسے (یمنو) کہتے ہیں، یعنی: (ل) اور (ر) ہٹا کر اس قاعدے میں ادغام کیساتھ غنّہ ہوگا، یعنی: (نْ) ساکن کی آواز کو ایک الف کی مقدار ناک میں روکیں، جیسے: ''مَنْ یَّنْصُرُنِیْ، مِنْ مَّقَامٍ، مِنْ نَّارٍ، مَنْ یَّقُوْلُ'' وغیرہ۔

نون ساکن اور تنوین کا تیسرا قاعدہ

اظہارِ مطلق: یعنی: نون ساکن یا تنوین کے بعد (ی) یا (و) آئے اور متصل آئے تو وہاں غنّہ نہیں کریں گے بلکہ اظہار کریں گے اسکو مطلق اظہار کہتے ہیں یہ قرآن مجید میں چند الفاظ ہیں وہ یہ ہیں ''بُنْیَانٌ، قِنْوَانٌ، صِنْوَانٌ، دُنْیَا'' ان کے علاوہ کوئی نہیں۔

نون ساکن اور تنوین کا چوتھا قاعدہ

اِقلاب: اسکا مطلب ہے بدلنا، الٹنا، تبدیل کرنا۔

قاعدہ: نون ساکن یا تنوین کے بعد حرف (ب) آجائے تو اقلاب ہوگا، یعنی: نون ساکن یا تنوین

کے آخری (ن) کو (م) میں بدل دیں گے دوسرے لفظوں میں نون ساکن یا تنوین کے بعد (ب) آجائے تو اسکے اوپر ایک چھوٹی سی (م) لگا کر نونِ ساکن کو (م) میں بدل دیں گے جیسے قرآن مجید میں ایسی میم دیکھنے میں آتی ہے مثلاً: ''مِنۢ بَعْدِیْ، سَمِیْعًاۢ بَصِیْرًا''۔

نون ساکن اور تنوین کا پانچواں قاعدہ

اِخفاء کیساتھ غنّہ: نون ساکن یا تنوین کے بعد حروف اِخفاء میں سے کوئی ایک حرف آئے تو وہاں اِخفاء کیساتھ غنّہ ہوگا حروفِ اِخفاء یہ ہیں ''(ت، ث، ج، د، ذ، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ف، ق، ک)'' اِخفاء کا مطلب ہے چھپانا اس میں آدھا غنّہ ظاہر کیا جاتا ہے یعنی نون ساکن یا تنوین کی آواز کو ناک میں ایک الف کی مقدار، روکے رکھیں جیسے ''اِنْتَهُوْ، صَبْرًا جَمِیْلًا''۔

حروف مدّہ تین ہیں: (۱)....ا، و، ی۔ الف سے پہلے زبر ہو الف پر کوئی حرکت نہ ہو ورنہ ہمزہ بن جائیگا تو ایسے الف کو الف مدّہ کہتے ہیں۔ جیسے ''مَا، فَلَا، بِمَا'' اسکی مقدار ایک الف کے برابر کھینچ کر پڑھنا ہے اور یہی مقدار کھڑی حرکت کی ہے۔ جیسے (بٰ، بٖ، بٗ)۔

(۲).... واؤ ساکن (وْ)۔ ہو اور اس سے پہلے والے حرف پر پیش ہو تو وہ واؤ مدّہ کہلاتا ہے اسکی مقدار بھی ایک الف ہے جیسے ''بُوْ، تُوْ، ثُوْ''۔

(۳).... یائے مدّہ (یْ)۔ یا، ساکن سے پہلے والے حرف پر زیر ہو اس کو یائے مدّہ کہتے ہیں اور اسکی مقدار بھی ایک الف کے برابر کھینچ کر پڑھنا ہے جیسے ''بِیْ، تِیْ، ثِیْ'' وغیرہ

علم تفسیر

تفسیر کے معنٰی ہیں کھولنا، یعنی: قرآن مجید کے معنٰی حکموں اور حکمتوں کو کھول کر واضح کرنا آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہ کو صرف قرآن مجید کے الفاظ ہی نہیں سکھاتے تھے بلکہ اس کے حکم، معنیٰ و مطلب مسائل اور حکمتوں کی تفسیر بھی بیان فرماتے تھے یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو ایک سورۂ پڑھنے میں بعض اوقات کئی کئی سال لگ جاتے تھے جب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں موجود تھے تفسیر معلوم کرنا کچھ مشکل نہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دین پر چلنا مشکل ترین مرحلہ تھا اس راہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے کیسی کیسی مشقتیں اٹھائیں اور جدو جہد میں جو مراحل طے کئے ہیں اس کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔

تفسیر کے کل چھ سرچشمے ہیں

پہلا سرچشمہ قرآن مجید: چونکہ بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ کسی آیت میں کوئی بات تشریح طلب ہوتی ہے تو وہ خود قرآن مجید ہی کی کوئی دوسری آیت اسکے مفہوم کو واضح کر دیتی ہے، مثلاً: "سورۂ فاتحہ" کی دعا میں یہ جملہ موجود ہے "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ "، یعنی: ہمیں ان لوگوں کے راستے کی ہدایت عطا فرما جن پر آپ نے انعام کیا، یہاں یہ بات واضح نہ ہوئی کہ انعام یافتہ لوگ کون ہیں لیکن دوسری آیت میں ان کو واضح طور پر ظاہر کر دیا "مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ "یعنی: انعام یافتہ لوگ پیغمبر، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں، ورنہ ہمیں معلوم نہ ہوتا کہ انعام یافتہ سے کون لوگ مراد ہیں تو سب سے پہلے قرآن مجید کی آیت کی تشریح قرآن مجید کی کسی دوسری آیت سے کی گئی ہوگی اگر دوسری جگہ کوئی تفصیل نہیں ملتی تو حدیث کی طرف رجوع کریں گے کیونکہ دوسرا بڑا سرچشمہ حدیث ہے۔

تفسیر کا دوسرا بڑا سرچشمہ حدیث: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال کو حدیث کہتے ہیں درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی قرآن مجید کی ایک عملی تفسیر ہے۔ ان حدیثوں کی روشنی میں کتاب اللہ کے معنے لکھے گئے ہیں چونکہ حدیث میں صحیح، ضعیف اور موضوع ہر طرح کی روایت موجود ہیں؛ اس لئے محقق مفسّرین

اس وقت تک کسی روایت کو قابل اعتماد نہیں سمجھتے جب تک وہ تنقیدی روایتوں کے اصول پر پوری نہ اترے، حقیقت میں یہ بڑا نازک معاملہ ہے اس میں قدم رکھنا انہیں لوگوں کا کام ہے جنہوں نے اپنی عمریں ان علوم کے حاصل کرنے میں گزاری ہیں، حدیث کی کئی قسمیں ہیں سب کو بیان کرنا تو مشکل ہے البتہ چند مشہور اور ضروری قسموں کے نام اور انکی تعریف یہاں ذکر کی جاتی ہے۔

حدیث قدسی: وہ حدیث جس کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں جو قرآن مجید کی آیت تو نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

حدیث متواتر: وہ حدیث جس کے روایت کرنے والے ہر زمانے میں اتنے زیادہ ہوں کہ ان سب کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو۔

حدیث مشہور: وہ حدیث جس کے راوی ہر زمانے میں تین ہوں۔

حدیث مرفوع: وہ حدیث جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول وفعل وتقریر کا ذکر ہو اور راوی کا سلسلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہو۔

حدیث موقوف: وہ حدیث جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول وفعل وتقریر کا ذکر ہو۔

حدیث مقطوع: وہ حدیث جس میں تابعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول وفعل اور تقریر کا ذکر ہو۔

حدیث عزیز: جس کے راوی ہر زمانہ میں دو سے کم نہ ہوں۔

حدیث غریب: جس کا راوی کسی نہ کسی جگہ ایک رہ گیا ہو، جیسا کہ بخاری شریف کی سب سے پہلی حدیث "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" اور سب سے آخری حدیث "کلمتان حفیفتان۔ الخ" ہے۔

حدیث ضعیف: جس کے راوی میں عدل وضبط نہ ہو عدل کا مطلب ہے قابل اعتماد ہو، جھوٹا نہ ہو اور ضبط کا مطلب ہے کہ حدیث یاد رکھتا ہو بھولتا نہ ہو۔

حدیث موضوع: جس کے راوی پر حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جھوٹ بولنے کا طعن (الزام) ہو۔

حدیث متروک: وہ حدیث جو حدیث کے اصول وقواعد پر پوری نہ اترتی ہو۔

شاذ: وہ حدیث جس کا راوی خود تو (ثقہ) ہو لیکن اپنے سے زیادہ ثقہ، یعنی: قابل اعتبار محدّث کی مخالفت کرے۔

منکر: وہ حدیث جسکا راوی باوجود ضعیف ہونے کے ثقہ کی مخالفت کرے۔

مُضْطَرِبْ: جسکی سند اور متن میں اختلاف ہو۔

متّصِل: جسکی سند میں راوی شروع سے پورے ہوں کوئی نہ گرا ہو۔

منقطع: جسکی سند متصل نہ ہو کسی جگہ سے راوی گرا ہو۔

مُعَلّق: جسکی سند کے شروع ہی میں کوئی راوی چھوٹا ہو۔

مُعْضَل: جسکی سند کے درمیان سے کوئی راوی چھوٹا ہو۔

مُرْسَل: جسکی سند کے آخر سے کوئی راوی گرا ہو۔ (مُرسَل روایت چند شرائط کیساتھ قابل عمل ہو سکتی ہے)

مُدَلّس: وہ حدیث جس کا راوی اپنے شیخ یا شیخ کے شیخ کا نام حدیث بیان کرتے وقت چھپالے۔

تفسیر کا تیسرا سرچشمہ اقوالِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قرآن مجید کی تعلیم براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کی تھی انہوں نے قرآن مجید کے ماحول اور پس منظر کا خود مشاہدہ کیا تھا ان حضرات کے اقوال جتنے مستند اور قابل اعتماد ہو سکتے ہیں بعد کے لوگ وہ مقام حاصل نہیں کر سکتے، لہٰذا جن آیتوں کی تفسیر قرآن وحدیث سے معلوم نہ ہو سکے تو اس صورت میں سب سے زیادہ اہمیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کو حاصل ہوگی۔

تفسیر کا چوتھا سرچشمہ اقوال تابعین رحمۃ اللہ علیہم: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین کا نمبر آتا ہے یہ وہ حضرات ہیں جنھوں نے قرآن مجید کی تفسیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سیکھی ہے؛ اس لئے ان کے اقوال بھی علم تفسیر میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

تفسیر کا پانچواں سرچشمہ تدبّر و استنباط: یعنی: غور و فکر کیساتھ کسی بات سے کوئی مسئلہ نکالنا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اسلامی علوم میں بصیرت (عقل) عطا کی ہو وہ جتنا اس میں غور و فکر کریگا اتنے ہی انمول خزانے پائیگا کیونکہ قرآن مجید ایسا سمندر ہے جسکی کوئی حد نہیں جتنی بار غور کریگا ہر بار نئے نئے اسرار سامنے آتے ہیں نئے راستے کھلتے ہیں اسکے خلاف قرآن و سنت کے بنیادی اصولوں کے خلاف کسی شخص کی رائے کو ظاہر کرنا اسکی کوئی حیثیت نہیں۔ (الاتقان)

تفسیر کا چھٹا سرچشمہ لغتِ عرب: قرآن مجید چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے؛ اس لئے تفسیر قرآن کیلئے اس زبان پر مکمل عبور حاصل کرنا ضروری ہے قرآن مجید کی بہت سی آیتیں ایسی ہیں کہ انکے پس منظر میں کوئی شان نزول یا فقہی یا علمی مسئلہ نہیں ہوتا اس لئے انکی تفسیر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال منقول نہیں ہوتے انکی تفسیر صرف لغت سے کی جاتی ہے اور لغت کی بنیاد پر اسکی تشریح کی جاتی ہے اسکے علاوہ کسی آیت کی تفسیر میں اختلاف ہو تو لغت سے مدد لی جاتی ہے۔

اسرائیلیات کا حکم

اسرائیلیات ان روایتوں کو کہتے ہیں جو اہل کتاب، یعنی: یہودیوں اور عیسائیوں سے ہم تک پہنچی ہیں انکی حقیقت یہ ہے کہ پہلے بعض صحابہ کرام اور تابعین اسلام لانے سے پہلے اہل کتاب کے مذہب سے تعلق رکھتے تھے، جب اسلام میں داخل ہوئے اور قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی تو انہیں قرآن مجید میں پچھلی امتوں کے واقعات نظر آئے جو انہوں نے اپنے مذہب کی پرانی کتابوں میں دیکھے تھے یہی تفصیلات اسرائیلیات کے نام سے تفسیر کی کتابوں میں داخل ہوگئیں ایسے واقعات کی تین قسمیں ہیں۔

(۱)۔۔۔۔ وہ اسرائیلی روایات جنکی سچائی قرآن و سنت سے ثابت ہو، مثلاً: فرعون کا غرق ہونا اور موسیٰ علیہ السلام

کا کوہِ طور پر جانا وغیرہ۔

(۲).... وہ روایات جن کا جھوٹ ہونا قرآن وسنت کے دوسرے دلائل سے ثابت ہوں، مثلاً: اسرائیلی روایات میں یہ مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام آخری عمر میں (معاذ اللہ) مرتد ہو گئے تھے اسکی تردید قرآن مجید کی اس آیت سے ثابت ہے "وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا" یعنی: سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا، اسی طرح اسرائیلی روایات میں ہے کہ (معاذ اللہ) حضرت داوٗد علیہ السلام نے اپنے سپہ سالار کی بیوی سے زنا کیا اور اسکے شوہر (اوریا) کو مختلف تدبیروں سے مروا کر اسکی بیوی سے نکاح کیا یہ بھی کھلا جھوٹ ہے اس قسم کی روایات بالکل غلط ہیں۔

(۳).... وہ روایات جن کے بارے میں قرآن وسنت اور دوسرے شرعی دلائل خاموش ہیں جیسے کہ "توریت" کے احکام وغیرہ ایسی روایات کے بارے میں آپ کی تعلیم یہ ہے کہ اس میں خاموشی اختیار کی جائے، نہ تردید کی جائے نہ تکذیب کی جائے کیونکہ اس سے کوئی فائدہ نہیں۔

تفسیر قرآن کے بارے میں شدید غلط فہمی

قرآن مجید کی تفسیر ایک انتہائی نازک اور مشکل کام ہے جس کیلئے صرف عربی زبان جان لینا کافی نہیں بلکہ تمام متعلقہ علوم میں مہارت ضروری ہے مفسر قرآن کیلئے ضروری ہے کہ وہ عربی زبان کے صرف ونحو، بلاغت و ادب کے علاوہ علم حدیث، اصولِ فقہ، تفسیر، عقائد وکلام کا وسیع وعمیق (گہرا) علم رکھتا ہو جب تک ان علوم سے مناسبت نہ ہو انسان قرآن مجید کی تفسیر میں کسی صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا۔

افسوس! کچھ عرصہ سے مسلمانوں میں یہ خطرناک وبا چلی آ رہی ہے کہ بہت سے لوگ عربی پڑھ لینے کو تفسیر قرآن کیلئے کافی سمجھ لیتے ہیں اور جو معمولی عربی پڑھ لیتا ہے یا بول لیتا ہے وہ بھی تفسیر میں رائے دینا شروع کر دیتا ہے، بعض اوقات یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ معمولی عربی جان لینے والے بھی من مانی طریقے سے قرآن کی تفسیر شروع کر دیتے ہیں بلکہ پرانے مفسرین کی غلطیاں نکالنے اور ان پر تنقید کرنے سے بھی نہیں چوکتے، بعض تو صرف

قرآن مجید کا مطالعہ کر کے اپنے آپ کو قرآن کا عالم سمجھنے لگتے ہیں خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یہ انتہائی خطرناک طرز عمل ہے جو دین کے معاملہ میں نہایت مہلک گمراہی کی طرف لیجاتا ہے مثلاً: کوئی شخص محض دنیاوی تعلیم حاصل کرلے اور انگریزی سیکھ کر میڈیکل سائنس کی کتابوں کا مطالعہ کرے تو دنیا کا کوئی عقل مند اسے ڈاکٹر تسلیم نہیں کرسکتا اور نہ اپنی جان اسکے حوالے کرسکتا ہے جب تک اس نے کسی میڈیکل کالج سے باقاعدہ تعلیم و تربیت حاصل کر کے ڈگری نہ لی ہو بلکہ صرف تعلیم بھی کافی نہیں سمجھی جاتی جب تک کہ اس نے عملی تربیت اور پریکٹس نہ کرلی ہو اسی طرح کوئی انگریزی دان انجینئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے انجینئر بننا چاہے تو دنیا کا کوئی باخبر انسان اسے انجینئر تسلیم نہیں کریگا اسکے لئے کسی ماہر استاد کے زیر تربیت رہ کر باقاعدہ اس فن کو سیکھنا ضروری ہے ہر علم وفن سیکھنے کا ایک خاص طریقہ اور کچھ شرطیں ہوتی ہیں جنہیں پورا کئے بغیر اس علم وفن میں اسکی رائے معتبر نہیں سمجھی جاتی تو آخر قرآن وحدیث ایسے لاوارث کیوں ہوسکتے ہیں کہ انکا کوئی ماہر نہ ہو کوئی پڑھنے پڑھانے والا نہ ہو بلکہ جس کے جی میں آئے اسمیں ٹانگ اڑائے ہر کوئی اسکی تفسیر لکھنا شروع کردے اور مفسر بن جائے، لہٰذا ایسے حضرات کو چاہئے کہ اگر انکو اسلامی علوم میں مہارت نہیں تو وہ حضرات ہرگز ہرگز قرآن وسنت کی تشریح اپنی طرف سے نہ کریں اور نہ اسے دوسروں کے سامنے بیان کریں یہ کام ان حضرات کا ہے جنکی زندگیاں اس کام میں کھپ گئیں ہیں جنہوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا اس کام کو بنا رکھا ہے اور ماہر اور صحیح العقیدہ اساتذہ سے ان علوم کو باقاعدہ سیکھا ہے۔

قرآن مجید کی آیتیں دو قسم کی ہیں ایک تو وہ آیتیں ہیں جن میں عام نصیحت کی باتیں، سبق آموز واقعات، عبرت کے مضامین، جنت اور دوزخ کی باتیں بیان کی گئی ہیں مثلاً پچھلی قوموں کے واقعات، اس امت کیلئے نصیحت کی باتیں، دنیا کا عارضی قیام، آخرت میں ہمیشہ کا رہنا اور وہاں کی نعمتیں، آخرت کی فکر کی ترغیب، خوفِ اللہ کو اپنے اندر پیدا کرنا، اسی طرح زندگی کے سیدھے سادھے حقوق کا بیان ہے اس قسم کی آیتیں بلاشبہ آسان اور عام فہم ہیں جو انسان عربی زبان سے واقف ہو انہیں سمجھ کر نصیحت حاصل کرسکتا ہے یہ باتیں اللہ تعالیٰ نے سمجھنے

اورعمل کرنے کیلئے آسان کردی ہیں" وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ "اورہم نے قرآن کونصیحت حاصل کرنے کیلئے آسان کردیا ہے، اسکے برخلاف دوسری قسم کی آیتیں وہ ہیں جن میں حکم اورقانون ہیں، اصول و قواعد ہیں، عقائداورعلمی مضامین ہیں جنکا سمجھنا ہرایک کے بس کی بات نہیں جب تک اسلامی علوم میں پختگی اور بصیرت حاصل نہ ہو۔

حضرت عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دس آیتیں سیکھ لیتے تو اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک ان دس آیتوں کے متعلق تمام علمی اورعملی باتیں سمجھ نہ لیتے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب موطا امام مالک میں روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے "سورۃ بقرہ" یادکرنے میں پورے آٹھ سال لگادیئے تھے، حالانکہ وہ اہل عرب تھے قرآن مجید یادکرنے اورمعانی سمجھنے کیلئے انہیں اتنی لمبی مدت کی کیا ضرورت تھی؟ وجہ یہ تھی کہ قرآن مجید سمجھنے کیلئے محض عربی زبان میں مہارت کافی نہیں تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اورتعلیم سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔

لوگ صرف ترجمہ پڑھ کرمفسّر قرآن بننے کا دعویٰ کرتے ہیں علم دین کیساتھ یہ کیسا افسوس ناک مذاق ہے ایسی زیادتی کسی بھی فنی وعلمی کتاب کے ساتھ نہیں ہورہی ہوگی جو زیادتی قرآن مجید کے ساتھ ہورہی ہے۔ العیاذ باللہ، العیاذ باللہ۔

تفسیر بالرائے

جس شخص نے قرآن مجید کی تفسیر اپنی رائے سے کی یا ایسی بات کی جسے وہ نہیں جانتا تو ایسے شخص کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنی رائے سے قرآن مجید کی تفسیر کی اگرچہ اس کی بات ٹھیک بھی نکلی

تب بھی اس نے غلطی کا ارتکاب کیا کیونکہ اس نے قرآن مجید کی تفسیر میں اپنی رائے شامل کی تھی اور وہ ایسی چال چلا کہ جسکی اجازت نہ تھی ایک روایت میں یہ بھی الفاظ آئے ہیں کہ ''جس نے قرآن مجید کی تفسیر اپنی رائے سے کی گویا اس نے کفر کا ارتکاب کیا'' اس لئے علماء کرام کی ایک بڑی جماعت تفسیر بیان کرنے سے بہت ڈرتی تھی مسلمانوں کو ہمیشہ دو چیزوں نے تباہ کیا ایک کتاب اللہ سے غفلت دوسری قرآن مجید کی غلط تفسیر۔

بیرونی آقاؤں کو خوش کرنے کیلئے اور خود اپنے نفس کی مرضی پر چل کر حدیث کی رو سے اس نے کفر کا ارتکاب کیا اور دنیا میں علماءِ سُو کا خطاب پایا۔ عبداللہ چکڑالوی کا دماغ خراب ہوا تو انہوں نے غلط تفسیر کر کے لوگوں کو گمراہ کیا کبھی نمازوں کی تعداد دو بتلائی کبھی تین کبھی حدیث کا انکار کیا سرسید احمد خان کی مت ماری گئی تھی کہ اس نے بڑے اچھے اساتذہ سے تعلیم لی مگر معجزات کا انکار کیا حالانکہ خود قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کے معجزات کا ذکر ہے لیکن سرسید نے اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے جیسا بے بس انسان خیال کیا اسکے علاوہ جنت اور جہنم کا بھی انکار کیا اور کہا کہ دنیا کی راحتوں کا نام جنت اور یہاں کی تکلیفوں کا نام جہنم ہے اور فرشتوں کا بھی انکار کیا، پھر غلام احمد پرویز آیا انہوں نے بھی قرآن مجید کے نام پر دنیا میں کفر پھیلایا اس نے حدیث کو حجّت ماننے سے انکار کیا اور کہا ہمیں قرآن ہی کافی ہے حدیث کی ضرورت نہیں، الحمد اللہ آج بھی اردو، عربی، انگریزی، فارسی میں تفسیریں موجود ہیں۔

(۱)....تفسیر ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ
(۲)....تفسیر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ
(۳)....تفسیر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ
(۴)....تفسیر کبیر
(۵)....تفسیر روح المعانی
(۶)....احکام القرآن لِلجصاص
(۷)....تفسیر دُرِ منثور
(۸)....تفسیر مظہری (عربی-اردو) مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

دنیا کی سب سے بڑی نعمت قرآن مجید ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ
سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتِمُ النَّبِيِّيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ،
اَمَّا بَعْدُ !

قرآن مجید اس دنیا میں عظیم نعمت ہے، انسان کی سب سے بڑی سعادت اور خوش نصیبی اس کلام پاک کو حاصل کرنا ہے اور سب سے بڑی بدنصیبی اسے چھوڑنا ہے، لہٰذا مسلمان کیلئے اس کی فکر ضروری ہے، قرآن مجید ایک نور ہے جس کے ذریعہ انسان کی روح اور دل روشن ہوتے ہیں، چونکہ یہ خود نور ہے اسلئے جو انسان اسکو پڑھیگا عمل کریگا اسمیں بھی دین کی نورانیت آجائیگی۔

قرآن مجید مثل روح ہے: روح جب کسی انسان کے جسم میں داخل ہوتی ہے تو زندگی نصیب ہوتی ہے جب روح نکل جائے تو زندہ مردہ میں تبدیل ہوجاتا ہے اسی قرآن مجید کے ذریعہ انسان کو روحانی زندگی نصیب ہوتی ہے وہ گمراہی سے نکل کر روشنی میں آتا ہے جو شخص اس پر عمل نہیں کرتا وہ زندہ ہوکر بھی مردہ ہے حدیث میں آیا ہے کہ ذکر کرنے والے کی مثال زندہ کی سی ہے اور ذکر نہ کرنے والے کی مثال مردہ کی سی ہے اور قرآن مجید سارا کا سارا ذکر ہی ہے۔

قرآن مجید شفاء اور رحمت ہے: جو شخص قرآن مجید پر عمل کریگا روحانی جسمانی بیماریوں سے شفاء پائیگا۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں "فِيْهِ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ" اس کلام میں شفاء بھی ہے رحمت بھی ہے، ہر ظاہری

بیماری کیلئے قرآن مجید شفاء ہے اور روحانی بیماری کیلئے تو یہ شفاء بن کر آیا ہے شرک و بت پرستی کے مریض ہوں سب کیلئے شفاء بن کے آیا ہے لیکن بیماری سے نجات کیلئے پرہیز بھی لازمی ہے قرآن مجید نے جن چیزوں سے روکا ہے ان سے پرہیز کرے اور جن کے استعمال کا حکم دیا ہے انکو استعمال کرے بدپرہیزی سے مرض بڑھتا ہے کم نہیں ہوتا۔

قرآن مجید علم وحکمت کا انمول خزانہ ہے: جس قدر انسان اس کے قریب ہونگے اسی قدر کامیابی واصلاح، بخشش، اللہ تعالیٰ کی قربت، غور وفکر اور تربیت کے نئے راستے پیدا ہونگے، قرآن مجید پڑھنے کی مثال خوشبودار میوے کی سی ہے جسکی خوشبو، مزہ اور فائدے سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، جس گھر میں کلام پاک پڑھا جائیگا اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اترتی ہے فرشتے اس گھر میں بسیرا کر لیتے ہیں۔

کلام پاک کی فضیلت: (۱)۔۔۔۔ قرآن مجید بہت بڑی فضیلت والی اور آسمانی کتابوں میں سب سے آخری کتاب ہے۔ (۲)۔۔۔۔ سب پیغمبروں میں فضیلت والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کلام پاک نازل ہوا ہے۔ (۳)۔۔۔۔ اس فرشتے کے ذریعے نازل ہوا ہے جو فرشتہ سب فرشتوں سے افضل اور سب کا سردار ہے جسکا نام روح القدس ہے۔ (۴)۔۔۔۔ اس جگہ نازل ہوا جو برکت کی جگہ ہے اور دنیا بھر کیلئے ہدایت کا مرکز ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا گھر بیت اللہ شریف ہے ایسی سرزمین میں نازل ہوا۔ (۵)۔۔۔۔ اس مبارک مہینے میں نازل ہوا جو سب مہینوں سے افضل ترین ہے یعنی رمضان المبارک میں۔ (۶)۔۔۔۔ اس مبارک رات کو یہ کلام پاک نازل ہوا جو تمام راتوں سے افضل اور بابرکت ہے وہ ایک رات فضیلت کے اعتبار سے ہزار مہینوں سے بڑھکر ہے، یعنی: لیلۃ القدر۔ (۷)۔۔۔۔ اس امت پر نازل ہوا جو تمام امتوں میں بہترین امت ہے، جو سب سے آخر میں آئی اور سب سے پہلے جنت میں جائیگی، اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ باوجود ہماری کوتاہیوں کے ہم کو بہت ساری فضیلتوں سے نوازا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور ہمارے پیارے پیغمبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کی برکت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

آخردم تک اس امت کیلئے دعا کرتے رہے اس امت کو یاد کرتے رہے اس امت کو تو مثالی امت بننا چاہئے تھا، دین کو پھیلانے کا کام انکے ذمہ ہے کیونکہ نیا پیغمبر آئیگا نہیں اب بھی وقت گیا نہیں عقلمندی کا تقاضہ یہ ہے کہ مرنے سے پہلے اپنی آخرت کو سنوارنے کی فکر کی جائے۔

بہت اہم اور قابل توجہ بات: کیونکہ یہ تفسیر سارے علوم کو جامع، عام فہم، قابل اعتبار مسائل سے بھر پور اور قابل عمل اور آسان اردو کو شامل ہیں۔

(۱)....اسکے الفاظ مختصر اور عام فہم ہیں اسکے علاوہ اور کئی باتوں کی کمی محسوس کر کے جدید دور کے مطابق ہم نے یہ قدم اٹھایا ہے مثال کے طور پر لفظی معنیٰ عربی حرف کے عین نیچے نہ ہونے کی وجہ سے عربی لفظ کے معنیٰ سمجھ میں نہیں آتا، لہٰذا اس کمی کو یہاں دور کیا گیا ہے۔

(۲)....پورے قرآن مجید میں دو ہزار عربی کے مشکل الفاظ اکٹھے کر کے انہیں یاد کر لیں تو معنوں سے قرآن مجید پڑھنے میں آسانی ہوگی۔

(۳)....پورے قرآن مجید میں بیس جگہ ایسی ہیں جہاں جان بوجھ کر زیر، زبر کے فرق کرنے سے کفر کا اندیشہ ہے اسکی نشاندہی بھی کی گئی ہے ان حروف کو محتاط ہو کر پڑھنا ہے ویسے بھی زیر، زبر کا خیال رکھنا ضروری ہے اس پر خاص توجہ دینا ہے۔

(۴)....اسکے علاوہ کلام پاک کو تجوید سے پڑھنا ہے کیونکہ یہ اللہ کا کلام ہے اور ہم ایسے پڑھتے ہیں کہ اللہ بچائے اس معاملے میں بہت سے لوگ غلطیاں کرتے ہیں ہم نے تجوید کے بارے میں مختصر قاعدے لکھے ہیں جو بے حد ضروری ہیں اس پر عمل کریں اگر مشکل معلوم ہوں تو چند دن کسی استاد کی مدد حاصل کریں اور غلط پڑھنے کے گناہ سے بچیں۔

(۵)....اسکے علاوہ نہ ہمیں عربی گنتی آتی ہے نہ عربی مہینوں کے نام اور نہ عربی میں رشتہ داروں کے نام

معلوم ہیں اور نہ بھیڑ بکری اور دوسرے جانوروں کے نام معلوم ہیں نہ ہمیں کسی سورۃ کا شان نزول اور اسکے کسی حکم کا علم ہے ہم مسلمان ضرور ہیں مگر ان سب باتوں سے بہت دور ہیں، تجوید کے بارے میں سنگین غلطیوں میں مبتلا رہنے کے باجود بغیر فکر و کوشش کے قرآن پر قرآن ختم کر کے خوش ہوتے ہیں اپنی غلطی سے بے خبر رہتے ہیں بعض نوجوان لوگ کہنے کے باوجود اس پر توجہ نہیں دیتے اسی طرح بوڑھے لوگ اپنے آپ کو معذور و مجبور اور نہ معلوم کن کن باتوں کا آسرا لیکر غافل ہیں جبکہ زیر، زبر، پیش کے فرق سے معنیٰ بدل جاتے ہیں جہاں بڑا مد (ٓ) آئے اسے پانچ الف کے برابر کھینچنا ہے اور جہاں چھوٹا مد (ٓ) ہو اس کو تین الف کے برابر کھینچنا ہے اگر ذرا سی توجہ ہو تو یہ مشکل اور ناممکن بات نہیں اور نہ شرمانے کی ضرورت ہے سہولت میسّر ہونے کے باوجود اپنی کوتاہیوں کو دور نہ کرنا یہ سب سے بڑا گناہ ہے اور اسکا وبال انہیں ہوگا جو اس سے غافل ہیں اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ اس بات کی طرف توجہ دینے کی ہمیں توفیق دے اور ہماری مدد فرمائے۔ (آمین)

(۶)۔۔۔۔ اسکے علاوہ بسا اوقات ایک عربی لفظ کے کئی معنیٰ آتے ہیں کہیں ایک معنیٰ مراد لیا جاتا ہے اور کہیں دوسرا معنیٰ ہر جگہ ایک ہی معنیٰ لینے والا تفسیر میں غلطی کر جاتا ہے، مثلاً: "سُلْطَانًا" کے معنیٰ الزام، قوت، قابو، غلبہ، حجّت، ثبوت، سند، دلیل، کے آتے ہیں۔

اسی طرح ایک اردو لفظ ہوتا ہے اسکے عربی میں کئی نام آتے ہیں مثلاً: اولاد کے معنیٰ "ولد، أسباط، عُقبہ، غلام، ذُرِّيَّةٌ، بَنِيْن" وغیرہ۔

(۷)۔۔۔۔ اسی طرح زبر، زیر، پیش کے فرق سے معنوں میں تبدیلی آتی ہے جیسے: "مَلَكٌ" بمعنی فرشتہ، "مَلِكٌ" بمعنی بادشاہ، "مُلْكٌ" بمعنی بادشاہت، "مِلْكٌ" بمعنی جائیداد، اور جیسے: "حَمَّامٌ" غسل کی جگہ، "حُمَامٌ" کبوتر، "حِمَامٌ" موت، کو کہتے ہیں۔

(۸)....اسی طرح ایک دوسرے متضاد الفاظ مثلاً: رات، دن،"لَیْل" بمعنی رات،"نَھَار" بمعنی دن۔

(۹)....اسکے ساتھ ہی ہم آواز الفاظ جیسے:"یُسرًا" "آسانی،"عُسرًا" مشکل،"اِسْرٰی" رات کو نکلنا،"اَسَرَّ" چپکے چپکے،"مَیْسِرُ" جوا،"اُسْرٰی" قیدی،"یَسِیْرًا" ہلکا،"عَسِیْر" سخت مشکل، وغیرہ یہ ساری باتیں آپ کو ہماری تفسیر آسان تفسیر القرآن میں مل جائینگی۔ ان شاء اللہ

(۱۰)....جہاں کوئی آیت کسی مقصد کیلئے اتری ہو اسکے نیچے نشان ہوگا اور سبب نزول بھی درج ہوگا مثلاً: "سورۂ مائدہ" کیوں اور کیسی اتری وغیرہ۔

(۱۱)....بعض سورتوں کے دو نام ہوتے ہیں اسکے معنٰی کیا ہیں، مثلاً:"سورۂ دَھر" کو"سورۂ انسان" بھی کہتے ہیں،"دَھر" کے معنٰی زمانہ اور انسان کو سب جانتے ہیں اس سورۃ میں"دَھر" یعنی: زمانے کا لفظ آیا ہے اور اس سورۃ میں انسان کی پیدائش کا ذکر ہے یہ ساری باتیں آپ کو دوسری تفسیر میں شاید نہیں ملیں گی ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہیں ہماری ذمہ داری ہے کہ خود دین پر چلنے کے ساتھ ساتھ دین دوسروں تک پھیلائیں اگر ہم دین کو صحیح طور سے نہ سمجھے تو اس پر عمل کیسے ہوگا اور دین پھیلانے میں کیسے آگے بڑھیں گے یہ دین تو قیامت تک باقی رہنے والا ہے؛ اس لئے دین خود بھی سیکھیں دوسروں کو بھی اسکی دعوت دیں جہاں مشکل کا سامنا ہو علمائے دین ومفتیان کرام سے پوچھیں اس سے آپ غلط راہ یا شش وپنج میں ہرگز نہیں پڑیں گے بہت سوچ سمجھ کر غور وفکر اور سکون سے کلام اللہ کو پڑھنا چاہئے یہ بہترین موقع اللہ تعالیٰ نے آپ کو فراہم کیا ہے اور مرنے سے پہلے ہم سب کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے ورنہ مرنے کے بعد سوائے پچھتاوے اور حسرت کے کچھ حاصل نہ ہوگا اس وقت کی کوشش اور تڑپ ہمارے کام نہ آئیگی۔

نئے دور کے تقاضوں کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک نئی چیز پیش کرنے کی توفیق دی ہے اور ساتھ ہی مسلمانوں کو جگہ جگہ بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید کا تم سے کیا مطالبہ ہے؟ تمہاری اجتماعی وانفرادی زندگی کس رخ پر

ہے؟ کیا تمہاری دنیا کی زندگی یہاں ہمیشہ رہنے والی ہے؟ یا مرنے کے بعد کی زندگی ساری راحتوں اور خوشیوں کے ساتھ ہمیشہ رہیگی کبھی اس پر توجہ دی ہے اگر توجہ دی ہے تو عمل کو کس حد تک درست کیا؟ کیا حسن اخلاق اور حقوق العباد کی فکر کی ہے؟ اسکی کوتاہی اور برے انجام کی خبر ہے یا اپنی انا اور خاندانی خرافات پر ڈٹے ہوئے ہیں قرآن مجید یہی تو سکھاتا ہے کہ صرف پڑھنا کافی نہیں جب تک اسپر غور و فکر اور عمل نہ کریں۔

آیاتھا — ۷　سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ　رکوعاتھا — ۱

سورۃ الفاتحہ مکی ہے، اس میں سات آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

"اَعُوْذُ بِاللّٰهِ" کی تفسیر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○

میں پناہ چاہتا ہوں　اللہ کی　سے　شیطان　مردود　۔

بامحاورہ ترجمہ: ۔میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے۔

"اَعُوْذُ بِاللّٰهِ" پڑھنے کی وجہ اور اسکے فضائل

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت شروع کرنے سے پہلے شیطان کے شَر سے بچنے کیلئے "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" پڑھ لی جائے۔

شیطان انسان کا دشمن ہے، وہ ہر وقت انسان کے نیک عملوں کو برباد کرنے کی کوششوں میں لگا رہتا ہے، اگر کوئی انسان کسی انسان سے دشمنی کرے تو اسکی دشمنی کا علاج اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ اسکے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، احسان کیا جائے تا کہ وہ دوست بن جائے، لیکن شیطان ایسا دشمن ہے کہ اس کے ساتھ ہم اچھا سلوک بھی نہیں کر سکتے اور یہ دشمن اچھے سلوک و احسان کے باوجود دشمنی نہیں چھوڑتا اسے انسان کی تباہی و بربادی میں مزہ آتا ہے اس لئے شیطانوں کی دشمنی سے محفوظ رہنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنی پناہ لینے کی تاکید فرمائی ہے اس نے ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو بہکا کر جنت سے نکالا ہے تو خیال کیجئے ہمارے ساتھ اسکا کیا معاملہ ہوگا؟ ہمیں

گمراہ کرنے کیلئے اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے قسم اٹھائی ہے کہ تیری عزت کی قسم، تیرے جلال کی قسم، تیری کبریائی کی قسم! میں اس انسان کو بہکاؤں گا جس طرح آپ نے مجھے گمراہ کیا، میں اسکے آگے سے، اسکے پیچھے سے، اسکے دائیں سے، اسکے بائیں سے حملہ کرونگا، مگر جو تیرے مخلص بندے ہونگے وہ میرے وار سے بچ جائیں گے۔

"اَعُوْذُ بِاللّٰهِ" پڑھنے کے بہت فائدے ہیں، بے معنی باتوں سے جو منہ میں ناپاکی اور بدبو پیدا ہوتی ہے وہ اس سے دور ہوتی ہے اور منہ کلام پاک کی تلاوت کے قابل ہو جاتا ہے اس مقدس کلام کیلئے ہمارا منہ اور دل وسوسوں سے پاک ہونا چاہئے اس کیلئے قرآن مجید نے ہمیں ہدایت کی کہ تم اسکے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ لو کیونکہ شیطان انسان کو دیکھتا ہے انسان اسے نہیں دیکھ سکتا، تو اس نظر نہ آنے والے دشمن کا مقابلہ ہم کس طرح کر سکتے ہیں ایسے دشمن کے وار سے صرف اللہ تعالیٰ ہی بچا سکتا ہے لہٰذا اللہ کی پناہ میں آنا ضروری ہے۔

"بِسْمِ اللّٰهِ" کی تفسیر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ساتھ نام اللہ رحمن رحیم کے ۔

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر

اسمیں اللہ تعالیٰ کے تین نام آ گئے ہیں پہلا: اللہ، دوسرا: رحمن، تیسرا: رحیم، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھ پر اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی آیت نازل فرمائی ہے جو سلیمان علیہ السلام کے سوا کسی اور پیغمبر پر نازل نہیں ہوئی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب بسم اللہ کی آیت اتری تو بادل مشرق کی طرف سے چھٹ گئے ہوائیں ٹھہر گئیں، جانوروں نے کان لگائے، شیطانوں پر آسمان سے شعلے گرائے گئے، پروردگار نے اپنی عزت اور جلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ: جس چیز پر میرا نام لیا جائیگا اسمیں ضرور برکت ہوگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر کام کی ابتداء بسم اللہ سے کرو جو بھی کام اللہ تعالیٰ کے نام بغیر شروع کیا جائے وہ ادھورا رہ جاتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے: جب گھر کا دروازہ بند کرو تو بسم اللہ کہو، جب چراغ گل کرو تو بسم اللہ کہو، برتن ڈھکو تو بسم اللہ کہو، کھانا کھانے، پانی پینے، وضو کرنے، سواری پر سوار ہونے اور اترنے کے وقت بسم اللہ پڑھنے کی ہدایت کی گئی ہے کیونکہ برکت، مدد اور قبولیت کیلئے اللہ تعالیٰ کا نام لینا ضروری ہے۔

لفظ اللہ خاص اور جامع نام ہے بعض نے لفظ (اللہ) کو اسم اعظم کہا ہے لفظ (اللہ) اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے باقی تمام صفاتی نام ہیں، اللہ تعالیٰ کے بہت سے نام ہیں جن میں مشہور نام (۹۹) ہیں، ان میں آٹھ نام ایسے ہیں کہ کسی کا نام رکھنے کیلئے اس کیساتھ عبد یا کوئی اور لفظ لگانا ضروری ہے ورنہ (عبد) لگائے بغیر ان ناموں میں سے کسی انسان کا نام رکھنا جائز نہیں۔

آٹھ نام یہ ہیں

(۱)۔۔۔۔ اَللّٰہ: ذاتی نام ہے، یہ لفظ کس سے بنا ہے یہ خالص علمی بحث ہے عوام کیلئے اس بحث کو یہاں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۲)۔۔۔۔ رَبّ: پالنے والا۔

(۳)۔۔۔۔ رَحْمٰن: زیادہ رحم کرنے والا: اسکی خاص صفت ہے وہ نافرمانی کرنے کے باوجود بھی رحم کرتا ہے، رحم کرنے کی یہ صفت اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی میں نہیں پائی جاتی۔

(۴)۔۔۔۔ رَزَّاق: رزق دینے والا۔

(۵)۔۔۔۔ خَالِق: پیدا کرنے والا۔

(۶)۔۔۔۔ غَفَّار: گناہ بخشنے والا۔

(۷)۔۔۔۔ قُدُّوس: پاک، عیب سے خالی۔

(۸)۔۔۔۔ قَیُّوم: ہمیشہ قائم رکھنے والا۔

ہر کام کو "بِسْمِ اللّٰہِ" سے شروع کرنے کی حکمت

اسلام نے ہر کام کو اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرنے کی ہدایت دیکر انسان کی پوری زندگی کا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دیا ہے جو قدم قدم پر یہ خیال کرتا ہے کہ میرا وجود میرا کوئی کام بغیر اللہ تعالیٰ کی مدد کے اور اسکے ارادے کے نہیں ہوسکتا یہ ایسا کلمہ ہے جس نے ہر انسان کے ہر جائز قول و فعل اور حرکت کو عبادت بنا دیا ہے دیکھئے عمل کتنا مختصر ہے اور فائدہ کتنا بڑا، نہ قوت خرچ ہوتی ہے نہ محنت جس سے دین و دنیا دونوں سنور جاتے ہیں، ایک کافر بھی کھاتا پیتا ہے ایک مسلمان بھی، مگر مسلمان اپنے منہ میں لقمہ ڈالنے سے پہلے "بسم اللہ" کہہ کر یہ اقرار کرتا ہے کہ یہ لقمہ زمین سے پیدا ہونے سے لیکر منہ تک پہنچنے کیلئے لاکھوں فضائی مخلوقات کی توانائی اور انسان کی محنت صَرف ہونے کے بعد یہ نوالہ تیار ہوا اسکا حاصل کرنا بندے کے بس کی بات نہیں، اگر اللہ تعالیٰ دانے کو زمین سے نہ اگاتے تو کس کی مجال تھی کہ دانے کو زمین سے اگائے۔

ذرا غور کیجئے کہ! دانے کو کس نے پھاڑا، اس میں کونپل کس نے نکالی، پھر کس نے بڑھایا اور پکایا، پھر ایک سودانے کس نے کئے، پھر سورج کی تپش نہ ہوتی تو فصل پکتی کیسے؟ غرض اللہ تعالیٰ کے ان احسانات میں ڈوب کر جو بندہ "بسم اللہ" کہہ کر نوالہ لیتا ہے تو یہ کھانا عبادت بن جاتا ہے اسی سے پہچان ہوتی ہے مؤمن اور کافر کی، کافر یہ سب کچھ اپنا کمال سمجھتا ہے اور مسلمان اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھتا ہے، غور کیجئے! اس مختصری تعلیم نے انسان کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔

احکام و مسائل

اس میں دو چیزیں خاص طور پر پائی جاتی ہیں، ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان، دوسرے اس پر بھروسہ، جب کوئی شخص کسی اچھے کام کو شروع کرتے وقت "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" پڑھتا ہے تو اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں اپنے پروردگار پر ایمان رکھتا ہوں اور اسی کے بھروسے پر یہ کام شروع کرتا ہوں۔

مسئلہ(۱):..... "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" "سورۂ نمل" کی ایک آیت ہے، اس لئے یہ بھی قرآن پاک کا ایک جز ہے اور اسکا احترام بھی قرآن مجید کے احترام کی طرح کرنا ضروری ہے اور اسکے بھی وہی حکم ہیں جو قرآن مجید کے ہیں، یعنی: ناپاک آدمی یا حیض ونفاس والی عورت اسکو ہاتھ نہیں لگا سکتی اور نہ اسکو پڑھ سکتی ہے، اگر کسی علیحدہ کاغذ پر "بسم اللہ" لکھی ہوئی ملے تب بھی شرعاً ناپاکی کی حالت میں ہاتھ نہیں لگا سکتے۔

مسئلہ(۲):..... قرآن مجید "بسم اللہ" سمیت کوئی بھی ناپاک آدمی یا حیض ونفاس والی عورت تلاوت کیلئے نہیں پڑھ سکتے، ہاں کوئی استاد یا استانی بچوں کو پڑھاتی ہے اور فی الحال غسل کا کوئی انتظام نہیں تو بچوں کو ہجے سے پڑھا سکتی ہے ایک سانس میں ایک پوری آیت یا آدھی آیت بھی پڑھنا جائز نہیں مثلاً: بِسْمِ۔ اللّٰهِ۔ الرَّحْمٰنِ۔ الرَّحِيْمِ اس طرح پڑھیں۔

مسئلہ(۳):..... "بسم اللہ" چونکہ ذکر بھی ہے اس لئے ناپاک آدمی ذکر کیلئے اس کو پڑھ سکتا ہے کیونکہ ذکر ہر حالت میں جائز ہے، جس طرح ناپاکی، ماہواری اور زچگی میں ذکر کے طور پر کلمہ شریف، استغفار، سبحان اللہ، الحمد للہ، یا کوئی اور ذکر پڑھ سکتے ہیں ایسے ہی "بسم اللہ" بھی بطورِ ذکر پڑھ سکتے ہیں لیکن تلاوت کے طور پر نہیں، اس میں بھی پوری "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" نہیں پڑھ سکتے صرف "بسم اللہ" پڑھ سکتے ہیں اور ہاتھ لگانا کسی صورت میں جائز نہیں۔

مسئلہ(۴):..... نماز میں امام "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اور بِسْمِ اللّٰهِ" دونوں آہستہ پڑھیگا جو امام کے پیچھے ہو اس کیلئے بسم اللہ پڑھنا ضروری نہیں۔

مسئلہ(۵):..... نماز کے دوران الحمد شریف کے بعد جب سورت شروع کرے تو اسکے شروع میں "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" نہ پڑھے۔

مسئلہ(۶):..... اکیلا آدمی نماز پڑھ رہا ہو تو اس صورت میں "سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ" کے بعد اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اور بِسْمِ اللّٰهِ دونوں پڑھے۔

مسئلہ(۷):..... جانور کو ذبح کرتے وقت اگر جان بوجھ کر "بسم اللہ" نہ پڑھی گئی تو وہ مردار ہے اسکا کھانا جائز نہیں، البتہ اگر بھولے سے "بسم اللہ" نہ پڑھی مگر پڑھنے کی نیت دل میں تھی تو یہ جانور حرام نہیں اسکا کھانا جائز ہے۔

مسئلہ(۸):..... وضو کرتے وقت "بسم اللہ" کہنا سنت ہے، بیوی سے ہم بستری سے قبل "بسم اللہ" پڑھے اگر اس موقع پر حمل ٹھہر گیا تو ہونے والے بچے کو شیطان کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، اسی طرح گھر سے نکلتے وقت: بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ پڑھنا چاہئے اور داخل ہوتے وقت پڑھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَسْئَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلِجِ وَخَيْرَ الْمُخْرِجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا.

مسئلہ(۹):..... جس کاغذ کو بے ادبی سے محفوظ رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں پڑھ کر پھینک دیا جاتا ہے جیسے: اخبار وغیرہ تو ایسے کاغذ پر "بسم اللہ" لکھنا یا اللہ تعالیٰ کا نام لکھنا جائز نہیں، ایسا کرنے والا بے ادبی کے گناہ میں شریک ہوگا ایسے اخبار ورسائل پڑھے جانے کے بعد گندگیوں کے ڈھیر پر پڑے نظر آتے ہیں اس لئے مناسب یہ ہے کہ سنّت ادا کرنے کیلئے زبان سے "بسم اللہ" کہے تحریر میں نہ لائے۔

مسئلہ(۱۰):..... اسی طرح شادی کارڈ وغیرہ میں "بسم اللہ" نہ لکھے اس سے کلام پاک کی آیت کی بے حرمتی ہوگی جو گناہ ہے ہاں جب کسی کو کارڈ یا رقعہ لکھیں تو زبان سے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کہہ کر شروع کریں کارڈ یا رقعہ پر ہرگز نہ لکھیں۔

ذرا غور کریں! جو لوگ برکت سمجھ کر ایسے کارڈ یا پیغامات میں "بسم اللہ" لکھواتے ہیں انہوں نے کبھی سوچا ہے کہ وہ کارڈ کوڑا کرکٹ کے ڈبوں اور گندی نالیوں میں پڑے نظر آئیں گے ان گندگی کے ڈھیروں پر ایسے کارڈ دیکھ کر دل دہل جاتا ہے لہٰذا اسکا خیال رکھنا ضروری ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: دوزخ کے ۱۹ محافظ ہیں ان سے جو بچنا چاہے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھے اسکے بھی ۱۹ حروف ہیں، ہر حرف فرشتے سے بچاؤ کا ذریعہ بن جائیگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی سورت کے ختم ہونے کا علم اس وقت ہوتا ہے جب "بسم اللہ" نازل ہوجاتی تھی اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے کہ سورت ختم ہوگئی۔

مسئلہ (۱۱):..... "سورۂ برأت" (توبہ) کے شروع میں "بسم اللہ" نہیں اس لئے اگر "سورۂ برأت" ہی سے تلاوت شروع کر رہے ہوں تو "اعوذ باللہ اور بسم اللہ" دونوں پڑھے اگر ایک سورت ختم کر کے دوسری سورت شروع کر رہے ہیں تو "سورۂ برأت" کے علاوہ ہر سورۃ کے شروع میں "بسم اللہ" پڑھے "سورۂ برأت" پر نہ پڑھے، یعنی: درمیان تلاوت "سورۂ برأت" آجائے تو اس پر "بسم اللہ" نہ پڑھے۔

ہر مشکل اور حاجت کیلئے "بسم اللہ" پڑھے، چوری اور شیطانی اثر سے حفاظت کیلئے بہترین عمل ہے ذہن اور حافظہ کیلئے ۷۸۶ مرتبہ پانی پر دم کر کے سورج نکلنے کے وقت پئیں تو ذہن کھل جائیگا اور حافظہ قوی ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ "بسم اللہ" ایسی جامع آیت ہے جس میں بہت فائدے ہیں، اسکے ایک ایک کلمہ پر غور کریں جیسا کہ لفظ "اللہ" یہ ذاتی نام ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کیلئے یہ نام استعمال نہیں ہوسکتا نہ کوئی اسکا حقدار ہے، جب ہم اللہ تعالیٰ کا نام لیکر کسی کام میں ہاتھ ڈالیں تو ہمارا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور شرک سے پوری طرح بیزار ہوں جب وہ رحمن ہے اور رحیم ہے تو ہم کو اسکی رحمت پر مکمل بھروسہ ہونا چاہئے مایوس نہیں ہونا چاہئے، یقین کامل اور ایمان کیساتھ اس پر توکل کرتے ہوئے کام شروع کریں تو یقیناً کامیابی ہوگی اس لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو کام اللہ تعالیٰ کے نام کے بغیر شروع کیا جائے وہ ادھورا رہ جاتا ہے اس میں برکت نہیں ہوتی، رحمٰن اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے وہ سب پر رحم فرماتا ہے چاہے مؤمن ہو یا کافر، رحیم یہ عام صفت ہے ہر ایک پر رحم کرنے والا ہے، بعض نے کہا رحمٰن خاص ہے صرف جنّت والوں کیلئے مہربان ہونگے اور رحیم عام ہے دنیا و آخرت دونوں میں اسکی رحمت عام۔

اللہ تعالیٰ کی تعریف (الف)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ①

سب تعریفیں | اللہ کیلئے | پالنے والا | سارے جہان کا (۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو پالنے والا سارے جہان کا۔ (۱)

لفظی تحقیق: رَبٌّ: پالنے والا، پرورش کرنے والا۔ عٰلَمِیْنَ: سارے جہان۔ "عَالَمٌ" کی جمع ہے جس میں دنیا کی تمام مخلوقات شامل ہیں۔

سورۂ فاتحہ کی فضیلت

یہ ایسی سورت ہے کہ "توریت، زبور، انجیل اور خود قرآن مجید" میں اسکی مثال نہیں ملتی، آسمان سے ایک فرشتہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فرمایا: آپ کو اللہ تعالیٰ نے دو نور دیئے ہیں جو آپ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دیئے گئے ایک نور "سورۂ فاتحہ" ہے، دوسرا نور "سورۂ بقرہ" کی آخری دو آیتیں ہیں: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ سے الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ تک، یہ عرش کے نیچے کے خزانوں سے دیا گیا ہے۔

یہ ایسی سورت ہے جس میں ہر مرض کیلئے شفاء ہے "ابوداؤد و نسائی" میں ہے، جس کی عقل ٹھکانے نہ ہو تین دن صبح شام "سورۂ فاتحہ" دم کریں۔

"ترمذی شریف" میں ہے کہ جس کو سانپ یا بچھو ڈس لے سات مرتبہ "سورۂ فاتحہ" پڑھ کر دم کیا جائے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رات کو سونے سے پہلے "سورۂ فاتحہ" پڑھ لی جائے تو موت کے سوا ہر چیز سے حفاظت مل جائیگی یہ قرآن مجید کی پہلی سورۃ ہے اِقْرَاْ اور "سورۂ مدثر" کی چند آیتیں اس سے پہلے اتری ہیں لیکن سورۃ کے لحاظ سے سب سے پہلی سورت فاتحہ ہے اور سب سے آخری "سورۂ نصر" ہے۔

اس کا نام فاتحہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود تجویز فرمایا: قرآن مجید سارا کا سارا فضیلت والا ہے لیکن بعض آیتیں اور بعض سورتیں بعض پر فضیلت رکھتی ہیں، "مسلم و نسائی" کی حدیث پہلے گزر چکی ہے ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ سفر پر جا رہے تھے کہ کسی قبیلے کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا تو ابوسعید رضی اللہ عنہ نے "سورۂ فاتحہ" پڑھ کر دم کر دیا اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ ٹھیک ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ: یہ سورت میرے اور بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کی گئی ہے، نصف میرے لئے اور نصف میرے بندے کیلئے اور جو کچھ میرا بندہ مانگتا ہے وہ اسکو دیا جائیگا، اور چوتھی آیت، یعنی: "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" میرے

اور بندے کے درمیان مشترک ہے اس میں پہلا جملہ، یعنی: "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" حق تعالیٰ کی حمد کا ہے اور دوسرا جملہ، یعنی: "اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" بندے کی دعا کا، غرض یہ ایک جامع سورت ہے جو سارے قرآن مجید کا خلاصہ ہے، اسکی مثال ایک چھوٹا سا آئینہ ہے جو بڑی چیزیں دکھاتا ہے، اس سورت میں سیدھے راستے کی رہنمائی، استقامت، ہدایت اور مدد مانگی گئی ہے، یہ بہت بلند چیزیں ہیں۔

سورۂ فاتحہ کے اسماء مبارکہ اور انکی وضاحت

اس سورت کے اور بھی بہت سے نام ہیں علماء کرام نے چوبیس نام گنوائے ہیں جو یہ ہیں:

(۱)....سُوْرَةُ الْفَاتِحَة: فاتحہ فتح سے بنا ہے جسکا کا معنٰی ہے کھولنا، ابتداء کرنا، شروع کرنا چونکہ اس سورت سے قرآن کھلتا ہے، شروع ہوتا ہے، اس سے ابتداء ہوتی ہے؛ اس لئے اسے فاتحہ کہتے ہیں۔

(۲)....سُوْرَةُ الْحَمْد: حمد کا معنٰی تعریف کرنا اور یہ سورت اللہ تعالیٰ کی حمد سے شروع کی گئی ہے۔

(۳)....سُوْرَةُ الشِّفَاء: شفاء کا مطلب کسی مرض سے صحت وتندرستی ہے اور سورۃ فاتحہ میں بہت سی روحانی بیماریوں، شرک، رِیا، تکبر، حسد، وغیرہ اور جسمانی بیماریوں کیلئے بھی شفاء ہے؛ اس لئے اس سورت کو "سورۃ الشفاء" کہتے ہیں۔

(۴)....سُوْرَةُ الصَّلٰوة: صلوٰۃ کے معنٰی نماز اور دعا کے آتے ہیں لیکن اس جگہ نماز مراد ہے کیونکہ یہ سورت ہر نماز میں پڑھی جاتی ہے۔

(۵)....اُمُّ الْقُرْآن: اُم کا معنی اصل اور جڑ کے ہیں اور یہ سورت بھی پورے قرآن مجید کیلئے اصل اور جڑ (بنیاد) کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۶)....اُمُّ الْكِتَاب: یہاں کتاب سے مراد قرآن مجید ہے اور اسکا معنٰی بھی وہی ہے کہ یہ سورت قرآن پاک کی جڑ ہے۔

(۷)....سُوْرَةُ السَّوَال: سوال کا معنٰی مانگنا، اس سورت میں بندہ اللہ تعالیٰ سے مدد، عبادت، ہدایت

کی دعا کرتا ہےاور گمراہی سے بچنے کا سوال کرتا ہے۔

(۸)....تَعْلِیْمُ الْمَسْئَلَة: تعلیم کا مطلب سکھانا اور مسئلہ کا معنی مانگنا اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنے سے مانگنے کا طریقہ سکھایا ہے۔

(۹)....اَلسَّبْعُ الْمَثَانِیْ: سبع کے معنٰی سات، مثانی کے معنٰی بار بار تلاوت کی جانے والی، چونکہ "سورۂ فاتحہ" میں سات آیت ہیں اور یہ آیتیں بار بار نماز میں دہرائی جاتی ہیں اس لئے اسکو "سبع المثانی" کہا جاتا ہے۔

(۱۰)....اَلْقُرْاٰنُ الْعَظِیْم: عظیم کے معنٰی عظمت والے کے ہیں اور یہ سورۃ بھی مقام اور فضیلت میں عظمت رکھتی ہے کہ چاروں کتابوں میں اس جیسی فضیلت والی کوئی سورۃ نہیں ہے۔

(۱۱)....سُوْرَةُ الْكَافِيَة: اس کے معنٰی کفایت کرنے والی سورت، یعنی: یہ سورۃ اسلامی عقیدوں اور اسلامی اصولوں کیلئے اجمالی طور پر کافی ہے، اس سورت سے یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں کہ: (الف) عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے، (ب) قیامت کا مالک بھی اللہ تعالیٰ ہے، (ج) تمام کائنات کا رب صرف اللہ تعالیٰ ہے، (د) مدد طلب کرنے کے لائق بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے، (ہ) ہدایت دینے والا بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے، حاجت روا، مشکل کشا بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے اور یہ ساری باتیں "سورۂ فاتحہ" میں ہیں۔

(۱۲)....سُوْرَةُ الْكَنْز: یعنی خزانہ، چونکہ یہ سورت عرش کے نچلے خزانوں سے نازل ہوئی ہے اس لئے اسکو "کنز" کہتے ہیں۔

(۱۳)....سُوْرَةُ الْاَسَاس: اساس کا معنٰی بنیاد ہے یہ سورت بھی اسلامی عقیدوں اور اصولوں کیلئے بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۱۴)....سُوْرَةُ الْمُنَاجَات: مناجات کا معنٰی سرگوشی کرنا، اس سورۃ میں بندہ اللہ تعالیٰ سے ان آیتوں کے ذریعہ سرگوشی کرتا ہے۔

(۱۵)....سُوْرَةُ التَّفْوِيْض: تفویض کا معنٰی سپرد کر دینا، اس سورۃ میں بھی بندہ خود کو حق تعالیٰ کے سپرد

کرتا ہے کہ یا اللہ! میں تیرا بندہ تو میرا آقا، میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور تجھ ہی سے مدد کا سوال کرتا ہوں مجھے اپنی حفاظت میں لے لے اور مجھے گمراہی سے بچانا۔

(۱۶)....سُوْرَةُ الْوَاقِيَة: واقیہ کا معنیٰ بچانے والی، چونکہ یہ سورت آخرت میں عذاب سے اور دنیا میں موت کے علاوہ ہر مصیبت سے بچانے والی ہے اس لئے "واقیہ" کہتے ہیں۔

(۱۷)....سُوْرَةُ الشُّكْر: شکر کہتے ہیں کسی نعمت کے بدلے میں زبان اور دل سے شکر ادا کرنا، اس سورت میں شکر ادا کرنے کا طریقہ سکھایا ہے اسلئے "سُوْرَةُ الشُّكْر" کہتے ہیں۔

(۱۸)....سُوْرَةُ الرُّقْيَة: رقیہ کا معنیٰ دم کرنا اور یہ سورت مختلف بیماریوں سے شفاء حاصل کرنے کیلئے دم کی جاتی ہے۔

(۱۹)....فَاتِحَةُ الْقُرْاٰن: اس سے قرآن مجید کا افتتاح یا ابتداء ہوتی ہے اس لئے "فاتحۃ القرآن" کہا جاتا ہے۔

(۲۰)....فَاتِحَةِ الْكِتَاب: کتاب اللہ کھولتے ہی سب سے پہلے یہ سورۃ سامنے آتی ہے، یعنی: ابتداء اسی سے ہوتی ہے؛ اس لئے "فاتحۃ الکتاب" کہا جاتا ہے۔

(۲۱)....سُوْرَةُ الشَّافِيَة: یعنی: شفاء بخشنے والی سورت۔

(۲۲)....سُوْرَةُ الْوَافِيَة: وافیہ کا معنیٰ پورا کرنے والی سورت، یہ سورت چونکہ دینی حاجت و مقاصد پورے کرتی ہے اس لئے "وافیہ" کہتے ہیں۔

(۲۳)....سُوْرَةُ الدُّعَا: دعا والی سورت، اس سورت میں دعا کا مضمون اور اسکا طریقہ موجود ہے اس لئے "سورۃ الدّعا" کہتے ہیں۔

(۲۴)....سُوْرَةُ النُّوْر: نور سے مراد ہدایت اور روشنی ہے چونکہ اس میں بندہ کیلئے ہدایت موجود ہے اسلئے نور کہتے ہیں اس سورت کو نور کہنے کی وجہ وہ روایت ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے پیچھے گزر چکی ہے۔

تفسیر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ: قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت کا سب سے پہلا لفظ "اَلْحَمْدُ" لایا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کو عبادت میں بہت بڑا درجہ دیا گیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: جب بندہ کسی نعمت پر "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہتا ہے تو گویا اس نے جو کچھ پایا اس سے بہتر چیز دیدی۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اگر ساری دنیا کی نعمتیں کسی ایک شخص کو مل جائیں اور وہ اس پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے تو یہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" ان ساری دنیا کی نعمتوں سے افضل ہے زبان سے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کی ایک نعمت ہے۔

قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" سے میزان عمل کا آدھا پلہ بھر جاتا ہے یہ کلمہ شکر بھی ہے شکر کے علاوہ اسکی نعمتوں، ہدایتوں، احسانات وغیرہ کا اقرار بھی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم نے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہا تو تم شکر ادا کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت وبرکت کے حقدار بن گئے، سبحان اللہ صرف ایک کلمے میں دین ودنیا کی کتنی نعمتیں اور احسانات اور اسکے فضل ورحمت سے نوازے گئے اسکے ساتھ یہ انعام بھی ہے کہ انسان کو اخلاق سکھانے کیلئے حکم بھی دیدیا کہ شکر گزار بنو، عاجزی و انکساری اختیار کرو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ: ہر ہر عالم کی مخلوقات الگ الگ ہیں اور کئی جہان ہیں، اللہ تعالیٰ رب ہے جو ان تمام جہانوں کی اور ان میں بسنے والوں کی پرورش کرتا ہے، تمام مخلوق کی ضرورتوں کا وہ خیال رکھتا ہے، لفظ "رَبُّ" صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔

اللہ تعالٰی کی تعریف (ب)

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

بے حد مہربان | نہایت رحم والا (۲) | مالک | دن | بدلہ کے کا (۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جو نہایت رحم والا بڑا مہربان ہے۔(۲) وہ بدلہ کے دن کا مالک ہے۔(۳)

تفسیر

اَلرَّحْمٰنِ: رحمٰن اللہ تعالٰی کی خاص صفت ہے جو اللہ تعالٰی کے سوا کسی بندے کیلئے ہو ہی نہیں سکتی اس لئے کسی کو صرف رحمٰن کہنا جائز نہیں ہے، وہ ہر مسلمان و کافر اور ہر زندہ و مردہ پر روزِ اول سے روزِ آخر بلکہ قیامت کے بعد بھی ہر بندے پر اپنا خاص رحم کرنے والا ہے۔

روزِ جزاء، یعنی: قیامت کے دن کا مالک، یہ وہ دن ہوگا جب حق تعالٰی ہر نیک و بد کو اسکے عملوں کا بدلہ دیں گے، دنیا اعمال کی جزاء و سزا کی جگہ نہیں، اسکا پورا پورا بدلہ آخرت میں ملے گا، یہ الگ بات ہے کہ دنیا میں بھی نیکی اور بدی کا اچھا یا بُرا اثر ہوتا ہے، یہ جو دنیا میں ہمیں نعمتیں ملتی ہیں اور مصیبتیں آتی ہیں یہ اصل نعمتیں اور اصل مصیبتیں نہیں ہیں، بلکہ یہ ان نعمتوں اور مصیبتوں کی ہلکی سی جھلک ہے جو آخرت میں ہمیں ملیں گی دنیا تو اصل میں امتحان اور آزمائش کی جگہ ہے، جسکا آخرت پر یقین کامل ہو، وہ ان باتوں کو سمجھتا ہے اور جسکا یقین نہ ہو وہ کافر ہے اسکی جنت بھی یہ دنیا ہے اور دوزخ بھی وہ اسی دنیا کو سمجھتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ: دنیا میں بھی سارا اختیار اسکے ہاتھ میں ہے عزت و ذلت اسی کے ہاتھ میں ہے لیکن بندے کو بھی تھوڑا سا اختیار حاصل ہے اپنے کاموں کی انجام دہی میں اس لئے انسان سمجھتا ہے کہ میرے ہاتھ میں بھی کچھ ہے میں بھی کچھ اختیار رکھتا ہوں لیکن آخرت میں یہ معمولی سا اختیار بھی نہ ہوگا سب اختیار اللہ تعالٰی کے ہاتھ میں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مالک کالفظ استعمال کیا ہے اسے پورا اختیار ہے کہ وہ مجرم کو بخش دے یا سزا دے اللہ تعالیٰ سے پوچھنے والا کوئی نہیں کسی کو اسکے فیصلے کی نافرمانی کی جرأت نہ ہوگی وہ ایسا دن ہوگا کہ بڑے سے بڑے فرشتے اور بڑے سے بڑے پیغمبر کو اسکے سامنے دم مارنے کی ہمت نہ ہوگی۔ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا.

صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۴﴾

آپ ہی کی ہم عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں (۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ہم صرف آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ (۴)

لفظی تحقیق: نَسْتَعِيْنُ: مدد طلب کرتے ہیں۔ یہ استعانت سے ہے، یعنی: مدد طلب کرنا۔

تفسیر

عبادت کی عملی صورت اور عبادت کی تعریف مفسرین کرام یہ فرماتے ہیں کہ: عبادت یا تو ثواب کیلئے کی جاتی ہے یا اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچنے کیلئے، عبادت کی تعریف یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہری اور باطنی اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگا دے۔

زبان کی عبادت: بندہ قرآن پاک کی تلاوت کرے، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے، تسبیح پڑھے، دعائیں کرے، اور درود پڑھے ایسے ہی ہر نیک کلمہ جو زبان سے نکالتا ہے عبادت میں شمار ہوتا ہے یہ زبان کی عبادت ہوئی۔

آنکھ کی عبادت: آنکھ کی عبادت یہ ہے کہ قرآن کریم دیکھ کر پڑھنا، اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو دیکھنا، ماں باپ کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھنا، حدیث میں ہے کہ: ماں باپ کو محبت کی نظر سے دیکھنے سے مقبول حج وعمرہ کا ثواب ملتا ہے۔

کان کی عبادت: انسان قرآن مجید اور نصیحت کی باتیں سنیں غرضیکہ ایسی بات کا سننا جس میں اللہ تعالیٰ

کی محبت اور اطاعت کا جذبہ پیدا ہو اور دل میں اسکی یاد پیدا ہو جائے عبادت میں داخل ہے۔

ہاتھ اور پاؤں کی عبادت: انسان قرآن پاک یا دینی کتابیں لکھے یہ ہاتھ کی عبادت ہے نیکی کیلئے جو بھی قدم اٹھائے مثلاً: نماز کیلئے مسجد کی طرف جانے سے ہر ہر قدم پر نیکی لکھی جاتی ہے اور ہر ہر قدم پر گناہ معاف کئے جاتے ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں، گویا ایک قدم اٹھانے پر تین فائدے حاصل ہو گئے، ایسے ہی حج کیلئے سفر کرنا، مسلمانوں کی ملاقات اور انکی عیادت کیلئے جانا، جہاد و تبلیغ کیلئے جانا، کسی کے جائز کام کی سفارش کیلئے جانا، یہ سب پاؤں کی عبادت ہے۔

عقل کی عبادت: اعضائے باطنہ میں عقل کی عبادت یہ ہے کہ انسان قرآن پاک سمجھے اور شریعت کے حکموں پر غور فکر کرے اور عمل کرے۔

نفس کی عبادت: صبر کرنا، شیطانی کاموں سے باز رہنا، ناجائز خواہشوں اور آرزوؤں سے بچنا چاہئے، روزہ رکھ کر کھانے پینے اور خواہشوں سے رک جانا، اعتکاف میں بیٹھنا تاکہ جھوٹی سچی باتوں کی وجہ سے ذہن میں پیدا ہونے والی پریشانیوں پر قابو پا سکے اور ہر مصیبت میں صبر کا دامن تھامنا یہ نفس کی عبادت ہے۔

انسان پر تین طرح کے حالات: ماضی، حال، مستقبل ان تینوں حالات میں بندہ اللہ تعالیٰ ہی کا محتاج ہے اس سورۃ میں پہلے بندے نے اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کی اور اب یہاں اپنی انتہائی عاجزی و فرمانبرداری کا اظہار کر رہا ہے کہ یا پروردگار! ہم صرف تیری ہی بندگی کرتے ہیں آپکی عبادت میں کسی کو ذرہ برابر شریک نہیں کرتے، ہمارے خالق و مالک بس آپ ہی ہیں۔

یاد رکھئے! اللہ تعالیٰ کیساتھ شریک کرنا دو طرح کا ہے، ایک اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو شریک کرنا دوسرا اسکی صفات میں کسی کو شریک کرنا، الحمدللہ کوئی مسلمان اللہ کے ساتھ اسکی ذات میں کسی کو شریک نہیں کرتا، یعنی: یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ دو ہیں یا تین ہیں، جیسا کہ عیسائی عقیدہ رکھتے ہیں، البتہ جہالت اور دین سے دوری کی وجہ سے بہت سے مسلمان کہلانے والے بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں، یہاں ہم خاص

خاص وہ صفات گنوائیں گے جو اللہ کیساتھ خاص ہیں، ان میں بندوں کو شریک کرنا سراسر زیادتی اور ظلم ہے اور وہ صفات یہ ہیں:

(۱)....علم۔(۲)....قدرت۔(۳)....حیات۔(۴)....ارادہ۔(۵)....مشیت۔(۶)....خلق۔ (۷)....رزق۔(۸)....سمع۔(۹)....بصر۔

علم وقدرت: یوں تو تھوڑا بہت علم انسان کو بھی اللہ تعالیٰ نے دیا ہے لیکن یہاں وہ تھوڑا علم مراد نہیں، بلکہ اگلی پچھلی تمام باتوں کا علم مراد ہے، یعنی: جو کچھ آج تک ہو چکا ہے اور جو آئندہ ہونے والا ہے اسکا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور وہ ذرے ذرے کا جاننے والا ہے، کوئی کہے غیب کا علم میں بھی جانتا ہوں یا دلوں کے حال سے میں بھی واقف ہوں یا میں بھی ہر سیاہ وسفید کا مالک ہوں تو یہ شرک ہے اور محض غلط اور بے بنیاد دعویٰ ہے۔

حیات: تیسری چیز حیات ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، ایسی حیات کا کسی اور کیلئے عقیدہ رکھنا یہ شرک ہے، اس کو موت نہیں، اس کو زوال نہیں، اس کو تھکاوٹ نہیں، یہی تو اللہ تعالیٰ کی شان ہے اگر یہ فرق نہ ہو تو پھر خالق اور مخلوق میں کیا فرق ہوگا۔

ارادہ، مشیت، یعنی مرضی: اللہ پاک کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے کہ وہ ہو جائے تو بس ایک ارادے کی دیر ہوتی ہے اور وہ چیز خود بخود تیار ہو کر سامنے آتی ہے، وہ کسی کام کا ارادہ کرے اور وہ نہ ہو ایسا نہیں ہو سکتا، کوئی بندہ، کوئی ولی، کوئی پیر فقیر، کوئی پیغمبر، کوئی فرشتہ، اللہ تعالیٰ کی اس صفت میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا، اگر کوئی سمجھتا ہے کہ فلاں پیر صاحب، فلاں بزرگ اللہ تعالیٰ کی طرح ارادے سے کام بنا دیتا ہے، یعنی: اس نے ارادہ کیا اور وہ کام ہو گیا، یہ شرک ہے۔

خلق، یعنی: پیدا کرنا: زمین اور آسمان، چاند، سورج، ستارے، درخت، پہاڑ، جنگل، دریا، جانور، پرندے، نباتات، جمادات، سب اسی کے بنائے ہوئے ہیں، ان سب کے بنانے میں اس کو کسی مددگار کی ضرورت نہیں۔

رزق، یعنی: رزق دینا: اللہ تعالیٰ اپنی ساری مخلوق کو رزق پہنچاتا ہے۔

سمع، یعنی: سننا: یہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، ہر وقت تمام مخلوقات کی سنتا ہے اگر تمام جن وانس مل کر ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور سب بیک وقت مانگنے لگ جائیں تو ایک گونج کے سوائے کچھ سنائی نہیں دیگا لیکن اللہ پاک کو آوازوں کا گڈمڈ ہو جانا پریشانی میں نہیں ڈال سکتا کہ کوئی بات سنے اور کوئی نہ سنے بلکہ وہ سب کی سنتا ہے، کوئی بلند آواز سے مانگے یا آہستہ سے مانگے، چاہے دل ہی دل میں مانگ لے وہ سب کی سنتا ہے ہمارے سامنے چند آدمی بولیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کون کیا بول رہا ہے۔

بصر، یعنی: دیکھنا: ایک تو دیکھنا انسانوں کا بھی ہے لیکن یہ دیکھنا مراد نہیں ہم تو سامنے کی ظاہری چیزوں کو دیکھتے ہیں ہمارے پیچھے کیا ہے، دیوار کے پیچھے کیا ہو رہا ہے یہ ہم کو نہیں معلوم، رات کو ہم اندھے ہوتے ہیں ہماری آنکھوں کی روشنی رات میں کام نہیں کرتی، سورج کو ہم دیکھ نہیں سکتے، وجہ یہ ہے کہ ہمارا دیکھنا کمزور ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے دیکھنے والے ہیں کہ اندھیری رات میں کالے پتھر پر کالی چیونٹی کو بھی دیکھتے ہیں، سمندر کی تہہ، پہاڑوں اور زمین کے اندر کی چھپی چیزیں جو انسانوں سے پوشیدہ ہیں اللہ تعالیٰ انکو بھی دیکھتے ہیں۔

شرک کی دو قِسمیں جلی اور خفی

شرک جلی، یعنی: کھلا شرک: کھلا شرک یہ ہے کہ مخلوق میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت میں یا اسکی مخصوص صفات میں شریک ٹھہرانا کھلا شرک ہے۔

شرک خفی، یعنی: پوشیدہ شرک: بعض لوگ اپنے کاروبار اور دینی و دنیاوی معاملات میں نفع ونقصان کا مالک اور اپنا کارساز اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھتے ہیں لیکن عملاً دوسروں کو بھی کارساز سمجھتے ہیں اور ساری امیدیں اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں سے لگائے رکھتے ہیں کہ فلاں نے میرا مسئلہ حل کر دیا، فلاں نے میرا بگڑا کام بنا دیا۔

چند شرکیہ عقائد درج ذیل ہیں

(۱)....کسی مخلوق کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کے برابر ہونا۔

(۲)....کسی کا خوف اللہ تعالیٰ کے خوف کے برابر ہونا۔

(۳)....کسی سے امید ایسی رکھے جیسی اللہ تعالیٰ سے رکھنی چاہیے۔

(۴)....کسی پر بھروسہ ایسا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہوتا ہے۔

(۵)....کسی کی اطاعت وخدمت ایسی کرے جیسے اللہ تعالیٰ کی کرتا ہے۔

(۶)....اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی نذر ماننا۔

(۷)....اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے سامنے اپنی عاجزی اور پستی کا اظہار کرنا جیسے اللہ تعالیٰ کے سامنے رکوع اور سجدہ کرکے اپنی عاجزی اور پستی کا اظہار کیا جاتا ہے۔

انعام یافتہ لوگوں کا راستہ

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

ہدایت دے ہمیں راستے سیدھے کی (۵) راستہ ان لوگوں کا انعام کیا آپ نے پر ان

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ۝۷

نہ (ان لوگوں کا راستہ) غضب کیا گیا پر ان اور نہ (ان لوگوں کا راستہ) جو گمراہ ہوئے (۷)

بامحاورہ ترجمہ: آپ ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت دیں۔ (۵) ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ (۶) نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر غضب کیا گیا اور نہ ان لوگوں کا راستہ جو گمراہ ہوئے۔ (۷)

لفظی تحقیق: مَغْضُوْبِ: غضب کیا گیا۔ غضب کا معنیٰ غصّہ اور عذاب کے ہیں۔ الضَّآلِّيْنَ: جو گمراہ ہوئے۔ بھٹکے ہوئے، گمراہ۔

تفسیر

ہدایت کے معنیٰ کسی کو نہایت نرمی اور شفقت کیساتھ منزل مقصود تک پہنچانا، یہاں مغضوب سے مراد

یہودی ہیں جنہوں نے دنیا کے ذلیل مفاد کی خاطر دین کو بیچ ڈالا اور پیغمبروں کو قتل کیا۔

الضَّآلِّیْنَ: سے مراد عیسائی ہیں جنہوں نے دین میں غلو کیا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو بڑھا چڑھا کر اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا اور مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ کی بیوی کہا، اللہ تعالیٰ ہمیں گمراہی سے بچائے اور سیدھے راستے کی ہدایت دے۔ (آمین)

سورۂ فاتحہ کے ختم پر آمین کہنا: آمین کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار! اس دعا کو قبول فرمایہ قرآن پاک کا لفظ نہیں ہے لکھنے میں نہیں آتا لیکن اسکا کہنا مستحب ہے اور اسکی بہت فضیلت آئی ہے۔

احکام ومسائل

نماز کے دوران "سورۂ فاتحہ" کے ختم پر (آمین) بلند آواز سے کہنا چاہیئے یا آہستہ؟ اسمیں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آہستہ سے آمین کہنے کے قائل ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بلند آواز سے کہتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب امام صاحب آمین کہیں تو تم بھی آمین کہو، اس موقع پر اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی آمین کہتے ہیں، جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ مل جائے اس شخص کے پچھلے گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ جس خلوص کے ساتھ فرشتے آمین کہتے ہیں اسی خلوص اور نیت کے ساتھ نمازی بھی (آمین) کہے تو اسکے سارے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ.

سورۃُ البقرہ کا خلاصہ

یہ قرآن مجید کی دوسری سورۃ ہے مدینہ منورہ میں اتری، یہ سورۃ قرآن مجید کی سب سورتوں سے بڑی ہے اسمیں ۲۸۶ آیتیں اور ۴۰ رکوع ہیں بقرہ کے معنیٰ ہیں گائے، چونکہ اس سورۃ میں گائے کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے اس وجہ سے اسکا نام "سورۂ بقرہ" رکھا گیا۔

اس سورۃ میں عقیدوں اور عملوں سے متعلق بہت ضروری باتوں کی تعلیم دی گئی ہے، روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس سورت کے سیکھنے میں کئی سال لگ گئے تھے، اس سے مراد الفاظ کا حفظ نہیں، بلکہ اس کے حکموں اور مسئلوں کا سیکھنا اور سمجھنا ہے، ذیل میں ہم اسکے مضامین کا خلاصہ بیان کرتے ہیں۔

اس سورۃ میں سب سے پہلے یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن مجید ان لوگوں کیلئے ہدایت ہے جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور پرہیزگاری ہو، قرآن مجید کی تعلیمات سننے کے بعد کچھ لوگ تو ایمان لے آئے، کچھ نے انکار کیا اور کچھ لوگوں نے بیچ کا راستہ اختیار کیا کہ مؤمنوں کیساتھ مؤمن اور کافروں کیساتھ کافر بن جاتے تھے۔

چوتھے رکوع میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور ان کو زمین میں خلیفہ بنائے جانے کا ذکر ہے، اسکے بعد ایک بڑے خاندان، یعنی: بنی اسرائیل کی زندگی کا ذکر پانچویں رکوع سے شروع ہوتا ہے، اس خاندان میں سینکڑوں پیغمبر پیدا ہوئے ہیں، اس خاندان کے حالات اللہ تعالیٰ نے سبق آموز طریقہ میں بیان کئے اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ اپنے کفر اور سرکشی کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے۔

پانچویں رکوع سے پندرہویں رکوع تک بنی اسرائیل کی تاریخ کے کئی واقعات بیان ہوئے ہیں مثلاً: ان کے عہد و پیمان، کوہ طور پہاڑ پر اللہ تعالیٰ کی تجلی، ہفتہ کے دن کا واقعہ، گائے کا واقعہ، پیغمبروں کے قتل کے حالات، سحر اور جادو کی ناپاک کوششیں، پیغمبروں کی توہین کی ناجائز حرکتیں، نجات اور بخشش کے غلط عقیدے وغیرہ۔

سولہویں رکوع سے بنی اسرائیل کے حالات اور حضرت آدم کی اولاد میں آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عرب میں پیدائش کا ذکر ہے، ساتھ ہی خانہ کعبہ کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے واقعات بیان ہوئے ہیں، بیسویں رکوع میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کا ذکر ہے اور اسکے بعد حلال وحرام کا ذکر ہے۔

"سورۂ بقرہ" کے بیسویں رکوع میں ارشاد ہوا کہ: حقیقی نیکی کیا ہے اسکے بعد چھبیسویں رکوع تک قصاص (بدلہ) میراث، روزہ، دعا، حج، جہاد اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مالی قربانی کے مسائل اور اسکے حکم بیان ہوئے ہیں۔

ستائیسویں رکوع سے معاشرتی اور خاندانی زندگی کے مسائل شروع ہوئے ہیں، یعنی: نکاح، حیض ونفاس،

طلاق، عدت، دوسرا نکاح، بچوں کی تربیت اور حق مہر وغیرہ۔

رکوع نمبر ۳۲ میں پھر جہاد کا بیان ہے اور مثال میں حضرت طالوت کا جالوت سے مقابلہ کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: فتح اور شکست جنگی سامان اور لشکروں کی کمی زیادتی پر نہیں، بلکہ اکثر چھوٹی فوجیں بڑی فوجوں پر غالب آ جایا کرتی ہیں۔

چونتیسویں رکوع میں "آیۃ الکرسی" ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا "حَیٌّ وَقَیُّوْم" ہونے اور بہت سی دوسری صفتوں کا ذکر ہے اور یہ کہ اسلام کے قبول کرنے میں کسی پر زبردستی نہیں، کیونکہ اسکی دلیلیں اور خوبیاں واضح ہیں۔

اسکے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے چند نصیحت بھرے قصوں کا ذکر ہے، انتالیسویں رکوع تک صدقہ وخیرات اور پرہیز گاری کے حکم ہیں، سود کی ممانعت ہے اور گواہی کے بارے میں ہدایت اور قانون کا بیان ہے، تجارت کی چند اصول بھی درمیان میں بیان کئے گئے ہیں۔

سورۃ کے آخری، یعنی: چالیسویں رکوع میں ایمان واسلام کا خلاصہ اور ایک جامع دعا بیان ہوئی ہے اس دعا کے آخری الفاظ یہ ہیں: "فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ"، یعنی: ہمیں کافروں کی جماعت پر برتری عطا فرما۔

یہ قرآن کی دعوت کا نتیجہ ہے گویا قرآن کی تعلیم پر عمل کرنے سے جو قوم سامنے آئے گی اسکے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا دین کفر پر غالب آ جائیگا، یہاں اللہ تعالیٰ کو ماننے والی قوموں اور نہ ماننے والی قوموں کے انجام بتایا گیا ہے، مؤمن کامیاب ہونگے اور منکر ناکام ہونگے سورۃ کا اختتام گویا انہی الفاظ پر ہوا ہے جہاں سے شروع ہوا تھا۔

یہ بات نہ بھولنی چاہئے کہ یہ خلاصہ محض مضامین کا ایک تصور دلانے کیلئے پیدا ہوا ہے ورنہ کلام اللہ کے حقائق اور کمالات کا خلاصہ چند لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

ہمیں چاہئے کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کا نام لیکر اس سورۃ کے حکموں میں غور وفکر کریں اسکی حکمتیں سمجھیں اور ان پر عمل کرنے کیلئے تیار ہو جائیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطاء فرمائے، آمین۔

یہ "سورۂ بقرہ" مدنی سورۃ ہے مگر" اٰمَنَ الرَّسُوْلُ" سے لیکر آخر تک کی آیتیں مکی زندگی کا حصہ ہیں، مشہور روایت میں آتا ہے کہ معراج کے دوران پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین تحفے دیئے گئے، یعنی: پانچ نمازیں، "سورۂ بقرہ" کی آخری آیتیں اور ان لوگوں کیلئے خوشخبری جو شرک نہیں کرتے ہونگے، ظاہر ہے کہ آپ کا معراج مکی زندگی میں ہوا، لہٰذا یہ آخری آیتیں مکی زندگی کی ہیں اگرچہ سورۂ "بقرہ مدنی "سورۃ ہے۔

سورۂ بقرہ کی فضیلت

حدیثوں میں "سورۂ بقرہ" کی بہت سی فضیلتیں بیان ہوئی ہیں، جس گھر میں "سورۂ بقرہ" کی تلاوت ہوتی ہو وہاں شیطان داخل نہیں ہوتا، "مسلم شریف" کی روایت میں اس طرح آتا ہے: قیامت کے دن قرآن مجید اور اسکی تلاوت کرنے والوں کو لایا جائیگا، ان کے آگے آگے "سورۂ بقرہ اور سورۃ آل عمران" ہونگی، فرمایا: سورۂ بقرہ میں ایک ایسی آیت ہے جو قرآن مجید کی تمام آیتوں کی سردار ہے، یعنی: آیۃ الکرسی، گویا سب سے بڑی اور سب سے فضیلت والی آیت اسی سورۃ میں ہے، ایک اور روایت میں آتا ہے کہ: سورۂ بقرہ قرآن مجید کا خیمہ ہے جس میں ہر چیز آجاتی ہے، فرمایا: دو روشن سورتیں پڑھو "سورۃُ البقرہ اور سورۃ آل عمران"، یہ قیامت کے دن اسی طرح آئینگی جس طرح دو بادل ہوتے ہیں اور ان کے درمیان بڑی چمک ہوگی یہ سائبان کی طرح اوپر آئینگی۔

"مسند احمد" کی روایت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: "سورۂ بقرہ" قرآن مجید کی کوہان ہے، اسکی ہر آیت کے ساتھ اسّی اسّی فرشتے اترتے ہیں، یعنی: ہر آیت کے اترتے وقت فرشتے ساتھ اترتے، فرمایا: اسکی آیت "اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ " واللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے سے نکال کر سورۃ میں شامل کیا ہے اسی "آیت الکرسی" میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم بھی ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: "سورۂ بقرہ" کو پڑھا کرو کیونکہ اسکا پڑھنا برکت ہے اور اسکا چھوڑنا حسرت اور بدنصیبی ہے اور اہل باطل اس پر غالب نہیں آسکتے۔

"قرطبی" نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اس جگہ باطل سے مراد جادوگر ہیں مراد یہ ہے کہ اس سورۃ کے پڑھنے والے پر کسی کا جادو نہ چلے گا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جس گھر میں "سورۂ بقرہ" پڑھی جائے شیطان وہاں سے بھاگ جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: سورت بقرہ کی دس آیتیں ایسی ہیں کہ اگر کوئی شخص ان کو رات میں پڑھ لے تو اس رات کو جن اور شیطان گھر میں داخل نہ ہوں گے اور اسکو اور اسکے گھر والوں کو اس رات میں کوئی آفت، بیماری، رنج وغم وغیرہ اور کوئی ناگوار چیز پیش نہ آئیگی، اگر یہ آیتیں کسی مجنون پر پڑھی جائیں تو اسکو ہوش آجائیگا، وہ دس آیتیں یہ ہیں: چار سب سے پہلے، ایک آیت الکرسی، دو آیتیں اسکے بعد کی اور تین آیتیں آخر "سورۂ بقرہ" کی۔

ایک مرتبہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک امیر کا انتخاب کرنا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف لوگوں سے قرآن مجید سنا ان میں ایک نوعمر شخص پیش ہوا جس کو سورۂ بقرہ یاد تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ بقرہ کی فضیلت کی بناء پر اسی کو لشکر کا امیر بنادیا۔

قرآن مجید میں بیان کئے ہوئے واقعات عام طور پر کئی سورتوں میں آئے ہیں مثلاً: فرعون کا واقعہ قرآن مجید میں تقریباً پچاس مرتبہ بیان ہوا ہے اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات مختلف جگہوں پر بیان ہوئے ہیں، تاہم یہ گائے کا واقعہ صرف "سورۂ بقرہ" ہی میں بیان ہوا ہے، قرآن مجید کی کسی دوسری جگہ پر اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں آیا، اس واقعہ میں دین کی بہت سی اہم باتیں سمجھادی گئیں ہیں۔

اس واقعہ کی اہم ترین بات اللہ تعالیٰ کی قدرت کی پہچان ہے، جب بنی اسرائیل کا ایک آدمی قتل ہوگیا تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اس سلسلہ میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: گائے ذبح کرو اور اسکے گوشت کا ایک ٹکڑا اس مقتول کے جسم پر مارو تو وہ زندہ ہوکر خود بخود بتائے گا کہ اسکا قاتل کون ہے، بنی اسرائیل نے ایسا ہی کیا تو وہ مقتول زندہ ہوگیا اور اس نے اپنے قاتل کی نشاندہی کردی۔

اس سورۃ میں دوسری اہم بات یہ ثابت ہوئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جوان کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا

تھا وہ مذاق نہیں بلکہ سچ تھا، نیز یہاں پر یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ پیغمبر کی بات کو بغیر تفتیش کے مان لینا چاہئے اور اس میں حیلے بہانے نہیں کرنے چاہئیں، اگر وہ لوگ اپنے پیغمبر کے حکم کے مطابق فوراً عمل کرتے ہوئے گائے ذبح کر دیتے تو مسئلہ فوراً حل ہوجاتا۔

آیاتھا — ۲۸۶ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّة رکوعاتھا — ۴۰

سورۃ البقرہ مدنی ہے، اس میں دوسوچھیاسی آیتیں اور چالیس رکوع ہیں۔

اس کتاب میں کوئی شک نہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۝١ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝٢

الم (۱) یہ کتاب نہیں شک میں اس ہدایت واسطے پرہیزگاروں کے (۲)

معانقہ ۱ | الجزء ۱

بامحاورہ ترجمہ:۔الٓمّٓ ۔(۱)اس کتاب میں کوئی شک نہیں، پرہیز گاروں کے واسطے اس میں ہدایت ہے۔(۲)

تفسیر

"سورۂ بقرہ" کی ابتدا "الٓمّٓ" سے ہوئی ہے اس قسم کے حروف کو حروف مقطعات کہتے ہیں، یعنی: یہ حروف اگرچہ اکٹھے لکھے جاتے ہیں لیکن جدا جدا پڑھے جاتے ہیں یہ حروف "الٓمّٓ" اس سورت کے علاوہ پانچ اور سورتوں کے شروع میں آئے ہیں، ان حروف کے علاوہ اس قسم کے کچھ اور حروف بھی ہیں جو قرآن مجید کی مختلف سورتوں

کے شروع میں آئے ہیں، حروف مقطّعات سے شروع ہونے والی سورتوں کی کل تعداد(۲۹) انتیس ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی مہربانی سے ایک کتاب عنایت فرمائی اور ساتھ ہی فرمایا کہ: اس کتاب کی باتیں حکمت سے بھری ہوئی سچی اور اٹل ہیں، اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں، اس میں جو وعدے کئے گئے ہیں وہ یقینی طور پر پورے ہونگے اور جو تعلیم اس میں دی گئی ہے وہ بلاشبہ درست نتیجے پیدا کریگی اگر کسی کو کوئی شک والی بات نظر آئے تو وہ تھوڑے سے غور وفکر سے خود قرآن مجید ہی کے ذریعہ سے دور ہوسکتی ہے۔

قرآن مجید کی تعلیم عقل کی پہنچ سے دور نہیں انسانوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ تجربہ کرکے قرآن کی سچائی کو آزمالیں، یقیناً اسکے استعمال سے ان کی ہر تکلیف دور ہوجائیگی، کون نہیں جانتا کہ عرب قوم جہالت میں ڈوبی ہوئی تھی وہ سب سے زیادہ پسماندہ تھی، غیر مہذب تھی، جب اس قوم نے قرآن مجید کی تعلیم پر عمل کیا تو وہ اخلاق، معاملات، رہن سہن، تعلیم وحکمت، سیاست اور معیشت غرض زندگی کے ہر مرحلہ میں کامیاب ہوگئی جو سب سے پیچھے تھے وہ قرآن مجید کی بدولت سب سے آگے ہوگئے، قرآن مجید کا ہر وعدہ پورا اترا لیکن جب لوگوں نے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا تو وہی بیماریاں پھر لوٹ آئیں۔

ہمیں چاہئے کہ ہم پھر نئے سرے سے ایک پختہ عزم کیساتھ اس پر عمل کرنے کا عہد کریں ہر قسم کے شکوک وشبہات چھوڑ دیں اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل کریں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ مبارک میں حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ بڑے قاری تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا تقویٰ کا کیا معنیٰ ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کیا آپ کو کبھی ایسے راستے پر چلنے کا اتفاق ہوا ہے جس میں ہر طرف کانٹے دار جھاڑ ہوں تو انہوں نے جواب دیا ہاں بہت دفعہ ایسے راستے پر چلنے کا اتفاق ہوا ہے تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا پھر آپ نے وہاں کیا کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے دامن سمیٹ لیا اور پوری کوشش کی کہ کانٹے میرے جسم کے کپڑوں میں نہ الجھنے پائیں اور میں سلامتی سے ایسے راستے سے نکل گیا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تقویٰ اسی کو کہتے ہیں کہ دنیا میں پھیلے ہوئے کفر، شرک، گمراہی، بدعت اور دیگر خرابیوں سے انسان بچ کر نکل جائے جو شخص ان خرابیوں سے دامن بچا کر نکل گیا وہی متقی ہے۔

قرآن مجید کا مقصد

انسان دو قسم کے پائے جاتے ہیں، بعض کی طبیعت میں لاپرواہی ہوتی ہے اور وہ اس قدر بے فکر ہوتے ہیں کہ بے سوچے سمجھے ہر کام میں ہاتھ ڈال دیتے ہیں، بعض ایسے ہوتے ہیں جو ہر کام کرنے سے پہلے سوچ سمجھ کر احتیاط سے کام لیتے ہیں ظاہر ہے کہ ہدایت سے فائدہ احتیاط سے زندگی بسر کرنے والے لوگ ہی اٹھا سکیں گے۔

یہ کتاب ساری دنیا کی ہدایت کیلئے اتاری گئی ہے اور یہ سارے جہان والوں سے کہہ رہی ہے مگر عملاً اس سے نفع صرف وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جن کے اندر سچائی کی طلب اور تلاش ہو، آخر ہر کام کیلئے کچھ سامان کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً: چلنے کیلئے پاؤں ضروری ہیں، دیکھنے کیلئے آنکھیں، اسی طرح قرآن مجید سے ہدایت حاصل کرنے کیلئے دل کے اندر تقویٰ، یعنی: احتیاط کا مادہ موجود ہونا لازم ہے، سورج تو سارے جہان پر چمکتا ہے لیکن جنہوں نے اپنی دیکھنے کی قوت ہی ضائع کر دی ہو ان کے لئے اسکی روشنی بیکار ہے اگر زمین کلّر شور ہو تو بارش اس پر بے اثر ثابت ہوگی، دلوں میں تقویٰ پیدا کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم خود اپنے کاموں کا محاسبہ کرتے رہا کریں ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے پہلے کہ لوگ تم سے حساب لیں تم اپنا حساب خود کر لو۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے تقویٰ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے کسی اور کا حکم نہ مانے اور یقین رکھے کہ تمام کام اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں لہٰذا جس شخص کا اعتقاد اور عمل یہ ہو وہ متقی ہے، کسی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تقویٰ کس کو کہتے ہیں تو انہوں نے فرمایا: تم اپنے نفس کو کسی دوسرے سے بہتر نہ سمجھو، تم یہی سمجھو کہ میں ہی کمزور ہوں اور میرا ہی قصور ہے جب تمہارے اندر یہ چیز پیدا ہو جائے تو متقی بن جاؤ گے۔

علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: تقویٰ کے تین درجے ہیں پہلا یہ کہ انسان شرک کی تمام قسموں سے پاک ہو اگر ایسا ہوگا تو عذاب سے خلاصی پائیگا ورنہ نہیں۔

تقویٰ کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان بڑے گناہوں سے بچتا رہے اور چھوٹے گناہوں پر اصرار نہ کرے اور تیسرا درجہ تقویٰ کا یہ ہے کہ انسان شک وشبہ والی باتوں سے بچتا رہے جو شخص تقویٰ کے ان تینوں درجوں پر پورا اترے گا وہی کامل درجے کا متقی ہوگا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے روز آواز آئیگی کہ متقی لوگ کہاں ہیں؟ متقی لوگ اٹھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی تجلی کے سائے میں چلے جائینگے وہ تجلی ان پر ہر وقت سایہ ڈالے ہوئے ہوگی اور کسی وقت بھی ان سے علیحدہ نہیں ہوگی، کسی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ حضرت متقی کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ: متقی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو ہر قسم کے شرک سے محفوظ رکھا اور اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرتے رہے، متقیوں کی علامت یہ ہے کہ اگر انہیں مصیبت آئے تو صبر کریں اور خدا کے فیصلے پر راضی ہوں اگر راحت آئے تو خدا کی نعمت کا شکر ادا کریں قرآن مجید کے حکموں کے سامنے ہمیشہ فرمانبردار رہیں، یہی لوگ متقی ہیں۔

متقیوں کی صفات

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳

جولوگ | ایمان لاتے ہیں | پرغیب | اور | قائم کرتے ہیں | نماز | اور | میں سے اس جو دیا ہم نے انہیں | خرچ کرتے ہیں (۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جولوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (۳)

تفسیر

اس آیت میں متقین کی پہلی صفت بیان کی جاتی ہے جو قرآنی ہدایت سے ان میں پیدا ہوگی وہ یہ ہے کہ وہ

ایسی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں جو انکی دیکھی ہوئی نہیں، مثلاً: جنت، دوزخ، فرشتے، عرش وغیرہ، ان چیزوں کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کہنے پر مان لینا ہی ایمان ہے۔

ایمان بالغیب کے بعد متقی لوگوں کی دوسری صفت بیان کی گئی ہے، یعنی: وہ نماز پابندی کیساتھ ادا کرتے ہیں، نماز اللہ تعالیٰ کے آگے جھکنے، اپنی بندگی کا اظہار کرنے، اللہ تعالیٰ سے گہرا تعلق پیدا کرنے کا نام ہے، نماز بدنی عبادتوں میں سب سے اعلیٰ عبادت ہے۔

تمام مسلمان پاک وصاف ہوکر دن میں پانچ مرتبہ ایک امام کے پیچھے قبلہ کی طرف منہ کرکے ایک قطار میں کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے خدا کے سامنے حاضر ہوکر اپنی بندگی اور آپس میں بھائی بھائی ہونے کا اقرار کرتے ہیں، اس سے جماعت کے تمام لوگوں کے دل کھوٹ، حسد اور خودغرضی سے پاک ہوجاتے ہیں، آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے، ایک دوسرے کے دکھ درد کا احساس ہوتا ہے اور انسان بے حیائی اور گناہ سے رکتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی چیز ترکِ نماز ہے، ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ نماز مؤمن کی معراج ہے وہ بدقسمت ہوگا جو اس بلند مرتبہ پر پہنچنا نہ چاہتا ہو، نماز ایک ایسی عبادت ہے جو اخلاقی، روحانی، انفرادی اور اجتماعی غرض ہر لحاظ سے مفید ہے اسی لئے نماز کو دین کا ستون قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بخشش میں مال ایک بہت بڑا عطیہ ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے اور جو نعمت انسان کو ملتی ہے سب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ملتی ہے۔

وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ: یعنی: متقین وہ لوگ ہیں جو ہماری دی ہوئی روزی سے خرچ کرتے ہیں، یعنی: غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان

وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ

اور جو لوگ ایمان لائے پر اس جو اتارا گیا طرف آپکی اور جو اتارا گیا سے پہلے آپ

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو آپ کی طرف اتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا۔

تفسیر

اس آیت میں متقی لوگوں کی چوتھی صفت بیان کی گئی ہے کہ جو کتاب آپ کی طرف اتاری گئی ہے اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو آپ سے پہلے اتاری گئی ہے اس پر ایمان لاتے ہیں، قرآن مجید میں آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتاب اور آپ سے پہلے پیغمبروں کی کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے، آپ کے بعد ہونے والے نہ کسی پیغمبر کا ذکر کیا گیا ہے اور نہ کسی کتاب کا، معلوم ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہوگا ورنہ وہ بھی ساتھ ہی بیان کر دیا جاتا۔

جو پیغمبر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے گزرے ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے قرآن مجید نے ان میں سے بعض کا نام لیکر ذکر کیا ہے اور بعض کا ذکر نہیں کیا، پیغمبروں پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جتنے پیغمبر آئے ہیں ان سب کے بارے میں یہ یقین رکھنا کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبر تھے، اللہ تعالیٰ نے چار کتابیں اتاری ہیں اور مختلف پیغمبروں پر بہت سے صحیفے بھی اتارے ہیں، ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔

قیامت پر ایمان

وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؕ﴿۴﴾

اور	پر آخرت	وہ	یقین رکھتے ہیں	(۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ (۴)

تفسیر

یہ دنیا عمل کی جگہ ہے، یعنی: وہ زندگی جس کے بعد عمل کی مہلت ختم ہو جاتی ہے اس کو آخرت کہتے ہیں، اس

کے بعد آنے والا جہان عملوں کے بدلے کی جگہ ہے جس میں ہمارے ایک ایک کام کا پورا بدلہ ملے گا اس میں کوئی شک نہیں، اس دنیا میں بھی ہمیں اسکے حالات وواقعات کے لحاظ سے کچھ بدلہ ملتا ہے مگر پورا نہیں، پورا صرف آخرت میں ملے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں انتخاب واختیار عمل کی پوری آزادی دے رکھی ہے منزل تک پہنچنے کیلئے ہمارے سامنے کئی راہیں ہیں لیکن ہمیں صرف وہی اختیار کرنی چاہئے جس کی ہدایت اللہ تعالیٰ نے کی ہے، اگر آخرت میں جزا سزا کے عقیدے پر پورا ایمان ہو تو ہم اس دنیا کی زندگی میں سیدھے راستے پر قائم رہیں گے، ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی زندگی قرآنی اصولوں میں ڈھالیں تاکہ اسکا نتیجہ نہایت خوشگوار ہو اور ہم دونوں جہان میں کامیاب ہوں جس شخص کو اپنے عملوں کی جواب دہی، حساب کتاب اور بدلہ پر یقین نہ ہوگا وہ اپنے اعمال درست نہ کرے گا، ایسا شخص نہ ایمان لائے گا، نہ نیک عمل کرے گا اور نہ برائیوں سے بچے گا۔

کامیاب لوگ

أُولَٰٓئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝٥

یہی لوگ | پر | ہدایت | سے | رب اپنے | اور | یہی لوگ | وہ | کامیابی پانیوالے ہیں (۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ کامیابی پانے والے ہیں۔ (۵)

تفسیر

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ یہی متقی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں، یہی لوگ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہونگے، دنیا کی کامیابی یہ ہے کہ انہیں ہدایت کی راہ نصیب ہوگی اور آخرت کی کامیابی یہ ہے

کہ انہیں اپنے نیک کاموں کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔

اسلام سے پہلے عرب قوم مفلس تھی، اونٹ پالنا ان کا پیشہ تھا، ان کے پاس دولت نہ تھی، نہ لشکر، نہ کھانے کی بہتات، لیکن جب انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور قرآن کی تعلیم پر پختگی سے عمل کیا تو جس طرف بھی گئے وہ کامیاب ہوئے زمین نے ان کے قدم چومے اور آسمان نے ان پر برکتوں اور رحمتوں کی بارش کی اللہ تعالیٰ نے ان سے جو وعدے کئے تھے سب پورے ہوگئے اگر آج ہم بھی قرآن مجید کے حکموں کے مطابق اپنی زندگیاں ڈھال لیں تو کامیابی کا یہ وعدہ ہمارے لئے بھی ہے اور ہم بھی دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل کرلیں گے۔

کافر

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾

بیشک | جو لوگ | کافر ہیں | برابر ہے | پر ان | خواہ آپ انہیں ڈرائیں | یا | نہ | ڈرائیں انہیں | نہیں | وہ ایمان لائینگے (۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بیشک جو لوگ کافر ہیں برابر ہے ان پر خواہ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (۶)

تفسیر

جو چیزیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دین سے یقینی طور پر ثابت ہیں اور ان میں کوئی شک وشبہ والی بات نہیں اسکا منکر کافر ہے، اللہ تعالیٰ نے جب کامیابی حاصل کرنے والے متقیوں کا حال اور ان کی کامیابیوں کا ذکر فرمایا ہے تو ضروری ہوا کہ منکروں اور کافروں کا حال اور انجام بھی بیان کیا جائے تاکہ دونوں کا فرق واضح ہوجائے اور پرہیز

گاروں اور نیکوکاروں کا مرتبہ روشن ہو جائے۔

اس آیت سے ایسے لوگوں کا ذکر شروع ہوا جو ایمان والوں کے بالکل الٹ واقع ہوئے دل سے اسلام کے دشمن ہیں اپنا وقت، قوت اور دولت غرض ہر چیز اسکی مخالفت میں خرچ کرتے ہیں ایسے لوگ دلیلیں سامنے آنے کے باوجود کفر پر اڑے رہتے ہیں حق قبول کرنے کی استعداد مسلسل انکار اور مخالفت کے باعث ختم ہوگئی اس صورت میں پیغمبر کا ان کیلئے عذاب سے ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ سب لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے کچھ کافروں کے بارے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بتادیا کہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہ لائیں گے۔

کفر کی مختلف قسمیں

کفر جحود: کفر کی مختلف قسمیں قرآن وحدیث کے عالموں نے بیان کی ہیں، قرآن مجید میں کفر کی جس قسم کا ذکر آتا ہے وہ کفر جحود ہے، "حجود" کا معنی انکار ہی ہوتا ہے، کفر جحود کی تعریف یہ ہے کہ آدمی دل سے پہچانتا ہے اور سمجھتا ہے کہ بات سچی ہے مگر وہ اسکا زبان سے اقرار نہیں کرتا جیسا کہ فرعونیوں کے متعلق فرمایا: "وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا" دل میں سمجھتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کا دین سچا ہے مگر وہ اس کا زبان سے انکار کرتے تھے، یہ انکار ظلم اور زیادتی کی وجہ سے تھا اس کو "کفر جحود" کہا جاتا ہے، ابلیس کا کفر یہی ہے کیونکہ دل میں وہ حق بات کو سمجھتا ہے مگر زبان سے اقرار کے بجائے انکار کرتا ہے۔

کفر عناد: کفر کی ایک قسم کفر عناد ہے، اس کا معنیٰ یہ ہے کہ دل سے پہچانتا بھی ہے زبان سے اقرار بھی کرتا ہے کہ یہ دین درست ہے مگر قبول نہیں کرتا، اسکی مثال ابوطالب کا کفر ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا تھے وہ مانتا تھا کہ میرا بھتیجا سچا ہے صادق اور امین ہے جو کہتا ہے سچ ہے مگر اس نے ایمان اور توحید کو قبول نہیں کیا اسکا خاتمہ کفر پر ہی ہوا، وہ عجیب قسم کے وہم کا شکار تھا محض اس ڈر سے اسلام قبول نہیں کیا کہ عورتیں ملامت کرینگی کہ موت کے ڈر سے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا یہ "کفر عناد" ہے۔

کفر نفاق: کفر کی ایک قسم کفر نفاق ہے، اسکا ذکر اگلی آیتوں میں آرہا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ انسان زبان سے اسلام کی سچائی کا اقرار کرتا ہے کلمہ بھی پڑھتا ہے، نمازیں بھی ادا کرتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے بسا اوقات جہاد میں بھی شریک ہوتا ہے مگر دل سے انکار کرتا ہے یہ "کفر نفاق" ہے اور پھر نفاق بھی دو قسم سے ہے، یعنی: اعتقادی نفاق اور عملی نفاق یہاں پر جس نفاق کا ذکر ہوا ہے یہ اعتقادی نفاق ہے کہ اعتقاداً دل سے تسلیم نہیں کرتا۔

کفر جہالت: اسی طرح کفر کی ایک اور قسم کفر جہالت ہے علم حاصل کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتے ساری عمر جہالت میں گزر جاتی ہے نہ علم ہوتا ہے اور نہ وہ سیدھے راستے پر آتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی جگہ جگہ پر مذمت بیان فرمائی ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے، یعنی: علم نہیں رکھتے دوسری جگہ فرمایا: کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟ مطلب یہ کہ برابر نہیں ہوتے اس قسم کا کفر "کفرِ جہالت" ہے۔

کفر تاویل، الحاد اور زندقہ: کفر تاویل کو الحاد اور زندقہ بھی کہتے ہیں اسکا مطلب یہ ہے کہ کسی شئے کو غلط مطلب پہنا دیا جائے اصل مقصد کچھ اور ہو، مگر تاویل کے ذریعے کچھ سے کچھ بنا دیا جائے مثلاً: غلام احمد پرویز قرآن مجید کی آیت: "اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" کا مطلب مرکز ملت یا سینٹرل گورنمنٹ مراد لیتا ہے کہ مرکزی حکومت کا حکم ماننا لازمی ہے اسی طرح حج کا معنیٰ اس نے عالمی کانفرنس کیا ہے حالانکہ حج ایک عبادت کا نام ہے اسکے ارکان ہیں جن کو پورا کرنا ضروری ہے اس لئے محض عالمی کانگریس یا عالمی کانفرنس کا نام دینا بالکل غلط ہے۔

الغرض! کفر تاویل سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا معنیٰ کرنا جو نہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہو، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے اور نہ سلف صالحین سے ثابت ہو وہ کفرِ تاویل، زندقہ یا الحاد میں شمار ہوگا۔

کفر کا نتیجہ

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَ عَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫

مہر لگادی اللہ نے پر دلوں انکے اور پر کانوں انکے اور پر آنکھوں انکی پردہ

ع ۱

وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۷

اور لئے انکے عذاب بڑا (۷)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی اوران کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اوران کیلئے بہت بڑا عذاب ہے۔(۷)

تفسیر

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہر کا لگنا انسان کے جان بوجھ کر کفر اختیار کرنے اوراس پر اڑ جانے کے بعد ہوتا ہے، ہر شخص کواللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیح فطرت عطا ہوئی ہے اوراس میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غوروفکر کرنے کی قوت بھی شامل ہے، لیکن جب انسان اپنی قوتوں کا غلط استعمال کرنے لگتا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے منہ موڑ کر شیطان کے پیچھے چلنے کا ارادہ کرلیتا ہے تو وہ سیدھے راستے سے بھٹک جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد اسکا ساتھ چھوڑ دیتی ہے اب وہ غلط راستے کو ہی سیدھا راستہ سمجھنے لگتا ہے، اس کے دل پر مہر لگ جانے کا یہی مطلب ہے۔

مُنَافِقٌ: لفظ "نفق" سے نکلا ہے اسکے لفظی معنیٰ ہیں سرنگ لگانا جیسے جنگلی جانور زمین کے اندر اندر سرنگیں بناتے ہیں تاکہ وقت آنے پران میں چھپ سکیں اور خفیہ راستوں سے بھاگ کر نکل سکیں اس اعتبار سے منافق اس بدبخت انسان کو کہا جاتا ہے جو بظاہر اسلام قبول کرلے لیکن مسلمانوں کے مقابلہ میں خفیہ چالیں چلے اور دشمنی کیلئے وقت کا انتظار کرتے رہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے تشریف لائے اس وقت مدینے میں خزرج قبیلہ کے ایک شخص عبداللہ بن ابی کو شہر کا سردار بنانے کی تیاریاں ہورہی تھیں وہ بڑا چالاک اور جوڑتوڑ کرنے کا ماہر آدمی تھا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد پر اسکی تاج پوشی کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا سب کی نگاہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لگ گئیں، جب اس نے یہ دیکھا تو خاموش رہا لیکن اندر سے جل جل کر راکھ ہوگیا، اس نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ اسلام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھائے، لہٰذا اس نے ظاہری طور پر اسلام قبول کرلیا لیکن اندرونی طور پر اس

انتظار میں رہا کہ آئندہ جب موقع ملے گا ظاہری اسلام بھی چھوڑ دے گا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوگا، جوں جوں وقت گزرتا گیا اسلام کا اثر بڑھتا گیا اور یہ لوگ دل ہی دل میں جلتے رہے، دشمنی کی آگ ان کے دلوں میں بڑھکتی گئی، چنانچہ جب بھی ان کا بس چلا انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دھوکا دیا یہ لوگ آستین کے سانپ ثابت ہوئے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نمازیں پڑھنے کے باوجود ان لوگوں نے ہمیشہ وقت پڑنے پر اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کی، مسلمانوں کے خلاف الگ ہوکر مشورے کرنے کیلئے اپنی مسجد علیحدہ تعمیر کی، جسے اللہ تعالیٰ نے مسجد ضرار کہا، غزوہ احد کے موقع پر عین مقابلہ کے وقت مسلمانوں کا ساتھ چھوڑا دوسرے رکوع میں منافقوں کی عادتیں اور خصلتیں بیان ہونگی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان خرابیوں سے بچائے اور ایمان کامل نصیب کرے۔ آمین۔

آج بھی اسلام کو سب سے بڑا خطرہ مسلمان نما کافروں سے ہے، یعنی: وہ لوگ جو بظاہر اسلام کا کلمہ پڑھتے ہیں مسلمانوں جیسے نام رکھتے ہیں اور مسلمانوں کیساتھ رہتے ہیں لیکن حقیقت میں ان کے دلوں میں کفر ہے اور مسلمانوں کے خلاف کافروں سے انہیں ہمدردی ہے۔

دنیا میں گناہوں کی سزا

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ کفر اور ہر گناہ کی اصل سزا تو آخرت میں ملے گی، مگر بعض گناہوں کی کچھ سزا دنیا میں بھی مل جاتی ہے پھر یہ دنیا کی سزا بعض اوقات یہ شکل اختیار کرتی ہے کہ عمل کی درستگی ناممکن ہوجاتی ہے، انسان آخرت کے حساب وکتاب سے بے فکر ہوکر نافرمانیوں اور گناہوں میں بڑھتا چلا جاتا ہے اور اسکی برائی کا احساس بھی اس کے دل سے جاتا رہتا ہے ایسے حال کے متعلق بعض بزرگوں کا ارشاد ہے:

"یعنی: گناہ کی ایک سزا یہ بھی ہوتی ہے کہ ایک گناہ دوسرے گناہ کو کھینچ لاتا ہے جس طرح نیکی کا نقد بدلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک نیکی دوسری نیکی کو کھینچ لاتی ہے"۔

اور حدیث میں ہے کہ انسان جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اسکے دل پر ایک سیاہ دھبّہ لگ جاتا ہے اور جس طرح

ایک سفید کپڑے پر ایک سیاہ نقطہ انسان کو برا محسوس ہوتا ہے، گناہ کے پہلے دھبہ سے بھی انسان پریشان ہوتا ہے لیکن اگر اس نے اس گناہ سے توبہ نہ کی اور دوسرا گناہ کرلیا تو ایک دوسرا دھبہ لگ جاتا ہے اور اس طرح ہر گناہ پر سیاہ نقطے لگتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ یہ سیاہی پورے دل پر چھا جاتی ہے اور اب اسکا یہ حال ہوجاتا ہے کہ وہ نہ کسی اچھی چیز کو اچھا سمجھ سکتا ہے نہ بری چیز کو برا، غرض نیکی بدی کا فرق اس کے دل سے اٹھ جاتا ہے اور پھر فرمایا کہ: اسی دھبوں کی اس سیاہی کا نام قرآن مجید میں "ران" یا "رین" آیا ہے۔

اور ترمذی نے سند صحیح کیساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: انسان جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اسکا دل سیاہ ہوجاتا ہے پھر اگر وہ توبہ کرلے تو صاف ہوجاتا ہے۔

نصیحت کرنے والے کو ہر حال میں نصیحت کرنے کا ثواب ملے گا

اس آیت میں کبھی بھی ایمان قبول نہ کرنے والے کافروں کیلئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نصیحت کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر قرار دیئے گئے ہیں، مگر ان کیساتھ "عَلَيْهِمْ" کی قید لگا کر بتلا دیا کہ یہ برابری کافروں کے حق میں ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں نہیں، بلکہ ان کو تبلیغ و تعلیم کی کوشش کا ثواب بہر حال ملے گا، اسی لئے پورے قرآن مجید کی کسی آیت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے لوگوں کو بھی دعوت ایمان دینے سے نہیں روکا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص دین اور اصلاح کا کام کرتا ہے خواہ دوسروں پر اس کا اثر ہو یا نہ ہو اس کو بہر حال اپنے عمل کا ثواب ملتا ہے۔

منافقوں کی طرف سے ایمان کا دعویٰ

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا

اور کچھ لوگ جو کہتے ہیں ایمان لائے ہم پر اللہ اور پر دن آخرت اور نہیں

هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۸

وہ ایمان والے (۸)

وقف لازم

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کچھ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ ایمان والے نہیں۔ (۸)

تفسیر

اب تک قرآن مجید نے دو قسم کے انسانوں کا ذکر کیا ہے ایک اللہ تعالیٰ کے قانون کے فرمانبردار مؤمن دوسرے انکا کرنے والے کافر، اب تیسری قسم کے لوگوں کا ذکر شروع ہو رہا ہے یہ لوگ بھی اسلام کے مخالف اور دشمن ہی ہیں مگر اپنے کفر اور دشمنی کو دلوں میں چھپائے رکھتے ہیں، انہیں قرآن مجید کی اصطلاح میں منافق کہا گیا ہے۔

اسلام نے جب اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے کے عقیدوں کا اعلان کیا تو مسلمان بننے کیلئے ان کو ماننا ضروری تھا، چنانچہ مدینہ کے لوگوں کے ایک خاص گروہ نے انہی دو عقیدوں کا اظہار کر کے چاہا کہ مسلمانوں میں شامل ہو جائیں وہ مسلمانوں میں شامل کر لئے گئے لیکن ان کے دل صاف نہ تھے ان کے چالوں سے بچنا ضروری تھا اس لئے خود قرآن مجید نے خبر دیدی کہ یہ ان عقیدوں کو دل سے نہیں مانتے اس لئے مسلمانوں کو ان کی طرف سے خبردار رہنا چاہئے۔

منافقت کی بیماری جسمانی بیماری نہیں بلکہ دین کی بیماری ہے جس طرح بدن کی بیماریاں ہوتی ہیں اسی طرح دین اور عقیدے کی بھی بیماریاں ہوتی ہیں تو اس بیماری سے مراد عقیدے کی بیماری ہے، جب آدمی سیدھا راستہ چھوڑ دیتا ہے تو پھر بدعقیدگی، حسد، کینہ اور گناہوں کیساتھ محبت کا راستہ کھل جاتا ہے۔

منافقوں کا دھوکہ

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ

دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنے آپ کو

وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ۝٩

اور نہیں　وہ سمجھتے　(۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ اور مؤمنوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ دھوکہ نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو اور وہ نہیں سمجھتے۔(۹)

تفسیر

پیچھے منافقوں کی بابت یہ بتلایا گیا تھا کہ جو کچھ وہ زبان سے کہتے ہیں اسے دل سے نہیں مانتے اور جو دل میں رکھتے ہیں اسے زبان پر نہیں لاتے، وہ صرف مسلمانوں سے فائدہ حاصل کرنے کی خاطر یا ان کی پکڑ سے بچنے کیلئے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، ان کی جرأت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ اپنے خیال میں اللہ تعالیٰ کو بھی دھوکا دینے لگتے ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ لوگ مسلمانوں کی مجلسوں اور مشوروں میں شریک ہوتے اپنا اعتماد جماتے اور پوشیدہ طور پر کافروں سے بھی دوستی رکھتے، انہیں مسلمانوں کی باتوں سے آگاہ کردیتے اور دوست کی شکل میں ایماندار جماعت پر چھری چلاتے۔

منافقوں کا یہ طرزِ عمل خاص طور پر قابل مذمت ہے کہ وہ اپنے اس طرزِ عمل سے مؤمنوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے اور دھوکہ دینا انکا مذہب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو ہی نہیں، بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھی دھوکہ دے سکیں گے بھلا اس سے بڑی نادانی اور کیا ہوسکتی ہے کہ مخلوق اپنے خالق کو دھوکہ دینے کا خیال دل میں لائے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: یہ نادان ہیں حقیقت کا شعور نہیں رکھتے نادانی کو دانائی اور بیوقوفی کو عقلمندی سمجھتے ہیں۔

منافقوں کی بیماری

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ۬

میں　انکے دل　بیماری　بڑھادی انکی　اللہ نے　بیماری　اور لئے انکے　عذاب　دردناک

بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ۝۱۰

کیونکہ تھے وہ جھوٹ کہتے (۱۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ان کے دلوں میں منافقت کی بیماری ہے، سو اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری بڑھادی اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ جھوٹ کہتے تھے۔(۱۰)

تفسیر

اس آیت میں منافقوں کے طرزِ عمل پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے ان کے اندر کفر اور نفاق کی بیماری ہے جو انہوں نے خود اپنے ہاتھوں پیدا کر رکھی ہے اور جوں جوں مسلمانوں کو ترقیاں اور کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں ان کے حسد اور کینہ میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ: سو اللہ تعالیٰ نے ان کے مرض میں اضافہ کردیا، اسکا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انکے کفر اور نفاق کو بڑھادیا، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے کفر ونفاق کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کا مرض بڑھادیا یا ایسے حالات پیدا ہوگئے جن سے انہوں نے اپنی مرض کے بڑھانے کا کام لیا، جس طرح بیماریوں کا نتیجہ جسمانی قوت کا کم ہونا ہے اسی طرح روحانی بیماریوں کا نتیجہ دوسرے جہان میں دردناک عذاب ہے۔

جھوٹ بولنے کا وبال

بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ: اس آیت میں منافقوں کے عذاب کی وجہ ان کے جھوٹ بولنے کو قرار دیا ہے، حالانکہ ان کے کفر اور منافقت کا جرم سب سے بڑا تھا اور دوسرے جرم مسلمانوں سے حسد اور ان کے خلاف سازشیں بھی بڑے جرم تھے، مگر دردناک عذاب کا سبب ان کے جھوٹ بولنے کو قرار دیا اس میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ جھوٹ بولنے کی عادت ان کا اصلی جرم تھا اسی بری عادت نے ان کو کفر ومنافقت تک پہنچادیا تھا اس لئے جرم کی حیثیت اگرچہ کفر ومنافقت کی بڑھی ہوئی ہے، مگر ان سب خرابیوں کی جڑ اور بنیاد جھوٹ بولنا ہے اسی لئے قرآن

مجید نے جھوٹ بولنے کو بت پرستی کیساتھ جوڑ کر اس طرح ارشاد فرمایا: بت پرستی کی نجاست سے بچو اور جھوٹ بولنے سے بچو۔

منافقوں کی سازشیں

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ

اور جب کہا جاتا ہے ان سے نہ فساد پھیلاؤ میں زمین کہتے ہیں بلاشبہ ہم

مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَ لٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

اصلاح کرنے والے(۱۱) سن رکھو یہ لوگ وہی فسادی ہیں اور لیکن نہیں احساس رکھتے (۱۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو کہتے ہیں بلاشبہ ہم اصلاح کررہے ہیں۔(۱۱) سن رکھو یہی لوگ فسادی ہیں لیکن وہ احساس نہیں رکھتے۔(۱۲)

تفسیر

اس آیت میں منافقوں کی ایک اور سازش کا بیان ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے اپنے اس دوغلے پن سے ملک میں فساد مت پھیلاؤ تو وہ کہتے ہیں ہم تو اصلاح اور بھلائی کا کام کرتے ہیں، حالانکہ وہی فساد پھیلانے والے ہیں، بھلا اس سے بڑھ کر اور کیا فساد ہوسکتا ہے کہ ان کی منافقانہ روش سے کافر تو یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اسلام میں تو کوئی خوبی نہیں کہ یہ منافق اسلام میں داخل ہوکر بھی گناہوں میں مبتلا ہیں، دوسری طرف مسلمانوں کو دھوکہ دیکر ورغلاتے ہیں اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے خدا کا خوف دل میں نہیں رکھتے، ان کی اس روش سے دوسروں کے دلوں سے بھی خوف مٹ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ سچائی سے لوگوں میں آپس میں سلوک پیدا ہوتا ہے جو دنیا میں اصلاح کا باعث بنتا ہے اور منافقت سے دنیا کے انتظام میں خلل پیدا ہوتا ہے جب انسان اس درجہ کو پہنچ جاتا ہے اور اپنی برائی کو برائی نہیں

سمجھتا تو تباہ ہوجاتا ہے اور اسکا شعور اور اندرونی احساس ختم ہوجاتا ہے۔

منافقوں کی بے عقلی

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ كَمَاۤ

اور جب کہا جاتا ہے سے ان ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جیسے

اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَ لٰكِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

ایمان لائے بیوقوف لوگ خبردار یہی لوگ وہ بے وقوف ہیں اور لیکن نہیں علم رکھتے (۱۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لے آؤ جیسے یہ لوگ (صحابہ) ایمان لائے ہیں، تو (وہ منافق) کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں جیسے کہ یہ بے وقوف ایمان لائے ہیں، خبردار! وہی بے وقوف لوگ ہیں لیکن وہ علم نہیں رکھتے۔ (۱۳)

تفسیر

اس آیت میں منافقوں کی ایک اور عادت کا ذکر ہے ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اسلام پر سچائی اور اخلاص کیساتھ سچے مسلمانوں کی طرح ایمان لاؤ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم بے وقوفوں کی طرح ایمان لائیں گویا ان کے خیال میں ایمان لانے والے بے وقوف ہیں کہ وہ کفر کے ایک بڑے طاقتور جتھے کے مقابلہ میں حق بات کو غالب کرنا چاہتے ہیں جو منافقوں کے نزدیک سراسر ناممکن ہے مدینہ کے منافق اپنی قوت اور طاقت کے بل بوتے پر بہت مغرور تھے انہیں یقین تھا کہ ان کے مقابلہ میں اجنبی مسلمان نہیں ٹھہر سکیں گے، وہ خیال کرتے تھے کہ اسلام چندروز کا کھیل ہے جو خود بخود ختم ہوجائیگا اس لئے جو لوگ اس میں داخل ہورہے ہیں وہ انجام سے غافل اور اپنے نقصان سے لاپرواہ ہیں۔

ان کی اس بات کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: یہی لوگ احمق اور بے وقوف ہیں، کیونکہ سچائی

آخر غالب ہو کر رہتی ہے اور دھوکہ دینے والے منافق ہمیشہ نقصان اٹھاتے ہیں یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقوں کا آخرت پر ایمان نہیں ہوتا اس لئے کہ آخرت پر ایمان رکھنے کیلئے بہت زیادہ دور اندیشی کی ضرورت ہے آخرت کو ماننے سے اس دنیا کے عیش وعشرت کو ہمیشہ کی زندگی کے آرام کیلئے چھوڑنا پڑتا ہے، منافق انجام کا خیال نہیں کرتے وہ اپنے نفع ونقصان سے غافل رہتے ہیں اس لئے وہی بے وقوف اور احمق ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اس طرح ایمان لاؤ جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ایمان لائے ہیں ان کا ایمان حقیقی ایمان ہے جو خلوص سے بھرپور ہے ایسا ہی ایمان انسان کی کامیابی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

منافقوں کا ہنسی اڑانا

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى
اور جب ملتے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اور جب اکیلے ہوتے ہیں طرف

شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ
شیطانوں اپنے کے وہ کہتے ہیں ہم ساتھ ہیں تمہارے بیشک ہم مذاق کر رہے تھے (۱۴) اللہ

يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ يَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾
مذاق کرتا ہے سے ان اور ڈھیل دیتا ہے انکو میں سرکشی انکی (جس میں وہ) اندھے ہو رہے ہیں (۱۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب یہ منافق ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو محض مذاق کر رہے تھے۔ (۱۴)
اللہ تعالیٰ ان سے مذاق کرتا ہے اور انہیں ڈھیل دیتا ہے وہ اپنی سرکشی میں اندھے ہو رہے ہیں۔ (۱۵)

لفظی تحقیق: يَعْمَهُوْنَ: اندھے ہو رہے ہیں۔ یہ لفظ "عمه" سے نکلا ہے جسکے معنیٰ ہیں اندھا پن یہاں

ایسی کیفیت مراد ہے کہ انسان کو راستہ سجھائی نہ دے اور وہ ادھر اُدھر اندھوں کی طرح ہاتھ پاؤں مارتا پھرے۔

تفسیر

اس آیت میں بھی منافقوں کا بیان ہے کہ وہ دو رخی چال چلتے ہیں، جب مسلمانوں سے ملتے تو انہیں دھوکہ دینے اور خوش کرنے کو کہتے تھے کہ ہم بھی ایمان لائے، لیکن جب وہ اپنے سرداروں کے پاس تنہائی میں جاتے تو کہتے ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو مسلمانوں کو بیوقوف بناتے ہیں وہ سیدھے سادھے لوگ ہیں ہماری اس بات کو سچ مان کر ہمیں اپنے پوشیدہ راز بتا دیتے ہیں، ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان کے مذاق کو انہی پر پلٹ دیا، اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی خراب حالت میں چھوڑ رکھا ہے کہ وہ اپنی سرکشی اور حماقت میں ڈوبے پھرتے ہیں اور قرآن مجید کی روشنی سے محروم اندھیروں میں ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔

گمراہی اور خسارہ

أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ

یہی لوگ جنہوں نے خرید لی گمراہی بدلے ہدایت کے پس نہ فائدہ دیا تجارت انکی نے

وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾

اور نہ تھے وہ ہدایت پانے والے (۱۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو خریدا، پس کوئی فائدہ نہ دیا ان کو انکی تجارت نے اور وہ ہدایت پانے والے نہ ہوئے۔ (۱۶)

تفسیر

اس آیت میں منافقت کا انجام بتایا گیا ہے کہ ان لوگوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی حاصل کر لی، یعنی:

انسانیت کی جو خوبی ہر شخص کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا ذریعہ ہے جسکی وجہ سے ہر انسان نیکی اور آرام حاصل کرسکتا ہے، ان منافقوں نے اس نور کو بجھا دیا اور جو ہدایت انہیں حاصل کرنی چاہئے تھی اسکو چھوڑ کر اپنے اندر برے اخلاق اور غلط عادتیں پیدا کرلیں اور اپنے دل میں خیال کیا کہ ہم نے یہ سودا بڑا اچھا کیا منہ سے توحید کا کلمہ کہہ دیا اور دل میں کفر رکھا اور خوش ہوئے کہ اس سے زیادہ نفع والی تجارت اور کیا ہوسکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اس تجارت میں انہیں نفع نہ ہوا انہوں نے اپنی ساری عمر دنیا کے عارضی فائدوں کو حاصل کرنے میں ضائع کردی، تجارت تو یہ تھی کہ اپنی جان و مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرکے ہمیشہ رہنے والی زندگی کا آرام حاصل کرتے، لیکن انہوں نے اصل سرمایہ کو بھی ضائع کردیا۔

منافقوں کی یہ گمراہی اور گھاٹا ان کے برے عملوں کا نتیجہ ہے، وہ زبان سے اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لاتے ہیں دل سے نہیں مانتے، مومنوں اور اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں، ان کے دل میں کفر اور منافقت کا مرض ہے، وہ اصلاح کے نام سے فساد برپا کرتے ہیں مخلص اور ایمان والے لوگوں کو بے وقوف سمجھتے ہیں، انہیں ایمان اور تعاون کا یقین دلاتے ہیں لیکن جب اپنے بدکردار ساتھیوں اور سرداروں کے پاس جاتے ہیں تو ان کے ساتھ ہوجاتے ہیں۔

منافقوں کی پہلی مثال

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهٗ

مثال انکی | جیسے مثال | وہ جنہوں نے | جلائی | آگ | پھر جب | روشن کردیا اس نے | جو | اردگرد ہے اسکے

ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَ تَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾

لے گیا | اللہ | روشنی انکی | اور | چھوڑ دیا انکو | میں | اندھیرے | نہیں | دیکھ پاتے | (۱۷)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ان کی مثال تو ان کی سی ہے جنہوں نے آگ جلائی، پس جب آگ نے اس کے اردگرد کو روشن کردیا تو اللہ نے انکی روشنی واپس لے لی اور انہیں تاریکی میں چھوڑ دیا وہ نہیں دیکھ پاتے۔(۱۷)

تفسیر

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں منافق دو قسم کے تھے ایک وہ جو دِل سے اسلام کے پکے دشمن تھے مگر زبان سے مسلمانوں کے ہمدرد اور دوست ہونے کا دعویٰ کرتے تھے، دوسرے وہ منافق جو طبیعت کے کمزور تھے اور قطعی طور پر نہ تو اسلام کے حامی تھے اور نہ مخالف، جس طرف اپنا فائدہ دیکھتے اس طرف ہو جاتے، قرآن مجید نے ان دونوں قسم کے منافقوں کی مثالیں دی ہیں اس آیت میں پہلی قسم کے منافقوں کی مثال بیان کی گئی ہے۔

ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے اندھیری رات میں آگ جلائی اسکی روشنی سے اردگرد کی تمام چیزیں روشن ہوگئیں اور وہ اس قابل ہو گیا کہ نقصان پہنچانے والی اور نفع دینے والی چیزوں میں فرق کر سکے، مگر اچانک آنکھوں کی روشنی اللہ تعالیٰ نے چھین لی اور اب اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا، روشنی کے باوجود اندھوں کی طرح ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہے۔

یہ مثال منافقوں پر ٹھیک ٹھیک درست آتی ہے وہ پہلے کفر کی تاریکی میں پڑے ہوئے تھے نیک و بد میں کوئی فرق نہ کرتے تھے، پھر اسلام کی شمع روشن ہوئی اور اس سے وہ فائدہ اٹھانے لگے کہ اچانک انکے دوغلے پن کی وجہ سے ان کے اسلام سے فائدہ اٹھانے کے تمام موقع چھین لئے گئے، ان کی اصلیت مسلمانوں کے سامنے آ گئی اور وہ اس قابل نہ رہے کہ مسلمانوں کو دھوکہ دے سکیں، کچھ منافق حق کو ٹھکرا کر باطل کی طرف جھک گئے، کچھ اپنی دنیاوی غرض کی وجہ سے اس روشنی سے فائدہ اٹھانے سے محروم ہو گئے، ان تینوں صورتوں میں ان کے لئے اسلام کی روشنی بیکار ہوگئی اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔

منافقوں کا انجام

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾

بہرے گونگے اندھے پس وہ نہیں لوٹیں گے (۱۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں وہ نہیں لوٹیں گے۔ (۱۸)

لفظی تحقیق: صُمٌّ: بہرے۔ اسکی واحد "اصم" ہے جس کے معنٰی بہرے کے ہیں، منافق اگرچہ ظاہری طور پر بہرے نہیں تھے لیکن انہیں بہرا اس لئے کہا گیا کہ وہ اسلام کی حق باتیں سنتے اور ٹال دیتے اور سنی بات کو ان سنی کر دیتے گویا وہ بہرے ہیں کچھ سنتے ہی نہیں۔ بُكْمٌ: (گونگے) یہ "ابکم" کی جمع ہے، جس کے معنٰی ہیں گونگا اگرچہ ان لوگوں کی زبانیں تو موجود تھیں لیکن سچی بات پوچھنے سے گریز کرتے اور حق بات کا اقرار نہ کرتے گویا گونگے ہیں اور ان کے منہ میں زبان نہیں۔ عُمْيٌ: اندھے۔ یہ "اعمٰی" کی جمع ہے، جس سے مراد ہے اندھا آدمی، انہیں اندھا اس لئے کہا گیا کہ آنکھیں رکھنے کے باوجود اللہ تعالٰی کی نشانیاں دیکھ کر دل سے اسلام قبول نہیں کرتے تھے۔

تفسیر

اس آیت میں منافقوں کے عملوں کا نتیجہ بیان کیا گیا ہے وہ لوگ اسلام کی روشنی ظاہر ہو جانے کے باوجود کفر کے اندھیروں میں پڑے رہے، دنیاوی فائدوں، ذاتی غرضوں اور نفسانی خواہشوں کی پیروی میں انہوں نے اچھے اور برے میں تمیز نہ کی جس طرح قدرتی قاعدہ کے ماتحت آگ میں ہاتھ ڈالنے سے ہاتھ جھلس جاتا ہے اسی طرح ان لوگوں کے دوہرے رویّے کی وجہ سے حق کو پہچاننے کی تمام قوتیں ضائع ہو گئیں، کفر ان پر غالب آ گیا وہ اسلام کی روشنی سے محروم ہو گئے، اللہ تعالٰی نے ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے روشنی کو چھین لیا اور وہ اندھیرے میں بھٹکنے لگے۔

نیکی اور بدی کی تمیز اٹھ جانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حق کی آواز سننے کے قابل نہ رہے، ان کی زبانیں گونگی ہو گئیں کہ وہ کسی سے حق کا راستہ نہ پوچھ سکے، ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں کہ اسلام کی روشنی انہیں نظر نہ آئی اور اللہ تعالٰی کی قدرت کی نشانیاں ان پر کوئی اثر نہ کرتیں۔

علم حاصل کرنے کے تین ظاہری ذریعے ہوتے ہیں کان، زبان اور آنکھ، کبھی انسان دوسروں کی باتیں

سن کر بعض چیزوں کا علم حاصل کرتا ہے کبھی زبان سے پوچھ کر معلوم کرتا ہے اور کبھی آنکھ سے دوسری چیزوں کو دیکھ کر معلوم کرتا ہے، لیکن منافق اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث یہ تینوں ذریعے کھو بیٹھتا ہے اور اب نہ کسی ہدایت دینے والے کی آواز سنتا ہے، نہ وہ سچی تعلیم کے بارے میں پوچھتا ہے اور نہ حق کی نشانیوں کو آنکھوں سے دیکھ کر کوئی اثر حاصل کرتا ہے اور اب اس بات کی کوئی امید نہیں کہ وہ کفر سے اسلام کی طرف یا اندھیرے سے روشنی کی طرف واپس آئے گا۔

منافقوں کی دوسری مثال

اَوۡ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيۡهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعۡدٌ وَّ بَرۡقٌ ۚ يَجۡعَلُوۡنَ

یا جیسے زوردار بارش سے آسمان میں اس اندھیرے اور گرج اور بجلی ڈالتے ہیں

اَصَابِعَهُمۡ فِىۡٓ اٰذَانِهِمۡ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الۡمَوۡتِ ؕ

انگلیاں اپنی میں کانوں اپنے سے کڑک ڈر سے موت کے

بامحاورہ ترجمہ: یا ان کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے زوردار بارش برس رہی ہو، اس میں اندھیرے ہیں اور گرج اور بجلی ہے، اپنے کانوں میں کڑک کے مارے موت کے ڈر سے انگلیاں دیتے ہیں۔

لفظی تحقیق: كَصَيِّبٍ: جیسے بارش۔ یہ لفظ "صَوۡبٌ" سے نکلا ہے جس کے معنٰی ہیں بادل یا بارش کا برسنا۔

تفسیر

اس آیت میں دوسری قسم کے منافقوں کا ذکر ہے وہ اپنی طبیعت کی کمزوری کی وجہ سے نہ تو پورے اسلام میں داخل ہوتے ہیں اور نہ اسے چھوڑتے ہیں، بلکہ شک اور بے یقینی میں پڑے ہوئے ہیں اور قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے، دوسری قسم کے منافقوں کی مثال زوردار بارش سے دی گئی ہے، اس بارش میں بیشمار فائدے ہیں مردہ زمین زندہ ہوتی ہے، کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں، ندی نالے بہنے لگتے ہیں، لیکن ساتھ ہی دل کو لرزانے والے بادلوں کی

کڑک اور آنکھوں کو چندھیانے والی بجلی کی چمک بھی ہوتی ہے، گھٹا ٹوپ اندھیرا بھی چھا جاتا ہے، لیکن ان باتوں کے باوجود کوئی بارش کا دشمن نہیں ہوتا۔

اسلام بھی بارش کی طرح سراسر رحمت بن کر آیا لیکن اس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد اور دوسرے حکم بھی ہیں، منافق ان پابندیوں سے بدکتے ہیں۔

منافق اسلام کے فائدے دیکھتے تو اسکی طرف دوڑتے مگر جب قربانی کا وقت آتا تو پیچھے ہٹ جاتے کاش تذبذب چھوڑ کر یہ لوگ ایک طرف ہوجاتے اور اپنی زندگی اسلام کے مطابق ڈال لیتے۔

منافقوں کی بے بسی

وَ اللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾

اور اللہ گھیرے میں لئے ہوئے ہے کافروں کو (۱۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرے ہوئے ہیں اس لئے وہ کہیں نہیں جاسکتے۔(۱۹)

تفسیر

آیت کے آخر میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان منافقوں کو ہر طرح سے گھیرے میں لئے ہوئے ہے، وہ محض مشقت اور موت سے بچنے کی خاطر اسلام سے بھاگتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ ان پر ہر قسم کا اختیار اور قدرت رکھتا ہے اس لئے موت سے کیسے بچ سکتے ہیں، اسلام ان سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ نفسانی لذتوں اور جھوٹی خواہشوں کو چھوڑ دیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان و مال پیش کریں تکلیف اور مصیبتیں جھیلیں۔

وہ عذاب کی آیتیں سننا نہیں چاہتے اور دُم دبا کر نکل جاتے ہیں، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے، اللہ تعالیٰ انہیں صرف ڈھیل دیتا ہے اور سمجھنے کے موقع ان کیلئے پیدا کرتا ہے جب ان کی مہلت ختم ہوجائیگی تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اور ان کا کوئی دوست انہیں اللہ تعالیٰ سے نہیں بچا سکے گا۔

جس طرح بارش میں گرج، چمک اور کڑک سب کچھ ہوتا ہے اسی طرح اسلام میں آزمائش کے طور پر محنت، سختی، غربت اور تکلیف سب ہی کچھ ہوسکتا ہے، مگر نتیجہ میں دونوں جہانوں کی کامیابی ہے اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ ان عارضی مصیبتوں سے گھبرا کر اسلام سے بھاگ نہ جائے، بلکہ ہمت کیساتھ اس پر جم جائے انسان اگر مصیبتوں سے بھاگنا ہی چاہے تو بچ بھی نہیں سکتا۔

منافقوں کی بے یقینی

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ

قریب ہے کہ بجلی اچک لے آنکھیں انکی جب چمکتی ہے پر ان چلتے ہیں میں اس

وَ اِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ

اور جب اندھیرا کردے پر ان کھڑے رہ جاتے ہیں

بامحاورہ ترجمہ:۔ قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں اُچک لے وہ جب ان پر چمکتی ہے تو اسکی روشنی میں چلتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا کر دیا جاتا ہے وہ کھڑے رہ جاتے ہیں۔

تفسیر

اس آیت میں دوسری قسم کے منافقوں کے حال کی مزید وضاحت بیان کی گئی ہے، پہلی آیت میں بارش کی مثال دیکر ان کی فطرت کے بارے میں یہ بتایا گیا تھا کہ وہ فائدوں کی طرف لپکتے ہیں لیکن فائدے حاصل کرنے کیلئے کچھ مشقت یا نقصان اٹھانا پڑے تو پھر پیچھا دکھا جاتے ہیں۔

بارش انسان کیلئے بہت سے فائدوں کا سبب بنتی ہے لیکن جب اس میں بادل کی کڑک اور بجلی کی چمک دیکھتے ہیں تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں اور اس سے بچنا چاہتے ہیں اور بارش کے فائدوں سے سرے سے انکار کردیتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ بہتری کیلئے اگر کچھ قربانی کرنی پڑے یا آزمائش میں مبتلا ہونا پڑے تو اس

سے گھبرانا نہیں چاہئے۔

منافق اسلام کی کامیابیاں دیکھتے ہیں تو ان کے قدم اسلام کی طرف بڑھنے لگتے ہیں، دراصل ان کے دل میں حق کی تلاش نہیں ہوتی، صرف اسلام کے رُعب اور دبدبے کی وجہ سے اسکی طرف راغب ہوتے ہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ ایمان والوں پر آزمائشیں اور مصیبتیں پیش آنے لگی ہیں تو پھر یہ انکار اور بے یقینی کی وجہ سے ٹھٹک کر رہ جاتے اور اسلام کی طرف ان کے بڑھتے ہوئے قدم رک جاتے ہیں، گویا بجلی کے چمکنے کی طرح جب اسلام کی روشنی ان پر واضح ہوتی ہے تو مسلمان ہوجاتے ہیں ان کیساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں، لیکن جونہی اندھیرا ہوجاتا ہے، یعنی: انہیں تکلیفیں اور مصیبتیں پیش آنے لگتی ہیں تو پھر ان کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ سکھ اور دکھ ہمیشہ اکٹھے ہوتے ہیں اگر ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان مال اور اولاد کی قربانی کریں تو یقیناً اسکے بدلے میں کامیابی نصیب ہوگی یہ طریقہ ہرگز درست نہیں کہ فائدے کی طرف تو ہم دوڑیں، مگر آزمائش کے وقت پیچھے ہٹ جائیں اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت

وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى

اور اگر چاہے اللہ لے جائے کان انکے اور آنکھیں انکی بیشک اللہ پر

كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۰﴾ ع ۱۳ ۲

ہر چیز قادر ہے(۲۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے کان اور ان آنکھیں لے جائے، بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔(۲۰)

تفسیر

اس رکوع کی ابتداء سے منافقوں کا بیان شروع ہوا تھا جو یہاں ختم ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو سننے اور دیکھنے کی قوتیں عطا فرمائی ہیں، لیکن منافقوں نے یہ قوتیں صرف دنیا کے عارضی فائدے جمع کرنے اور خواہشیں پوری کرنے میں لگا دیں، حق کی آواز سننے اور اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھنے سے اپنے کانوں اور آنکھوں کو بالکل بند کر لیا، انہوں نے اپنی قوتوں سے صحیح کام لینے کے بجائے ان کا غلط استعمال کیا۔

اب اللہ تعالیٰ انہیں خبردار کرتا ہے کہ اگر وہ اس غلط طریقہ سے باز نہ آئے تو ان سے یہ قوتیں چھین لی جائینگی، منافق اگرچہ موت کے خوف سے بجلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور ان کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں، وہ کڑک اور گرج کی آواز سن کو کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں کہ مر نہ جائیں اللہ تعالیٰ ان کی آنکھوں کی بینائی اور کانوں کے سننے کی قوت چھین بھی سکتا ہے خواہ وہ کتنا ہی بچانے کی کوشش کریں۔

انسان کو دیکھنے سوچنے اور سننے کی تمام قوتیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دی ہیں، لیکن جب وہ انہیں اس کے حکم کے مطابق استعمال نہیں کرتا تو اسے ڈرتے رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کہیں چھین نہ لے، اگر وہ چھیننے میں کچھ دیر کرے تو نڈر نہ ہو جانا چاہئے، کیونکہ سزا ملنے میں دیر بھی ہو سکتی ہے ممکن ہے یہ دیر ڈھیل دینے کیلئے ہو یا اسکی رحمت کی وجہ سے ہو۔

انسان کی آنکھیں اور کان موجود ہوتے ہوئے بھی جب تک اللہ تعالیٰ کی مرضی اور ارادہ نہ ہو وہ کام نہیں کر سکتے اگر وہ چاہے تو وہ انسان کو اعضاء سے کام لینے کی قوتوں سے محروم کر سکتا ہے کہ آنکھیں ہوتے ہوئے بھی دیکھ نہ سکے اور کان ہوتے ہوئے بھی سن نہ سکے اور یہ بات اسکی قدرت سے باہر نہیں ہے اس نے جہان کے انتظام کیلئے قاعدے، وقت اور سبب مقرر کر رکھے ہیں، وہ دنیا کے تمام کافروں، منکروں اور منافقوں کو فوراً فنا کر سکتا ہے لیکن اس نے انہیں ڈھیل دے رکھی ہے تا کہ وہ باز آ جائیں اسکے باوجود اگر وہ باز نہ آئیں تو اسکا غضب ان پر

یوں آ پڑتا ہے کہ انہیں اسکا گمان بھی نہیں ہوتا، چنانچہ اکثر منافقوں کا حال ایسا ہی ہوا۔

يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ: منافقوں کی حالت یہ ہے کہ اپنی انگلیاں کڑک کے خوف سے اپنے کانوں میں ڈالتے ہیں، جب بارش کے دوران بجلی چمکتی ہے اور بادلوں میں گرج پیدا ہوتی ہے تو دہشت کے مارے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں کہ کہیں ہلاک نہ ہو جائیں، حالانکہ یہ موت سے بھاگ نہیں سکتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کافروں کو ہر طرف سے گھیرنے والا ہے، وہ پکڑنا چاہے گا تو فوراً پکڑ لے گا منافقوں کا خوف وڈر انہیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچا نہیں سکتا۔

عبادت کا مطالبہ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ

اے لوگو عبادت کرو رب اپنے کی جس نے پیدا کیا تمہیں اور ان لوگوں کو سے

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾

پہلے تم تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ (۲۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔ (۲۱)

تفسیر

اس سورۃ کے شروع میں سب سے پہلے پرہیز گاروں کی صفات بیان کی گئی تھیں اور بتایا گیا تھا کہ قرآن مجید پرہیز گاروں کیلئے ہدایت ہے، اب اصل تقویٰ حاصل کرنے کی راہ انسان کے سامنے واضح کی جاتی ہے۔

یہاں تمام لوگوں کو پکار کر یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام کے تمام عقیدوں اور حکموں کا مقصد رب کو پہچاننا ہے انسان کو پیدا کرنے کا سب سے پہلا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے رب کو پہچانے اور اسی کی عبادت کرے اور دنیا و

آخرت کی کامیابی اسی سے مانگے، کیونکہ اسی نے انسان کو پیدا کیا اور ہر وقت ہر زمانے میں اس کی پرورش کی اور اس کو اسکی قابلیت کے مطابق ترقی کے راستے بتائے، اس رب کی سب سے پہلی نشانی یہ ہے کہ اس نے تم کو اور سب کو جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں پیدا کیا، اسی پہچان سے تقویٰ حاصل کرنے کی راہ کھلتی ہے، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کوئی ذاتی فائدہ نہیں، بلکہ اس سے سراسر انسان ہی کا فائدہ ہے عبادت کرنے سے انسان کے خیالات کی پریشانی دور ہوتی ہے اور اصل باتوں کی طرف توجہ دینے کا موقع ملتا ہے۔

شرک کی ممانعت

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۠ وَّ اَنْزَلَ
جس نے بنادیا لئے تمہارے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت اور اتارا

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا
سے آسمان پانی پھر نکالے اس سے پھل روزی لئے تمہارے پس نہ

تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾
ٹھہراؤ لئے اللہ کے شریک اور تم جانتے ہو (۲۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنادیا اور آسمان سے پانی اتارا پھر اس سے تمہاری روزی کیلئے مختلف پھل نکالے، سو! نہ ٹھہراؤ اللہ کیلئے شریک اور تم جانتے ہو (کہ کوئی اسکا شریک نہیں)۔ (۲۲)

تفسیر

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی پہچان بتائی گئی تھی کہ اسکو اپنا اور اپنوں سے پہلوں کا پیدا کرنے والا مانو، اس آیت میں کچھ نشانیاں بیان کی گئی ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کرنے والی صفت زمین یا ماں کے پیٹ کے اندر کام

کرتی ہے اور آدمی کو نظر نہیں آتی، اس لئے دوسری صفات جو اس سے زیادہ واضح ہیں بیان کی جاتی ہیں تا کہ ان پر ہر چھوٹا بڑا آدمی غور کر سکے۔

انسان کی زندگی کو باقی اور قائم رکھنا اسکے اسباب مہیا کرنا اور انسان کی زندگی کو آہستہ آہستہ اسکی ترقی کے آخری درجہ تک پہنچا دینا صرف اس رب کا کام ہے، یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ انسان کا رب ہے اور اسی نے اس کو پیدا کرنے کے بعد اس کی زندگی باقی رکھنے کے تمام ذریعے اکٹھے کر دیئے ہیں، اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ چیزیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔

(۱)....زمین جس پر ہم رہتے ہیں اور چلتے پھرتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا بچھایا ہوا فرش ہے۔

(۲)....آسمان جس کو اللہ تعالیٰ نے خیمہ کی طرح انسان کے سر پر چھت بنا کر کھڑا رکھا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے روشنی کا انتظام بھی خوب کر رکھا ہے۔

(۳)....انسان کے کھانے کا بندوبست کرنے کیلئے اوپر سے بارش برسائی، جس سے رنگا رنگ کے پھل وہی پیدا کرتا ہے جن کو انسان کھاتا ہے اور پیتا ہے، پس ثابت ہوا کہ انسان موجود ہونے میں بھی اور اپنی زندگی کو قائم رکھنے کیلئے بھی اللہ تعالیٰ ہی کا محتاج ہے، اس لئے چاہئے کہ وہ اپنا معبود بھی اسی رب کو ہی سمجھے اس آیت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس رب کا نام جس میں یہ سب صفتیں موجود ہیں اللہ ہے، انسان کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کیساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خوب سمجھا کر اپنی نعمتوں اور بخششوں کا بیان کر کے اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اور اپنی پہچان کا راستہ بھی بتا دیا ہے تا کہ عبادت اسکی پہچان کر کے کی جائے بغیر پہچانے عبادت کرتے رہنے سے تقویٰ حاصل نہیں ہوتا۔

توحید کی دلیلوں متعلق فرمایا کہ: آسمان کی بلندی پر غور کرو اللہ تعالیٰ نے اسے بغیر ستون کے قائم کیا ہے، دنیا میں کوئی چھت بغیر ستون کے کھڑی نہیں ہو سکتی، مگر یہ خدا تعالیٰ کی ذات ہے جس نے آسمان جیسی عظیم الشان چھت کو کھڑا کیا ہوا ہے، لطف یہ ہے کہ جب سے اسے قائم کیا ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، جب تک چاہے گا

آسمان کو اسی حالت میں قائم رکھے گا اور جب چاہے گا اسے توڑ پھوڑ دے گا۔

کسی نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت! اللہ تعالیٰ کے وجود پر کوئی دلیل لائیں، اتفاق کی بات کہ سامنے توت کا درخت تھا، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے: یہ توت کا درخت خدا تعالیٰ کے وجود پر دلیل ہے دیکھو! اس درخت کے پتوں کا ذائقہ مزہ اور بو یکساں ہے، مگر ریشم کا کیڑا اس پتے کو کھا کر ریشم نکالتا ہے شہد کی مکھی اس سے شہد حاصل کرتی ہے، بکری کھائے تو مینگنیاں نکالتی ہے اور ہرن کھائے تو کستوری پیدا ہوتی ہے، بتاؤ یہ خدا تعالیٰ کا کام نہیں تو اور کس کا کام ہے، چار مختلف چیزیں ایک ہی پتا کھاتی ہیں اور ان سے مختلف چیزیں نکلتی ہیں یہ خدا تعالیٰ کی قدرت تامّہ کا شاہکار ہے کہ چاروں چیزوں کا الگ الگ پیدا کرتا ہے۔

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا: جب یہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں تو پھر کسی کو اسکا شریک نہ بناؤ، آج دنیا میں خدا تعالیٰ کے شریک ٹھہرانے والے بیشمار مجوسی موجود ہیں جو دو خدا مانتے ہیں، ایک نیکی کا دوسرا بدی کا، ایک کا نام یزدان رکھا ہے اور دوسرے کا نام اہرمن، ان کے نزدیک ایک شر کا خدا ہے اور دوسرا خیر کا۔

بعض لوگ ستاروں میں خدائی تاثیر کو مانتے ہیں، مثلاً: بارش کا برسنا، اولاد دینا، صحت وتندرستی وغیرہ، ایسے لوگ نیک بختی اور بدبختی کو ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہیں، یہ صابی فرقہ کے لوگ ہیں جو ستاروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

ان دو آیتوں میں اس چیز کی دعوت دی گئی ہے جو تمام آسمانی کتابوں کے اور تمام پیغمبروں کے بھیجنے کا اصل مقصد ہے، یعنی: صرف ایک خدا کی عبادت وبندگی جسکا نام توحید ہے اور یہ وہ انقلابی نظریہ ہے جو انسانی زندگی کے ہر شعبے پر گہرا اثر رکھتا ہے، کیونکہ جو شخص یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور بغیر اسکے ارادے کے نہ کوئی کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے تو اسکی پوری توجہ ہر مصیبت وراحت میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہوجائیگی اور اسکو وہ بصیرت حاصل ہوجائیگی جس کے ذریعہ وہ ظاہری اسباب کی حقیقت کو پہچان لے گا۔

عقیدۂ توحید جو اسلام کا پہلا بنیادی عقیدہ ہے یہ صرف ایک نظریہ نہیں، بلکہ انسان کو صحیح معنٰی میں انسان بنانے کا واحد ذریعہ ہے جو انسان کی تمام مشکلات کا حل اور ہر حالت میں اس کے لئے پناہ گاہ اور ہر غم و فکر میں اسکا غمگسار ہے کیونکہ عقیدۂ توحید کا حاصل یہ ہے کہ جہان کی ساری تبدیلیاں صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب یہ عقیدہ کسی کے دل و دماغ پر چھا جائے تو یہ دنیا ہی اس کے لئے جنت بن جائیگی، سارے جھگڑے فساد اور ہر فساد کی بنیادیں ختم ہو جائیں گی، اس عقیدہ کا مالک ساری دنیا سے بے نیاز ہر خوف و خطر سے بالاتر زندگی گزارتا ہے اسکا حال یہ ہوتا ہے۔

کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جو کلمہ توحید کہلاتا ہے اسکا یہی مفہوم ہے مگر یہ ظاہر ہے توحید کا محض زبانی اقرار اس کیلئے کافی نہیں بلکہ سچے دل سے اسکا یقین اور یقین کیساتھ پیشِ نظر رہنا ضروری ہے۔

کلمہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کے پڑھنے والے تو آج دنیا میں کروڑوں ہیں اور اتنے ہیں کہ کسی زمانے میں اتنے نہیں ہوئے لیکن عام طور پر یہ صرف زبانی جمع خرچ ہے توحید کا رنگ ان میں رچا نہیں، ورنہ ان کا بھی وہی حال ہوتا جو پہلے بزرگوں کا تھا کہ نہ کوئی بڑی سے بڑی قوت و طاقت ان کو مرعوب کر سکتی تھی اور نہ کسی قوم کی اکثریت ان پر اثر انداز ہو سکتی تھی، نہ کوئی بڑی سے بڑی دولت و حکومت ان کے دلوں کو حق کے خلاف اپنی طرف جھکا سکتی تھی۔

کلام کی سچائی کا دعویٰ

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ

اور اگر ہو تم میں شک جو کہ ہم نے اتارا پر بندے اپنے تو لاؤ ایک سورۃ سے

مِّثْلِهٖ ۪ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾

جیسی اسکے اور بلا لو مددگاروں اپنے کو سوا اللہ کے اگر ہو تم سچے (۲۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر تم کو اس کتاب (قرآن مجید) میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے تو اس جیسی ایک سورۃ بنا لاؤ اور اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔ (۲۳)

تفسیر

پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتائی تھی کہ تمام انسانوں کو پیدا کرنے والا اور قائم رکھنے والا وہی ہے اس لئے عبادت کے لائق وہی ہے اس کو ثابت کرنے کیلئے ضروری تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیغمبری کو دلیل سے ثابت کر دیا جائے، تاکہ لوگوں پر یہ ظاہر ہو جائے کہ قرآن مجید جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عطا ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اسی وجہ سے توحید کے اعلان کے بعد رسالت کے اقرار کی دعوت دی گئی اور لوگوں سے کہا گیا کہ اگر وہ پیغمبر کی سچائی میں شک کرتے ہیں اور انہیں یہ گمان ہے کہ یہ قرآن (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے تو اس جیسا کلام پیش کر کے دکھائیں، اسلام کے سارے مخالفین اور ان کے علماء آج تک ایسا نہیں کر سکے اور نہ آئندہ کر سکیں گے۔

کلام اللہ کا چیلنج

قرآن مجید اپنی سچائی کی خود دلیل ہے، اگر انکار کرنے والے اسے خدا کا کلام نہیں سمجھتے تو اس جیسا کلام بنا کر پیش کریں، اگر قرآن مجید کسی انسان کا بنایا ہوا ہے یا (نعوذ باللہ) پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی طرف سے خود ہی گھڑ لیا ہے تو یقیناً وہ بھی ایسا کلام بنانے میں کامیاب ہو سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ فرمایا: تم قرآن جیسی دس سورتیں بنا لاؤ، دوسری جگہ فرمایا: تین ہی بنا لاؤ، یہاں فرمایا: اور نہیں تو کم از کم ایک سورت ہی بنا کر پیش کر دو، بیشک اپنے تمام ساتھیوں کو جمع کر کے کوشش کر دیکھو شرط صرف ایک ہے کہ تمہارے کلام میں وہ تمام لفظی اور معنوی خوبیاں ہوں جو اللہ تعالیٰ کے کلام میں موجود ہیں اور تمہارا کلام انسانی زندگی پر ایسا ہی اثر کرنے والا ہو جیسے قرآن مجید ہے۔

اسلام سے پہلے عرب قوم دنیا کی دوسری قوموں سے اکثر باتوں میں پیچھے تھی اخلاقی اعتبار سے وہ انسانیت

سے دور تھے، معاشرتی اور معاشی زندگی میں عرب حد درجہ پست تھے، سیاسی شعور انہیں بالکل حاصل نہ تھا، مذہب اور دین کے تصور سے وہ کورے تھے، وہ بہادر ضرور تھے لیکن جہالت نے انہیں ضدی اور ظالم بنا دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کلام دیا اور اس کے ذریعے یہی قوم دنیا کی پیشوا بن گئی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود کسی استاد سے نہ پڑھے تھے وہ لکھنے پڑھنے سے قطعاً ناواقف تھے، انہیں دنیا کے کسی بیرونی دنیا کے حالات بھی معلوم نہ تھے ان کے ملک کے باشندے بھی اُمّی تھے اور ان لوگوں کو اپنے ان پڑھ ہونے پر ناز تھا۔

کلام اللہ کو لیکر امی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ان پڑھ اور جاہل قوم کو ترقی اور کمال کی جس حد پر پہنچا دیا دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، یہی عرب اس کلام کے ذریعے اخلاق، روحانیت، معاشرت، معیشت، سیاست، حکومت، مذہب، غرض زندگی کے ہر شعبے میں دنیا کی قوموں کے پیشوا بن گئے۔

اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کوئی فاضل اور ادیب بھی قرآن مجید کے اس چیلنج کو قبول نہ کر سکا، خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں ابن مقنع نے اور چند صدیاں پہلے لبنان کے فاضل ادیبوں نے سر توڑ کوششیں کیں مگر وہ سورۂ فاتحہ کی سات آیتوں کا جواب بھی نہ لکھ سکے۔

مخالفین کی بے بسی

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا

پس اگر | نہ | تم کرسکو | اور | ہرگز نہ | تم کرسکو گے | تو تم ڈرو | آگ | جس کا | ایندھن

النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۴﴾

انسان | اور | پتھر | وہ تیار کی گئی ہے | لئے کافروں کے (۲۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پس اگر تم یہ نہ کرسکو اور ہرگز نہ کرسکو گے تو تم اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ (۲۴)

تفسیر

وَ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ: اسکا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ دوزخ کی آگ بہت شدید ہوگی، وہ انسانوں کے علاوہ پتھروں کو بھی جلا ڈالے گی، گویا پتھر کے بت بھی اسکا ایندھن ہونگے۔

پیچھے مخالفین کو قرآن جیسی کتاب بنالانے کا چیلنج کیا، اب انہیں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر تم اس جیسی کتاب بنا کر نہ لاسکو تو ہم بتائے دیتے ہیں کہ تم ہرگز نہ کرسکو گے، یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور ظاہر ہو گیا کہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سچے پیغمبر ہیں، اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نہ ماننا اور قرآن مجید کے حکموں کو پورا نہ کرنا دوزخ کے عذاب کا سبب ہوگا، اس لئے تم کو اس سے بچنے کا بندوبست کرنا چاہئے، کیونکہ دوزخ کی آگ معمولی آگ نہیں، بلکہ ایسی آگ ہے جسکا ایندھن آدمی اور پتھر ہونگے اور یہ آگ ان لوگوں کیلئے تیار کی گئی ہے جو اسلام کے حکم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیغمبری، قرآن مجید کے حق ہونے اور دین کی سچائی کا انکار کرتے ہیں۔

الَّتِیْ وَ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ: جسکا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، گویا دوزخ کی آگ میں اس کلام کے جھٹلانے والے کافر خود جلیں گے اور پتھر جلانے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئلے سے جلائی گئی آگ سخت ہوتی ہے اسی طرح پتھر سے جلنے والی آگ اس سے بھی سخت ہوتی ہے یا پتھر سے مراد وہ پتھر کے بت ہیں جن کی پوجا کی جاتی تھی، وہ بھی دوزخ کی آگ میں جلائے جائیں گے، فرمایا: یہ ایسی آگ ہے جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے، کافر لوگ اسی کا ایندھن بنیں گے۔

نیکوکاروں کو خوشخبری

وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ

اور خوشخبری سنادیں ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک کہ لئے انکے باغات بہتی ہونگی

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ

سے نیچے انکے نہریں

بامحاورہ ترجمہ:۔اور خوشخبری سنا دیں ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، ان کیلئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی۔

تفسیر

اس آیت میں کافروں کے مقابلہ میں ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو اس بات کی خوشخبری دی گئی ہے کہ وہ ایسے باغوں میں داخل کئے جائینگے جن میں ان کے آرام وراحت کیلئے سب کچھ موجود ہوگا ان میں ٹھنڈے اور خوش ذائقہ پانی کی نہریں بہتی ہونگی۔

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ محض اچھے کاموں سے جنت حاصل نہیں ہوسکتی، جب تک اس کے ساتھ دل میں ایمان اور یقین نہ ہو، اسی طرح محض ایمان کافی نہیں جب تک ایمان کیساتھ نیک عمل نہ ہوں۔

جنّت کی نعمتیں

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ

جب کبھی کھانے کو دیا جائیگا میں اس سے کوئی پھل رزق وہ کہیں گے یہ وہی ہے جو دیا گیا تھا ہمیں سے

قَبْلُ ۙ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ

پہلے اور انہیں دیئے جائینگے سے اس ملتے جلتے اور لئے انکے میں اس بیویاں پاکیزہ

وَّ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور وہ میں اس ہمیشہ رہیں گے (۲۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔انہیں جب کوئی پھل کھانے کو دیا جائے گا وہ کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے

پہلے مل چکا ہے اور انہیں دیا جائے گا ملتا جلتا ہوا پھل اور ان کیلئے اس میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۲۵)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نیکوکاروں کے اجر کو اور زیادہ کھول کر بیان کیا ہے عام طور پر انسان کو اچھی زندگی بسر کرنے کیلئے ان چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس کے پاس عمدہ اور خوبصورت مکان ہو، کھانے پینے کیلئے لذیذ اور خوش ذائقہ چیزیں موجود ہوں، نیک اور پاک بیوی ہو، آرام اور عیش ہو جو ہمیشہ رہے اور وہ ہمیشہ ان سے فائدہ اٹھاتا رہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی چیزوں کا ایمانداروں سے وعدہ فرمایا ہے، یعنی: جو دنیا میں اللہ تعالیٰ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لائینگے اور ان کے حکموں کے مطابق عمل کرینگے انہیں اس دنیا کی زندگی کے بعد ایسی جنت میں داخل کیا جائیگا جہاں وہ نہایت خوبصورت باغوں میں رہیں گے، کھانے کیلئے انہیں ایسے پھل دیئے جائیں گے جو اگرچہ ظاہری شکل وصورت کے لحاظ سے ان پھلوں سے ملتے جلتے ہونگے، جو انہوں نے دنیا میں کھائے ہونگے، لیکن ذائقہ اور خوشبو کے لحاظ سے وہ دنیا کے پھلوں سے بہت بڑھ کر ہونگے۔

جنت چونکہ مادی اور روحانی ہر قسم کی خوشیوں اور راحتوں کا گھر ہے اس لئے وہاں انہیں پاک صاف اور ستھری بیویاں نصیب ہونگی، وہاں انہیں یہ خطرہ بھی ہرگز نہیں ہوگا کہ ان کی خوشی اور آرام میں ذرہ بھر بھی کمی ہوگی یا ان کے ختم ہونے کا اندیشہ ہوجائیگا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوگا کہ یہ نعمتیں کبھی نہ ختم ہونے والی ہیں، مبارک ہیں وہ جو اصل جنت کے حق دار ہیں۔

قرآن مجید کی مثالیں

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ

بیشک اللہ نہیں شرماتا کہ بیان کرے مثال خواہ مچھر یا جو اس سے بڑھ کر ہو

با محاورہ ترجمہ:۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا کہ وہ کوئی مثال بیان کرے خواہ مچھر کی یا اس چیز کی جو (گھٹیا ہونے میں) اس سے بڑھ کر ہو۔

لفظی تحقیق: **فَوْقَهَا:** اس سے بڑھ کر۔ فوق کے لفظی معنیٰ اوپر کے ہیں اور اس سے مراد ہے اس سے بھی بڑھ کر ادنیٰ اور حقیر چیز۔

تفسیر

اس سے پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سچائی ثابت کرنے کیلئے کافروں کو چیلنج کیا تھا کہ اگر وہ اس کو (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں سمجھتے تو وہ اس جیسا کلام بنا کر پیش کریں، لیکن وہ لوگ آج تک اسکا جواب نہیں دے سکے اور نہ وہ قیامت تک دے سکیں گے، ایسی بے بسی کی حالت میں ان سے اور تو کچھ نہ بن پڑا، البتہ قرآن مجید میں عیب نکالنے لگے اور کہا کہ یہ تو بڑے حیرت کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنی بڑی شان اور عظمت والا ہو کر اپنے کلام میں نہایت حقیر اور ذلیل چیزوں کی مثالیں دیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں مختلف جگہوں پر بڑی سے بڑی مخلوق کا ذکر بھی آیا ہے اور چھوٹی سے چھوٹی کا بھی، جانوروں میں ایک طرف ہاتھی اونٹ اور گھوڑے وغیرہ کا اور دوسری طرف چیونٹی، مکھی، مچھر وغیرہ کا لوگوں کو سمجھانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی مثالیں بیان فرمائی ہیں مثلاً: کسی جگہ یہ کہ کافروں کے بت ایسے کمزور اور بے بس ہیں کہ ایک مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے اور اگر ان کے منہ پر مچھر یا مکھی بیٹھ جائے تو اڑا بھی نہیں سکتے کسی جگہ یہ کہ کافروں کا دین مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہے ایسی مثالیں سن کر بعض کافر کہنے لگے کہ مسلمانوں کا خدا بھی (نعوذ باللہ) عجیب باتیں کرتا ہے کہ وہ ایسی حقیر چیزوں کے نام لینے سے بھی نہیں جھجکتا ان کے اعتراض کا جواب اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دیا ہے۔

مثال کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ بات جس کیلئے مثال دی گئی ہے خوب واضح اور روشن کر کے ذہن نشین کر دی جائے اب یہ مطلب جس مثال سے پورا ہو سکے وہ مثال سب سے اچھی کہلائے گی، خواہ وہ چیز جو مثال میں پیش کی

گئی ہے بجائے خود کیسی ہی معمولی ہو، مچھر ایک بہت ہی ادنیٰ اور بے حقیقت سی مخلوق ہے اب جہاں بتوں یا کسی اور مخلوق کی بے حقیقتی بیان کرنی ہوگی، وہاں مناسب مثال مچھر ہی کی ہوگی، اس پر اعتراض کرنا بے وقوفی اور نادانی کی دلیل ہے۔

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مچھر یا اس سے بھی چھوٹی چیز کی مثال دینے سے نہیں جھجکتا، کیونکہ مثال سے غرض کوئی بات سمجھانی ہوتی ہے جیسی بات ہوگی ویسی ہی مثال دی جائیگی، اس میں برائی کی یا جھجکنے کی کوئی بات نہیں۔

مثالوں کا اثر اور نتیجہ

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَ اَمَّا

پس وہ لوگ جو ایمان لائے وہ جانتے ہیں کہ وہ حق ہے سے رب انکے اور وہ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَا ذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ

لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کیا ہے وہ ارادہ کیا اللہ نے اس مثال سے

وقف لازم

بامحاورہ ترجمہ:۔ پس جو لوگ ایمان لے آئے ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ ٹھیک مثال ہے ان کے رب کی طرف سے ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اس مثال سے کیا مطلب تھا؟

تفسیر

لوگوں کو سمجھانے کیلئے اللہ تعالیٰ مثالیں بیان کرتے ہیں ان مثالوں کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی باتیں لوگ اچھی طرح سمجھ لیں نہ یہ کہ وہ ان مثالوں میں الٹی سیدھی باتیں بنانا شروع کردیں۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایماندار لوگ اس مثال کو سچی اور مطلب کے بیان کرنے کیلئے مناسب اور اپنے رب کی طرف سے درست سمجھتے ہیں، لیکن کافر اسی مثال کی ہنسی اڑانے لگتے ہیں اور طنز کے طور پر سوال کرتے ہیں اس قسم کی مثالیں بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ کا مطلب کیا ہے؟

ایماندار لوگ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہونے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سچا ہونے پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ اور اسکے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں کو ماننا اوران پر عمل کرنا اپنا سب سے بڑا فرض سمجھتے ہیں وہ ان کی باتوں پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ اگر کوئی مثال بیان فرمائے تو وہ کوشش کرتے ہیں کہ اس مثال کا اصلی مطلب سمجھ لیں، وہ اس چیز کی بالکل پرواہ نہیں کرتے کہ مثال بذاتِ خود کیسی ہے معمولی ہے یا شاندار اس میں کسی اعلیٰ چیز کا ذکر کیا گیا ہے یا گھٹیا چیز کا، بلکہ اس مثال کا جو مطلب ہوتا ہے وہ فقط اس پر غور کرتے ہیں اور سبق حاصل کرتے ہیں۔

کافر لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے ہیں ان کے دل میں حق کی تلاش بالکل نہیں ہوتی وہ صرف اسی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کسی نہ کسی طرح کوئی عیب ڈھونڈیں یا خواہ مخواہ اس پر اعتراض کریں، اس لئے جب اللہ تعالیٰ انکے سمجھانے کیلئے کوئی مثال بیان فرماتے ہیں تو وہ لوگ اس کے بجائے کہ اس مثال کا اصلی مطلب سمجھنے کی کوشش کریں، وہ اس پر بے تکے اعتراض کرنے شروع کردیتے ہیں اور طنز کے طور پر ایمانداروں سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اس قسم کی مثال بیان کرنے سے مطلب کیا ہے؟۔

اس آیت سے سبق ملتا ہے کہ ایمان والے اور درست کردار والے وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بیان کی ہوئی مثالوں پر غور کریں انہیں سمجھیں اور کسی بحث میں نہ پڑیں۔

ہدایت اور گمراہی

یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا ۙ وَّ یَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا ؕ وَ مَا یُضِلُّ بِهٖۤ

وہ گمراہ کرتا ہے سے اس بہت سے اور وہ ہدایت دیتا ہے سے اس بہت سوں کو اور نہیں گمراہ ہوتا سے اس

اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ۙ﴿۲۶﴾

مگر بدکار (۲۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہ اس مثال سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور وہ بہتوں کو اسکے ذریعہ ہدایت دیتا ہے اور وہ اس سے سوائے بدکاروں کے کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ (۲۶)

تفسیر

اللہ تعالیٰ لوگوں کو سمجھانے کیلئے طرح طرح کی مثالیں بیان فرماتے ہیں بعض لوگ ان مثالوں پر غور کرتے ہیں ان سے سبق حاصل کر کے ہدایت پالیتے ہیں اور بعض ان میں بحث کرتے ہیں اور گمراہ ہوجاتے ہیں، ہدایت پانے والے وہ ایماندار لوگ ہیں جو اپنی سوچنے اور سمجھنے کی طاقتوں سے صحیح کام لیتے ہیں۔

دنیا میں راہیں بے شمار ہیں، مگر ان میں سیدھی راہ ایک ہی ہوسکتی ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل بخشی اور سوجھ بوجھ عطا کی، صرف یہی نہیں بلکہ پیغمبروں کے ذریعے ہدایت کے پیغام بھیجے، اسکے بعد انسان کو اختیار ہے کہ جو راہ چاہے اختیار کرے اب اگر انسان اپنی مرضی سے گمراہی اختیار کر لیتا ہے تو اس برے راستے کے باقی سامان بھی مہیّا ہوجاتے ہیں، جس طرح آگ میں ہاتھ ڈالنے سے ہاتھ جل جاتا ہے اسی طرح جب کوئی آدمی غلط راہ اختیار کر لیتا ہے تو اس راستے کی برائیاں اور نقصان بڑھتے ہی جاتے ہیں۔

اس آیت میں یہ جو بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بیان کی ہوئی مثالوں سے بہت سے لوگ گمراہ ہوجاتے ہیں تو اس کی وجہ سے ان کی اپنی الٹی سیدھی باتیں ہوتی ہیں، وہ ان مثالوں کی غرض پر غور نہیں کرتے، بلکہ اپنی سوچنے کی ساری قوت ان پر اعتراض کرنے میں لگا دیتے ہیں۔

آیت کے آخیر میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو اور زیادہ واضح کر دیا ہے کہ گمراہی تو انہیں پر آتی ہے جو خود گمراہ رہنا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا، بلکہ گمراہی ان کی نافرمانی اور بدکاری کا نتیجہ ہوتی ہے۔

گمراہ کون ہوتے ہیں

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَ يَقْطَعُوْنَ
وہ لوگ جو توڑتے ہیں اقرار اللہ سے بعد پختگی اسکی اور کاٹتے ہیں

مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ
جو حکم دیا اللہ نے اس کہ جوڑے رکھیں اور فساد پھیلاتے ہیں میں زمین یہی لوگ

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾
وہ نقصان پانے والے ہیں (۲۷)

بامحاورہ ترجمہ: لوگ اللہ تعالیٰ سے اپنے اقرار کو پختہ ہوجانے کے بعد توڑتے ہیں اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا تھا اسے توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، یہی لوگ نقصان پانے والے ہیں۔ (۲۷)

تفسیر

عَهْدَ: اقرار، عہد اس قول وقرار کو کہتے ہیں جس کے کرنے کے بعد اس کی پابندی ضروری ہوجاتی ہے، مراد ہے اللہ تعالیٰ کو رب ماننے اور اسکی اطاعت کرنے کا اقرار ہے، خدا نے دنیا میں بھیجنے سے پہلے تمام انسانوں کی روحوں کو جمع کر کے پوچھا تھا کہ "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟" سب نے اقرار کیا تھا کہ "ہاں تو ہمارا رب ہے" تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: میں اس قرار پر زمین وآسمان کو گواہ کرتا ہوں اور اس اقرار کو یاد دلانے کیلئے اپنے پیغمبر بھیجتا رہوں گا۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہاں "عَهْدَ اللّٰهِ" سے یہی اقرار مراد ہے، روحوں کے اس عہد کے علاوہ ایک عہد وہ بھی ہے جو انسان کی فطرت میں موجود ہے، پھر وہ عہد بھی ہیں جو پیغمبروں پر ایمان لا کر کئے گئے۔

پچھلی آیت سے یہ مضمون چل رہا ہے کہ فاسق اور نافرمان لوگ گمراہی کا شکار ہوتے ہیں اب ان کی اس گمراہی کے اسباب بیان کئے جا رہے ہیں۔

وہ اللہ تعالیٰ کیساتھ جو اقرار کر چکے ہیں اسے توڑ دیتے ہیں، فاسق ہر اس رشتے اور تعلق کو کاٹ دیتا ہے جس کے جوڑے رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، مراد یہ ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے اور بندوں کے سارے حق جو ان رشتوں کی وجہ سے اس پر لازم ہوتے ہیں پورے پورے ادا کرے، لیکن فاسق آدمی اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حق مارتا ہے، فاسق آدمی ملک میں فساد پھیلاتا ہے وہ اپنے برے عملوں سے دنیا کے امن میں خرابی پیدا کرتا ہے۔

فاسق کی تین نشانیاں بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے ان کا انجام بتایا ہے کہ یہی لوگ دین اور دنیا دونوں کے لحاظ سے نقصان میں رہیں گے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے شر سے بچائے اور سیدھی راہ پر چلائے۔

وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ: جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے توڑتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تو رشتہ داروں کیساتھ صلہ رحمی، یعنی: اچھے برتاؤ کا حکم دیا ہے، مگر یہ اس کے خلاف قطع رحمی، یعنی: برا برتاؤ کرتے ہیں، جیسے کافروں کے متعلق فرمایا کہ: وہ قطعہ رحمی کرتے ہیں اور کسی مؤمن کے بارے میں نہ تو عہد و پیمان کا خیال رکھتے ہیں اور نہ رشتہ داروں کا خیال کرتے ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: جو شخص جوڑنے کی کوشش کرتا ہے، یعنی: اچھا برتاؤ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں بھی اسکو جوڑوں گا، یعنی: اسکے ساتھ اچھا برتاؤ کروں گا اور جو کاٹتا ہے، یعنی: اچھا برتاؤ نہیں کرتا میں بھی اسکو کاٹ دوں گا۔

احکام و مسائل

يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ: سے ثابت ہوا کہ عہد و معاہدہ کی خلاف ورزی سخت گناہ ہے جسکا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تمام نیکیوں سے محروم ہو جائے۔

وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ: سے معلوم ہوا کہ جن تعلقات کو قائم رکھنے کا شریعت نے حکم دیا ہے ان کا قائم رکھنا ضروری ہے اور توڑنا حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا انکار کیسے؟

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ

کس طرح کافر ہوتے ہو سے اللہ اور تھے تم بے جان پس زندگی بخشی تمہیں پھر موت دیگا تمہیں

ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

پھر زندہ کریگا تمہیں پھر طرف اسی کی لوٹائے جاؤ گے (۲۸)

بامحاورہ ترجمہ: تم کس طرح اللہ تعالیٰ کیساتھ کفر کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے پھر تمہیں زندگی بخشی، پھر تمہیں مارے گا، پھر تمہیں زندگی بخشے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔(۲۸)

تفسیر

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر دنیا کی تمام قوموں کے پاس آئے، ان سب کا پیغام ایک تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور وہی سب کا رب اور وہی سب کا معبود ہے، زندگی اور موت اسی کے ہاتھ میں ہے۔

یہ بات بھی خوب سمجھ لیجئے کہ ایک وقت ایسا تھا جب انسان کا نام ونشان تک نہ تھا، اس نے انسان کو زندگی بخشی، سالہاسال تک انسان نے یہاں زندگی گزاری، اسکی پیدا کی ہوئی چیزوں سے فائدہ اٹھایا، پھر ایک وقت ایسا بھی آئیگا، جب وہ تمام انسان جو اُس وقت زندہ ہونگے ختم ہوجائیں گے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ انسان اوران سے پہلے کے مرے ہوئے سبھی زندہ ہوجائیں گے، پھر سب کے سب اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہونگے۔

زندگی اور موت کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جب کسی کی زندگی کا آخری وقت آجاتا ہے تو کوئی ایک لمحہ کیلئے بھی اس کی زندگی کو بڑھا نہیں سکتا۔

جب انسانی زندگی اور اسکے تمام وسیلے اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں اور ہر سانس اسی کی رحمت سے آتی ہے تو ہمیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کے آگے سر جھکادیں، ہماری نیک بختی اور نجات اسی میں ہے کہ اس کے

سامنے پیش ہونے اور اپنے اعمال کی جواب دہی کیلئے اپنے آپ کو تیار کریں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى
وہی ہے جس نے پیدا کیا لئے تمہارے جو ہے میں زمین سب پھر قصد کیا طرف

السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۹﴾ ع ۹ ۳ ۳
آسمان پس برابر کر دیا انکو سات آسمان اور وہ سے ہر چیز خبردار (۲۹)

بامحاورہ ترجمہ: وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے، پھر آسمان کی طرف قصد کیا، پھر سات آسمان ٹھیک کر دیئے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خبردار ہے۔ (۲۹)

لفظی تحقیق: فَسَوّٰىهُنَّ: ٹھیک کر دیئے۔ یہ لفظ "تَسْوِیَةٌ" سے بنا ہے، جس کے معنیٰ ہیں کسی چیز کے مختلف حصوں اور جوڑوں کو ان کی جگہ پر ٹھیک ٹھیک بٹھا دینا درست کر دینا۔

تفسیر

انسان جسم اور روح کے مجموعے کا نام ہے، ظاہر ہے کہ ان دونوں کی ضرورتوں کو اللہ تعالیٰ ہی پورا کرتا ہے جس نے اس مٹی کے پتلے کو بنایا، اسکا پہلا احسان یہ ہے کہ انسان کی جس قدر جسمانی ضرورتیں ہیں انہیں پورا کرتا ہے تاکہ اس کے جسم کی نشونما اور ترقی ہو اور وہ پھلے پھولے، جسم کی تربیت کے ساتھ ساتھ انسان کی روح کو غذا کی بھی ضرورت ہے۔

اس آیت کا یہی مطلب ہے کہ پروردگار نے سب سے پہلے زمین کو پیدا کیا اس میں ایک طرف دریا اور سمندر بہائے، دوسری طرف اونچے اونچے پہاڑ کھڑے کر دیئے کہ آسمان سے باتیں کرتے ہیں، درختوں کے جنگل کے جنگل اگائے، زمین کے اندرونی حصوں کو ان گنت خزانوں سے بھرپور کر دیا اور یہ سب کچھ حضرت آدم علیہ السلام

اوران کی اولاد کی خاطر ہوا، اب انسان کا یہ کام ہے کہ وہ اپنی عقل اور سمجھ سے ان بے شمار خزانوں سے مناسب فائدہ اٹھائے۔

جَمِيْعًا: کا لفظ کہہ کر بتایا کہ یہ سب کچھ آدم علیہ السلام کی اولاد کیلئے ہے وہی اس سے فائدہ اٹھانے کی حقدار ہے انسان کے جسم کیساتھ روح کی بھی پرورش ہونی چاہئے، اس مقصد کیلئے زمین اور اسکی پیداوار کافی نہیں اس لئے زمین پیدا کر چکنے کے بعد اس نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی، وہاں سے انسانوں کی روح کی تربیت کیلئے مختلف زمانوں میں ہدایت کی بارشیں ہوتی رہیں، انسان جس طرح زمینی چیزوں سے فائدہ اٹھاتا ہے اسے چاہئے کہ اس آسمانی بارش سے بھی فائدہ اٹھائے تاکہ اس کی روح کی تربیت بھی ساتھ ساتھ ہو اور اس طرح مکمل آدمی بن کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا: اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جس سے انسان کو کسی نہ کسی طریقے سے فائدہ نہ پہنچتا ہو، خواہ یہ فائدہ دنیا میں استعمال کرنے کا ہو یا آخرت کیلئے عبرت ونصیحت حاصل کرنے کا، بہت سی چیزوں کا فائدہ تو انسان محسوس کرتا ہے اسکی غذا یا دوا استعمال کرتے ہیں اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ انسان کو ان سے فائدہ پہنچتا ہے، مگر اسکو خبر بھی نہیں ہوتی، یہاں تک کہ جو چیزیں انسان کیلئے نقصان دہ سمجھی جاتی ہیں جیسے: زہریلی چیزیں، زہریلے جانور وغیرہ، غور کریں تو وہ کسی نہ کسی حیثیت سے انسان کیلئے نفع بخش بھی ہوتی ہیں، جو چیزیں ایک طرح سے انسان کیلئے حرام ہیں دوسری کسی طرح اور حیثیت سے ان کا نفع بھی انسان کو پہنچتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ساری چیزوں کو تمہارے واسطے اس لئے پیدا فرمایا کہ: ساری چیزیں تمہاری ہوں اور تم اللہ تعالیٰ کیلئے ہو، اس لئے عقل مند کا کام یہ ہے کہ جو چیز اس کیلئے پیدا ہوئی ہے وہ تو اسکو ملے گی اس کی فکر میں لگ کر اس ذات سے غافل نہ ہو جس کیلئے یہ پیدا ہوا ہے۔

اس آیت سے بعض علماء نے اس بات پر دلیل پکڑی ہے کہ دنیا کی تمام چیزوں میں اصل یہ ہے کہ وہ انسان کیلئے حلال ومباح ہوں، کیونکہ وہ اسی کیلئے پیدا کی گئی ہیں سوائے ان چیزوں کے جن کو شریعت نے حرام

قرار دیا، اس لئے جب تک کسی چیز کی حرمت قرآن وسنت سے ثابت نہ ہو اس کو حلال سمجھا جائیگا۔

انسان کا مقام

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ

اور جب کہا رب آپکے نے سے فرشتوں کہ میں بنانیوالا ہوں میں زمین نائب

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب آپ کے رب نے فرشتوں کو کہا کہ میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان اور تمام جہان کو پیدا کیا، اس کائنات میں ایک طرف زمین کی تمام چیزیں آجاتی ہیں مثلاً: نباتات، جمادات، حیوانات، پہاڑ، دریا، نہریں، چشمے وغیرہ دوسری طرف آسمانوں کو بھی لیجئے اور ان تمام چیزوں کو شامل کیجئے جو ان سات آسمانوں کے اندر پیدا کی گئی ہیں جیسے: سورج، چاند، ستارے وغیرہ، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ زمین وآسمان کی تمام چیزوں کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے؟۔

اس آیت میں اور اسکے بعد کی آیت میں ان سوالات کا جواب بیان ہوا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کیوں ہوئی؟ اس مٹی کے پتلے کو کس غرض کیلئے بنایا گیا؟ اور اس کے بنانے کا مقصد کیا ہے؟۔

جب اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو بنا، یا چاند، سورج، ستارے، دریا اور پہاڑ اپنے اپنے کام پر لگ گئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں سے خطاب فرمایا کہ: اب وقت آ گیا ہے کہ جس کیلئے یہ چیزیں بنائی گئی ہیں وہ بھی سامنے آجائے، یعنی: یہ کہ میں اس زمین پر اپنا ایک خلیفہ بنانا چاہتا ہوں جو ان تمام چیزوں کو اپنے قبضہ میں لائیگا اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کے حکموں کو پورا کرے گا اور کرائے گا۔

فرشتوں کی گزارش

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ

کہا انہوں نے کیا بنائینگے آپ میں اس جو فساد کریگا میں اس اور بہائے گا خون اور

نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ

ہم کرتے ہیں ساتھ حمد آپکی اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں آپکی

بامحاورہ ترجمہ:۔ انہوں نے کہا کیا تو اس میں اسے بناتا ہے جو اس میں فساد کرے اور خون بہائے حالانکہ ہم آپکی حمد اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔

تفسیر

جب فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے خلیفہ بنانے کا اعلان سنا تو کہا آپ ایسوں کو خلیفہ بنائیں گے جو خون بہائیگا اور اس کی وجہ سے دنیا تباہی اور بردبادی کا گھر بن جائیگی، کیونکہ وہ اپنی خواہش کی پیروی کریگا اس سے پوری طرح آپکی اطاعت نہ ہوسکے گی۔

فرشتوں نے عرض کیا اے پروردگار! اگر خلیفہ پیدا کرنے سے آپ کا مقصد یہ ہے کہ ہر طرف آپکی حمد وثنا ہو تو ہم اس خدمت کیلئے حاضر ہیں، ہم ہر وقت آپ کا حکم سننے اور اس پر عمل کرنے کیلئے تیار رہتے ہیں اس لئے زمین کی مخلوق پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

انہوں نے یہ بھی کہا کہ آپ کی ذات پاک ہے، آپ کا ہر کام ٹھیک ہے لیکن ہمیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ زمینی مخلوق میں ایسی مخلوق کیسے ہوسکتی ہے جو آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری اور تسبیح کیلئے ہر وقت تیار رہے۔

فرشتوں کو جواب

قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰

کہا بیشک میں بخوبی جانتا ہوں جو نہیں تم جانتے (۳۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بیشک میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔(۳۰)

تفسیر

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی نورانی مخلوق (فرشتوں) کے سامنے اس خیال کا اظہار فرمایا کہ میں اس زمین میں اپنا ایک نائب مقرر کرنا چاہتا ہوں، تو فرشتوں نے اپنے خیال میں خلیفہ کا ایک تصور قائم کیا اور یہ سمجھے کہ جوان مختلف چیزوں سے بنایا گیا ہے وہ جب دنیا میں آئیگا تو وہ لازمی طور پر سب طرف فساد پھیلائیگا، بدامنی کریگا، آپس میں لڑے جھگڑے گا، اپنے بھائیوں کا خون بہائیگا اور لوٹ مار مچائے گا، آدم کی اولاد کی زندگی کا ایک پہلو یہ تھا جسے فرشتوں نے پیش کیا، یعنی: وہ رخ جو تاریک تھا اور جس میں صاف برائی ہی برائی نظر آتی تھی فرشتوں کے سامنے ہونے والے خلیفہ کا یہ ایک پہلو تھا اس میں جو خوبیاں پوشیدہ تھیں جو کمالات اس کے اندر چھپے ہوئے تھے وہ نئی نئی باتیں اور طرح طرح کی ایجادیں اور ترقی کے جو مختلف پہلو خلیفہ دنیا میں ظاہر کرنے والا تھا وہ فرشتوں کی نظر سے اوجھل تھے، اس لئے انہوں نے اپنے اندازے کی بنا پر یک رخی تصویر پیش کی اور اسکے ساتھ وہ رخ بھی پیش کیا جس پر وہ خود چل رہے تھے اس میں اللہ تعالیٰ کی بات کی تصدیق اور اس کے حکم کی اطاعت شامل تھی فرشتوں نے یہ گزارش اعتراض کے طور پر نہیں بلکہ ادب کیساتھ پیش کی۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے خلیفہ کی زندگی کے دونوں رخ موجود تھے یعنی وہ اسکی اس حالت سے بھی خبردار تھا اور آگے چل کر زمانہ کے بدلنے کے ساتھ ساتھ اس میں جو تبدیلیاں پیدا ہونے والی تھیں اور اپنے علم و عقل سے کام لیکر اس ساری دنیا کا جو رنگ وہ بدل دینے والا تھا اللہ تعالیٰ ان سب سے بھی خبردار تھا۔

اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں کی گزارش کے جواب میں صرف یہ فرمایا ''میں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے''، یعنی تمہیں معلوم نہیں کہ اس کے خلیفہ بنانے میں کیا کیا مصلحتیں اور حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

فرشتوں کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ فساد پھیلائیگا اور خون بہائیگا؟

مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرشتوں کا یہ سوال کئی وجوہات کی بنا پر ہوسکتا ہے اولاً: یہ کہ خود اللہ تعالیٰ نے یہ بات انہیں الہام کی ہو جس کی بناء پر انہوں نے یہ رائے دی یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فرشتوں نے جنوں کے حالات پر قیاس کیا وہ دیکھ چکے تھے کہ جنوں نے زمین پر فتنہ وفساد برپا کیا؛ لہٰذا انہوں نے گمان کیا کہ آدم کی اولاد بھی ایسا ہی کریگی، تیسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ فرشتوں نے خلیفہ کے لفظ سے یہ قیاس کیا کہ خلیفہ جب زمین پر حکومت کی باگ ڈور سنبھالے گا تو وہاں پر لازماً فتنہ وفساد اور خون ریزی بھی ہوگی؛ لہٰذا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو یہ جواب دیا، تاہم زیادہ تر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: فرشتوں کا یہ گمان جنات کے حالات کی بنا پر تھا۔

علم کی برتری

وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا

اور سکھلادیئے آدم کو نام سب کے سب

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اس نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھلا دیئے۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق جس مخلوق کو زمین پر خلیفہ بننا تھا اس کے ظہور کا جب وقت آیا تو اس کے مناسب سارے سامان مہیّا ہو گئے، پھر وہ وجود میں آیا اور اسکا نام آدم رکھا گیا۔

آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق فرشتے ہیں جو نور سے پیدا کئے گئے ہیں ان کا سارا وقت

اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں کٹتا ہے اور یہی ان کی سب سے بڑی خوبی ہے وہ ان تمام خواہشوں اور ضرورتوں سے بالکل صاف اور پاک ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا خاصہ ہیں، اس لئے انہیں بالکل علم نہیں کہ زمین وآسمان کی تمام چیزیں کس کام آئیں گی، البتہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو بغیر کسی مقصد کے نہیں بنایا، اس میں ضرور کوئی مصلحت اور حکمت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا، اس میں ہر قسم کی خواہش اور طرح طرح کی ضروریات پیدا کردیں اور اسکے ساتھ ساتھ اسے یہ علم بھی دیا کہ وہ اپنی خواہشوں کو پورا کرنے کیلئے کون کون سے ذریعے کس کس طرح عمل میں لائے، اس کے اندر یہ قابلیت پیدا کردی کہ وہ ان تمام چیزوں سے واقف ہوجائے اور ان کی خصوصیات کو اچھی طرح جان لے۔

مختلف وقتوں میں حضرت آدم علیہ السلام کو مختلف حادثوں اور تبدیلیوں سے دوچار ہونا پڑیگا، تمام پیدا شدہ حالات وواقعات کا اسے سامنا کرنا پڑیگا، ان سے اچھی طرح نپٹنا اور کامیابی کیساتھ اپنی راہ نکال لینا یہ سب کچھ حضرت آدم علیہ السلام کی فطرت میں رکھ دیا گیا، ہر طرح کی مشکلوں سے مقابلہ کرنے کیلئے ہر ضروری چیز کا نام اور اسکی خوبی سے حضرت آدم علیہ السلام کو آگاہ کردیا گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کا فرشتوں سے مقابلہ

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ

پھر سامنے کیاان چیزوں کو پر فرشتوں پھر فرمایا بتاؤ مجھے نام ان کے اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا

ہوتم سچے (۳۱) بولے پاک ہیں آپ نہیں معلوم ہمیں مگر وہ جو آپ نے سکھایا ہمیں

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۳۲﴾

بیشک آپ ہی جاننے والے حکمت والے ہیں (۳۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے کیا، پھر فرمایا: مجھ کو ان کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ (۳۱) وہ بولے آپ پاک ہیں ہمیں معلوم نہیں، مگر وہ جو آپ نے ہمیں سکھایا، بیشک آپ جاننے والے حکمت والے ہیں۔ (۳۲)

تفسیر

یہ بتایا جاچکا ہے کہ فرشتے صرف اسی قدر جانتے ہیں جس قدر انہیں علم دیا گیا ہے جن چیزوں کی انہیں ضرورت نہیں وہ نہ تو ان کی نسبت کچھ جانتے ہیں اور نہ اس کے بارے میں جاننے کی کچھ کوشش کر سکتے ہیں۔

اس لئے آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بتانے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور انہیں حکم دیا کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ ان چیزوں کے نام کیا ہیں؟۔

فرشتے ایک پاک مخلوق ہیں انہیں خدا کی عبادت کے سوا کوئی کام ہی نہیں، وہ ان کے نام کیسے بتاتے کہنے لگے ہمیں تو بس اسی قدر معلوم ہے جتنا آپ ہمیں بتا چکے ہیں اس کے علاوہ ہم کچھ نہیں جانتے، رہیں یہ چیزیں تو ان کے بارے میں ہم صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ ان کے پیدا کرنے میں کوئی حکمت اور فائدہ ضرور ہے کیونکہ آپ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

علم کی فتح

قَالَ يٰۤاٰدَمُ اَنۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ

کہا ‌ اے آدم ‌ بتلا دے انہیں ‌ نام ان کے ‌ پھر جب ‌ بتلا دیئے ان کو ‌ نام ان کے

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ

کہا ‌ کیا نہ کہا تھا میں نے تمہیں ‌ کہ میں ‌ جانتا ہوں ‌ چھپی ہوئی باتیں ‌ آسمانوں ‌ اور ‌ زمین کی ‌ اور

اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

میں جانتا ہوں ‌ جو ‌ تم ظاہر کرتے ہو ‌ اور ‌ جو ‌ تم ‌ چھپاتے ہو (۳۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے کہا، اے آدم! انہیں ان کے نام بتادے، پھر جب اس نے انہیں ان کے نام بتادیئے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمان اور زمین کی چھپی ہوئی باتیں اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔ (۳۳)

تفسیر

حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کا واقعہ بیان ہورہا ہے اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کے سامنے آدم علیہ السلام کی خلافت کا اعلان فرمایا تو انہوں نے اوّل تو یہ عرض کی کہ ہم آپ کی حمد وثنا اور بزرگی و پاکیزگی کا ہردم اقرار کرتے ہیں گویا اگر صرف حمد وثنا درکار ہے تو یہ کام ہم انجام دے رہے ہیں، پھر فرشتوں نے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ آدم علیہ السلام کی اولاد دنیا میں خون ریزی کرے گی۔

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ان کی صلاحیت کے مطابق سب چیزوں کے نام بتادیئے اور پھر فرشتوں سے کہا مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ؟ اگر تم سچے ہو، تو فرشتوں نے اپنی لاعلمی کا اقرار کیا، مگر آدم علیہ السلام نے چیزوں کے نام بتلادیئے اور اس سے حضرت آدم علیہ السلام کی برتری ثابت ہوگئی۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ میں ظاہر و باطن کی ہر بات جانتا ہوں، زمین و آسمان کے رازوں سے باخبر ہوں، آدم علیہ السلام سے متعلق جو خدشے تم نے ظاہر کئے انہیں بھی جانتا ہوں اور جن باتوں کو کھل کر ظاہر نہ کیا ان کو بھی جانتا ہوں۔

احکام ومسائل

یہ سلسلۂ خلافت و نیابت الٰہیہ کا آدم علیہ السلام سے شروع ہوکر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک ہی انداز میں چلتا رہا یہاں تک کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اس زمین پر اللہ تعالیٰ کے آخری خلیفہ ہوکر بہت ہی اہم خصوصیات کیساتھ تشریف لائے۔

فرشتوں کا سجدہ

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى

اور جب کہا ہم نے سے فرشتوں سجدہ کرو آدم کو پس سجدہ کیا مگر شیطان نے انکار کیا

وَ اسْتَكْبَرَ ٭ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

اور تکبر کیا اور ہو گیا سے کافروں (۳۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرو، پس انہوں نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے (سجدہ کرنے سے) انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا۔ (۳۴)

لفظی تحقیق: اسْجُدُوْا: سجدہ کرو۔ لغت میں سجدہ سے مراد ہے سر جھکا کر عاجزی اور فرمانبرداری ظاہر کرنا، شرع نے خاص طور پر سجدہ کے معنٰی زمین پر پیشانی رکھنا قرار دیئے ہیں، سجدہ انتہائی تعظیم کا نشان ہے اس لئے شریعت نے اللہ تعالٰی کے سوا کسی اور کیلئے حرام کر دیا، حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ فرشتے ان کی بزرگی اور برتری ماننے کیلئے ان کے آگے اپنے سر تعظیم کے طور پر جھکا دیں، اگر شرعی معنٰی لئے جائیں تو پھر بھی یہ مطلب ہوگا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف منہ کر کے اللہ کو سجدہ کریں، کیونکہ یہاں "لِاٰدَمَ" کے معنٰی آدم کے واسطے نہیں بلکہ "آدم کی طرف" ہیں۔

تفسیر

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت آدم علیہ السلام علم اور درجہ میں فرشتوں سے بڑھ کر ہیں اور خلافت کے حقدار وہی ہیں تو اللہ تعالٰی نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کی عظمت کیلئے ان کے آگے جھک جائیں۔

اس حکم کو پورا کرنے کیلئے سب فرشتے سجدہ میں گر پڑے، البتہ ابلیس نے انکار کیا وہ کہنے لگا کہ میں آگ سے بنا ہوں اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا گیا ہے اس لئے میں اس کے آگے نہیں جھکوں گا۔

اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کرنے سے ابلیس کافر ہو گیا اور اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم کر دیا گیا اسے اللہ تعالیٰ کا قرب بھی حاصل نہ رہا اور وہ لعنت میں گرفتار ہوا اور عذاب کا حق دار قرار پایا۔

سجدہ کی دو قسمیں ہیں، ایک عبادت کیلئے اور ایک تعظیم کیلئے، جو سجدہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کے روبرو کیا یہ سجدہ تعظیمی تھا یہ سجدہ عبادت نہ تھا جو ہر شریعت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کیلئے بھی جائز نہیں۔

سجدہ عبادت اور سجدہ تعظیمی کے درمیان فرق صرف نیت سے ہی ممکن ہے اگر سجدہ کے وقت نیت یہ ہے کہ یہ وہی سجدہ ہے جو حق تعالیٰ کے سامنے کیا جاتا ہے تو پھر ایسا سجدہ غیر اللہ کے سامنے کفر اور شرک ہوگا اور اگر سجدہ محض تعظیم و تکریم کیلئے ہے تو یہ پہلی امتوں میں جائز تھا جیسے: یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کا یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا یا فرشتوں کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا، مگر ہماری شریعت میں ہر قسم کا سجدہ ناجائز ہے خواہ وہ تعظیم کیلئے ہو یا عبادت کیلئے ہو، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی غیر کے سامنے سجدہ منع ہے۔

اگر کسی نے قبر کو سجدہ کیا تو اس کو کفر اور شرک تو نہیں کہیں گے، مگر اس کے حرام ہونے میں سب کا اتفاق ہے اور اگر اس سجدہ سے مراد وہی سجدہ ہے جو بندے اپنے رب کے سامنے کرتے ہیں تو ایسا کرنے والا کافر اور مرتد ہو جائے گا اور اگر محض تعظیم کیلئے کیا ہے تو اس کے حرام ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

احکام و مسائل

مسئلہ (۱):.... بلیس کا کفر محض عملی نافرمانی کا نتیجہ نہیں، کیونکہ کسی فرض کو عملاً چھوڑ دینا شریعت میں فسق و گناہ ہے کفر نہیں، ابلیس کے کفر کا اصل سبب اللہ تعالیٰ کے حکم سے انکار اور مقابلہ کرنا ہے کہ آپ نے جس کو سجدہ کرنے کا مجھے حکم دیا ہے وہ اس قابل نہیں کہ میں اس کو سجدہ کروں یہ مقابلہ بلاشبہ کفر ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام جنت میں

وَ قُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا

اور کہا ہم نے اے آدم رہیں آپ اور بیوی آپکی جنت میں اور کھاؤ میں اس جی بھر کے

حَيْثُ شِئْتُمَا ۠

جہاں سے تم دونوں چاہو

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے کہا اے آدم! آپ اور آپ کی بیوی جنت میں رہو اور اس میں جہاں سے چاہو جی بھر کے کھاؤ۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا اور انہیں زمین میں اپنا خلیفہ قرار دیا، حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت کے بعد اللہ تعالیٰ نے موقع دیا کہ وہ اور ان کی بیوی جنت میں رہائش اختیار کریں اسی میں رہیں سہیں اور جہاں سے جو جی چاہے کھائیں پئیں۔

حضرت حوّا علیہا السلام کے بارے میں مفسرین نے بیان کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں اکیلے تھے تو ان کی طبیعت گھبرائی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت حوّا کو پیدا کیا اور فرمایا کہ: تم دونوں جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو جی بھر کے کھاؤ۔

اس سبق سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو کس قدر بڑے درجے بخشے ہیں، پہلے علم کی نعمت دی، پھر اپنا نائب بنایا، اس کے بعد اسکی راحت اور آرام کیلئے بیوی دی، جنت میں جگہ دی اور کھانے کو بیشمار نعمتیں دیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہمیشہ انعامات سے نوازتا ہے اور ان پر طرح طرح کی نوازشیں فرماتا ہے اب یہ بندوں کا فرض ہے کہ اسکے شکر گزار رہیں اور نعمتوں کی قدر کریں۔

اس درخت سے نہ کھانا

وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۵

اور نہ قریب جانا تم دونوں اس درخت کے پھر ہو جاؤ گے تم دونوں سے ظالموں (۳۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جانا، ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہوجاؤ گے۔(۳۵)

تفسیر

یہ درخت، جنت کے درختوں میں کوئی درخت تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کو اسکی پہچان کرادی گئی تھی، قرآن مجید نے اسکی وضاحت نہیں کی، البتہ اس درخت کے بارے میں مفسرین کرام کے کئی قول ہیں: بعض کے نزدیک انگور کا درخت تھا، بعض اسے گیہوں کا پودا بتاتے ہیں، بعض انجیر کا اور بعض کھجور کا، حدیثوں میں اسکی کوئی وضاحت نہیں آئی۔

مِنَ الظّٰلِمِیْنَ: گناہگاروں میں سے، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں، اپنے آپ پر سب سے زیادہ ظلم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ہوتا ہے اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس وقت جنت کی حیثیت نیک اعمال کے بدلے کی سی نہ تھی جیسی کہ اب ہے، بلکہ اس وقت وہاں بھی شرعی حکم تھے، بعض ایسی باتیں تھی جن کے کرنے کا حکم تھا اور بعض ایسے کام تھے جن سے باز رہنے کا حکم تھا۔

وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ: یعنی اس درخت کے قریب بھی نہ جاؤ، ظاہر ہے کہ اصل مقصد تو یہ تھا کہ اس درخت یا اس کے پھل کو نہ کھاؤ، مگر احتیاطی حکم یہ دیا گیا کہ اس کے قریب بھی نہ جاؤ، اس سے اصول فقہ کا مسئلہ سدّ ذرائع ثابت ہوا، یعنی: بعض چیزیں اپنی ذات میں ناجائز یا منع نہیں ہوتیں، لیکن جب یہ خطرہ ہو کہ ان چیزوں کے اختیار کرنے سے کسی حرام ناجائز کام میں مبتلا ہوجائیگا تو اس چیز کو بھی روک دیا جاتا ہے جیسے: درخت کے قریب جانا ذریعہ بن سکتا ہے اس کے پھل پھول کھانے کا اس ذریعہ کو بھی منع فرمادیا گیا کہ اس درخت کے قریب بھی نہ جانا اسی کا نام اصولِ فقہ کی اصطلاح میں "سدّ ذرائع" ہے۔

شیطان کا بہکانا

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠

پھر پھسلا دیا ان دنوں کو شیطان نے اسکے سبب پھر نکلوا دیا ان دونوں کو سے جس تھے وہ دونوں میں اس

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر شیطان نے ان دونوں کو اس درخت کے ذریعہ پھسلا دیا، پھر ان دونوں کو نکلوا دیا اس (جگہ) سے جہاں وہ دونوں تھے۔

لفظی تحقیق: فَاَزَلَّهُمَا: پھر انہیں پھسلا دیا۔ یہ لفظ "زَلَّ" سے بنا ہے جسکے معنیٰ ہیں جگہ سے ہٹا دینا یا پھسلا دینا، اس لفظ کے مفہوم میں جان بوجھ کر نافرمانی یا سرکشی داخل نہیں، بلکہ ایسی لغزش مراد ہوتی ہے جو بھول چوک یا انجان پنے میں ہو جائے۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو جنت میں بسایا اور حکم دیا کہ فلاں درخت کا پھل نہ کھانا، بلکہ اس کے قریب تک نہ جانا، شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا تھا اور اس وجہ سے شیطان کو مردود قرار دیدیا گیا تھا اس لئے وہ حسد کے طور پر ان کا دشمن بن گیا، اس نے دل میں ٹھان لی کہ کسی نہ کسی طرح انہیں یہاں سے نکلوا دے۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ آتا ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کے پاس پہنچا اور انہیں اپنی دوستی اور خیر خواہی کی قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا کہ اگر تم اس درخت کا پھل کھا لو گے تو تم فرشتے بن جاؤ گے یا ہمیشہ جنت میں رہو گے اور تم یہاں سے کبھی نہیں نکالے جاؤ گے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی اس کے فریب میں آ گئے انہیں کیا معلوم تھا کہ کوئی خدا کی جھوٹی قسمیں بھی کھا سکتا ہے انہوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا کھاتے ہی جنت کا لباس ان کے جسم سے اتر گیا اور وہ دونوں

شرم کے مارے اپنے اپنے بدن پر درختوں کے پتے چپکانے لگے، اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ تم یہاں سے نکل جاؤ شیطان جنت جیسی نعمت سے نکلوانے کا سبب بنا، ہم پر لازمی ہے کہ اس کے فریب سے بچتے رہیں، کیونکہ جو ہمارے باپ آدم کا دشمن ہے وہ ہمارا بھی دشمن ہے۔

جنت سے نکلنا

وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ

اور کہا ہم نے تم اتر جاؤ بعض تم میں سے بعض کے دشمن اور لئے تمہارے میں زمین

مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

ٹھکانا اور نفع اٹھانا تک وقت (۳۶)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور ہم نے کہا تم سب نیچے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے اور ایک وقت تک نفع اٹھانا۔ (۳۶)

تفسیر

جب حضرت آدم علیہ السلام نے شیطان کے بہکانے کی وجہ سے بھول کر اس درخت کا پھل کھالیا جس کے کھانے سے منع فرمایا گیا تھا تو پھر اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ: جنت سے زمین پر اُتر جاؤ، دنیا میں کچھ لوگ صلح وصفائی کیساتھ نہیں رہیں گے، بلکہ آپس میں لڑیں جھگڑیں گے، وہاں اپنی موت تک رہنا ہوگا، اس مدت میں وہاں محنت ومشقت کر کے زمین کی چیزوں سے فائدہ اٹھاؤ گے اور کھانے پینے کا سامان اکٹھا کرو گے۔

اس آیت سے جو مفید باتیں نکلتی ہیں ان میں سے ہم چند یہاں نتیجہ کے طور پر بیان کرتے ہیں وہ یہ ہیں:

کہ شیطان انسان کا دشمن ہے اور وہ اسے ہر طریقہ سے دھوکا اور فریب دینے کی کوشش کرتا ہے۔

دنیا میں انسان کا قیام عارضی ہے اور اسکی حقیقت ایک سرائے کی مانند ہے اس لئے دنیا کو صرف تھوڑی مدت ٹھہرنے کی جگہ سمجھنا چاہئے اور اسے ہمیشہ کا گھر سمجھ کر اللہ تعالیٰ کو نہ بھول جانا چاہئے۔

پیغمبر کی عصمت (بے گناہی) کا مسئلہ

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو کسی خاص درخت کے کھانے سے منع کیا گیا تھا اس کے باوجود آدم علیہ السلام نے اس درخت سے کھالیا جو بظاہر گناہ ہے، حالانکہ پیغمبر گناہ سے معصوم ہوتے ہیں، تحقیق یہ ہے کہ پیغمبروں کی عصمت (بے گناہی) عقلاً اور نقلاً ثابت ہے، چاروں اماموں اور امت کے دوسرے علماء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ پیغمبر تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں اور بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ صغیرہ گناہ ان سے بھی ہوسکتے ہیں، امت کے علماء کرام کے نزدیک صحیح نہیں۔

وجہ یہ ہے کہ پیغمبروں کو لوگوں کا رہنما بنا کر بھیجا جاتا ہے، اگر ان سے بھی کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف خواہ گناہ کبیرہ ہو یا صغیرہ ہونے لگیں تو پیغمبروں سے اعتماد اٹھ جائیگا، جب پیغمبروں پر ہی اعتماد نہ رہے تو دین اور دیانت کا کہاں ٹھکانا ہے۔

البتہ قرآن مجید کی بہت سی آیتوں میں بہت سے پیغمبروں کے متعلق ایسے واقعات آئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے گناہ ہوا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ناراضگی کا اظہار بھی ہوا، حضرت آدم علیہ السلام کا یہ قصہ بھی اس میں داخل ہے۔

ایسے واقعات کا حاصل باتفاق امت یہ ہے کہ کسی غلط فہمی یا خطا ونسیان کی وجہ سے وہ کام ہوجاتا ہے، کوئی پیغمبر جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کے خلاف عمل نہیں کرتا، غلطی اجتہادی ہوتی ہے یا بھول چوک کے سبب قابل معافی ہوتی ہے جس کو شریعت میں گناہ نہیں کہا جاتا اور یہ بھول چوک کی غلطی ان سے ایسے کاموں میں نہیں ہوسکتی، جنکا تعلق تبلیغ وتعلیم اور تشریع سے ہو، بلکہ ان سے ذاتی کاموں میں ایسا ہوسکتا ہے۔

مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پیغمبروں کا مقام نہایت بلند ہے اور بڑوں سے چھوٹی سی غلطی بھی ہوجائے تو

بہت بڑی غلطی سمجھی جاتی ہے اس قرآن حکیم میں ایسے واقعات کو گناہ کہا گیا ہے، اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے وہ گناہ ہی نہیں، بہرحال جان بوجھ کر حضرت آدم علیہ السلام سے نافرمانی نہیں ہوئی، بلکہ ان سے بھول ہوگئی جو درحقیقت گناہ نہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾

پھر سیکھ لئے آدم نے سے رب اپنے کچھ الفاظ پھر وہ متوجہ ہوا پر اس بیشک وہ وہی توبہ قبول کرنیوالا بڑا مہربان ہے (۳۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر آدم نے اپنے رب سے چند الفاظ سیکھ لئے، پھر وہ ان کی طرف متوجہ ہوا بیشک وہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ (۳۷)

تفسیر

جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکلنے کا حکم ہوا تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا وہ اس پر بہت پچھتائے پریشانی کی حالت میں اپنی خطا پر روتے رہے اور بے قراری میں پشیمان پھرتے رہے، آخر اللہ تعالیٰ کو ان پر رحم آیا اور حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں دعا کے چند الفاظ ڈال دیئے، انہوں نے انہیں الفاظ میں دعا کی اللہ تعالیٰ نے انکی توبہ قبول فرمائی، کیونکہ وہ یقیناً توبہ قبول کرنے والا اور اپنے بندوں پر ہر حال میں رحم کرنے والا ہے۔

توبہ کیلئے تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے: پہلی یہ انسان اپنے گناہوں کو مان لے اور اس پر پچھتائے، دوسرے یہ کہ اس کام کو چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کرلے اور تیسری یہ کہ وہ اس گناہ کو آئندہ ہرگز نہ کرے۔

قرآن مجید اور حدیثوں میں توبہ کی تاکید بہت آئی ہے ہمیں ہر وقت اپنے دانستہ اور غیر دانستہ بڑے اور چھوٹے ہر قسم کے گناہوں کی معافی کیلئے اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کرنی چاہئے۔

وحی کی ضرورت

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنْ
کہا ہم نے نیچے اتر جاؤ سے اس سب پھر اگر پہنچے تمہیں طرف میری سے ہدایت پس وہ جو
تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾
چلا ہدایت میری پر پس نہ خوف پر ان اور نہ وہ غمگین ہونگے (۳۸)

بامحاورہ ترجمہ: ہم نے کہا تم سب یہاں سے نیچے اتر جاؤ جب کبھی تمہیں میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے جو میری ہدایت پر چلا ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (۳۸)

لفظی تحقیق: اِهْبِطُوْا: نیچے اتر جاؤ۔ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو یہ حکم سزا کے طور پر نہیں دیا جارہا ہے حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش معاف کردی گئی، لیکن زمین میں رہنے کا حکم بدستور باقی رہا، چونکہ آدم علیہ السلام زمین کے خلیفہ بنائے گئے تھے، زمین میں رکھنے سے مقصد یہ تھا کہ جو دنیا میں رہ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں انہیں جنت میں جگہ ملے اور جو نافرمانی کریں انہیں جنت سے باہر ہی رکھا جائے۔

تفسیر

حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم سب کے سب زمین پر اتر جاؤ اور کچھ فکر نہ کرو، وہاں بھی میری رحمت تمہاری شامل حال ہوگی اور ساتھ ہی انہیں بتادیا کہ ضرورت کے وقت میری ہدایات پیغمبروں کے ذریعے تمہارے پاس پہنچتی رہیں گی تم ان کی پیروی کرتے رہنا، جو شخص میری ہدایت کے مطابق چلے گا اسکو کبھی دوزخ کا خوف نہ ہوگا اور نہ جنت سے نکالے جانے کا غم ہوگا میں اسکو دوبارہ جنت میں داخل کرونگا۔

اس قصہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انسان کو روحانی چین اور سکون اللہ تعالیٰ کی ہدایات پر عمل کرنے ہی سے حاصل ہوتا ہے اس کے بغیر بالکل ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کی اور پھر انہیں دنیا میں رہنے سہنے اور جنت میں جانے کا طریقہ بتادیا، ہمیں بھی چاہیئے کہ ہم اپنے پچھلے تمام گناہوں سے توبہ کریں اللہ تعالیٰ سے ان کی معافی کی درخواست کریں اور آئندہ اسکی دی ہوئی ہدایات پر عمل کریں، جواس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے ہمیں بھیجیں۔

کافروں کا انجام

ع ۴ / ۱۰ / ۴

وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِۚ هُمْ

اور وہ لوگ جو کفر کرینگے اور جھٹلائینگے آیتوں کو ہماری وہی والے دوزخ وہ

فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۠ (۳۹)

میں اس ہمیشہ رہیں گے (۳۹)

با محاورہ ترجمہ:۔ اور جولوگ کفر کرینگے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائینگے، وہی دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۳۹)

تفسیر

حضرت آدم علیہ السلام جب دنیا میں آئے تو اللہ تعالیٰ نے اس میں رہنے سہنے کا قانون اور جنت میں دوبارہ جانے کا طریقہ بتادیا، یعنی: یہ کہ اللہ تعالیٰ انہیں ضرورت کے وقت اپنا پیغام بھیجتا رہیگا، جو ان کی رہنمائی کا ذریعہ ہوگا اور ان کی نسل کو بھی پیغمبروں کے ذریعے ہدایت ملتی رہے گی، انسان صرف اپنی عقل سے سیدھی راہ نہیں پاسکتا، اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے جو اسکی فطرت کا بنانے والا ہے جولوگ اسکی ہدایت کو سچے دل سے قبول کرینگے، اسکی بھیجی ہوئی نشانیوں میں غور کریں گے اور اسکے حکموں پر پابندی کیساتھ عمل کریں گے وہ ہر طرح کے غم اور افسوس سے نجات پائیں گے اور دنیا کی زندگی کے بعد جنت میں داخل ہونگے جہاں ہمیشہ کا آرام اور ہر طرح کا چین انہیں میسر ہوگا، البتہ جولوگ اسکی ہدایات سے منہ موڑلیں گے اسکے حکموں کی نافرمانی

کریں گے وہ ساری زندگی گمراہی میں بھٹکتے پھریں گے، انہیں موت کے بعد دوزخ میں داخل کیا جائے گا جہاں وہ آگ میں جلیں گے اور طرح طرح کے عذابوں میں گرفتار ہوں گے۔

آپ نے غور کیا کہ ان لوگوں کا انجام کس قدر خوفناک ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے منہ موڑیں اور ان لوگوں کا انجام کیسا اچھا ہے جو اسکی ہدایت پر چلیں، آیئے! ہم اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر چل کر دوسرے گروہ میں شامل ہوجائیں اور جنت کے وارث بنیں، اب اسکی صورت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو دل وجان سے قبول کرلیں اور نیک نیتی سے اس پر عمل کریں اس یقین کیساتھ کہ یہ تعلیم آخری تعلیم ہے اور یہ پیغمبر آخری پیغمبر ہے جس کے بعد کوئی اور پیغمبر دنیا میں نہیں آئیگا۔

حضرت آدم علیہ السلام کا زمین پر اتارا جانا سزا نہیں بلکہ زمین میں خلیفہ بنانے کیلئے تھا

اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا: جنت سے زمین پر اترنے کا حکم اس سے پہلی آیت میں آچکا ہے اس جگہ پھر اسکو دوبارہ لانے میں شاید حکمت یہ ہے کہ پہلی آیت میں زمین پر اترنے کا حکم سزا کے طور پر تھا، اسی لئے اس کیساتھ انسانوں کی آپس کی دشمنی کا بھی ذکر کیا گیا اور یہاں زمین پر اتارنے کا ذکر خلافت عطا کرنے کیلئے ہے اور اس کیساتھ ہدایت بھیجنے کا ذکر ہے جو خلافت کیساتھ لازم ہے۔

بنی اسرائیل پر انعامات

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَوْفُوْا

اے اولاد | بندۂ خدا | یاد کرو | نعمت میری کو | وہ جو | میں نے کی | پر تم | اور | پورا کرو

بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَ اِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾

اقرار میرا | میں پورا کرونگا | اقرار تمہارا | اور | مجھ ہی سے | تم ڈرو | (۴۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے بنی اسرآئیل! میری وہ نعمتیں یاد کرو جو میں نے تم پر کیں اور تم میرا اقرار پورا

کروتو میں تمہارا اقرار پورا کروں گا اور مجھ سے ہی ڈرو۔ (۴۰)

تفسیر

اب پانچویں رکوع سے بنی اسرائیل کی تاریخ، ان کے بلند مرتبے، لغزشوں، گناہوں اور فضیلت کے چھن جانے کا بیان شروع ہوتا ہے، قرآن مجید کا یہ حصہ خاص طور پر توجہ سے پڑھنے کے لائق ہے. بنی اسرائیل کی تاریخ میں مسلمانوں کیلئے بہت سے عبرت اور نصیحت کے واقعات ہیں تا کہ ہم ان لغزشوں اور غلطیوں سے بچ سکیں، جن کی وجہ سے یہ عظیم الشان قوم تباہ و برباد ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بنی۔

بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ: حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا جو حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنیٰ اللہ کا بندہ ہیں، بنی اسرائیل سے مراد یہودی ہیں، بنی اسرائیل کا سلسلہ اصل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے ان کے دو بیٹے ہوئے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام یہ حجاز میں آباد ہوئے اور ان کی اولاد میں آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے، دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے جن کا لقب اسرائیل پڑا اور ان کی اولاد فلسطین میں آباد ہوئی۔

یہ لوگ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے، کچھ عرصہ بعد مصر والوں نے ان پر غلبہ حاصل کرلیا، انہیں غلاموں کی طرح رکھا اور شدید ظلم و ستم کا نشانہ بنایا، آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور وہ اس قوم کو مصر کی غلامی سے نکال کر وادیٔ سینا میں لے گئے۔

کچھ عرصہ بعد یہ لوگ اپنے وطن کنعان میں واپس لوٹے اس قوم کا بہترین زمانہ حضرت داوٗد اور سلیمان علیہ السلام کا تھا کچھ عرصہ بعد یہ قوم پھر آپس میں دشمنی کے سبب مصائب کا شکار ہوئی۔

دو مرتبہ اس قوم پر ایسے زبردست حملے ہوئے اور اس قدر تباہی آئی کہ یہ لوگ اپنا وطن چھوڑ کر اِدھر اُدھر بھاگنے پر مجبور ہو گئے، مگر افسوس اپنی نافرمانیوں سے باز نہ آئے اور آج تک اس قوم میں وہ نافرمانیاں موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے اور بھیجنے کے بعد ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ انکی اولاد کے لئے موقع کے مطابق اپنے پیغمبر بھیجتا رہے گا اور ان کے ذریعہ بندوں تک اپنے حکموں اور ہدایتوں کو پہنچائے گا، اس وعدہ کے مطابق دنیا میں پیغمبر آتے رہے، سب سے آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے، ان کو جو دین دیا گیا وہ ایک عالمگیر دین ہے اس بناء پر اس رکوع سے تبلیغ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، یہودی اللہ تعالیٰ کے دین کے طریقہ سے واقف تھے اس لئے سب سے پہلے انہی سے خاص طور پر خطاب کیا جاتا ہے اور انہیں یاد دلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تمہارے بزرگ دیکھ چکے ہیں اور تم ان سے واقف ہو، اب اس آخری پیغمبر پر ایمان لاؤ تا کہ تم پھر انہی نعمتوں کے حق دار بن جاؤ، ایسا کرو گے تو یہ تمہاری طرف سے وعدہ پورا کرنے کے برابر سمجھا جائیگا اور اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کریگا، تمہارے گناہ بخش دیے جائیں گے اور تمہیں دنیا اور آخرت میں کامیابی عطا فرمائے گا۔

قرآن کا انکار نہ کرو

وَ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَ لَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ

اور　مان لو　وہ کتاب　جو اتاری میں نے　سچ بتانے والی ہے　وہ جو　پاس ہے تمہارے　اور　نہ　ہو جاؤ تم　پہلے　کافر　اس کے

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور مان لو اس کتاب کو جو میں نے اتاری ہے اسے سچ بتانے والی ہے جو تمہارے پاس ہے اور سب سے پہلے اس کے کافر نہ ہو جاؤ۔

تفسیر

قرآن مجید پر ایمان لانے کیلئے سب سے پہلے بنی اسرائیل کو کہا گیا، اہل کتاب میں یہی سب سے زیادہ مشہور تھے اور مدینہ اور اس کے آس پاس بستے تھے، اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے انعام اور

احسانات یاد کرا کے یہ فرمایا تھا کہ وہ اپنے وعدہ کو جو اللہ تعالیٰ سے کر چکے ہیں پورا کریں۔

وہ عہد جسے پورا کرنے کیلئے انہیں کہا جا رہا ہے اس میں اس کتاب قرآن مجید پر جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اتاری گئی ہے ایمان لانا شامل ہے اس لئے اس پر ایمان لائیں اور اسکی ہدایت پر عمل کریں اس کتاب میں خود ان کی کتابوں کی تصدیق کی گئی ہے۔

اس کے بعد انہیں سمجھایا جا رہا ہے کہ تم ہی سب سے پہلے قرآن مجید کے منکر نہ بنو، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پہچان کا علم اور قرآن مجید کی سچائی کا علم جتنا تمہیں ہے اور کسی قوم کو نہیں، اس لئے تم سے توقع کی جاتی ہے کہ دوسروں کیلئے تم کفر وانکار کا نمونہ مت بنو، بلکہ جیسے تمام اہل کتاب میں سب سے پہلے تمہیں دعوت دی جا رہی ہے اسی طرح تم سب سے پہلے ایمان لا کر دوسروں کیلئے ایمان لانے کا سبب بن جاؤ، تا کہ وہ بھی تمہیں دیکھ کر اس کو مان لیں، یہ خوف ہرگز نہ کرنا چاہئے کہ اس آخری کتاب اور آخری پیغمبر پر ایمان لانے سے تمہارا اثر ورسوخ ختم ہو جائے گا، بلکہ اس کے برعکس تم دیکھ لو گے کہ دنیا بھی تمہارے لئے آرام کا سبب ہوگی اور آخرت میں بھی سزا سے بچ جاؤ گے۔

اَوَّلَ کَافِرٍۭ بِہٖ: کافر ہونا خواہ سب سے پہلے ہو یا بعد میں بہر حال انتہائی ظلم اور جرم ہے اس آیت میں یہ فرمایا کہ: پہلے کافر نہ بنو، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ جو شخص اوّل کفر اختیار کریگا تو بعد میں اسکو دیکھ کر جو بھی کفر میں مبتلا ہوں گے اسکا وبال ان پر بھی پڑے گا اور اس شخص پر پڑے گا جس نے پہلے کفر کیا تھا، اسی طرح جو شخص دوسروں کیلئے کسی نیکی کا سبب بن جائے تو جتنے آدمی اس کے سبب سے نیک عمل کریں گے اسکا ثواب جیسا ان لوگوں کو ملے گا ویسا ہی اس شخص کو بھی ملے گا۔

اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو نہ بیچو

وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۫ وَّ اِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾

اور نہ تم لو آیتوں میری کا مول تھوڑا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو (۴۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور میری آیتوں پر تھوڑا مول نہ لو اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ (۴۱)

تفسیر

قرآن مجید نے یہودیوں کیساتھ جو نرمی اختیار کی ہے اور جس خوبی کیساتھ اسلام کی دعوت انہیں دی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے کلام ہونے کا ثبوت ہے، واقعات کے اظہار کے طریقے اور خطاب کے طرز سے یہود کا پورا احترام کیا گیا ہوتا ہے کوئی بات ایسی نہیں کہی گئی جو ان کے بھڑک اٹھنے کا سبب ہو، سچائی کے اظہار کیلئے اس کے مناسب ماحول پیدا کرنا قرآن مجید کا معجزہ ہے جسکی اگر ہم مسلمانوں سے تھوڑی سی بھی کوشش کریں تو دنیا کے تمام ڈر دور ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو فروخت کرنے سے مراد یہ ہے کہ یہودی علماء دنیا کے عارضی فائدوں کی خاطر اللہ تعالیٰ کے حکموں کو بدل ڈالتے، اصل حکم چھپا کر اپنی طرف سے کوئی اور حکم بتاتے، مثلاً: کوئی مالدار آدمی کسی زنا میں پکڑا ہوا آیا تو انہوں نے کہا کہ تورات میں رجم کی سزا نہیں ہے بلکہ جوتے مارنے اور منہ کالا کرنے کی سزا ہے، اس تبدیلی پر وہ مالداروں سے مال حاصل کرتے، یہ ایک طرح سے آیتوں کا بیچنا ہے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا۔

یہودیوں کو نصیحت کی جارہی ہے کہ تم نذرانوں اور حقیر ہدیوں کی خاطر میرے کھلے کھلے حکموں کو بدل کر لوگوں کی خواہشوں کے مطابق نہ فیصلے دیا کرو، کیونکہ میرے حکموں کو صاف صاف اور ٹھیک ٹھیک بتادینے سے جو دنیا اور آخرت دونوں میں انعام ملے گا اور وہ ان عارضی اور تھوڑے تھوڑے معاوضوں سے کہیں زیادہ ہے، کیونکہ ساری دنیا بھی آیتوں کے عوض میں تھوڑی ہے۔

حق کو مت چھپاؤ

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور مت ملاؤ صحیح ساتھ غلط کے اور (نہ) چھپاؤ سچ اور تم جانتے ہو (۴۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور صحیح کو غلط کیساتھ نہ ملاؤ اور سچ کو نہ چھپاؤ اور (اصل حقیقت) تم اچھی طرح

جانتے ہو۔ (۴۲)

تفسیر

اسلام کے شروع کے زمانے میں یہودیوں کے عالموں نے اپنے دین کو بگاڑ رکھا تھا، وہ اپنی خواہشوں کے مطابق آسمانی کتاب کے حکم کو بدل دیتے تھے جو کتابیں گم ہو چکی تھیں ان کی جگہ اپنی طرف سے اور کتابیں لکھ کر ان کے نام پر پیش کر دی تھیں، کبھی تشریح اور تفسیر لکھ کر اصلی عبارت کیساتھ ملا دیتے اور دونوں میں فرق کی کوئی نشانی نہ رکھتے، آسمانی حکم جس عالم، کاہن یا راہب کے پاس ہوتے وہ کسی مالی لالچ یا کسی دنیاوی طمع کی خاطر انہیں گھٹا بڑھا دیتا تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش اور پیغمبری کی تمام نشانیاں ان کی کتابوں میں موجود تھیں، لیکن جب آپ تشریف لائے تو حسد کی وجہ سے ان تمام نشانیوں کو چھپانے لگے اور بعض کو الٹ پلٹ کر بیان کرنے لگے اس لئے اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ: حق کو نہ چھپایا کرو، کیونکہ تمہاری گمراہی سے دوسرے لوگ بھی گمراہ ہوتے ہیں۔

بنی اسرائیل کی تاریخ کے اہم واقعات جو قرآن مجید میں ہیں، ان کی سب سے بڑی غرض یہ ہے کہ ایک طرف تو خود یہودی اپنی برائیوں سے آگاہ ہو جائیں اور دوسری طرف مسلمانوں کو اچھی طرح سمجھا دیا جائے کہ اس قسم کی باتوں کی دین میں قطعاً گنجائش نہیں ہے ہمیں چاہئے کہ بنی اسرائیل کے حالات اور واقعات پر غور کریں اور اپنے اندر ان جیسی بری باتیں پیدا نہ ہونے دیں۔

بنی اسرائیل واضح علامات کو بگاڑ کر پیش کرتے تھے اور ان میں ردوبدل بھی کرتے تھے یہ عیسائی اور یہودی ردّوبدل میں بڑے ماہر ہیں، خود عیسائیوں کے بڑے بڑے پادریوں نے اقرار کیا ہے کہ انجیل میں تین ہزار تبدیلیاں ہو چکی ہیں، ظاہر ہے کہ جہاں اس قدر تبدیلیاں کی گئی ہوں وہاں کس قدر بگاڑ پیدا ہوا ہوگا؟ اور جس کتاب کیساتھ یہ سلوک ہوا ہو، اسکا کیا سے کیا بن گیا ہوگا؟

مدینہ طیبہ کے اطراف میں رہنے والے یہودی اپنے کفر کے باوجود اپنے آپ کو عربوں سے بہتر سمجھتے تھے،

وہ پیغمبروں کے خاندان میں سے ہونے کی وجہ سے دوسری قوموں کو کم تر کہتے تھے، عربوں کو وہ جاہل، ان پڑھ اور اُمّی خیال کرتے تھے، اس قسم کی باتیں "سورۃ البقرہ، سورۃ آل عمران" اور دیگر سورتوں میں بھی ہیں، بنی اسرائیل کا دوسرا باطل عقیدہ تھا کہ پیغمبری ہمیشہ ہمیشہ کیلئے انہی کے خاندان میں جاری رہے گی، مگر جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسمٰعیل میں پیدا ہوئے تو ان کی ساری برتری ختم ہوگئی اور وہ حسد کی بیماری میں مبتلا ہو گئے، چنانچہ ان کے اسلام قبول نہ کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اس وقت انہیں جو برتری حاصل تھی ایمان لانے سے وہ ضائع ہو جاتی، وہ سمجھتے تھے کہ ان کی سرداری اب ختم ہو جائیگی اور انہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرنی پڑے گی، چنانچہ ایسی ہی چیزیں ان کے ایمان لانے میں رکاوٹ بنی ہوئی تھیں۔

نماز، زکوٰۃ اور اتحاد

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور قائم رکھو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور جھکو ساتھ جھکنے والوں کے (۴۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور نماز قائم رکھو اور زکواۃ ادا کرو اور (نماز میں) جھکنے والوں کیساتھ جھکو۔ (۴۳)

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے پہلے اعتقاد اور ایمان درست کرنے کا حکم دیا، نیز یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تعلیم کو بالکل اس کی اصل شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کریں اور اس میں اپنی طرف سے کچھ نہ ملائیں اور نہ کمی زیادتی کریں۔

اب انہیں عمل کی تعلیم دی جاتی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ: وہ پابندی کیساتھ باقاعدہ نماز ادا کریں، نماز بدنی عبادتوں میں سب سے اعلیٰ عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، اس کے بعد انہیں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا کہ وہ اسلام کے مطابق ہر سال اپنے مال کا ایک حصہ زکوٰۃ کے طور پر ادا کریں۔

باجماعت نماز کا حکم نماز کا حکم اور اسکا فرض ہونا تو لفظ "اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ" سے معلوم ہو چکا تھا اس جگہ "مَعَ الرّٰكِعِيْنَ" کے لفظ سے نماز کو جماعت کیساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

دوسروں کو نیکی کا حکم دو اور خود بھی اس پر عمل کرو

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ

کیا تم حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور بھول جاتے ہو اپنے آپ کو حالانکہ تم پڑھتے ہو

الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

کتاب پھر کیوں نہیں تم سوچتے (۴۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کیا تم لوگوں کو نیک کام کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم تو کتاب (تورات) پڑھتے ہو پھر کیوں نہیں سوچتے۔ (۴۴)

تفسیر

یہودی عالم اپنے مسلمان رشتے داروں کو کہا کرتے تھے کہ تم جس شخص پر ایمان لائے ہو وہ بلاشبہ سچے اور آخری پیغمبر ہیں اسکا ساتھ نہ چھوڑنا، مگر خود اس پر ایمان نہیں لاتے تھے، وجہ یہ تھی کہ ایمان لانے سے ان کے مالی فوائد ضائع ہوتے تھے ان کے اسی رویہ کے متعلق فرمایا کہ: دوسروں کو تلقین کرتے ہیں اور خود کو مالی فائدے حاصل نہ ہونے کا خدشہ تھا کہ اگر وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے تو لوگ ان کو جو اہل علم ہونے کی وجہ سے تحفے اور نذرانے پیش کرتے ہیں وہ بند ہو جائیں گے، کیونکہ لوگوں میں حضور کی بات چلے گی اور ان کی بات کی نہ چلے گی۔

کیا فاسق وعظ و نصیحت نہیں کرسکتا؟

اس آیت سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ بے عمل یا فاسق کیلئے دوسروں کو وعظ و نصیحت کرنا جائز نہیں اور جو شخص

کسی گناہ میں لگا ہو وہ دوسروں کو اس گناہ سے باز رہنے کی تلقین نہ کرے، کیونکہ کوئی اچھا عمل الگ نیکی نہیں اور اس سے اچھے عمل کی تبلیغ دوسری مستقل نیکی ہے اور ظاہر ہے کہ ایک نیکی کو چھوڑنے سے یہ ضروری نہ ہوتا کہ دوسری نیکی بھی چھوڑ دی جائے جیسے: ایک شخص نماز نہیں پڑھتا تو اس کیلئے لازم نہیں کہ وہ روزہ بھی چھوڑ دے، بالکل اسی طرح اگر کوئی شخص نماز نہیں پڑھتا تو اس کیلئے یہ ضروری نہیں کہ دوسروں کو بھی نماز پڑھنے کیلئے نہ کہے۔

صبر اور نماز سے مدد

وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ۭ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى

اور | مدد چاہو | ساتھ صبر کے | اور | نماز کے | اور | بیشک وہ | البتہ بھاری | مگر | پر

الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ۙ

عاجزی کرنیوالوں (۴۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور صبر اور نماز کیساتھ مدد چاہو اور البتہ وہ (نماز) بھاری ہے، مگر عاجزی کرنے والوں پر۔ (۴۵)

تفسیر

الْخٰشِعِيْنَ: اپنے آپ کو اللہ کی مدد کے بغیر عاجز اور ضعیف سمجھنے والے، یہ لفظ خشوع سے بنا ہے جس کے معنٰی عاجزی ظاہر کرنے کے ہیں اور یہ دل کی سب سے بڑی عبادت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر حالت میں کھڑے ہوئے، جھکے ہوئے، سجدہ میں بیٹھے ہوئے اپنے عجز کا اظہار کرے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: جو شخص یہ چاہتا ہو کہ کل محشر میں اللہ تعالیٰ سے مسلمان ہونے کی حالت میں ملے تو اس کو چاہیے کہ ان پانچ نمازوں کو پابندی کیساتھ مسجد میں ادا کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کچھ ہدایت کے طریقے بتائے ہیں اور ان پانچ نمازوں کو جماعت کیساتھ ادا کرنا انہی

ہدایتوں میں سے ہے اور اگر تم نے یہ نمازیں اپنے گھر میں پڑھ لیں جیسے یہ جماعت سے الگ رہنے والا اپنے گھر میں پڑھ لیتا ہے (کسی خاص شخص کی طرف اشارہ کرکے فرمایا) تو تم اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ بیٹھو گے اور اگر تم نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ دیا تو تم گمراہ ہو جاؤ گے اور جو شخص اچھی طرح وضو کرے پھر مسجد کا رخ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم پر نیکی اس کے نامۂ اعمال میں درج فرماتے ہیں اور اسکے ہر قدم کے بدلے ایک درجہ بڑھا دیتے ہیں اور ایک گناہ معاف کر دیتے ہیں اور ہم نے اپنے مجمع کو ایسا پایا ہے کہ منافق کے سوا کوئی آدمی جماعت سے الگ نماز نہ پڑھتا تھا یہاں تک کہ بعض حضرات کو عذر اور بیماری میں بھی دو دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر مسجد میں لایا جاتا اور صف میں کھڑا کر دیا جاتا۔

اس بیان میں جس طرح نماز کی پوری تاکید اور اہمیت وضرورت کا ذکر ہے اس کے ساتھ اسکا یہ درجہ بھی بیان فرما دیا کہ وہ سنن ہدیٰ میں سے ہے جس کو فقہاء سنت مؤکدہ کہتے ہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص شرعی عذر مثلاً: مرض وغیرہ کے بغیر تنہا نماز پڑھ لے اور جماعت میں شریک نہ ہو تو اس کی نماز تو ہو جائیگی، مگر جماعت کی نماز کا ثواب نہ ہوگا اور اگر کسی عذر کے بغیر نماز چھوڑنے کی عادت بنالے تو سخت گناہگار ہے۔

مسجد کے سوا کسی جگہ جماعت

یہاں سوال یہ ہے کہ اگر مسجد سے باہر کسی مکان، دکان یا میدان میں جماعت کیساتھ نماز ادا کی جائے تو یہ ستائیس درجہ کی افضلیت اس جماعت کو بھی حاصل ہوگی یا نہیں؟ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ترجیح دی ہے کہ یہ فضیلت ہر جماعت کو حاصل ہوگی خواہ مسجد میں ہو یا باہر، البتہ مسجد کی جماعت باہر والی جماعت سے افضل ہوگی۔

آخرت کا تصور

ع ۵ ۷ ۵ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾

وہ لوگ جو خیال کرتے ہیں کہ وہ روبرو ہونیوالے ہیں رب اپنے کے اور بیشک وہ طرف اسی کے لوٹ کر جائینگے (۴۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہ جن کو خیال ہے کہ وہ اپنے رب کے روبرو ہونے والے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (۴۶)

تفسیر

خود نیک بننے اور دوسروں کی ہدایت کرنے کیلئے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں دوسری چیز جس سے نماز اور عبادت آسان ہو جاتی ہے وہ آخرت کا یقین ہے جہاں آدمی کے اعمال کے مطابق ثواب یا عذاب ملے گا اس خیال کے پختہ ہونے سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ڈر اور اسکی رحمت کی امید کی دو صفتیں پیدا ہونگی اور ایمان پختہ ہوگا جسکا نتیجہ لازمی طور پر یہ ہوگا کہ نماز ان پر بھاری نہیں رہے گی، بلکہ اس کا ادا کرنا آسان ہو جائے گا۔

وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ: نماز ان لوگوں پر بوجھل نہیں ہے جنہیں یقین ہے کہ انہیں ایک دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے، وہاں اعمال کی باز پرس ہوگی اور نماز جیسی نعمت کی قدر وہاں پر معلوم ہوگی اور انہیں یہ بھی یقین ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، تمام چیزوں کا رجوع اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے اور ہر چیز کی انتہاء بھی وہیں ہوگی۔

بنی اسرائیل کی فضیلت

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَنِّيْ

اے اولاد — اسرائیل کی — یاد کرو — نعمتیں میری — جو — میں نے کیں — پر تم — اور میں نے

فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾

فضیلت دی تمہیں — پر — جہان والوں (۴۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمتیں یاد کرو جو میں نے تم پر کیں اور یہ کہ میں نے تمہیں تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔ (۴۷)

تفسیر

ایک وقت تھا کہ بنی اسرائیل کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی گئی تھی جب دنیا کی تمام قومیں گمراہی اور شرک اور بت پرستی میں بھٹک رہی تھیں تو صرف بنی اسرائیل ہی ایک ایسی قوم تھی جس کے پاس پیغمبروں کی تعلیم اور آسمانی کتاب تھی، اس سے بڑھ کر اور فضیلت کیا ہو سکتی ہے۔

رفتہ رفتہ یہ لوگ اپنی کمزوریوں اور بدعنوانیوں کے باعث سیدھے راستے سے بھٹک گئے اور آسمانی ہدایت کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا، اس لئے اب انہیں اللہ تعالیٰ اس چیز کی تلقین کرتا ہے کہ تم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ اور سیدھے راستے پر چلو۔

تقویٰ اور ایمان کا حاصل ہونا صبر اور عبادت کے ذریعے دشوار تھا اس لئے اسکا آسان طریقہ بتا دیا اور وہ ہے شکر، اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنے احسانات و انعامات جو ان پر وقتاً فوقتاً کئے یاد دلاتے ہیں اور ان کی بدکرداریاں بھی ظاہر کرتے ہیں، یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنے احسان کرنے والے کیساتھ محبت کرنے لگتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ انہیں صحیح راہ کی تلقین کرنے کیساتھ اپنے احسانات یاد دلاتے ہیں۔

بنی اسرائیل کا فضیلت کے اس قدر اونچے مقام سے گر کر ذلّت کے گڑھے میں گر جانا علم والوں کیلئے عبرت کی بات ہے، ان کی اس حالت سے نصیحت پکڑنی چاہئے اور ان بدعملیوں سے بچنا چاہئے جو اس قوم کی تباہی و بربادی کا سبب بنے۔

قیامت کے دن کیا کام آئے گا؟

وَ اتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّ لَا يُقْبَلُ

اور ڈرو اس دن سے نہ کام آئے کوئی شخص سے کسی شخص کچھ اور نہ قبول ہوگی

مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

سے اس سفارش اور نہ لیا جائیگا سے اس بدلہ اور نہ وہ مدد کئے جائینگے (۴۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص کسی شخص کے کچھ کام نہ آئیگا اور نہ اس کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہوگی اور نہ اس کی طرف سے بدلہ لیا جائیگا اور نہ انکی مدد کی جائیگی۔(۴۸)

تفسیر

یہودیوں کا خیال تھا کہ ہم کیسے ہی گناہ کریں ہم پر عذاب نہ ہوگا، ہمارے باپ دادا پیغمبر تھے وہ ہمیں بخشوالیں گے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ان کا یہ عقیدہ بالکل غلط ہے مجرم کو اپنے گناہ کی سزا بھگتنی ہی پڑے گی۔

عام طور پر مجرم کو چھڑانے کی چار صورتیں ہوتی ہیں: (اوّل) یہ کہ کوئی دوسرا شخص مجرم کا جرم اپنے سر لے لے، (دوم) یہ کہ اس کی سفارش کر کے چھڑا لے، (سوم) یہ کہ کوئی رشوت دیکر چھٹکارا حاصل کر لے، (چہارم) یہ کہ قوت کے بل بوتے پر زبردستی چھڑا لے، ان چاروں صورتوں میں کوئی صورت بھی ایسی نہیں جو قیامت کے روز کافروں کے کام آسکے گی۔

قیامت کے روز ہر شخص کو اپنی فکر ہوگی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کوئی شخص کسی دوسرے کی سفارش نہ کر سکے گا، اللہ تعالیٰ کو مال و دولت کی ضرورت نہیں کہ وہ فدیہ قبول کرے اور آسمان و زمین کے اندر کوئی ایسی طاقت نہیں جو اللہ تعالیٰ کو عاجز کر سکے اور مجرم کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سے زبردستی چھڑا لے۔

یہ باتیں بتا کر اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے عقیدہ کو باطل قرار دیا اور انہیں یہ بات ان کے ذہن میں بٹھائی کہ وہ قیامت کا خوف کر کے سیدھے راستے کی طرف آجائیں۔

وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ: یہاں پر بنی اسرائیل کی جہان والوں پر فضیلت سے یہ مراد نہیں کہ انہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت پر بھی فضیلت حاصل ہے قرآن پاک میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو سب سے زیادہ فضیلت بخشی ہے اور اس فضیلت کا تعلق دنیا سے بھی ہے اور آخرت سے بھی، گویا دونوں جہانوں میں امت محمدیہ کی فضیلت طے ہے، بنی اسرائیل کی فضیلت سے مراد یہ ہے کہ انہیں اپنے دور میں دینی اور دنیاوی ہر دو لحاظ سے باقی قوموں پر برتری حاصل تھی، اس زمانے میں اس قوم میں صلاحیت بھی پائی جاتی تھی اور ان کی علمی حیثیت بھی مانی جاتی تھی۔

وَّ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ: فرمایا: اس دن سے ڈرو جس دن سفارش بھی قبول نہیں کی جائیگی اور جس دن فدیہ بھی قبول نہیں کیا جائیگا کہ کوئی شخص فدیہ دیکر اپنی جان چھڑا سکے، یہ بھی ممکن نہیں ہوگا دوسری جگہ صاف موجود ہے کہ اگر کوئی شخص سونے کی بھری ہوئی پوری زمین بھی فدیہ دیکر اپنی جان بچانا چاہے گا تو ایسا نہیں ہو سکے گا، اوّل تو اتنا مال و دولت، سونا، چاندی مہیا ہونا ہی ممکن نہیں اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی جائے تو نہ اتنا بڑا فدیہ قبول کیا جائیگا اور نہ کافروں کو چھوڑا جائے گا۔

مصائب سے رہائی

وَ اِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ

اور جب | ہم نے نجات دی تمہیں | سے | آل | فرعون | پہنچاتے تھے تمہیں | برا | عذاب

يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ

ذبح کرتے تھے | بیٹے تمہارے | اور | زندہ چھوڑتے تھے | عورتیں تمہاری | اور | میں | اس | آزمائش

مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾

سے | رب تمہارا | بڑائی (۴۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اس وقت کو یاد کرو جب کہ ہم نے تمہیں فرعون کے لوگوں سے نجات دی جو تمہیں بڑا عذاب پہنچاتے تھے تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑتے تھے اور اس میں تمہارے

رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔ (۴۹)

لفظی تحقیق: فِرْعَوْنَ: عام طور پر لوگ مصر کے ایک بادشاہ کا نام سمجھتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ کسی ایک شخص کا نام نہیں، بلکہ مصر کے تمام بادشاہوں کا لقب تھا جیسے: چین کے بادشاہ کو خاقان اور روم کے بادشاہ کو قیصر کہتے تھے۔

تفسیر

حضرت یوسف علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مصر میں لاکر آباد کیا تھا انہیں یہاں رہتے صدیاں گزر گئیں اور ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی، مصر کے بادشاہوں نے انہیں غلام بنالیا اور ان کیساتھ نہایت ذلّت آمیز سلوک کرتے تھے۔

ایک مرتبہ مصر کے بادشاہ نے ایک خواب دیکھا صبح کو تمام کاہنوں کو جمع کر کے ان سے اسکی تعبیر پوچھی کہ میں نے بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ آتے دیکھی ہے جس نے تمام مصر کو گھیر لیا ہے اور چن چن کر ایک ایک قبطی کو جلا دیا ہے یہ سن کر کاہنوں نے کہا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو آگے چل کر آپ کی ہلاکت اور حکومت کے خاتمے کا سبب بنے گا۔

فرعون نے ملک کی تمام دائیوں کو جمع کر کے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو فوراً قتل کر دیا جائے، البتہ لڑکی کو زندہ چھوڑ دیا جائے اس حکم کے مطابق بنی اسرائیل کے ہزاروں بچے پیدا ہوتے ہی قتل کر دیئے گئے مصر کے سرداروں کو خیال پیدا ہوا اگر بنی اسرائیل کے بچے یونہی قتل ہوتے رہے تو پھر ہماری خدمت کون کریگا؟۔

یہ سن کر فرعون نے حکم جاری کیا کہ ایک سال قتل جاری رہے اور دوسرے سال بند رہے جس سال یہ قتل بند تھا اس سال حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اور جس سال قتل جاری تھا اس سال حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے انہیں قتل ہونے سے بچا لیا۔

اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے فرعون کی قوم نے بنی اسرائیل کو سخت مصیبت اور مشقت میں ڈال رکھا تھا ان تمام مصیبتوں سے آخر کار اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ نجات دی۔

وَ فِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ: اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑا امتحان تھا بنی اسرائیل کیلئے یہ واقعی بہت بڑی آزمائش تھی کہ اپنے سامنے بچوں کو ذبح کرا کر وہ کس طرح اس امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں جب بنی اسرائیل اس امتحان میں کامیاب ہوئے ہمت اور حوصلہ نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس ظلم سے نجات دیدی۔

فرعون اور اسکی فوج کا سمندر میں غرق ہونا

وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰكُمْ وَ اَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ

اور جب پھاڑ دیا ہم نے لئے تمہارے دریا پھر بچالیا ہم نے تمہیں اور ڈبو دیا ہم نے والوں فرعون

وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴿۵۰﴾

اور تم دیکھ رہے تھے(۵۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب ہم نے تمہاری وجہ سے دریا کو پھاڑ دیا اور ہم نے تمہیں بچالیا اور فرعون والوں کو ڈبو دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔(۵۰)

تفسیر

فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ: تمہارے لئے دریا کو پھاڑ دیا، اس جملہ میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب بنی اسرائیل بحیرہ قلزم کو پار کرنے لگے تو سمندر میں ان کیلئے راستے بن گئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے حکم سے لاٹھی مارنے کہ وجہ سے زمین خشک ہوگئی، مؤرخین کے خیال کے مطابق یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً 1447 برس پہلے کا ہے۔

وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ: تم دیکھ رہے تھے، بنی اسرائیل کو بتایا جاتا ہے کہ تم نے اپنے اس قدر بڑے ظالم جابر دشمن کو انتہائی ذلّت اور رسوائی کی موت مرنے کا تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

بچھڑے کی پوجا

وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ

اور جب وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے چالیس رات پھر بنالیا تم نے بچھڑا سے

بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾

بعد اسکے اور تم ظالم تھے (۵۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا، پھر تم نے موسیٰ کے بعد بچھڑا معبود بنالیا اور تم ظالم تھے۔(۵۱)

تفسیر

فرعون کی غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل کو احساس ہوا کہ وہ اب آزاد ہو چکے ہیں غلامی کی زنجیریں ٹوٹ چکی ہیں؛ لہٰذا ان کے پاس اپنا قانون ہونا چاہیے جس سے وہ رہنمائی حاصل کریں اور اس کے مطابق زندگی بسر کریں، چنانچہ قوم کی خواہش پر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ ہمیں کوئی قانون عطا کیا جائے اس کے جواب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: طور پر آ کر چالیس دن کا اعتکاف کرو تو تمہیں کتاب دی جائیگی، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس حکم کو پورا کرتے ہوئے کوہِ طور پر عبادت کیلئے چلے گئے اور اپنے بھائی ہارون کو اپنی غیر حاضری میں قوم کی دیکھ بھال کیلئے مقرر کر گئے۔

ان کے جانے کے بعد بنی اسرائیل میں نافرمانی پیدا ہوگئی، وہ حضرت ہارون علیہ السلام کے منع کرنے کے باوجود بھی شرک کی طرف مائل ہوئے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مصر والوں کی بت پرستی انہیں ابھی تک نہیں بھولی تھی ان کی حالت کو دیکھتے ہوئے سامری نام کے ایک آدمی نے سونے کا ایک بچھڑا بنایا، جب ہوا چلتی تو اس بچھڑے کے منہ سے کچھ آواز نکلتی، اگرچہ وہ آواز بے معنیٰ تھی لیکن ان لوگوں کیلئے حیرت کی بات ضرور تھی، صرف چند لوگوں کے

سو اتمام اسرائیلی اس بچھڑے کی پوجا کرنے لگے۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا، لیکن وہ باز نہ آئے، گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چالیس دن کی غیر موجودگی میں بھی وہ حق پر قائم نہ رہ سکے اور خدا کو چھوڑ کر بے جان اور بے حقیقت بچھڑے کی پوجا میں لگ گئے، ان کی یہ بہت بڑی نافرمانی تھی۔

توراۃ کا لفظی معنیٰ قانون ہے اور اس سے مراد قانون شریعت ہے اپنے زمانے میں توراۃ بڑے مرتبے والی کتاب تھی، اللہ تعالیٰ نے بتادیا تھا کہ ایسی کتاب عنایت کرونگا جسکی شریعت اور قانون صدیوں تک جاری رہے گا، آسمانی کتابوں میں سب سے اعلیٰ مرتبہ قرآن مجید کا ہے اور اسکے بعد توراۃ کا۔

معافی کا اعلان

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾

پھر | معاف کیا ہم نے | تمہیں | سے | بعد | اس | تاکہ تم | شکر کرو (۵۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر ہم نے تمہیں اس پر بھی معاف کر دیا تاکہ تم احسان مانو۔(۵۲)

تفسیر

یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنے احسانات یاد دلا رہے ہیں کہ جب تمہارے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے وعدے پر تمہارے پاس سے گئے تو پیچھے سے تم نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی، پھر ان کے آنے پر تم نے اس شرک سے توبہ کی تو ہم نے تمہارے اتنے بڑے شرک کو بھی معاف کر دیا تاکہ تم شکر ادا کرو۔

کتاب اور فرقان

وَ اِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ الْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور جب | دی ہم نے | موسیٰ کو | کتاب | اور | جدا جدا کرنیوالی | تاکہ تم | سیدھی راہ پاؤ (۵۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو (حق کو ناحق) سے جدا جدا کرنے والی ہے تاکہ تم سیدھی راہ پاؤ۔(۵۳)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنے مزید احسانات یاد دلا رہا ہے وہ فرماتے ہیں کہ: تم نے ہمارے حکم کی خلاف ورزی کی اور بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا، لیکن ہم نے اپنی رحمت سے تمہیں معاف کر دیا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسی کتاب دی جو تمہارے لئے زندگی بسر کرنے کا مکمل قانون اور ہدایت نامہ تھی، اس کے ذریعے سے حق و باطل، حلال وحرام اور نیک و بد کی تمیز ہوتی تھی۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب انسان کیلئے ایک بہت بڑی نعمت ہے، ہدایت صرف اسے مل سکتی ہے اور کامیاب وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرتے ہیں اور اسکے ذریعے حق و باطل کو پہچانتے ہیں، ہم پر لازم ہے کہ ہم قرآن وسنت کی روشنی میں اپنا ہر قول وفعل درست کرلیں، حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا کریں اور نیک و بد کو برابر نہ سمجھیں، حلال وحرام کی تمیز کو ہر وقت نظروں کے سامنے رکھیں۔

شرک کی سزا

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ

اور جب | کہا | موسیٰ نے | سے قوم اپنی | اے قوم | بیشک تم نے | ظلم کیا | جانوں اپنی پر

بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ

بنایا تم نے (معبود) | بچھڑا | پس توبہ کرو | طرف | پیدا کرنیوالے اپنے کی | پس قتل کرو | لوگوں اپنے کو

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىٕكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ

یہ | بہتر | لئے تمہارے | نزدیک | پیدا کرنیوالے تمہارے کے | پس توبہ کی | پر تم | بیشک | وہ

التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۵۴﴾

معاف کرنے والا مہربان ہے (۵۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے قوم! تم نے یہ بچھڑا بنا کر اپنا نقصان کیا سو اب اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو اس طریقے سے کہ اپنے ان لوگوں کو قتل کرو جنھوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی، تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک یہ تمہارے لئے بہتر ہے، پس اس نے اپنی رحمت کیساتھ تم پر توبہ کی (یعنی: تمہاری توبہ قبول کی)، بیشک وہی معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے۔ (۵۴)

تفسیر

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم کے لوگو! تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ ایک بچھڑے کو معبود بنالیا، پس توبہ کرو اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے، اور یہ توبہ سچے دل سے ہونی چاہئے، محض زبان کی توبہ قابل قبول نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ نے توبہ کا طریق کار یہ متعین فرمایا کہ اپنی ہی ان لوگوں کو قتل کرو جنھوں نے بچھڑے کی پوجا کرکے شرک کیا اس کے بغیر توبہ قبول نہیں ہوگی، بظاہر یہ بہت بڑا امتحان ہے کہ تم خود ہی ایک دوسرے کو قتل کرو، مگر یاد رکھو! یہ بات تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک بہتر ہے۔

حضرت ہارون علیہ السلام اپنے ان بارہ ہزار ساتھیوں کو لیکر آگئے جنھوں نے بچھڑے کی پوجا نہیں کی تھی اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے، ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں، حضرت ہارون علیہ السلام ایک اونچی جگہ پر کھڑے ہوگئے اور کہا، اے بنی اسرائیل کے گروہ! یہ تمہارے بھائی ننگی تلواریں لئے تمہارے قتل کیلئے آئے ہیں؛ لہٰذا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صبر کرو اپنے قتل میں رکاوٹ مت بننا، چنانچہ حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھیوں نے تلواریں چلانا شروع کردیں ان کے اپنے ہی رشتہ دار مارے گئے اور بیشمار لوگ قتل ہوئے۔

بنی اسرائیل کی ایک اور گستاخی

وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً

اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہرگز نہیں مانیں گے ہم بات آپ کی یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں اللہ کو کھلم کھلا

فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ

پھر آ لیا تمہیں کڑک دار بجلی نے اور تم دیکھ رہے تھے (۵۵) پھر زندہ کر کے اٹھایا ہم نے تمہیں سے

بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

بعد موت تمہاری کے تاکہ تم احسان مانو (۵۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور (اے بنی اسرائیل) جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ہرگز تیری بات نہ مانیں گے یہاں تک کہ ہم اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دیکھ لیں، پھر تمہیں کڑک دار بجلی نے آلیا اور تم دیکھ رہے تھے۔(۵۵) پھر ہم نے تمہیں تمہاری موت کے بعد اٹھا کھڑا کیا تاکہ تم احسان مانو۔(۵۶)

تفسیر

وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى: اے بنی اسرائیل! اس وقت کو یاد کرو جب تم نے کہا، اے موسیٰ! ہم ہرگز آپ کی بات کو نہیں مانیں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ کتاب ہے، یہاں تک کہ ہم خود اللہ تعالیٰ کو ظاہری طور پر آنکھوں سے نہ دیکھ لیں، موسیٰ علیہ السلام نے کہا چلو تمہاری یہ شرط بھی پوری ہوگی، آپ نے ستر آدمی منتخب کئے کہ میرے ساتھ طور پر چلو، وہاں میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے براہ راست سنوادوں گا کہ یہ کتاب اسی نے نازل کی ہے، قوم کوہِ طور پر چلنے کیلئے تیار ہوگئی، آپ نے ہر قبیلے سے چھ چھ آدمی نکالے، بارہ قبیلوں کے بہتر (۷۲) آدمی جمع ہوئے، ان میں حضرت یوشع اور قالب علیہما السلام کہنے لگے کہ ہمیں آپ کی بات پر یقین ہے؛ لہٰذا ہمیں طور پر جانے کی ضرورت نہیں، چونکہ ان دو آدمیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی اس لئے اللہ تعالیٰ نے بعد میں انہیں پیغمبری عطا فرمائی

اور موسیٰ علیہ السلام باقی ستر آدمیوں کو لیکر طور پر پہنچے، اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام کیا کہ ہاں یہ کتاب میں نے ہی دی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی آواز سننے کے باوجود یہ لوگ ایمان نہ لائے۔

جب ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام آمنے سامنے سننے کے بعد توراۃ کو اللہ تعالیٰ کی کتاب نہ مانا تو انہیں بجلی نے پکڑلیا، ان کی سرکشی کی یہ سزا دی گئی کہ یک دم بجلی چمکی اور سب کو فنا کرگئی، بنی اسرائیل کو یاد دلایا گیا کہ یہ سارا واقعہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوا۔

جب ستر کے ستر آدمی ہلاک ہوگئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پریشانی ہوئی، جیسا کہ سورۃ اعراف میں آتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے نہایت عاجزی کیساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی، مولا کریم! اگر آپ چاہتے تو مجھے بھی ہلاک کردیتے، بیوقوف ہیں ان کی وجہ سے میری ذات پر حرف آئے گا، اگر میں واپس اکیلا قوم میں جاؤں گا تو وہ کہیں گے کہ ہمارے آدمی لیجاکر مروادیئے، اے اللہ! آپ مہربانی فرمائیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو قبول کیا اور فرمایا: پھر ہم نے تمہاری موت کے بعد تمہیں زندہ کرکے اٹھایا۔

الغرض! ان ستر آدمیوں کو اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد دوبارہ زندگی دی، اللہ تعالیٰ نے موسی علیہ السلام کی دعا کو قبول کیا ان لوگوں نے دوبارہ زندہ ہوکر اقرار کیا کہ ہم ہی غلطی پر تھے ہمیں ایسی گستاخی نہیں کرنی چاہئے تھی کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا مطالبہ کرتے، اس کے بعد انہوں نے قوم میں آکر گواہی دی، بیشک ہم نے خدا تعالیٰ کا کلام سنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: میں نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا کی ہے اے بنی اسرائیل! اس پر عمل پیرا ہوجاؤ۔

جب بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کو اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں تو ان کی اس گستاخی کی وجہ سے ان پر بجلی گری اور وہ سب مرگئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو عرض کیا اے پروردگار! میں ان لوگوں کو بنی اسرائیل کے سامنے گواہی دینے کیلئے لایا تھا اب یہ مرگئے میں قوم کو کیا جواب دونگا اور ان کے سامنے کیا دلیل پیش کرونگا، اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندہ کردیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ: تم میرے اس احسان کو یاد کرو کہ میں نے تمہیں موت کے بعد دوبارہ زندگی بخشی اور اسکا شکر ادا کرو شکر ادا کرنے کی صرف یہی صورت ہے کہ بے دینی اور گمراہی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرو۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں گستاخی اور ذات پاک سے بے جا مطالبہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور اسکی سخت سزا ہے ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے کھلم کھلا دیکھنے کی آرزو کی جو اس دنیا میں انسانوں کے بس کی بات نہیں تھی، پھر اس گستاخی کی ان کو سزا ملی۔

منّ وسلوٰی

وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ؕ

اور سایہ کیا ہم نے — پر تم — بادل کا — اور — اتارا ہم نے — پر تم — من — اور — سلوٰی

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا

کھاؤ — سے — پاکیزہ چیزیں — جو — دیں ہم نے تمہیں — اور — نہ — نقصان کیا ہمارا — اور — لیکن — تھے وہ

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

جانوں اپنی کا — نقصان کرتے (۵۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور تم پر اتارا من وسلوٰی کھاؤ پاک چیزیں جو ہم نے تمہیں دیں اور انہوں نے ہمارا کچھ نقصان نہ کیا، بلکہ اپنا ہی نقصان کیا۔ (۵۷)

لفظی تحقیق: مَنّ: یہ ایک میٹھی چیز تھی جو بنی اسرائیل کو جزیرہ نما سینا میں بھٹکتے پھرنے کے دوران مل جاتی تھی۔

سَلْوٰی: بٹیر سے ملتا جلتا ایک پرندہ ہے جو جزیرہ نمائے سیناء میں ہوتا ہے۔

تفسیر

مفسرین کرام نے اس آیت کی تشریح میں کہا ہے کہ بنی اسرائیل مصر سے نکلنے کے بعد چالیس سال تک جزیرہ نمائے سینا کے سنسان صحرا میں پریشان پھرتے رہے، یہ جزیرہ نمائے سینا ایک کھلا میدان تھا، نہ اس میں کوئی عمارت تھی، نہ درخت جس کے نیچے دھوپ سے بچا جا سکے، سایہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ دھوپ سے گھبرا اٹھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اس سے نجات کا کوئی وسیلہ تلاش کیا جائے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور وہ قبول ہوگئی اور ان کے سر پر سارا دن ایک بادل سایہ کرنے کیلئے رہنے لگا خوراک کیلئے اللہ تعالیٰ نے ان پر نہایت شفقت سے من وسلوٰی اتارنا شروع کیا، انہیں یہ حکم بھی دیا گیا تھا کہ وہ ان آسمانی نعمتوں کا ذخیرہ نہ کریں، ہر روز ضرورت کے مطابق لیا کریں، البتہ جمعہ کے روز دو دن کی خوراک لے لیا کریں ان لوگوں نے اس حکم کی نافرمانی کی اور خوراک جمع کرنا شروع کر دیا، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ نعمتیں آنا بند ہوگئیں اس طرح انہوں نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا۔

مَن ترنجبین کے قسم کے دانے تھے جیسے: دھنیا کے دانے ہوتے ہیں یہ بہت میٹھی چیز تھی جو رات کو بنی اسرائیل کے خیموں یا دوسری رہائش گاہوں کے ارگرد برس جاتی تھی۔

سلوٰی بٹیر کی قسم کا جانور تھا ہر ہفتے ان جانوروں کے غول کے غول دریائے شور کی طرف اڑ کر آتے تھے اور بنی اسرائیل کے خیموں کے قریب آ کر بیٹھ جاتے تھے جنہیں آسانی سے وہ پکڑ لیتے تھے، انہیں پکڑنے کیلئے دوسرے شکار کی طرح ان میں محنت نہیں کرنی پڑتی تھی، بلکہ جونہی رات کا اندھیرا ہوتا تھا بنی اسرائیل ان کو آسانی کیساتھ اپنی اپنی ضرورت کے مطابق پکڑ لیتے تھے، پھر ان کو ذبح کر کے ان کا گوشت پکاتے تھے اور کباب بناتے تھے اللہ تعالیٰ نے نہایت اعلیٰ درجے کی خوراک عطا کی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر بڑے انعام کئے، ان کی نافرنی کی وجہ سے طرح طرح کی آزمائشیں بھی آتی تھیں اس کے باوجود یہ لوگ سرکشی میں مبتلا ہوئے، جہاد کا انکار کیا، پیغمبروں کو جھٹلایا، ان کو ستایا، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ

نے ان کی خوراک کا بہترین انتظام فرمایا، پانی کی ضرورت پیش آئی تو جیسا کہ آ ئیگا وہ بھی مہیا فرمایا۔

بنی اسرائیل کی شہری زندگی

وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا

اورجب کہاہم نے داخل ہوجاؤ اس شہرمیں پھرکھاؤ سے اس جہاں چاہوتم فراغت سے

وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ

اور داخل ہوجاؤ دروازہ سے جھکتے ہوئے اور کہو بخش دے ہم معاف کردینگے تمہیں قصور تمہارے

وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

اور عنقریب زیادہ دینگے نیکی کرنے والوں کو(۵۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور جب ہم نے کہا اس شہر میں داخل ہو، پھر کھاؤ اس میں جہاں چاہو فراغت سے اور دروازے سے داخل جھکتے ہوئے اور کہتے جاؤ بخش دے، ہم تمہارے قصور معاف کردیں گے اور عنقریب نیکی کرنے والوں کو زیادہ دیں گے۔(۵۸)

لفظی تحقیق: اَلْقَرْيَةَ: شہر۔ تاریخ دان کہتے ہیں کہ یہ بستی فلسطین کا مشہور شہر اریحا تھی، اسے اسرائیلیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں فتح کیا۔ حِطَّةٌ: ہمارا سوال بخشش کا ہے۔ یہ ایک جملہ کا اختصار ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ اے ہمارے رب ہماری خطاؤں کو معاف فرما، بنی اسرائیل کو حکم ہوا تھا کہ وہ اس جملہ کو اپنی زبانوں سے ادا کرتے ہوئے شہر میں داخل ہوں۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریائے اُردن کے کنارہ تک پہنچا کر کنعان کی تمام زمین دکھائی اور بتایا کہ بنی اسرائیل کو میں یہ ملک دیتا ہوں اور عنقریب تم اس شہر اریحا کو فتح کروگے جب تم اس میں داخل ہو تو اللہ تعالیٰ کی

نعمتیں اور طرح طرح کے میوے تمہیں کھانے کو ملیں گے؛ اس لئے ان کا شکریوں ادا کرنا کہ شہر کے دروازوں سے داخل ہوتے وقت گھمنڈ اور غرور نہ کرنا، بلکہ جھکتے ہوئے نہایت عاجزی کیساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے داخل ہونا، ہم تمہارے گناہ معاف کردینگے اور نیک بندوں کو اس کے بدلہ میں اور زیادہ انعام عطا کرینگے، بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا نہ کیا، بلکہ نافرمانی شروع کردی۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: بنی اسرائیل کو من وسلوٰی کھاتے ہوئے کئی سال گزر گئے تو انہوں نے بعض دوسری چیزوں کا مطالبہ شروع کردیا، جسکا ذکر اگلے رکوع میں آیگا کہ ہم ایک ہی طرح کا کھانا کھا کر تنگ آ گئے ہیں، من وسلوٰی کے بجائے سبزیاں اور دال وغیرہ کھانے کو جی چاہتا ہے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم ایسا ہی چاہتے ہو تو اس بستی میں چلے جاؤ وہاں پر یہ چیزیں تمہیں میسّر آجائیں گی۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تبدیلی کی سزا

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى

پھر بدل ڈالا ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا بات خلاف وہ جو کہی گئی سے ان پھر ہم نے اتارا پر

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٥٩﴾ ع ۱۳ ٦

ان لوگوں جنہوں نے ظلم کیا عذاب سے آسمان بدلے اسکے جو تھے وہ نافرمانی کرتے (۵۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر ظالموں نے اس بات کو اس کے خلاف بدل ڈالا جو ان سے کہی گئی تھی پھر ہم نے ظالموں پر آسمان سے عذاب اتارا انکی نافرمانی کی وجہ سے۔ (۵۹)

تفسیر

جب حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل نے اریحا شہر فتح کیا تو یہ لوگ شکر ادا کرنے کے بجائے بدکار بن گئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو بدل کر طرح طرح کی ہنسی مذاق کی باتیں کرنے لگے، چنانچہ حِطَّةٌ، یعنی:

استغفار، کے بجائے وہ "حِنْطَةٌ فِیْ شَعْرَةٍ"، یعنی: گندم کے اندر جَو ملا کر دے، کہتے ہوئے داخل ہوئے اور جھکنے کے بجائے بچوں کی طرح سرین کے بَل گھسٹتے ہوئے دروازے میں جا گھسے۔

اس نافرمانی کی سزا میں ان پر عذاب نازل ہوا طاعون کی بیماری پھوٹ پڑی اور نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً ستر ہزار اسرائیلی اللہ تعالیٰ کے اس عذاب کا شکار ہوئے۔

اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنے یہ تمام احسانات اس لئے یاد دلا رہا ہے کہ وہ انہیں یاد کریں اور شکر گزار ہو کر سیدھے راستے پر آجائیں۔

ہمیں اس آیت سے یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام کے لئے شکر گزار ہونا چاہئے اکڑ اور غرور سے قومیں ہلاک ہوجایا کرتی ہیں۔

بارہ چشمے

وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ

اور جب | پانی مانگا | موسیٰ نے | لئے قوم اپنی کے | پس کہا ہم نے | مار | لاٹھی اپنی | پتھر پر

فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ

پس بہہ نکلے | سے اس | بارہ | چشمے | تحقیق | پہچان لی | ہر | قوم نے

مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِی

پینے کی جگہ اپنی | کھاؤ | اور | پیو | سے | رزق | اللہ کے | اور نہ | پھرو | میں

الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾

زمین | فساد مچاتے (۶۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کیلئے پانی مانگا تو ہم نے کہا اپنی لاٹھی پتھر پر ماریں، سو اس سے بارہ چشمے بہہ نکلے، ہر قوم نے اپنا اپنا گھاٹ پہچان لیا (کہا ہم نے) کھاؤ اور پیو اللہ تعالیٰ کے رزق سے اور

ملک میں فساد نہ مچاتے پھرو۔(۶۰)

تفسیر

بنی اسرائیل جزیرہ نمائے سینا میں پریشان پھرتے پھرتے ایسی جگہ پہنچے جہاں پانی موجود نہ تھا کافی تلاش کے بعد بھی جب پانی نہ ملا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بگڑ گئے، آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو حکم ہوا کہ پتھر پر اپنی لاٹھی ماریئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا تو پتھر سے پانی کے بارہ چشمے پھوٹ پڑے، بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے ہر ایک نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر کے پانی حاصل کر لیا۔

یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ ان لوگوں کو صحراء میں پانی مہیا کیا اور کہا کہ مزے سے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور پانی پیو اور زمین پر فتنہ وفساد نہ پھیلاؤ۔

اس قصہ سے یہ چند باتیں واضح ہوتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسی حالت میں جبکہ بظاہر کوئی سبب اور سہارا نظر نہ آتا ہو اپنی رحمت سے اور طاقت سے کھانا پینا مہیا فرما دیتا ہے انسان کا فرض ہے کہ وہ اسی سے مانگے اور اسکی رحمت سے کبھی ناامید نہ ہو، اللہ تعالیٰ بڑا رحمت اور شفقت کرنے والے ہیں اگر انسان اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کرے تو اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور جو عذاب نازل ہوتا ہے تو وہ خود انسان کے اپنے غلط عملوں کے سبب ہوتا ہے۔

پانی کے بارہ چشمے پھوٹنے کی حکمت یہ تھی کہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے، ان کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ تھی ان کے آپس کے جھگڑے سے بچانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہر قبیلے کے لئے علیحدہ علیحدہ چشمہ مقرر کر دیا، چشموں کا تعین ہر قبیلے کی تعداد کے لحاظ سے کیا گیا تھا، بڑے قبیلے کیلئے بڑا چشمہ مقرر ہوا اور چھوٹے قبیلے کیلئے چھوٹا چشمہ، اس طرح گویا پانی تقسیم کر دیا گیا کہ ہر ایک نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر قبیلے میں ایک ایک چشمہ تقسیم کر دیا، ہر قبیلے نے اپنی ضرورت کے مطابق نالیاں کھود لیں اور پانی کو دور تک لے گئے۔

بنی اسرائیل کی بے صبری

وَ اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا
اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہرگز نہ صبر کرینگے ہم پر کھانا ایک پس مانگ لئے ہمارے

رَبَّکَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا وَ
رب اپنے سے نکال دے لئے ہمارے جو اگتا ہے زمین سے ترکاری اسکی اور ککڑی اُسکی اور

فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی
گیہوں اسکے اور مسور اسکی اور پیاز اسکا کہا کیا تم بدلنا چاہتے ہو وہ جو ہے ادنیٰ

بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَکُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ
بدلے اسکے وہ جو بہتر ہے اترو شہر پس بیشک لئے تمہارے وہ ہے جو مانگتے ہو تم

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب تم نے موسیٰ سے کہا ہم ہرگز صبر نہ کریں گے ایک ہی قسم کے کھانے پر، سو! اپنے رب سے مانگ کہ ہمارے واسطے نکال دے جو زمین سے اگتا ہے ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز، موسیٰ نے کہا: کیا تم وہ چیز لینا چاہتے ہو جو ادنیٰ ہے اس کے بدلے میں جو بہتر ہے؟ کسی شہر میں اترو تو تم کو ضرور ملے گا جو تم مانگتے ہو۔

لفظی تحقیق: **مِصْرًا:** شہر۔ یہاں اس سے مراد جزیرہ نمائے سینا کا یا اس کے گردونواح کا شہر ہے، مصر کے لفظی معنیٰ ایسا شہر ہیں جس کی حد بندی ہو چکی ہو، بہر حال موجودہ ملک مصر اس سے مراد نہیں۔

تفسیر

یہ واقعہ بھی جزیرہ نمائے سینا کے بیابان میں پیش آیا، بنی اسرائیل بڑی مدت تک بڑے مزے سے آسمانی غذائیں من اور سلویٰ کھاتے رہے لیکن اس سے اکتا گئے، حالانکہ یہ غذائیں مفت میں انہیں مل رہی تھیں

انہوں نے اپنے پیغمبر سے فرمائش کی کہ اس بیابان سے نکال کر کسی دوسری جگہ لے چلئے جہاں ہر قسم کے شہری اور دیہاتی کھانے، سبزیاں اور ترکاریاں موجود ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے تو انہیں سمجھایا کہ تمہاری فرمائش ٹھیک نہیں ہے آسمانی غذا جو تمہیں بے مشقت مل جاتی ہے وہ ان چیزوں سے کہیں بہتر ہے جس کیلئے محنت کرنی پڑتی ہے، لیکن جب بنی اسرائیل اپنی بات پر اڑے رہے تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ چلو کسی بھی شہر میں جا بسو، وہاں تمہیں تمہاری پسند کے کھانے میسر آجائیں گے۔

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا غضب

وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۚ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ

اور ڈالی گئی پر ان ذلّت اور محتاجی اور لپیٹ میں آگئے ساتھ غصہ کے سے اللہ

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ان پر ذلّت اور محتاجی ڈال دی گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کی لپیٹ میں آگئے۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر طرح طرح کی نعمتیں اور احسان کئے، لیکن انہوں نے اسکا شکر ادا نہ کیا اللہ تعالیٰ کے قانون کی نافرمانی کرتے رہے انہیں منّ وسلویٰ دیا گیا، لیکن انہوں نے اس نعمت پر صبر نہ کیا، بلکہ ادنیٰ قسم کی سبزیاں اور ترکاریاں مانگنے لگے۔

اس ناشکری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غصہ ان پر ظاہر ہوا ایک تو ذلّت ڈال دی گئی، چنانچہ یہ قوم ہمیشہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے ماتحت رہی، مئی ۱۹۴۹ء میں ریاست اسرائیل کے نام سے ان کی حکومت قائم ہوئی مگر اسکا قیام بھی مغربی حکومتوں کے سہارے ہوا اور آج ان کی بقا بھی مغربی ممالک کے سہارے ہے۔

ذلّت کے علاوہ غربت اور محتاجی ان پر ڈال دی گئی ان میں صرف چند لوگ ایسے ہیں جو خوشحال ہیں ورنہ کثیر تعداد مفلس لوگوں کی ہے، وطن، دولت والے بھی کنجوسی اور مال کی محبت کے مرض میں مبتلا ہیں، کیونکہ سب

چیزوں سے بڑھ کر انہیں دولت کی ہوس اور لالچ ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہئے تا کہ وہ نعمت باقی رہے کیونکہ جب تک کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے نعمتوں کا شکر ادا کرتی رہتی ہے اللہ تعالیٰ بھی وہ نعمتیں دیتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ

یہ اس لئے کہ وہ تھے وہ انکار کرتے آیتوں اللہ کی کا اور قتل کرتے تھے پیغمبروں کو

ع ۲

بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾

ناحق یہ اس لئے وہ نافرمان تھے اور تھے وہ وہ حد سے بڑھے ہوئے (۶۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے یہ اس لئے کہ وہ نافرمان تھے اور وہ حد سے بڑھے ہوئے تھے۔(۶۱)

تفسیر

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: بنی اسرائیل دو جرموں کے عادی ہو چکے تھے: ایک یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر خوشی خوشی عمل نہیں کرتے تھے، بلکہ خوامخواہ اعتراض کرتے تھے، دوسرا جرم یہ تھا کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کو قتل کیا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت سے پیغمبر بھیجے، لیکن انہوں نے کسی کی نہ سنی، بلکہ ان کے دشمن بن گئے بعض پر جھوٹے الزام لگائے اور بعض کو قتل تک کرایا۔

اس آیت میں ان جرائم کی وجہ بھی بیان کردی گئی ہے کہ وہ اللہ اور اسکے پیغمبر کے حکموں کی نافرمانی کرتے تھے اور اسکی مقرر کی ہوئی حدوں سے باہر نکل جانے کے عادی ہو چکے تھے، اسکا نتیجہ یہی ہونا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی طرف سے منہ موڑیں اور پیغمبروں کو قتل کردیں اور اپنے برے عملوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوں۔

ایمان اور نیک عملوں کا اجر

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰى وَ الصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ
بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے اور عیسائی اور صابی جو

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ
ایمان لایا پراللہ اور دن قیامت اور عمل کئے نیک پس لئے انکے ثواب انکا پاس ہے

رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾
رب انکے اور نہ خوف پران اور نہ وہ غمگین ہونگے (۶۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بیشک جولوگ ایمان لائے اور جولوگ یہودی ہوئے اور عیسائی اور صابی، جو ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر اور کام کئے نیک تو ان کے لئے بدلہ ہے ان کے رب کے پاس اور ان پر کچھ خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔(۶۲)

لفظی تحقیق: الصّٰبِـِٕيْنَ: صابئین۔صابی کے لفظی معنٰی ہیں اپنے دین سے منہ موڑ کر کسی اور دین کی طرف مائل ہوجانے والا، صابی عرب کا ایک فرقہ تھا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے، فرشتوں کی پرستش کرتے، زبور پڑھتے اور عبادت میں کعبہ کی طرف منہ کرتے تھے، عرب انہیں صابی (بے دین) کہتے ہیں، اسی وجہ سے عرب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی صابی کہتے تھے، کیونکہ انہوں نے بھی پرانا دین چھوڑ کر نیا دین اختیار کیا تھا۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نام، خاندان اور نسل کی بڑائی کی غلط فہمی کو دور کیا ہے اور یہ اعلان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نام اور لقب کوئی چیز نہیں اور نہ اس کے ہاں کسی مخصوص نسل یا قوم کی خاندانی عزت اور بڑائی قابل اعتبار ہے، لوگ خواہ کسی نسل یا قوم سے تعلق رکھتے ہوں اور خواہ ان کا لقب کچھ بھی ہو ان کی نجات کی دو باتیں

ضروری ہیں: ایک یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کو دل سے مانیں اور دوسرے یہ کہ نیک کام کریں۔

اللہ تعالیٰ کو مانیں گے تو اس کے حکموں کو بھی مانیں گے اللہ تعالیٰ کے حکم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے معلوم ہوئے اس لئے پیغمبر کا ماننا اسمیں شامل ہے، آخرت کو مانیں گے تو عذاب وثواب کو مانیں گے، مختصر یہ کہ نجات کیلئے اللہ تعالیٰ کا ماننا اور اسکی اطاعت کرنا ضروری ہے جو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری کے اقرار کے بغیر ممکن نہیں۔

مؤمنین اور یہودیوں کے تذکرہ کے بعد تیسرے گروہ کے متعلق فرمایا: عیسائی جو اپنے آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں، لفظ نصاریٰ نصرانی کی جمع اور نصرت کے معنیٰ مدد کرنے کے ہوتے ہیں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: یہ لوگ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اذیت پہنچاتے تو آپ لوگوں کو مخاطب کرکے فرماتے: "مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰهِ" اللہ تعالیٰ کے راستے میں کون میرا مددگار ثابت ہوگا، "قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ" تو حواریوں نے کہا ہم اللہ تعالیٰ کے راستے میں مدد کیلئے تیار ہیں، چنانچہ اسی لفظ سے ان کو نصاریٰ کا نام دیا گیا، یعنی: نصرت کرنے والے، مدد کرنے والے، بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: جس بستی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام رہتے تھے اس بستی کا نام ناصرہ تھا، چنانچہ اس بستی کی نسبت سے اس گروہ کو نصرانی کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے بالکل اسی طرح جس طرح مدینہ کی نسبت کرکے مدنی کہا جاتا ہے یا کسی کو مکی یا شامی وغیرہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

ان چار گروہوں، یعنی: ایمان والوں، یہودیوں، عیسائیوں اور صابیوں کا ذکر فرمایا تو ان چاروں گروہوں میں سے جو شخص بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا، یعنی: کوئی شخص کسی بھی گروہ سے تعلق رکھتا ہو، کتنا بڑا کافر اور مجرم ہو، بدترین قسم کا ظالم ہو اگر اس نے سچے دل سے توبہ کرلی اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا تو اسکی توبہ قبول ہوجائیگی اور وہ نجات حاصل کرلے گا۔

طور پہاڑ کو اُن کے سروں پر اٹھانا

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ

اور جب کیا ہم نے اقرار تم سے اور بلند کیا ہم نے اوپر تمہارے طور پکڑو جو

اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴿۶۳﴾

دیا ہم نے تمہیں سے مضبوطی اور یاد رکھو جو میں اس تا کہ تم ڈرو (۶۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب ہم نے تم سے اقرار لیا اور تمہارے اوپر طور پہاڑ کو اٹھایا (اور ہم نے تم سے کہا) مضبوطی کیساتھ پکڑو اس کتاب کو جو ہم نے تمہیں دی ہے اور اس میں جو کچھ ہے اسے یاد رکھو، تا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ (۶۳)

تفسیر

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بار بار کہا کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی کتاب لا دو جس میں اسکے حکم موجود ہوں کہ ہم اسکے مطابق زندگی بسر کر سکیں، یہ لوگ وعدے کرتے تھے کہ دین کی پوری پوری پیروی کریں گے؛ لیکن جب انہیں "تورات" دی گئی تو اس کی مخالفت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ "تورات" کے حکم تو بڑے بھاری اور مشکل ہیں ہم سے ان پر عمل نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں اس نافرمانی اور بغاوت سے روکنے کیلئے طور پہاڑ کو حکم دیا جو ان سب کے سروں پر بلند ہو گیا یہ دیکھ کر بنی اسرائیل ڈر کے مارے کانپنے لگے اور ان میں مخالفت کی جرأت باقی نہ رہی، اب توراۃ کے حکموں کو مجبوراً قبول کیا۔

بنی اسرائیل سے اس مقام پر وعدہ لیا گیا تھا کہ وہ توراۃ کے ماننے میں بہانے بازی سے کام نہیں لیں گے، انہیں کہا گیا کہ اس آسمانی کتاب کے احکام اور مضامین کو زندگی بسر کرنے کا قانون بناؤ، ان پر پابندی سے عمل کرو

تا کہ تم میں تقویٰ (اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف) پیدا ہو۔

وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ: اور ہم نے تمہارے اوپر طور کو بلند کیا جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہے، مطلب واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ کو اٹھا کر ان کے سروں پر بادلوں کی طرح کھڑا کر دیا تھا یہ اتنی خوفناک صورتحال تھی کہ پہاڑ کسی وقت بھی ان پر گر کر ان کو چکنا چور کر سکتا تھا ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے پوچھا کہ تم "تورات" کے احکام پر عمل کرو گے یا نہیں؟ تو انہوں نے عہد کیا کہ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اسکے حکموں پر عمل کرینگے۔

اللہ تعالیٰ کے حکموں سے منہ موڑنے کی سزا

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ

پھر منہ پھیر لیا تم نے سے بعد اس پس اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا پر تم اور

رَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾

رحمت اسکی تو ہوتے تم سے تباہ ہونیوالے (۶۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر تم نے اسکے بعد منہ موڑ لیا، پس اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو تم ضرور تباہ ہوتے۔ (۶۴)

تفسیر

"تورات" مل جانے کے بعد انہوں نے اپنا عہد توڑ دیا اور سرکشی کرنے لگے، اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ خطا اور شرارت بھی معاف فرمادی، اگر اسکا فضل اور اسکی رحمت شامل نہ ہوتی تو بنی اسرائیل اسی وقت دنیا میں تباہ و برباد ہو جاتے، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے حضرت سموئیل علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور دوسرے پیغمبر بھیج کر بنی اسرائیل کو نصیحت کی اور ہدایت کی راہ بتائی، ان پیغمبروں نے انہیں سیدھے راستے پر لانے کی ہر ممکن کوشش کی، یہ خدا کا فضل تھا ورنہ بنی اسرائیل تو اپنی تباہی کا سامان کر ہی چکے تھے۔

انسان کے بچاؤ اور زندگی کا سب سے بڑا سہارا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی ہے اگر وہ اپنا فضل و کرم نہ فرمائے تو انسان کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔

شکلیں بدل جانا

وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ

اور البتہ تحقیق جانا تم نے جنہوں نے زیادتی کی تھی میں سے تم میں دن ہفتہ کے تو کہا ہم نے سے ان

كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَ

ہو جاؤ بندر ذلیل (٦٥) پھر کیا ہم نے اسے عبرت لئے انکے جو وہاں تھے اور

مَا خَلْفَهَا وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾

جو پیچھے آنیوالے تھے اور نصیحت واسطے ڈرنے والوں کے (٦٦)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور تم ان لوگوں کو خوب جان چکے ہو جنہوں نے تم میں سے ہفتہ کے دن زیادتی کی تھی تو ہم نے ان سے کہا ذلیل بندر ہو جاؤ۔ (٦٥) پھر ہم نے اس واقعہ کو ان لوگوں کیلئے عبرت کیا جو وہاں تھے اور جو پیچھے آنے والے تھے اور ڈرنے والوں کیلئے نصیحت بنایا۔ (٦٦)

لفظی تحقیق: اَلسَّبْتِ: ہفتہ کا دن۔ "سَبْت" کے لفظی معنٰی ہیں ہفتہ کا دن، جس طرح عیسائیوں کے ہاں اتوار اور مسلمانوں کے ہاں جمعہ مقدس دن ہے اسی طرح یہودیوں کے ہاں ہفتہ ایک مقدس دن شمار ہوتا تھا یہ دن ان کے ہاں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے مخصوص تھا اور اس روز دنیا کے کام مثلاً: تجارت، زراعت، یا شکار وغیرہ منع تھے۔

تفسیر

روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں یہودیوں کی ایک بہت بڑی تعداد اَیلہ (فلسطین

کے جنوب) کے مقام پر آباد تھی، یہ واقعہ اسی آبادی کا ہے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی بڑی چالبازی سے کرتے تھے انہیں حکم تھا کہ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار ہرگز نہ کیا کریں، اللہ تعالیٰ کو ان کی آزمائش بھی کرنی تھی، عام طور پر ہفتہ کے دن بڑی کثرت سے مچھلیاں پانی کے اوپر آتی تھیں۔

یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی ظاہری صورت برقرار رکھتے ہوئے حیلہ سازی سے ایک تدبیر نکالی، وہ ہفتہ کے دن دریا کے قریب تالاب بنالیتے، مچھلی بڑی مقدار میں پانی کیساتھ ان تالابوں میں پہنچ جاتی، اس کے بعد یہ لوگ دریا کی طرف والا راستہ بند کردیتے اور اگلے روز ان تالابوں سے مچھلی نکال لیتے، اس مسلسل نافرمانی پر اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ سزا دی کہ وہ انسان سے بندر بنادیئے گئے اور ان کی صورتیں مسخ کردی گئیں۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف آزمائش کیلئے آتی ہیں، یعنی: ان سے صاف طور پر یہ واضح کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے سختی اور آزمائش دونوں حالتوں میں اس کے فرمانبردار بنے رہتے ہیں جو بندہ آزمائش میں پورا اترے، اس کیلئے آسانیاں ہی آسانیاں ہیں لیکن بے صبروں کیلئے سزا بہت سخت ہے۔

اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد قرآن مجید نے اس آیت میں بھی اعلان کردیا کہ اسے اس وقت کے لوگوں کیلئے اور بعد کے آنے والے لوگوں کیلئے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کا ذریعہ بنادیا۔

اس آیت کے سمجھ لینے کے بعد ذرا بھی شبہ نہیں رہتا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی یقیناً بڑے عذاب کا سبب بنتی ہے ہمیں ہمیشہ اس چیز کو سامنے رکھنا چاہئے، صورت کا بگڑ جانا، انسان کا بندر بن جانا معمولی بات نہیں، انسان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور غصہ سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

اس آیت سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ دنیا کے پچھلے واقعات سے انسان کس قدر نصیحت حاصل کرسکتا ہے حقیقت میں اس مقدس کتاب، یعنی: قرآن مجید نے نہایت وضاحت سے یہ بات بتادی ہے کہ تاریخ کا فائدہ انسان کیلئے کیا ہے اور یہ کہ ہر واقعہ تاریخ بننے کے قابل نہیں، صرف وہی واقعات تاریخ کہلانے کے مستحق ہیں جن سے انسان کوئی اچھا سبق حاصل کرسکے۔

احکام ومسائل

جس قوم کی شکلیں بدل دی گئیں اسکی نسل نہیں چلتی

جس نافرمان قوم کی شکلیں بدل کر انہیں بندر اور خنزیر بنا دیا گیا وہ تین دن زندہ رہ کر مر گئے اور آگے ان کی کوئی نسل نہیں چلی، اس معاملہ میں صحیح بات وہ ہے جو خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ "صحیح مسلم" میں نقل کی ہے کہ بعض لوگوں نے اپنے زمانے کے بندروں اور خنزیروں کے بارے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا یہ ان یہودیوں کی نسل ہے جن کی شکلیں بدل کر بندر اور خنزیر بنا دیا گیا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے جن قوموں پر شکلیں بدلنے کا عذاب نازل کیا ان کی نسل نہیں چلی، بلکہ تین دن زندہ رہ کر ہلاک ہو گئے اور پھر فرمایا کہ: بندر اور خنزیر دنیا میں پہلے سے بھی موجود تھے اور آج بھی ہیں، مگر ان نافرمان یہودیوں سے ان بندروں اور خنزیروں کا کوئی جوڑ نہیں۔

گائے ذبح کرنے کا حکم

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا

اور جب کہا موسیٰ نے سے قوم اپنی بیشک اللہ حکم دیتا ہے تمہیں کہ تم ذبح کرو

بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ

گائے وہ کہنے لگے کیا تو کرتا ہے ہم سے مذاق (موسیٰ نے) کہا پناہ اللہ کی کہ ہوں میں

مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾

سے جاہلوں میں (٦٧)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے تو وہ کہنے لگے کیا تم ہم سے مذاق کرتے ہو؟ وہ (موسیٰؑ) بولے خدا کی پناہ کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔ (٦٧)

تفسیر

اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا: کیا تم ہم سے مذاق کرتے ہو، بنی اسرائیل کے نزدیک گائے بہت مقدس تھی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کا حکم سنایا کہ گائے ذبح کرو تو حیران ہو کر رہ گئے، انہیں یقین نہ آیا کہ ایسے مقدس جانور کے ذبح کرنے کا حکم ملا ہوگا، وہ یہی سمجھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مذاق کر رہے ہیں۔

صدیوں مصر میں رہنے کی وجہ سے ہی اسرائیل گائے کو بہت مقدس سمجھنے لگے تھے اس لئے انہیں گمان ہوا کہ شاید ان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مذاق کر رہے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے اس گمان کو دور کر دیا اور سمجھایا کہ پیغمبر دین کی باتوں میں یا اللہ تعالیٰ کے حکموں میں ہنسی مذاق کبھی نہیں کرتے، ہنسی مذاق تو جاہلوں کا کام ہوتا ہے سمجھدار انسان ایسی حرکتیں نہیں کرتے جو وقار اور عزت کے خلاف ہوں اور جن سے دین کی توہین ہوتی ہو۔

بنی اسرائیل میں ایک شخص قتل ہو گیا تھا لیکن قاتل کا سراغ نہ ملتا تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ: بنی اسرائیل کو حکم دیں کہ وہ ایک گائے ذبح کریں اور اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر ماردیں اس سے وہ مقتول زندہ ہو جائیگا اور قتل کرنے والے شخص کا نام بتادے گا۔

اللہ تعالیٰ کے حکم میں بہانہ بازی

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا

بولے پوچھو لئے ہمارے رب اپنے سے بتائے لئے ہمارے کیسی ہو وہ کہا بیشک وہ (اللہ) فرماتا ہے کہ وہ

بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّ لَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا

گائے نہ بوڑھی ہو اور نہ نہ بچھیا درمیان دونوں کے پس کر ڈالو جو

تُؤْمَرُوْنَ ۝۶۸ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ

حکم ملا تمہیں (۶۸) بولے پوچھیں لئے ہمارے رب اپنے سے بتادے لئے ہمارے کیسا ہو رنگ اُسکا کہا

اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾

بیشک وہ (اللہ) فرماتا ہے کہ وہ گائے زرد گہرا رنگ اُسکا اچھی لگتی ہے دیکھنے والے کو (۶۹)

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ

بولے پوچھیں لئے ہمارے رب اپنے سے بتادے لئے ہمارے کیسی ہو وہ بیشک یہ گائے مشتبہ ہوگئی پر ہم

وَ اِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ

اور ہم اگر چاہے اللہ تو راہ ضرور پالینگے ہم (۷۰) کہا بیشک وہ (اللہ) فرماتا ہے کہ وہ گائے

لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَ لَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا

نہ محنت کرنیوالی ہل چلاتی ہو زمین اور نہ سیراب کرتی ہو کھیتی بے عیب نہیں

شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَ مَا

داغ میں اس بولے اب تولایا ٹھیک بات پھر ذبح کیا اُسکو اور نہ

كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع ۸ ۱۰ ۸

لگتے تھے کہ وہ ایسا کرلیں گے (۷۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (موسیٰ کی قوم کے لوگ) بولے ہمارے لئے اپنے رب سے پوچھیں کہ ہمیں بتادے کہ وہ گائے کیسی ہو؟ (موسیٰ نے) کہا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: وہ گائے نہ بوڑھی اور نہ بچھیا، ان دونوں کے درمیان ہو، پس جو تمہیں حکم ملا ہے کر ڈالو۔ (۶۸) بولے اپنے رب سے ہمارے لئے پوچھیں وہ ہمیں بتادے کہ اس گائے کا رنگ کیسا ہے؟ (موسیٰ نے) کہا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: وہ گائے زرد رنگ کی ہو اور اسکی رنگت خوب گہری ہو، دیکھنے والوں کو اچھی لگتی ہو۔ (۶۹) (موسیٰ کی قوم کے لوگ) بولے ہمارے لئے اپنے رب سے پوچھیں کہ وہ بتادے کہ وہ گائے کس قسم کی ہو؟ کیونکہ اس گائے کا معاملہ ہم پر مشتبہ ہوگیا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم ضرور راہ پالیں گے۔ (۷۰) (موسیٰ نے کہا) کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: وہ گائے نہ محنت کرنے والی ہو جو زمین میں ہل

چلائے اور نہ کھیتی کو سیراب کرنے والی ہو، بے عیب ہو، اس میں کوئی داغ دھبہ نہ ہو، وہ بولے اب تو ٹھیک بات لایا، پھر اس کو ذبح کیا اور وہ (اپنے سوالوں کی وجہ سے) لگتے نہ تھے کہ ایسا کریں گے۔(۷۱)

لفظی تحقیق: فَارِضٌ: بوڑھی۔ اس سے مراد ایسی عمر ہے جس کو پہنچ کر بچے جننے کا سلسلہ ختم ہو چکا ہو، یعنی: بہت بوڑھی۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام حکمت کے بغیر نہیں ہوتے، البتہ ضروری نہیں کہ ہر انسان اس کی اندرونی حکمت کو سمجھ سکے اس لئے ان کو پورا کرنے میں کسی قسم کا اعتراض نہیں کرنا چاہئے، بلکہ جو بھی حکم ملے اس پر عمل کرنا چاہئے۔

ہر حکم اور قانون ابتداء میں سادہ اور آسان ہوتا ہے لیکن جب اس میں بال کی کھال نکالی جاتی ہے تو وہ پیچیدہ اور مشکل ہوتا چلا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے حکم دیا کہ وہ ایک گائے ذبح کریں، یہ بالکل سیدھا اور آسان حکم تھا وہ کوئی گائے لیکر ذبح کر دیتے، لیکن انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کیساتھ بحث شروع کر دی، اوّل تو پیغمبر سے کہا کہ تم ہم سے مذاق کر رہے ہو جب پیغمبر نے یقین دلایا کہ میں جاہل نہیں کہ ایسی باتیں کروں، اب نئی بات نکالی اور بنی اسرائیل کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ سے پوچھو کہ اسکی عمر کتنی ہے وہ جوان ہو یا بوڑھی ہو، جواب میں کہا گیا کہ درمیانی عمر کی ہو گویا آسان حکم میں ایک مشکل انہوں نے خود پیدا کر لی۔

دوسرا سوال یہ اٹھایا کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھنے کے بعد بتایا کہ اس کا رنگ زرد ہو اور یہ رنگ بھی شوخ اور کھلتا ہوا ایسا ہو کہ دیکھنے والوں کا دیکھتے ہی جی خوش ہو جائے اور وہ دیکھنے میں اچھی لگتی ہو۔

گویا ایک دوسرے سوال کی وجہ سے ایک اور شرط اس آسان حکم کی تعمیل میں لگا دی گئی اور یہ سب کچھ خود بنی اسرائیل کے اپنے بے جا سوالوں کا نتیجہ تھا کہ وہ ایک اچھے بھلے سیدھے سادھے حکم کو خود اپنے ہاتھوں سے اس

قدر پیچیدہ اور مشکل بنا رہے تھے۔

ان سوالات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ حد درجہ کام چور اور چالاک تھے، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں ٹال مٹول کرنا چاہتے تھے انہیں اس بات کا احساس نہ تھا کہ اس حکم میں کس قدر مصلحت پوشیدہ ہے جس کام کو وہ اپنے لئے دشوار سمجھ رہے تھے اس میں ہزار مصلحتیں پوشیدہ تھیں۔

گائے کے بارے میں مختلف سوال کرنے کے بعد بھی انہوں نے کہا کہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا ہمیں گائے کی پہچان میں کچھ شبہ پڑ گیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ: اس گائے سے نہ کسی زمین میں ہل چلایا گیا ہو اور نہ اس سے راہٹ کے ذریعہ کسی زمین کو سیراب کیا گیا ہو اور اس میں کوئی عیب اور داغ نہ ہو، پھر انہوں نے کہا کہ ہاں! اب تم نے ٹھیک بات کہی ہے، غرض! بڑی حجتوں کے بعد انہوں نے وہ گائے ذبح کی اب بھی ان کے رویہ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایسا نہیں کریں گے، گویا اب بھی انہوں نے نہ چاہتے ہوئے اس حکم کو پورا کیا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: بنی اسرائیل کے سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے جس قسم کی گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا اس کی تلاش میں کافی وقت گزر گیا، بالآخر بنی اسرائیل کو ایسی گائے ایک یتیم بچہ کے پاس ملی جو کہ اپنی ماں کا نہایت فرمانبردار تھا، انہوں نے وہ گائے اس نوجوان سے خریدنا چاہی، مگر وہ کسی قیمت پر بھی بیچنے پر تیار نہ ہوا، آخرکار بنی اسرائیل نے وہ گائے اس نوجوان سے اس شرط پر خرید کرلی کہ وہ اس کو ذبح کرنے کے بعد اس کی کھال سونے سے بھر کردیں گے۔

مُردے کا زندہ ہونا

وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَ اللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ

اور جب قتل کیا تم نے ایک آدمی پھر ایک دوسرے پر ڈالنے لگے میں اس اور اللہ ظاہر کرتا تھا جو تھے تم

تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ

چھپاتے (۷۲) پھر کہا ہم نے مارو اس پر (گوشت کا) کوئی حصہ اسی طرح زندہ کریگا اللہ مُردوں کو

وَ يُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴿۷۳﴾

اور دکھاتا ہے تمہیں نشانیاں اپنی تاکہ تم غور کرو (۷۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا، پھر ایک دوسرے پر اسکے قتل کا الزام ڈالنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے تو ظاہر کرنا تھا جو تم چھپاتے تھے۔(۷۲) پھر ہم نے کہا کہ اس مردہ پر گائے کا ایک ٹکڑا مارو، اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کریگا اور تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم غور کرو۔(۷۳)

لفظی تحقیق: فَادّٰرَءْتُمْ: پھر تم ایک دوسرے پر ڈالنے لگے۔ یہ لفظ "دَرْءٌ" سے بنا ہے جس کے معنٰی جھگڑنے کے بھی ہیں اور ٹال مٹول کرنے کے بھی، یہاں مراد آپس میں جھگڑنا اور ایک دوسرے پر الزام ڈالنا ہے۔

تفسیر

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص قتل ہوگیا تھا جس کا نام عامیل تھا، اسکے بھتیجوں نے مال و دولت اور اسکی بیٹی کو حاصل کرنے کیلئے اس کو قتل کر دیا تھا، لیکن قاتل کا پتہ نہیں چلتا تھا، کیونکہ مشتبہ لوگ ایک دوسرے پر الزام لگانے لگے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اصل قاتل کا نام بتانے کیلئے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ ایک گائے ذبح کریں، انہوں نے ٹال مٹول کی، جب وہ کافی حیلے بہانے کر کے اس پر تیار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس گائے کے گوشت کا ایک ٹکڑا اس مقتول کی لاش پر مارو گوشت کا مارنا تھا کہ مقتول زندہ ہوگیا اور اس نے قاتل کا نام و پتہ سب بتادیا اور اس طرح ایک بہت بڑی مشکل حل ہوگئی اور مقتول یہ بتانے کے بعد مر گیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا کہ انسان کو مار کر زندہ کرنا ہمارے بس کی بات ہے اور جس طرح اس مقتول نے دوبارہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتادیا، اسی طرح ہم تمام انسانوں کو جب قیامت کے دن زندہ کریں گے تو وہ خود اپنے عملوں کا اقرار کریں گے۔

یہ واقعات اور نصیحتیں اللہ تعالیٰ اس لئے بیان فرماتا ہے کہ لوگ ان میں غور کریں اور اپنی زندگیوں کو سنوار لیں، گزشتہ قوموں کے حالات سے سبق حاصل کریں اور عبرت پکڑیں۔

یہود کی سخت دِلی

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ
پھر سخت ہو گئے دل تمہارے سے بعد اس سو وہ جیسے پتھر یا اس سے زیادہ

قَسْوَةً ؕ وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَ اِنَّ
سخت اور بیشک سے پتھر جو جاری ہوتی ہیں سے ان نہریں اور بیشک

مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ
سے اس البتہ جو پھٹ جاتے ہیں پس نکلتا ہے سے اس پانی اور بیشک سے اس البتہ گرتے ہیں

مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾
سے ڈر اللہ کے اور نہیں اللہ بے خبر سے اس جو تم کرتے ہو (۷۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے، پس وہ پتھر جیسے ہو گئے یا ان سے بھی سخت اور پتھروں میں تو ایسے بھی ہیں جن سے دریا جاری ہوتے ہیں اور ان میں ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکلتا ہے اور ان میں ایسے بھی ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔ (۷۴)

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیتوں میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے چند واقعات بیان کئے، جن سے کئی سبق ملتے ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ کہ وہ بدعملیوں اور نافرمانیوں میں لگے رہے، اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرماتا رہا، لیکن

انہوں نے پھر بھی کوئی سبق حاصل نہ کیا، گویا ان کے دل پتھر بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے، کیونکہ پتھروں میں بھی بعض ایسے ہوتے ہیں جن سے مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہے، بعض پتھروں سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں اور ان سے دنیا کو پانی ملتا ہے، پھر بعض کی جھریوں سے پانی پھوٹ کر نکلتا ہے اور بعض پتھر پہاڑ کی چوٹیوں سے اللہ تعالیٰ کے خوف سے گرتے ہیں۔

بنی اسرائیل نے نہ پیغمبروں علیہ السلام کی تعلیم سے فائدہ اٹھایا، نہ نیک بندوں کی بات سنی، گویا ان کے دل عام پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے تھے جن پر کوئی بات اثر نہیں کرتی، یہ ایسی قوم ہے کہ ان میں پتھروں والی خصوصیات بھی نہیں پائی جاتیں، پتھر بلاشبہ سخت ہیں پھر بھی مخلوق ان سے فائدہ حاصل کرتی ہے، لیکن یہ قوم پتھروں سے بھی گئی گزری ہے کہ جن سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کے کلام میں ردّ و بدل

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَ قَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ

کیا تو قع رکھتے ہو تم کہ وہ مانیں بات تمہاری اور تحقیق تھا ایک گروہ میں ان کہ سنتا تھا

كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

کلام اللہ کا پھر بدل ڈالتے تھے اس کو سے بعد اسکے کہ وہ سمجھ چکے ہوتے اسکو اور وہ جانتے تھے (۷۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اب کیا تم توقع رکھتے ہو کہ وہ تمہاری بات مانیں گے اور ان میں ایک گروہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتا تھا، پھر وہ جان بوجھ کر اس کو بدل ڈالتے تھے، حالانکہ وہ اصل بات جانتے تھے۔(۷۵)

لفظی تحقیق: تَطْمَعُوْنَ: تم توقع رکھتے ہو۔ یہ لفظ "طَمَعَ" سے نکلا ہے اس کے عام معنے لالچ کرنے اور حرص رکھنے کے ہیں اور دوسرے معنی امید و توقع کے بھی ہیں اور یہاں آخری معنیٰ ہی مراد ہیں۔ یُحَرِّفُوْنَهٗ: وہ اسے بدل ڈالتے تھے۔ اس لفظ کا مادہ "حَرْفٌ" ہے اور مصدر "تَحْرِيْفٌ" ہے جس کے معنیٰ ہیں بدل ڈالنا، مثلاً: یہودیوں نے "حِطَّةٌ" کی جگہ "حِنْطَةٌ" اور "رَاعِنَا" کی جگہ "رَاعِيْنَا" کہا۔

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سمجھا رہے ہیں کہ کیا تم اس بات کی آرزو کرتے ہو کہ یہ تمہاری بات مان لیں گے، حالانکہ ان کے بڑوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اور ان کے بعد بھی ایک فریق ایسا تھا جو اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کے بعد جان بوجھ کر اس میں ردوبدل کرتا تھا، جب ان کے بڑوں کا یہ حال تھا تو پھر ان کے بعد آنے والوں سے کس طرح امید ہوسکتی ہے یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، اللہ تعالیٰ کے اس اعلان سے پتہ چلتا ہے کہ یہودیوں کے اسلام لانے کی مسلمانوں کو کچھ زیادہ توقع نہیں رکھنی چاہئے۔

ان لوگوں نے توراۃ کے حکموں میں بھی تبدیلی کی، توراۃ میں رجم کا حکم موجود تھا کہ شادی شدہ زانی کو سنگسار کیا جائے، مگر یہودیوں نے یہ حکم چھپالیا، توراۃ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک بھی موجود تھا کہ آپ خوش شکل ہوں گے، آپ کے بال گھنگریالے اور آنکھیں سیاہ ہوں گی، قد درمیانہ اور رنگ گندمی ہوگا، مگر جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تشریف لے آئے اور آپ نے اپنی پیغمبری کا اعلان فرمایا تو یہودیوں نے توراۃ میں آپ کے بیان کئے ہوئے حلیے کو بدل دیا اور لوگوں سے یہ کہنے لگے کہ یہ وہ پیغمبر نہیں جسکی نشانیاں ہماری کتاب توراۃ میں لکھی ہیں، بلکہ وہ پیغمبر تو لمبے قد والے ہونگے، انکی آنکھیں نیلی ہونگی اور بال سیدھے ہونگے، اس طرح انہوں نے لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے سے روکنے کی کوشش کی۔

الغرض! ایمان والوں کو سمجھایا جارہا ہے کہ یہود سے یہ توقع نہ رکھو کہ تمہاری تبلیغ سے یہ لوگ ایمان لے آئیں گے، یہ تو سخت قسم کے ہٹ دھرم لوگ ہیں، جانتے بوجھتے ہوئے بھی یہ سیدھے راستے سے دور ہی رہیں گے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اس وقت یہودیوں کے دس بڑے عالم موجود ہیں اگر یہ دس آدمی ایمان قبول کرلیں تو کوئی بھی یہودی باقی نہ رہے گا سب ایمان لے آئیں گے، مگر یہ عالم اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے ان میں سے صرف ایک آدمی عبداللہ نے اسلام قبول کیا، باقی سُب اپنی ضد پر اڑے رہے، عیسائیوں کا بھی یہی حال ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چودہ سو سال گزر چکے ہیں مگر انہوں نے آج تک انہیں پیغمبر نہیں مانا۔

یہودیوں کی منافقت

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَ اِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى

اور جب ملتے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے کہتے ہیں ایمان لائے ہم اور جب تنہا ہوتے ہیں بعض انکے طرف

بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ

بعض کہتے ہیں کیا تم کہتے ہو ان سے جو ظاہر کیا اللہ نے پر تم تا کہ جھگڑیں تم سے

بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَ لَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

سے اس پاس رب تمہارے کیا نہیں سمجھتے تم (۷۶) کیا نہیں جانتے وہ بیشک اللہ جانتا ہے

مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾

جو چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں (۷۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور جب (یہودی) مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب ایک دوسرے کے پاس تنہا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا تم کہہ دیتے ہو ان سے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر ظاہر کیا ہے تا کہ تم سے اس کے ذریعہ تمہارے رب کے آگے جھگڑا کریں، کیا تم نہیں سمجھتے ۔(۷۶) کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔(۷۷)

لفظی تحقیق: لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ: اس کے ذریعہ تمہیں جھٹلائیں۔ حج اسکا مادہ ہے، لفظ "حُجَّۃ" بھی اسی سے بنا ہے، جس کے معنٰی دلیل ہیں اور اس پورے جملے کے معنٰی ہیں اسے دلیل بنانا اور اس کے ذریعے حجت پکڑنا۔

تفسیر

یہاں سے ان یہودیوں کا ذکر شروع ہو رہا ہے جو منافق تھے یہ لوگ جب کبھی مسلمانوں سے ملتے تو آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا ایمان ظاہر کرتے اور انہیں خوش کرنے کیلئے اس آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و تصدیق

کیلئے تمام پیش گوئیاں اور علامتیں بیان کرتے جو ان کی مذہبی کتاب میں موجود تھیں۔

لیکن یہ یہودی جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرتے کہ تم اپنی تعلیمات مسلمانوں پر ظاہر کر کے خود اپنے خلاف انہیں ہتھیار کیوں دیتے ہو، یہی دلیلیں مسلمان تمہارے خلاف استعمال کریں گے اور تمہاری اپنی باتوں کو سند بنا کر وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گواہی دیں گے کہ یہودی سب کچھ جاننے کے بعد اصل دین کی طرف نہیں لوٹے، گویا یہ احمق سمجھ رہے تھے کہ ان باتوں کا علم مسلمانوں کو صرف یہودیوں کے ذریعے سے ہی ہوسکتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کی ظاہر اور پوشیدہ تمام باتیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر ظاہر کر سکتا ہے۔

یہودیوں کی ان تمام تر چالاکیوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ان کی چالاکی کسی کام نہیں آئیگی، کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ہر اس بات کو جانتا ہے جو یہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے ہیں وہ سمجھتے تھے کہ منافقت کا یہ چکر چلا کر وہ اہل کتاب اور اہل ایمان دونوں کیساتھ تعلقات برقرار رکھ سکیں گے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی چالاکی ظاہر کر دی اور فرمایا کہ: یہ لوگ جو بے ایمانی کر رہے ہیں، حکموں کی غلط تاویلیں کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے ان کی کوئی چال بازی کامیاب نہیں ہوگی۔

جھوٹی آرزوئیں

وَ مِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِيَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا

اور میں سے ان ان پڑھ نہیں خبر رکھتے کتاب سوائے جھوٹی آرزوئیں اور نہیں وہ مگر

النصف

يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ

گمان (۷۸) پس خرابی لئے ان لوگوں کے جو لکھتے ہیں کتاب ہاتھوں اپنے سے پھر

يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ

کہہ دیتے ہیں یہ سے طرف اللہ کے ہے تاکہ خریدیں پر اس قیمت تھوڑی پس خرابی

لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾

لئے انکے　جو　لکھا　ہاتھوں انکے نے　اور　خرابی　لئے انکے　اس سے جو　کمایا انہوں نے (۷۹)

بامحاورہ ترجمہ: اوران میں بعض ان پڑھ ہیں کہ کتاب کی خبر نہیں رکھتے، جھوٹی آرزوؤں کے سوا اور وہ تو محض گمان کرتے ہیں۔(۷۸) سو! ان کیلئے خرابی ہے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تا کہ اس پر تھوڑی سی قیمت لے لیں، پس انکے ہاتھوں کے لکھے ہوئے کی وجہ سے ان کیلئے خرابی ہے اور خرابی ہے ان کیلئے اسکی بناء پر جو انہوں نے کیا۔(۷۹)

لفظی تحقیق: اَمَانِيَّ: جھوٹی آرزوئیں۔ اسکا واحد "اُمْنِيَّه" ہے، یہ لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے، ایک ایسی آرزو جس کی حقیقت کوئی نہ ہو اور کوئی شخص محض خیال وخام میں مگن رہے، دوسرے کوئی شخص جھوٹی روایتوں اور خرافات میں مبتلا رہے۔ ثَمَنًا: قیمت۔ اس لفظ کے معنیٰ صرف نقد یا زر قیمت کے نہیں، بلکہ جو چیز بھی کسی چیز کے معاوضہ میں حاصل ہو وہ اسکا ثمن ہے اس آیت میں ثمن سے مراد دنیاوی معاوضہ ہے۔ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ: اُن کی کمائی سے۔ اس کے یہاں دو معنیٰ ہیں، ایک ان کے گناہوں کا ڈھیر، کیونکہ وہ لوگ اپنی ان حرکتوں سے اپنے گناہوں میں اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں، دوسرے وہ مالی نفع جو اللہ کی کتاب میں تبدیلی یا تحریف کرکے یہ لوگ حاصل کرتے ہیں۔

تفسیر

یہودیوں کے جاہل طبقہ کو معلوم ہی نہ تھا کہ "توریت" میں کیا لکھا ہے وہ بس چند جھوٹی آرزوؤں سے واقف تھے جو انہوں نے اپنے بزرگوں سے سن رکھی تھیں اور توقع رکھتے تھے کہ ان کے بزرگ ان کے گناہ بخشوا دیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ان لوگوں کیلئے سخت خرابی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم بدل ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خود اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ: پس ہلاکت ہے ان لوگوں کیلئے جنہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا،

یعنی: خود لکھ کر اسے اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا کہا اور تحریف کرنے کا گناہ کیا، ہلاکت ہے ان کیلئے جنہوں نے کمایا جھوٹ بول کر، اس لئے جو دنیا انہوں نے کمائی وہ ان کیلئے ہلاکت کا سبب ہے، ظاہر ہے کہ اگر حلال کے بجائے حرام کمایا ہے اور حرام کھایا ہے تو اسکی قسمت میں تباہی ہی آئے گی۔

جنت کے ٹھیکیدار

وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ

اور کہتے ہیں ہرگز نہیں چھوئے گی ہمیں آگ مگر چندون گنے چُنے کہہ دیں کیا تم لے چکے ہو

عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

سے اللہ اقرار کہ نہیں خلاف کریگا اللہ اقرار اپنے کے کیا تم کہتے ہو پر اللہ کے

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾

جو نہیں تم جانتے (۸۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کہتے ہیں ہم کو ہرگز آگ نہیں چھوئے گی، مگر چندون گنے چُنے، آپ کہہ دیں کیا تم اللہ کے ہاں سے اقرار لے چکے ہو کہ اللہ اب اپنے اقرار کے خلاف ہرگز نہ کرے گا، تم اللہ تعالیٰ پر وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔(۸۰)

تفسیر

بنی اسرائیل اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لاڈلے اور محبوب سمجھتے تھے اسکی سند میں وہ اللہ تعالیٰ کے وہ انعامات بیان کرتے تھے، جو اللہ تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً ان پر کئے، اس کے واسطے کئی روایتیں اپنے پاس سے گھڑ لی تھیں جن کا ثبوت ان کی کتاب میں بالکل نہ ملتا تھا، انہیں من گھڑت اور جھوٹی روایتوں میں سے ایک روایت یہ بھی تھی کہ ان کا عقیدہ تھا کہ انکی بدعملیوں کے بدلے، اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں کوئی سزا دی تو وہ گنتی کے صرف چندون

کیلئے ہوگی، وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔

اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً: چند گنے چنے دن، یہودیوں کا عقیدہ تھا کہ انہیں انکی بدعملیوں کی وجہ سے انہیں صرف کچھ دن کیلئے دوزخ میں پھینکا جائیگا، اس کے بعد وہاں سے نکال لئے جائیں گے، ان کی روایتوں میں تعداد مختلف بیان کی گئی ہے، بعض سات دن بتاتے ہیں، بعض چالیس دن، یعنی: جتنے دن انہوں نے بچھڑے کے پوجا کی اور بعض کہتے ہیں کہ ہر گناہگار کو اسکی عمر کے برابر دوزخ میں رکھا جائیگا۔

اللہ تعالیٰ اپنے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ان سے پوچھ رہے ہیں کہ کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے اس بات کا کوئی عہد یا اقرار لے لیا ہے جسکی پابندی کرنے پر وہ مجبور ہے یا یہ باتیں تم نے خود اپنے دل سے گھڑ لی ہیں؟ اس کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان کے یہ سب دعوے محض من گھڑت ہیں ان باتوں کیلئے ان کے پاس مذہب کی کوئی سند موجود نہیں۔

جنّت اور دوزخ

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

کیوں نہیں جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا اس کو گناہ اسکے نے سو وہی ہیں رہنے والے

النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

آگ وہ میں اس ہمیشہ رہیں گے (۸۱) اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک

ع ۹ ۱۱ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾

وہی ہیں رہنے والے جنت وہ میں اس ہمیشہ رہیں گے (۸۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کیوں نہیں جس نے گناہ کمایا اور اسے اس کے گناہ نے گھیر لیا، سو وہی دوزخ کے رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۸۱) اور جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے وہی جنت کے رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۸۲)

تفسیر

بنی اسرائیل نے بہت سے جھوٹے عقیدے گھڑ لئے تھے اور یہ عقیدے نسل در نسل چلے آرہے تھے، مثلاً: یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے چہیتے اور لاڈلے ہیں، انہیں انکے گناہوں کی سزا نہیں ملے گی اور اگر ملی بھی تو صرف چند دن کیلئے، نیز یہ کہ ان کے بزرگ انہیں بخشوالیں گے، ان عقیدوں کی آڑ میں یہ لوگ ہر جائز و ناجائز کام بے دھڑک کرتے تھے اور اس غلط خیال میں مبتلا تھے کہ ان کیلئے اب سے دین کی پیروی کرنا یا آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو ماننا ضروری نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس غلط خیال کی تردید کی ہے اور بتلایا ہے کہ نجات کا دارومدار صرف دو باتوں پر ہے پہلی یہ کہ آدمی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو اور دوسری کہ وہ نیک عمل کرتا ہو، یعنی: اللہ تعالیٰ کے حکموں کو سچے دل سے مان کر ان پر عمل کرتا ہو۔

اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ: اس کو اس کے گناہ نے گھیر لیا، اسکا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے جان بوجھ کر بدی کی راہ اختیار کی اور پھر گناہوں کے اندر اس طرح گھر گئے کہ ایمان کیلئے کوئی گنجائش باقی نہ رہی، یہ حالت خالص کفر کی ہے اس لئے مفسرین کرام نے فرمایا کہ: یہاں اس سے مراد کافر ہیں۔

اس آیت میں "خَطِيْٓـــَٔتُهٗ" سے مراد وہ شرک ہے جس پر آدمی مرجائے، جو آدمی مرنے سے پہلے توبہ کرلے وہ شرک کے گھیرے سے نکل جاتا ہے اور جو مرنے سے پہلے توبہ نہ کرے وہ شرک کے گھیرے میں ہے اس کیلئے نجات کا کوئی راستہ نہیں۔

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ: انہوں نے اچھے عمل کئے، آخرت کی کامیابی کیلئے ایمان کیساتھ اچھے عمل بھی ضروری ہیں، اچھے عملوں سے مراد وہ کام ہیں جو انسان اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق کرے۔

بنی اسرائیل کا پختہ عہد

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۫ وَ
اور جب لیا ہم نے اقرار بنی اسرائیل سے کہ نہ عبادت کروگے تم مگر اللہ کی اور

بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِی الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ
سے ماں باپ نیک سلوک اور والے کنبہ اور یتیم اور محتاج اور

قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ
کہنا سے لوگوں نیک بات اور قائم رکھنا نماز اور دیتے رہنا زکوۃ پھر

تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۸۳
پھر گئے تم مگر تھوڑے میں سے تم اور تم پھرنے والے ہو (۸۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ سے نیک سلوک کرنا اور کنبہ والوں سے اور یتیموں اور محتاجوں سے اور سب لوگوں سے نیک بات کہنا اور نماز قائم رکھنا اور زکوٰۃ دیتے رہنا، پھر چند ایک کے سوا تم سب پھر گئے اور تم ہی پھر جانے والے ہو۔ (۸۳)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو بتارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں سے منہ موڑ نا تمہاری عادت بن چکی ہے، چنانچہ ان کے مشہور عہد کا ذکر کر کے انہیں اس طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کی پوجا نہ کریں گے، اپنے ماں باپ، رشتہ داروں، یتیموں، بے کسوں، محتاجوں اور لاوارثوں کیساتھ نیک سلوک کریں گے اور ان سے خوش خلقی سے پیش آئیں گے، تمام لوگوں سے نیک بات کہیں گے، نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیتے رہیں گے، لیکن یہ لوگ

اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر کے اس سے پھر گئے اور اسے پورا نہ کر سکے بہت کم لوگ تھے جنہوں نے اپنے اس عہد کا خیال رکھا اور اسے پورا کرتے رہے، اس کے بعد فرمایا کہ: تم ہی ہو پھرنے والے، یعنی: یہ تمہاری عادت بن چکی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے عہد و پیمان کرتے ہو، مگر اس پر قائم نہیں رہتے۔

ہمیں ان باتوں سے سبق حاصل کرنا چاہئے اور ہم نے جو عہد اللہ تعالیٰ سے کیا ہے، یعنی: یہ کہ سوا اس کے کسی کی عبادت نہ کریں گے اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اسکا آخری پیغمبر مانیں گے اور ان کے کہنے پر چلیں گے ہمیں اپنے اس ایمانی عہد کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھنا چاہئے۔

ماں باپ کیساتھ اچھے برتاؤ کی ایک صورت یہ ہے کہ ان کو کوئی دکھ، تکلیف نہ پہنچائے، نہ زبان سے، نہ ہاتھ سے، کیونکہ یہ احسان کے خلاف ہے، بلکہ اولاد کا فرض ہے کہ اپنی جان اور مال کیساتھ ماں باپ کی خدمت کرے اور اگر ماں باپ مالی طور پر ضرورت مند ہیں تو ان کی ضرورت پوری کی جائے ورنہ جسمانی طور پر تو ضرور ان کو راحت پہنچائیں، مثلاً: ان کی مٹھی چاپی کریں، ان کو کھلائیں پلائیں، ان کو نہلائیں دھلائیں وغیرہ وغیرہ۔

وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ: یتیموں اور مسکینوں کیساتھ بھی نیک سلوک کرو، یتیم وہ نابالغ بچہ ہوتا ہے جس کا باپ مر گیا ہو اس کیساتھ نیکی کرنے کا حکم ہے تاکہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔

مسکینوں کیساتھ بھی اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جس کا کنبہ زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کا خرچ اسکی آمدنی سے پورا نہ ہوتا ہو، بیچارہ محنت مشقت کرتا ہے مگر جو کچھ کماتا ہے اس میں گزر اوقات نہیں ہوتی ایسا شخص بھی اچھے برتاؤ کا حق دار ہے۔

محتاجوں میں ایک قسم فقیر کی بھی ہے اور فقیر ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو بالکل ہی نادار ہو اور جس کے پاس دو وقت کا کھانا بھی میسر نہ ہو ایسا شخص بھی حق دار ہے کہ اسکی ضرورتوں کا خیال رکھا جائے۔

اچھی بات کرنے کے مختلف طریقے ہیں مثلاً: پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: جب آپس میں ملو تو ایک دوسرے کو سلام کرو اور پھر اچھا مسلمان وہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرتا ہے۔

دو مسلمان آپس میں ملیں تو نرمی کیساتھ نیکی کی دعوت دیں، آپس میں دوستی کا اظہار کریں اور ایک دوسرے کی خیر و عافیت دریافت کریں، جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو پکارے تو اچھے لقب سے پکارے، قرآن مجید میں موجود ہے ایک دوسرے کو برے القاب سے مت پکارو یہ سب باتیں "قُوْلُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا" میں داخل ہیں۔

خونریزی اور جلاوطنی

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَ لَا تُخْرِجُوْنَ

اور جب لیا ہم نے پختہ عہد تمہارا کہ نہ بہاؤ گے خون اپنوں کا اور نہ نکالو گے تم

اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ

اپنوں کو سے گھروں انکے پھر اقرار کرلیا تم نے اور تم مانتے ہو (۸۴) پھر

اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ

تم وہ لوگ ہو خون بہاتے ہو اپنوں کا اور نکال دیتے ہو ایک فریق کو میں تم

مِّنْ دِيَارِهِمْ ؗ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ؕ

سے گھروں اُنکے چڑھائی کرتے ہو پر ان ساتھ گناہ اور ظلم کے

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ اپنوں کا خون نہ بہاؤ گے اور اپنوں کو اپنے وطن سے نہ نکالو گے، پھر تم نے اقرار کرلیا اور تم مانتے ہو۔ (۸۴) پھر تم وہ لوگ ہو کہ اپنوں کا خون کرتے ہو اور اپنے ایک فریق کو انکے گھروں سے نکال دیتے ہو، ان پر گناہ اور ظلم سے چڑھائی کرتے ہو۔

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہودیوں کو بتلاتے ہیں کہ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ نہ تو تم اپنوں کا خون نہ بہاؤ گے اور نہ اپنوں کو انکے گھروں سے نکالو گے، لیکن تم نے اس وعدہ کی خلاف ورزی کی۔

پیغمبر ﷺ کے زمانے میں بنی اسرائیل کے جو دو قبیلے بنو نضیر اور بنو قریظہ مدینہ اور اس کے آس پاس میں آباد تھے، ان کی عادت تھی کہ ہمیشہ آپس کی لڑائیوں میں مصروف رہتے تھے، مدینہ کے دو قبیلے اوس اور خزرج وہاں آباد تھے، یہودیوں کا ایک قبیلہ مشرکوں کے ایک جتھے کیساتھ ہو جاتا تھا اور دوسرا قبیلہ مشرکوں کے دوسرے جتھے کیساتھ ہو جاتا تھا اور جب جنگ شروع ہوتی تو وہ سب کچھ ہوتا جو جنگ میں ہوا کرتا ہے، یعنی: قتل اور جلا وطنی وغیرہ، یہودی دوسروں کیساتھ مل کر اپنے لوگوں کو قتل کرتے اور ان کو انکے گھروں سے نکالتے۔

صِرف بعض حکموں کی فرمانبرداری

وَ اِنۡ یَّاۡتُوۡکُمۡ اُسٰرٰی تُفٰدُوۡهُمۡ وَ هُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیۡکُمۡ
اور | اگر وہ | پاس آئیں تمہارے | قیدی بن کر | چھڑاتے ہو فدیہ دیکر اُنکا | حالانکہ | وہ | حرام ہے | پر تم

اِخۡرَاجُهُمۡ ؕ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡکِتٰبِ وَ تَکۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ ۚ
نکال دینا اُنکا | کیا تم مانتے ہو | بعض کو | کتاب کے | اور | نہیں مانتے | بعض کو

فَمَا جَزَآءُ مَنۡ یَّفۡعَلُ ذٰلِکَ مِنۡکُمۡ اِلَّا خِزۡیٌ فِی الۡحَیٰوۃِ
پس نہیں | سزا | اُسکی جو | کام کرے | یہ | میں سے تم | سوائے | رسوائی | میں | زندگی

الدُّنۡیَا ۚ وَ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ یُرَدُّوۡنَ اِلٰۤی اَشَدِّ الۡعَذَابِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ
دنیا کی | اور | دن | قیامت | لوٹائے جائینگے | طرف | سخت | عذاب کے | اور نہیں | اللہ

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۵﴾
بے خبر | سے اس | جو تم کرتے ہو (۸۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اگر وہ تمہارے پاس قیدی ہو کر آئیں تو ان کا فدیہ دیکر چھڑاتے ہو، حالانکہ ان کو گھروں سے نکال دینا ہی تم پر حرام ہے، کیا تم کتاب کے بعض حصہ کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے؟ اس کے سوا کوئی

سزا نہیں، اس کیلئے جو تم میں سے یہ کرتا ہے، مگر دنیا کی زندگی میں رسوائی اور قیامت کے دن سخت عذاب میں لوٹائے جائیں گے اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔(۸۵)

تفسیر

اس آیت میں یہودیوں کی بدعملیوں اور بدعہدیوں کو اور زیادہ کھول کر بیان کیا گیا ہے وہ پہلے تو اپنے بھائی بندوں سے جنگ کر کے انہیں جلاوطن کر دیتے، پھر جب دوسری قومیں ان جلاوطن لوگوں کو اپنا قیدی بنا لیتیں تو یہودی اپنا خلوص دکھانے کیلئے جھٹ فدیہ دیکر اپنے ان قیدیوں کو چھڑا لیتے، حالانہ حقیقت یہ ہے کہ ان پر ان لوگوں کا جلاوطن کرنا ہی حرام تھا، گویا وہ توراۃ کے اس حکم کی تو اطاعت کرتے ہیں کہ قیدیوں کو چھڑا لیا جائے، لیکن تورۃ کے اس حکم پر عمل نہیں کرتے کہ اپنے بھائیوں کو جلاوطن نہ کیا جائے۔

اَلْكِتٰبُ: کتاب، اس سے مراد اسرائیلیوں کی آسمانی کتاب توراۃ ہے اس پر یہ دلیل قائم کی جارہی ہے کہ قرآن مجید کے حکموں کی پیروی تو الگ رہی تم اپنی کتاب کی بھی پوری پوری اطاعت نہیں کرتے تم صرف اپنے مطلب کے حکموں پر عمل کرتے ہو اور باقی کو پیٹھ پیچھے ڈال دیتے ہو۔

اللہ تعالٰی ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ: ایسا کام کرنے والے لوگوں کی دنیا میں تو یہ سزا ہوگی کہ وہ ذلیل ورسوا ہوں گے اور آخرت میں وہ بے بس اور بے یارومددگار ہو کر سخت عذاب میں ڈالے جائیں گے۔

دراصل بنی اسرائیل اللہ تعالٰی کے اس حکم پر عمل کرتے تھے جس میں اللہ تعالٰی نے انہیں قیدیوں کی رہائی کی تلقین کی تھی اور یہ اچھی بات تھی، مگر جہاں یہ لوگ اس پر عمل کرتے تھے وہاں دوسرے دو حکموں، یعنی: ناحق قتل اور جلاوطنی کے معاملہ میں عمل نہیں کرتے تھے، اسی کے متعلق اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: کیا تم کتاب کے بعض حکموں پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کر دیتے ہو؟

آخرت کے بدلے دنیا

ع ۱۰

أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۫ فَلَا يُخَفَّفُ

یہی ہیں وہ | جنہوں نے | خرید لی | زندگانی | دنیا کی | بدلے آخرت کے | پس نہ | ہلکا کیا جائیگا

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾

سے ان | عذاب | اور نہ | وہ | مدد کئے جائیں گے(۸۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہی ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی خرید لی آخرت کے بدلے، سو نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائیگا اور نہ ان کی مدد کی جائیگی۔(۸۶)

تفسیر

اس آیت میں پچھلی آیتوں کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکموں کی خلاف ورزی کی، اس سے اقرار باندھنے کے بعد پھر گئے اور دین کو دنیوی فائدوں کیلئے قربان کر دیا، وہ آخرت کی نعمتوں کو چھوڑ کر دنیا کی عارضی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے، ان کے لئے آخرت میں سخت ترین عذاب ہے اور معاف ہونا تو دور کی بات ہے اس میں تو کسی قسم کی تخفیف بھی نہ کی جائیگی اور وہ لوگ یہ بھی جان لیں کہ اس عذاب سے انہیں نہ کوئی چھڑا سکتا ہے اور نہ چھڑانے میں مدد ہی دے سکتا ہے، مرنے کے بعد انسان کے صرف نیک عمل اسکا ساتھ دیں گے، وہاں اور کوئی چیز (مال و دولت) انسان کو عذاب سے نہیں بچا سکے گا۔

بِالْاٰخِرَةِ: آخرت کے بدلے، یہودیوں کی مذہبی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے اندر آخرت کا ایمان باقی ہی نہیں رہا تھا، حقیقت یہ ہے کہ گمراہی سے روکنے والی بات صرف اللہ تعالیٰ اور آخرت کا تصور ہے، اگر انسان کو دوسری ہمیشہ کی زندگی اور جزا و سزا کا خیال نہ رہے تو اسے گناہ اور سرکشی کی راہ سے کوئی چیز نہیں ہٹا سکتی۔

یہودی اس گمان میں مبتلا تھے کہ وہ خود کتنے ہی گناہ کرتے چلے جائیں آخرت میں ان کی مدد کیلئے ان کے بزرگ پہنچیں گے اور انہیں آگ کے عذاب سے بچالیں گے، اب اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ عقیدہ غلط اور باطل ٹھہرایا ہے اور فرمایا کہ: ان کی کسی طرف مدد نہ کیا جائیگی۔

حضرت مسیح علیہ السّلام کی آمد

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ وَ قَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ٘

اور بیشک دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور پیچھے بھیجا ہم نے سے بعد اسکے پیغمبروں کو

وَ اٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَ اَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ

اور دی ہم نے عیسیٰ بیٹے مریم کے کو کھلی نشانیاں اور قوت دی ہم نے اسکو ساتھ روح پاکیزہ کے

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور بیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسکے پیچھے پے در پے پیغمبر بھیجے اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو کھلی نشانیاں دیں ہم نے، اس کو روح القدس (جبرائیل امین) کیساتھ قوت دی۔

تفسیر

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام بنی اسرائیل کے پیغمبروں میں سب سے آخری پیغمبر ہیں، بنی اسرائیل میں آپ کے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہوا، اس کے بعد پیغمبری بنی اسمٰعیل کی طرف چلی گئی اس خاندان میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا میں کوئی پیغمبر نہیں آیا اور نہ آئیگا، یعنی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیغمبری ختم ہوگئی، حضرت عیسیٰ علیہ السّلام خاص طور پر آپ کے آنے کی خوشخبری سنا گئے تھے۔

حضرت مریم کے والد کا نام عمران تھا آپ قوم اسرائیل کے ایک بہت ہی معزز خاندان سے تھیں اور خود بھی بڑی پاک دامن تھیں، حضرت عیسیٰ علیہ السّلام انہی کے پیٹ سے اللہ تعالیٰ کے حکم کیساتھ پیدا ہوئے۔

قَفَّیْنَا: ہم نے پیچھے بھیجے، بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بعد پیغمبروں کا سلسلہ برابر جاری رہا،

جن میں بعض مشہور پیغمبر یہ ہیں، حضرت یوشع، داؤد، زکریا، یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام۔

نفس پرستی

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ

کیا پھر جب پاس لایا تمہارے پیغمبر وہ جو نہ پسند آیا جی تمہارے کو تو تکبر کرنے لگے تم

فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

پھر ایک جماعت کو جھٹلایا تم نے اور جماعت کو قتل کیا تم نے (۸۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جب کوئی پیغمبر تمہارے پاس وہ حکم لایا جو تمہیں پسند نہ آیا تو تم تکبر کرنے لگے، پھر ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور ایک جماعت کو تم نے قتل کر دیا۔ (۸۷)

تفسیر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انکی رہنمائی کیلئے ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک کتاب دی، لیکن جب بنی اسرائیل اس کتاب کے حکموں کو بدلنے اور انکی نافرمانی کرنے لگے تو ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اور بھی بہت سے پیغمبر بھیجے، لیکن ان لوگوں نے ان پیغمبروں میں سے بھی بعض کی نافرمانی کی اور بعض کو قتل کر دیا، پھر ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل دیکر بھیجا اور ان کی سچائی ثابت کرنے کیلئے انہیں بہت سے معجزے دیئے اور ان کی امداد کیلئے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو مقرر کیا، لیکن یہودی اپنی بری عادت سے باز نہ آئے اور آپ کے قتل پر تل گئے۔

اب اللہ تعالیٰ ان سے فرما رہے ہیں کہ تمہاری بھی عجیب حالت ہے جب کبھی کوئی پیغمبر (تمہاری) خواہشوں اور ذاتی غرضوں کے خلاف اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم لایا تم نے غرور کیساتھ اس سے منہ موڑلیا اور بعض پیغمبروں کو جھٹلایا اور بعض کو قتل کیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے معجزے عطا فرمائے، مثلاً: اندھوں کو آنکھوں والا، کوڑھیوں کو

تندرست اور گنجوں کو زلفوں والا بنا دیتے تھے، مگر ان تمام باتوں کے باوجود بنی اسرائیل ان پر ایمان نہ لائے اور مسلسل مخالفت کرتے رہے اور تکلیفیں پہچاتے رہے۔

بنی اسرائیل کی ہٹ دھرمی

وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا

اور کہتے ہیں دل ہمارے پردے میں ہیں بلکہ لعنت کی ہے اللہ نے بوجہ کفر اُنکے پس بہت کم ہیں

مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

جو ایمان لاتے ہیں (۸۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کہتے ہیں ہمارے دلوں پر پردہ ہے، بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب لعنت کی ہے سو بہت کم ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ (۸۸)

تفسیر

جب اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے من گھڑت عقیدوں کو باطل قرار دیا اور کلام اللہ نے واضح طور پر انہیں غلط ثابت کر دیا تو یہودیوں کے پاس اب کوئی حجت باقی نہیں رہی، انہوں نے یہ عذر کرنا شروع کر دیا کہ ہمارے دل غلاف کے اندر محفوظ ہیں اور ہمارے اپنے دین کے سوا ہمارے دل پر کوئی چیز اثر نہیں کر سکتی، ہم کسی کے سمجھنے اور سمجھانے سے ہرگز اسکی اطاعت یا تابعداری نہیں کریں گے۔

یہودی اپنی اس جھوٹی دلیل کو بڑے فخر سے بیان کیا کرتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے صاف صاف اعلان فرما دیا کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں کوئی غلاف وغیرہ کچھ نہیں، بلکہ ان کے مسلسل کفر کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت بھیج دی ہے جس کے پردے ان کے دلوں پر پڑے ہوئے ہیں، انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اس لئے وہ سچے دین کو نہیں مانتے، ان میں سے بہت کم لوگ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے ہیں۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرے یا ان میں تبدیلی کرے یا ان کی مسلسل نافرمانی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے۔

جان بوجھ کر کفر

وَ لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَ

اور جب آئی پاس اُنکے کتاب سے طرف اللہ سچا بتاتی ہے اسکو جو پاس ہے اُنکے اور

كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ

تھے سے پہلے فتح مانگتے پر ان لوگوں جو کفر کرتے تھے پھر جب آیا پاس اُنکے

مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

جس کو پہچان رکھا تھا منکر ہو گئے سے اس پس لعنت اللہ کی پر کافروں (۸۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب انکے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب پہنچی جو اس کتاب کو سچا بتاتی ہے جو ان کے پاس ہے اور پہلے وہ کافروں پر فتح مانگتے تھے، پھر جب آیا انکے پاس وہ جس کو پہچان لیا تھا، پھر وہ اسکے منکر ہو گئے، سو منکروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ (۸۹)

تفسیر

جب یہودیوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسی کتاب آئی جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے اصولوں کی تصدیق موجود تھی تو یہ لوگ اس کے ماننے سے منکر ہو گئے اور جس پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ منتظر تھے اور جسکا واسطہ دیکر کافروں کے مقابلہ میں اپنے کامیاب ہونے کی دعائیں کیا کرتے تھے، جب وہی جانا پہچانا پیغمبر ان کے پاس آیا تو اسکا انکار کرنے لگے، اب ان انکار کرنے والوں پر ان کے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہو گئے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہودی قوم پرست اور ضدی قوم ہے اور یہ قوم اپنے اس تعصب اور کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کردی گئی ہے۔

بُرا سودا

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا
بری چیز ہے بیچ ڈالا انہوں نے بدلے اسکے جانوں اپنی کو کہ منکر ہوئے اس چیز کے جو اتاری اللہ نے سرکشی کی

اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ
کہ اتارے اللہ سے فضل اُسکا پر جسے چاہے سے بندوں اپنے پس کما لائے

بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾
غصّہ پر غصّہ اور لئے کافروں کے عذاب ذلّت کا (۹۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بری ہے وہ قیمت جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا ہے، کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی، کتاب کا صرف اس حسد کی وجہ سے انکار کررہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل کا کوئی حصہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہ رہا ہے اتار رہا ہے، چنانچہ یہ اپنے حسد کی وجہ سے غضب پر غضب لے کر لوٹے اور کافروں کیلئے ذلّت کا عذاب ہے۔ (۹۰)

تفسیر

اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتے ہیں کہ: یہودی حد درجہ خودغرض اور نفس پرست لوگ ہیں وہ اس کے ساتھ ہی ضدّی اور حاسد بھی ہیں، وہ ہر بات کو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو بھی تجارتی اور قومی نقطہ نگاہ سے دیکھتے تھے اور سوچتے ہیں کہ ان کا فائدہ ان حکموں کے ماننے میں ہے یا نہ ماننے میں، اگر ان حکموں کو بدل کر یا ان سے سرکشی کرکے ان کی ذاتی غرضیں پوری ہوتی دکھائی دیں تو وہ ایسا کرنے سے ہرگز نہیں چوکتے۔

قوم پرستی کے نتیجہ میں ان کے اندر حسد بڑی شدّت سے پیدا ہوا، چونکہ وہ چاہتے تھے کہ ہر قسم کی نعمت ان کے حصہ میں آئے، ان کے اعمال کچھ بھی ہوں، پس اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان پر برستی رہیں گی۔

جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغمبر بن کر آئے تو یہودیوں کے اندر حسد کی آگ بھڑک اٹھی کہ پیغمبری ان سے نکل کر بنی اسمٰعیل میں کیوں چلی گئی، حالانکہ انہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے اور اس کو پیغمبری عطا کرتا ہے، لیکن یہودیوں نے ضد میں آ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے سے انکار کر دیا۔

یہودیوں کی مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے دنیا کے اندر اللہ تعالیٰ کا غصہ ان پر نازل ہوا اور قیامت میں بھی ان پر بڑی ذلّت اور رسوائی والا عذاب ہوگا، کیونکہ وہ منکر ہونے کے علاوہ ضدّی اور حاسد بھی ہیں۔

ایمان کی دعوت کا انکار

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ

اور جب کہا جاتا ہے ان سے ایمان لاؤ پر اس جو بھیجا اللہ نے کہتے ہیں مانتے ہیں ہم جو اتارا

عَلَيْنَا وَ يَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ

پر ہم اور نہیں مانتے اسکو جو بعد ہے اسکے اور وہ سچ کی تصدیق کرتا ہے اسکی جو پاس ہے انکے

قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾

کہہ دو پھر کیوں قتل کرتے رہے ہو پیغمبروں کو اللہ کے سے پہلے اگر ہو تم ایمان رکھتے (۹۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اسے مانو تو کہتے ہیں جو ہم پر اترا ہے ہم اسے مانتے ہیں اور اسے نہیں مانتے جو اس کے علاوہ ہے، حالانکہ وہ حق ہے اسکی تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس ہے آپ کہہ دیں! پھر اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو کیوں قتل کرتے رہے ہو؟ اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ (۹۱)

تفسیر

آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں کہ پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہودیوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے دل تو پہلے سے ہی اللہ تعالیٰ کے ان احکام سے بھرے ہوئے ہیں جو ہماری آسمانی کتاب توریت میں بھرے ہوئے ہیں؛ اس لئے ہمیں کسی نئی تعلیم اور نئی وحی وغیرہ کی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ظاہر فرمایا ہے کہ ان لوگوں کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کیونکہ وہ اپنی آسمانی کتابوں کو بھی پوری طرح سے نہیں مانتے اور ان کے حکموں کی پیروی نہیں کرتے، اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنے پیغمبروں کو جھٹلاتے رہے ہیں، بلکہ بعض کو انہوں نے قتل ہی کر دیا ہے اگر اس کتاب اور اس کے حکموں پر ان کا ایمان پختہ ہوتا وہ ہرگز ایسے نافرمان نہ ہوتے۔

یہ دلیل پیش کر کے اللہ تعالیٰ انہیں خبردار کر رہے ہیں کہ تم سیدھے راستے سے بالکل بھٹک چکے ہو اور سچے دین کو چھوڑ چکے ہو، اس لئے تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ دین اسلام کو اختیار کر لو اور قرآن مجید کو مان لو، یہ آخری آسمانی کتاب ہے یہ کتاب خود تمہاری کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور انہیں اصلاح شدہ شکل میں پیش کرتی ہے اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب کو مانے بغیر تمہارا اپنی کتابوں کے ماننے کا دعویٰ بالکل غلط ہے۔

بچھڑے کی پوجا

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ

اور البتہ تحقیق آیا پاس تمہارے موسیٰ کھلے معجزے لےکر پھر بنالیا تم نے بچھڑے کو (خدا) سے

بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا

بعد اسکے اور تم ظالم تھے (۹۲) اور جب لیا ہم نے اقرار تمہارا اور بلند کیا

فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اسْمَعُوْا ۭ قَالُوْا

اوپر تمہارے طور پہاڑ پکڑو جو دیا ہم نے تمہیں زور سے اور سنو بولے وہ

سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا ۤ وَ اُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۭ

سنا ہم نے اور نہ مانا اور پلائی گئی میں دلوں انکے (محبت) بچھڑے کی بسبب کفر انکے

قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

آپ کہہ دیں بری باتیں سکھاتا ہے تمہیں سے اس ایمان تمہارا اگر ہو تم ایمان والے (۹۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور تمہارے پاس موسیٰ کھلے معجزے لیکر آئے، پھر تم نے ان کے بعد بچھڑے کو (معبود) بنالیا اور تم ظالم تھے۔ (۹۲) اور جب ہم نے تم سے اقرار لیا اور تم پر طور پہاڑ کو بلند کیا، (اور کہا) جو ہم نے تمہیں دیا اسے زور سے پکڑو اور سنو، وہ بولے ہم نے سنا اور نہ مانا، اور ان کے دلوں میں ان کفر کے سبب بچھڑے کی محبت اتاردی گئی، آپ کہہ دیں تمہارا ایمان تمہیں بری باتیں سکھاتا ہے اگر تم ایمان والے ہو۔ (۹۳)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا اور آپ کو بہت سے معجزات بھی دیئے، لیکن یہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پوجا شروع کردی، توحید کو چھوڑ کر کفر و شرک میں مبتلا ہو گئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ کو ان کے سروں پر بلند کر کے پختہ عہد لیا، اس وقت تو ڈر کے مارے انہوں نے عہد کرلیا، لیکن جب خطرہ سر سے ٹل گیا تو ماننے سے صاف انکار کردیا، آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: اگر تمہارا ایمان جسکا تم دعویٰ کرتے ہو، یہ کچھ سکھاتا ہے کہ پیغمبروں کا قتل کرو، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بچھڑے کی پوجا کرو، وعدہ کر کے اسے توڑ دو، تو یہ ایمان بہت بری باتیں سکھاتا ہے تو تمہارا یہ ایمان سچا کیسے ہوسکتا ہے؟

موت کی تمنّا

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ

آپ کہہ دیں اگر ہے لئے تمہارے گھر آخرت کا پاس اللہ کے تنہا سوا

النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾

لوگوں پس تمنا کرو تم موت کی اگر ہو تم سچے (۹۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ آپ کہہ دیں کہ اگر آخرت کا گھر (جنت) اللہ تعالیٰ کے ہاں اور لوگوں کے سوا صرف تمہارے لئے ہی ہے تو تم مرنے کی تمنا کرو، اگر تم سچے ہو۔ (۹۴)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے ایک اور عقیدے کی تردید فرمائی ہے آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ یہودیوں نے من گھڑت اور جھوٹی آرزوئیں قائم کر رکھی تھیں، ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ موت کے بعد صرف وہی جنت میں جائیں گے اور وہ جنت کے تنہا وارث ہوں گے ان کے سوا دنیا کی کوئی قوم نہ بخشی جائیگی اور نہ جنت میں داخل ہوگی۔

ان کے اس من گھڑت اور جھوٹے عقیدے کو اللہ تعالیٰ نے غلط قرار دیا، ان یہودیوں سے کہا گیا ہے کہ اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو کہ جنت کے تنہا تم ہی وارث ہو اور تم ضرور جنت میں جاؤ گے تو پھر موت کی تمنا کر کے دکھاؤ، کیونکہ جس شخص کو یہ یقین ہو کہ مرنے کے بعد وہ لازمی طور پر جنت میں جائیگا اسے موت کی تمنا کرنے میں کوئی ڈر نہ ہونا چاہئے۔

لمبی عمر کی خواہش

وَ لَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
اور ہرگز نہ تمنا کرینگے وہ کبھی بسبب اسکے جو بھیج چکے ہیں ہاتھ اُنکے اور اللہ جانتا ہے

بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۹۵ وَ لَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَ مِنَ
ظالموں کو (۹۵) اور آپ پائینگے انہیں زیادہ حریص لوگوں میں پر زندگی کے اور سے

الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَ مَا هُوَ
لوگوں جنہوں نے شرک کیا چاہتا ہے ہر ایک ان میں کہ عمر پائے وہ ہزار (۱۰۰۰) سال اور نہیں وہ

بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝۹۶
بچانے والا اسے سے عذاب کہ عمر پائے لمبی اور اللہ دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں (۹۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور وہ ہرگز کبھی موت کی تمنا نہ کریں گے ان گناہوں کے سبب جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔(۹۵) اور آپ انہیں سب لوگوں سے زیادہ زندگی پر حریص (خواہش مند) پائیں گے اور ان لوگوں سے بھی زیادہ حریص پائیں گے جنہوں نے شرک کیا، ان میں ہر ایک چاہتا ہے کہ ہزار برس کی عمر پائے، حالانکہ ہزار سال کی زندگی بھی اسے عذاب سے بچانے والی نہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دیکھتا ہے۔(۹۶)

معانقة ۲ عند المتاخرین ۱۲ ع ۱۰

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی حقیقت کو پوری طرح کھول کر بیان فرمادیا ہے، یعنی: یہ کہ اگرچہ وہ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ صرف وہی جنت کے وارث ہیں؛ اس لئے ان سے کہا گیا ہے کہ وہ موت کی تمنا کرکے دکھائیں، لیکن وہ اسکی تمنا کرنے کیلئے ہرگز تیار نہیں ہوں گے، وہ اس دنیا کی لذتوں کو چھوڑ کر دوسری دنیا

میں جانے کا قطعاً ارادہ نہیں کرنا چاہتے، اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ انہیں اپنے دعویٰ کی سچائی پر یقین نہیں ہے وہ محض جھوٹ بولتے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک اس بات کا خواہش مند ہے کہ اسے ہزار (1000) سال لمبی عمر ملے تاکہ دنیا کی لذتوں سے زیادہ دیر تک فائدہ اٹھاتے رہیں اور آخرت کے عذاب سے بچے رہیں، لیکن اللہ تعالیٰ انہیں اس بات سے خبردار فرماتے ہیں کہ انکی عمر چاہے کتنی ہی لمبی ہو جائے، لیکن وہ لمبی عمر بھی انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکے گی اور اللہ تعالیٰ ان کے عملوں کو جو وہ کرتے ہیں دیکھ رہا ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی دشمنی

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ

کہہ دیں جو کوئی ہو دشمن جبرائیل کا بیشک اس نے اتارا ہے یہ کلام پر دل آپکے ساتھ حکم اللہ کے

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ

تصدیق کرنیوالا ہے اسکی جو سامنے ہے انکے اور ہدایت اور خوشخبری لئے ایمان والوں کے (۹۷) جو

كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰلَ فَاِنَّ

کوئی ہو دشمن اللہ کا اور فرشتوں اسکے کا اور پیغمبروں کا اور جبرائیل کا اور میکائیل کا پس بیشک

اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

اللہ دشمن ہے کافروں کا (۹۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ آپ کہہ دیں جو کوئی جبرائیل کا دشمن ہو، سو! اس نے تو یہ کلام آپ کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اتارا ہے، کہ تصدیق کرنے والا ہے اس کلام کی جو ان کے سامنے ہے اور ہدایت اور خوشخبری ہے ایمان والوں کو۔ (۹۷) جو کوئی اللہ اور اس کے فرشتوں کا دشمن ہو اور اس کے پیغمبروں کا اور جبرائیل کا اور میکائیل کا تو اللہ تعالیٰ ان کافروں کا دشمن ہے۔ (۹۸)

تفسیر

یہودی کہتے تھے کہ ہمارے باپ دادا پر وقتاً فوقتاً جو عذاب نازل ہوتا رہا ہے اسکی خبریں جبرائیل ہی لایا کرتا تھا یہ ہمارا قومی دشمن ہے جس پیغمبر پر بھی یہ فرشتہ وحی لائیگا ہم اسے نہیں مانیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہی جبرائیل وحی لاتا ہے، اس کے علاوہ بھید کی باتوں، سازشوں اور تدبیروں کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کر دیتا ہے؛ لہٰذا ہم اسلام قبول نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اسکا جواب اس آیت میں دیا ہے کہ جبرائیل کی حیثیت تو محض پیغام پہنچانے والے فرشتے کی ہے، اصل میں ہر قسم کا حکم اور عذاب سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے نازل ہوتا ہے، جبرائیل اور دوسرے فرشتوں یا پیغمبروں کی دشمنی بالکل بے معنیٰ ہے، اس کی سزا میں کافر خود اللہ تعالیٰ کی دشمنی کے سزاوار ہوں گے۔

یہودی عالم ابن صوریا اپنے دوسرے ساتھیوں کیساتھ مل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لینے آیا اور کچھ سوالوں کے علاوہ ایک سوال یہ کیا کہ آپ کے پاس وحی کون لاتا ہے؟ آپ نے فرمایا: مجھ پر جبرائیل علیہ السلام وحی لاتے ہیں، وہ کہنے لگے جبرائیل تو ہمارا دشمن ہے اگر وہ وحی لاتا ہے تو ہم اس کو نہیں مانتے، ہاں اگر میکائیل علیہ السلام وحی لاتا تو ہم مان لیتے، کہنے لگا جبرائیل کو دو وجہ سے ہم نہیں مانتے، اوّل یہ کہ یہ قوموں پر عذاب لاتا ہے اور دوسرا یہ کہ اس نے ہمارے دشمن بخت نصر کی حمایت کی تھی۔

اسکی تفصیل انہوں نے یوں بیان کی کہ ہمارے پیغمبروں نے ہمیں بتایا تھا کہ بخت نصر نامی بادشاہ تمہیں تباہ و برباد کریگا؛ لہٰذا اسے بچپن میں ہی قتل کر دینا، پیغمبروں نے اسکی نشانیاں بتائیں اور یہ بھی بتایا کہ وہ ابتدائی عمر میں فلاں جگہ پر ملے گا اور فلاں کام کرتا ہوگا، چنانچہ ہمارے سرداروں نے بخت نصر کی تلاش میں چاروں طرف آدمی بھیج دیئے اور انہوں نے شہر بابل میں انہی نشانیوں کیساتھ بخت نصر کو تلاش کرلیا، جب اسے قتل کرنے لگے تو جبرائیل سامنے آکر کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا تم اس کو کیوں مارتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ ہمارا قاتل ہے اور ہماری تباہی کا سبب بنے گا، تو جبرائیل نے کہا کہ اگر یہ واقعی قاتل ہے تو تم اسے ہلاک نہیں کرسکو گے اور اگر یہ تمہارا قاتل

نہیں ہے تو خواہ مخواہ ناحق قتل کیوں کرتے ہو، اس طرح جبرائیل نے بخت نصر کو ہلاک ہونے سے بچالیا، وہی بخت نصر جب بڑا ہوا تو اس نے شام اور فلسطین کے علاقوں میں بڑی تباہی مچائی اور بیت المقدس کو گرادیا، توراۃ کو جلایا، یہودیوں کو قتل کیا اور ان کو غلام اور لونڈیاں بنالیا۔

یہودیوں کا عہد توڑنا

وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَ مَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا

اور البتہ تحقیق اتاریں ہم نے طرف آپکی آیتیں واضح اور نہیں انکار کرینگے ان کا مگر

الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ

نافرمان (۹۹) کیا جب کبھی باندھیں گے اقرار پھینک دینگے اسکو جماعت میں سے ان بلکہ

اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

اکثر ان میں نہیں ایمان لاتے (۱۰۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے آپکی طرف واضح آیتیں اتاریں اور ان کا انکار نہ کریں گے، مگر وہی جو نافرمان ہیں۔(۹۹) کیا جب کبھی کوئی اقرار باندھیں گے تو ان میں سے ایک جماعت اس کو پھینک دے گی، بلکہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے۔(۱۰۰)

تفسیر

جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو یہودی حیرت سے کہنے لگے کہ یہ کیسے پیغمبر ہیں ان کے پاس تو کوئی نشانی نہیں، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: تم ایک نشانی مانگتے ہو ہم تو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کئی نشانیاں دے چکے ہیں اور نشانیاں بھی ایسی نمایاں اور روشن جو سب کو نظر آسکتی ہیں اور انہیں دیکھنے کے بعد کوئی صحیح فطرت والا انسان ان کا انکار نہیں کرسکتا، انکار صرف وہی لوگ کریں گے جو اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہیں۔

جب کبھی ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغمبر نشانیاں لیکر آیا انہوں نے اس کو جھٹلایا، اسی انکار اور نافرمانی کی عادت نے انہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبری کا اقرار کرنے سے روکا۔

کتاب اللہ کی مخالفت

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ

اور جب　آیا پاس اُنکے　پیغمبر　سے　طرف　اللہ کی　تصدیق کرنیوالا اسکی　جو　پاس ہے انکے　پھینک دیا

فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ

جماعت نے　سے　ان لوگوں جو　دی گئی　کتاب　کتاب　اللہ کی　پیچھے　پیٹھوں ان کی

كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

گویا وہ　نہیں　جانتے　(۱۰۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا پیغمبر آیا جو تصدیق کرنے والا ہے اس چیز کی جو ان کے پاس ہے تو اہل کتاب کی ایک جماعت نے پھینک دیا، اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے، گویا وہ جانتے ہی نہیں۔ (۱۰۱)

تفسیر

اس آیت میں یہودیوں کو بتایا جاتا ہے کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لئے تشریف نہیں لائے کہ تمہارے دین کو مٹا دیں، بلکہ اسے تازگی بخشنے اور نئی زندگی دینے کیلئے آئے ہیں اس لئے ان کی بات نہ ماننا، سراسر خود اپنے دین کی جڑ کھود کر اسے برباد کرنا ہے۔

ان تمام باتوں کے باوجود یہودیوں نے اسلام کی کھلم کھلا مخالفت شروع کر دی اور "توریت" میں آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کے متعلق جو بشارتیں موجود تھیں اور جو نشانیاں بیان کی گئی تھیں، انہیں چھپانے کیلئے انہوں

نے "تورات" کو بھی بدل ڈالا اور بظاہر بالکل انجان بن گئے، گویا انہیں معلوم ہی نہیں کہ اس میں آخری پیغمبر ﷺ کی نشانیاں موجود ہیں۔

كِتٰبَ اللّٰهِ: اللہ کی کتاب، یہاں بھی اس سے مراد توراۃ ہے جسکی ہدایت کو یہودیوں نے نہ مانا، یہ لوگ پیغمبر ﷺ پر بھی ایمان نہ لائے، حالانکہ ان کی کتاب میں کھلی نشانیاں اور پیشین گوئیاں موجود تھیں یہودی عالموں نے ان پیشین گوئیوں کو چھپانے کی انتہائی کوشش کی اور یہودی عوام نے اسلام اور مسلمانوں کی حددرجہ مخالفت کی، حالانکہ ان کی نجات اسلام کو ماننے میں تھی۔

وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ: اپنی پیٹھ پیچھے، یہ ایک محاورہ ہے جس سے یہ مراد ہے کہ انہوں نے بے پروائی برتی اور اسکی عملی مخالفت کی۔

جادُو کے عمل

وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَ مَا كَفَرَ
اور پیروی کی انہوں نے | جو | پڑھتے تھے | شیطان | پر | بادشاہت | سلیمان | اور | نہیں | کفر کیا

سُلَيْمٰنُ وَ لٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ
سلیمان نے | اور | لیکن | شیطانوں نے | کفر کیا | وہ سکھاتے تھے | لوگوں کو | جادو

بامحاورہ ترجمہ:۔ انہوں نے اسکی پیروی کی جو شیطان پڑھتے تھے، سلیمان کی بادشاہت کے وقت اور سلیمان نے کفر نہیں کیا، لیکن شیطانوں نے کفر کیا، وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی ایک اور خراب خصلت بیان کی ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی حقیقی وحی کو ماننے کے بجائے، جادو اور سفلی عملیات کی پیروی کرتے ہیں، یہ جادو اور سفلی عملیات وہ ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام

کے زمانے میں شیطانوں نے عام کرر کھے تھے، ان میں کفریہ باتیں ہوتی تھیں اور ناجائز طریق پر حاصل کئے جاتے اور برے مقاصد کیلئے استعمال ہوتے تھے۔

یہ لوگ جادو اور کفر والی حرکتیں تو خود کرتے تھے، لیکن انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذمہ لگاتے تھے ان پر یہ الزام لگاتے تھے کہ یہ جادو حضرت سلیمان علیہ السلام سکھاتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ذریعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بری الذمہ ہونے کا اعلان کر دیا اور کہا کہ یہ لوگ سراسر جھوٹ بولتے ہیں۔

سُلَیْمٰنُ: بنی اسرائیل کے ایک مشہور پیغمبر گزرے ہیں وہ اپنے زمانہ کے ایک بہت بڑے بادشاہ بھی تھے، شام اور فلسطین کے علاوہ آپ کی حکومت کی حدیں مشرق کی طرف عراق تک اور مغرب میں مصر تک پھیلی ہوئی تھیں، آپ کی بادشاہت بڑی شان وشوکت اور عظمت والی تھی۔

هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ

وَ مَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ ؕ

اور جو | اتارا گیا | پر | دو فرشتوں | بابل میں | ہاروت | اور | ماروت پر

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اس علم کے پیچھے ہو لئے جو بابل شہر میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اتارا گیا تھا۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے ان دو فرشتوں "ہاروت" اور "ماروت" کو انسانوں کی آزمائش کیلئے جادو کا علم دیکر بھیجا تھا، بابل شہر موجودہ بغداد سے کوئی ۶۰ میل جنوب کی طرف دریائے فرات کے کنارے پر واقع تھا، یہ بہت بڑا شہر تھا انتہائی خوشحال اور ترقی یافتہ تھا، دجلہ اور فرات دو مشہور دریا اس کے علاقہ کو سیراب کرتے تھے، یہ ملک خاص طور پر اس لئے بھی مشہور تھا کہ یہاں جادو کا بہت چرچا تھا۔

یہودی ایک تو اس جادو کے علم کی پیروی کرتے تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں شیطانوں نے

جاری کر رکھا تھا اور دوسرے اس علم کی پیروی بھی کرتے تھے جو بابل میں دو فرشتوں کو دیا گیا تھا، ان فرشتوں کو یہ علم صرف اس لئے دیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کے حالات میں درستی اور اصلاح کریں اور انہیں اس علم کے برے پہلوؤں سے واقف کریں، لیکن یہودی یہ علم برے فائدے اٹھانے کی خاطر سیکھتے اور سکھاتے تھے۔

سحر دھوکہ کو کہتے ہیں، یعنی: ایسی بات جس سے انسان کی نگاہ دھوکہ کھا جائے، حقیقت کچھ اور ہو اور ظاہر کچھ اور ہو، معجزہ اور سحر میں دوسری باتوں کے علاوہ بڑا فرق یہ ہے کہ معجزہ میں ماہیت بدل جاتی ہے لیکن سحر (جادو) سے حقیقت نہیں بدلتی صرف نظر دھوکہ کھا جاتی ہے۔

اسلام نے جادو کو حرام قرار دیا ہے وجہ ظاہر ہے کہ جادوگر مشرکانہ جملے استعمال کرتے ہیں، ناجائز طریقے اختیار کرتے ہیں اور جادو برے کاموں کیلئے استعمال کرتے ہیں بھلا کوئی پیغمبر اور اللہ کے فرشتے ایسے کام کیونکر کر سکتے ہیں۔

جادو کی خرابیاں

وَ مَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ

اور نہیں سکھاتے تھے وہ دونوں کسی کو یہاں تک کہ کہہ دیتے اسکے سوا نہیں ہم آزمائش پس نہ تم کفر کرو

فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ ؕ

پھر وہ سیکھتے سے ان دونوں وہ جو جدائی ڈالتے سے اس درمیان مرد اور بیوی اسکی کے

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہ دونوں کسی کو جادو نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو آزمائش کے لئے ہیں (تم جادو سیکھ کر) کافر نہ ہو جانا، پھر بھی وہ ان دونوں سے جادو سیکھتے جس سے مرد اور اسکی بیوی میں جدائی ڈالتے۔

تفسیر

بابل شہر کے بعض فساد پسند لوگ ان فرشتوں کے پاس آتے اور ان سے کہتے کہ آپ جادو کے علم اور سفلی

عملیات سے روکتے ہیں، لیکن یہ تو بتایئے کہ جادو کہتے کسے ہیں اور وہ کون سا عمل ہے جس پر جادو سے کام لینا یا فائدہ اٹھانا کفر ہے، یہ بتانے کے بعد جب وہ فرشتے انہیں جادو کے بارے میں کچھ بتاتے اور ساتھ یہ بھی بتاتے کہ یہ جادو کفر ہے پھر بھی وہ ان سے جادو سیکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی اس شرارت کے بارے میں مزید یہ بات بھی بتائی کہ وہ جادو اور سفلی عملیات میں زیادہ تر ان عملیات کو سیکھتے تھے جن کی مدد سے میاں بیوی کے درمیان جدائی پیدا ہو، حالانکہ ایسا کرنا بدترین کام ہے کہ دو دلوں میں اختلاف پیدا کرایا جائے اور خاص طور پر میاں بیوی میں جھگڑا پیدا کرنا بدترین کام ہے۔

"ہاروت" اور "ماروت" کا یہ بتا دینا کافی ہونا چاہئے تھا کہ وہ اپنے آپ کو ایک آزمائش بتلاتے تھے اور یہود کو کفر و سرکشی سے باز رہنے کی تلقین کرتے تھے، لیکن انہوں نے نہ مانا۔

قرآن و سنت میں سحر ہر ایسے عجیب کام کو کہا جاتا ہے جس میں شیطانوں کو خوش کر کے ان کی مدد حاصل کی گئی ہو، پھر شیطانوں کو راضی کرنے کی مختلف صورتیں ہیں، کبھی ایسے منتر اختیار کئے جاتے ہیں جن میں کفر و شرک کے کلمات ہوں اور شیطانوں کی تعریف کی گئی ہو یا ستاروں کی عبادت اختیار کی گئی ہو جس سے شیطان خوش ہوتا ہے۔

کبھی ایسے عمل اختیار کئے جاتے ہیں جو شیطانوں کو پسند ہیں، مثلاً: کسی کو ناحق قتل کر کے اسکا خون استعمال کرنا یا ناپاکی کی حالت میں رہنا، غسل نہ کرنا وغیرہ۔

شیطانوں کی امداد ایسی باتوں اور ایسے کاموں سے حاصل ہوتی ہے جو شیطانوں کو پسند ہیں؛ اسی لئے سحر صرف ایسے ہی لوگوں کا کامیاب ہوتا ہے جو گندے اور ناپاک رہیں، پاکی اور اللہ تعالیٰ کے نام سے دور رہیں، گندے کاموں کے عادی ہوں، عورتیں بھی حیض کے دنوں میں یہ کام کرتی ہیں تو جادو اثر کرتا ہے، باقی شعبدے اور ٹوٹکے یا ہاتھ چالاکی کے کام یا مسمریزم جادو نہیں، انہیں ویسے ہی جادو کہہ دیا جاتا ہے۔

گھاٹے والا سودہ

وَ مَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ يَتَعَلَّمُوْنَ

اور نہیں وہ نقصان کرسکتے سے اس کسی کا مگر ساتھ حکم اللہ کے اور سیکھتے ہیں

مَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ

وہ جو نقصان کرے انکا اور نہ فائدہ کرے انکا اور البتہ تحقیق جان چکے ہیں جس نے یہ اختیار کیا نہیں لئے اسکے

فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ وَ لَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ

میں آخرت کوئی حصّہ اور بہت بری وہ چیز بیچا بدلے جسکے جانوں اپنی کو کاش

كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ

ان کو سمجھ ہوتی (۱۰۲) اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ کرتے توبدلہ پاتے سے نزدیک

ع ۷ ۱۲ ۱۲ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

اللہ کے بہتر کاش ہوتی انہیں سمجھ (۱۰۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور وہ اس جادو سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کسی کا نقصان نہیں کرسکتے اور وہ چیز سیکھتے ہیں جو ان کا نقصان کرے اور فائدہ نہ کرے اور وہ خوب جان چکے ہیں کہ جس نے یہ اختیار کیا اس کے لئے آخرت میں کچھ حصّہ نہیں اور جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچا وہ بہت بری ہے کاش! ان کو سمجھ ہوتی۔(۱۰۲) اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں سے بہتر بدلہ پاتے کاش! ان کو سمجھ ہوتی۔(۱۰۳)

تفسیر

آیت کے اس حصے میں اللہ تعالیٰ نے جادو کی حقیقت کھول کر بیان فرمائی ہے اور اسکا نتیجہ بھی بتایا ہے، اگرچہ وہ دوسروں کے نقصان کیلئے جادو کرتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: وہ ہمارے حکم کے بغیر کسی کو بھی

نقصان نہیں پہنچا سکتے ، بلکہ اس سے خود انہی کا نقصان ہوتا ہے ان برے عملوں میں پھنس کر وہ اپنی آخرت کو بگاڑ رہے ہیں، ممکن ہے وہ دنیا کے کچھ عارضی فائدے اٹھالیں، لیکن آخرت میں ان کیلئے کوئی نعمت نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ان لوگوں نے ایک معمولی سی چیز کے بدلے اپنے آپ کو اور اپنی آخرت کو قربان کر دیا، وہ ان کے حق میں بہت ہی مضر ہے اگر اس راستے کے بجائے وہ نیکی کا راستہ اختیار کرتے ، اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے تو یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں بہتر اجر دیتا۔

جادو شریعت کی نظر میں

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے قرآن وحدیث میں سحر صرف ایسے عمل کو کہا گیا ہے جس میں کفر و شرک اور فسق و فجور اختیار کر کے جنوں اور شیطانوں کو راضی کیا گیا ہو اور ان سے مدد لی گئی ہو، انکی مدد سے کچھ عجیب واقعات ظاہر ہو گئے ہوں، بابل شہر کا جادو جسکا قرآن مجید میں ذکر ہے وہ یہی تھا، اور اسی جادو کو قرآن مجید میں کفر قرار دیا ہے، ابو منصور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: صحیح یہی ہے کہ مطلقاً جادو کی تمام قسمیں کفر نہیں، بلکہ صرف وہ جادو کفر ہے جس میں ایمان کے خلاف کام اختیار کئے ہوں۔

الفاظ کا غلط استعمال

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو نہ کہو راعنا اور کہو انظرنا اور

اسْمَعُوْا ؕ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

سنتے رہو اور لئے کافروں کے عذاب ہے دردناک (۱۰۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے ایمان والو! "رَاعِنَا" نہ کہو اور "اُنْظُرْنَا" کہو اور غور سے سنتے رہو اور کافروں کیلئے دردناک عذاب ہے۔ (۱۰۴)

لفظی تحقیق: رَاعِنَا: راعنا۔ اسکا مطلب ہے ہماری طرف متوجہ ہو اور ہماری رعایت کرو۔ اُنْظُرْنَا: ہمیں دیکھ۔ اسکا مطلب بھی یہی ہے کہ ہماری طرف متوجہ ہو اور ہماری رعایت کرو، یہودی حضرت محمد ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتے اور آپ کی وعظ ونصیحت سنتے اگر کوئی بات نہ سن سکتے اور دوبارہ پوچھنا چاہتے تو "رَاعِنَا" کہتے۔

تفسیر

ان سے یہ کلمہ سن کر کبھی کبھی مسلمان بھی کہہ دیتے، اللہ تعالیٰ نے انہیں منع فرمایا کہ: یہ لفظ نہ کہو، اگر کہنا ہو تو "اُنْظُرْنَا" کہو، یہودی دراصل لفظ "رَاعِنَا" بدنیتی سے کہتے تھے، وہ اس لفظ کے عین کا زیر ذرا بڑھا کر کہتے اور یہ لفظ "رَاعِیْنَا" ہو جاتا (یعنی: ہمارا چرواہا) اور یہودیوں کی زبان میں لفظ "رَاعِنَا" احمق کو بھی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ: اس جگہ "اُنْظُرْنَا" بولا کرو، جس کے معنٰی ہیں ہمارے اوپر نظر کیجئے، اس لفظ میں مذمت کا پہلو نہیں پایا جاتا، ساتھ ہی یہ حکم بھی ہے کہ غور سے سنتے رہا کرو، تاکہ پوچھنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: جو لوگ پیغمبر ﷺ کی کا مذاق اُڑاکے اور آپ ﷺ کو برے کلموں سے خطاب کرکے بے ادبی کرتے ہیں وہ کافر ہیں، ان کی سزا کیلئے اللہ تعالیٰ نے بہت دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

کافروں کی ضد

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ لَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ

نہیں چاہتے وہ لوگ جو کافر ہیں سے اہل کتاب اور نہ مشرک کہ

يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ

اترے پر تم کوئی نیک بات سے رب تمہارے اور اللہ خاص کرلیتا ہے سے رحمت اپنی

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾

جسے چاہے اور اللہ والا فضل بڑا (۱۰۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہ لوگ جو کافر ہیں نہیں چاہتے اہل کتاب میں اور نہ مشرکوں میں سے اس بات کو کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی نیک بات اتاری جائے اور اللہ تعالیٰ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت سے جس کو چاہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ (۱۰۵)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ تمام کافر، مشرک اور اہل کتاب اس بات پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں چھوڑ کر مسلمانوں پر برکتیں اور نعمتیں کیوں نازل کرتا ہے۔

پھر فرمایا کہ: وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل کیلئے چن لیتا ہے اس لئے کسی کو کسی پر حسد نہیں کرنا چاہئے اور جن قوموں سے پیغمبری چھین لی گئی وہ اس لئے نہیں کہ اللہ تعالیٰ (نعوذ باللہ) بخیل ہے، بلکہ خود ان قوموں کے اعمال کی وجہ سے وہ اس نعمت سے محروم کر دیئے گئے۔

آیات کی منسوخی

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ

جو ہم منسوخ کرتے ہیں کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں ہم بھیج دیتے ہیں بہتر سے اس یا برابر اسکے

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ

کیا نہیں آپکو معلوم کہ بیشک اللہ پر ہر چیز کے قادر ہے (۱۰۶) کیا نہیں آپکو معلوم کہ بیشک اللہ

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ

لئے اسکے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور نہیں لئے تمہارے سوا اللہ کے کوئی

وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾
حمایتی اور نہ مددگار(۱۰۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کے برابر بھیج دیتے ہیں کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر شئے پر قادر ہے۔(۱۰۶) کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آسمان اور زمین کی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے اور تمہارے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی حمایتی ہے اور نہ مددگار۔(۱۰۷)

تفسیر

بنی اسرائیل اور عرب کے مشرکوں کا ایک اعتراض یہ تھا کہ جب قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا بھی ہے تو پھر یہ پہلی کتابوں کے حکموں کو منسوخ کر کے نئی شریعت کیوں نافذ کرتا ہے؟ نیز: اپنے ہی حکموں کو بعض اوقات تبدیل کر دیتا ہے، بقول انکے اسکا مطلب تو یہ ہے کہ معاذ اللہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کو معاملے کا پوری طرح علم نہیں ہوتا تو حکم جاری کر دیتا ہے، مگر جب اسکا پوری طرح علم ہو جاتا ہے تو حکم میں ترمیم کر دیتا ہے۔

حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی کسی قوم کے حالات کے تقاضے کے مطابق حکم نازل فرماتے ہیں جیسا کہ ضرورت ہوتی ہے، بعض حکموں کو تبدیل کر دیتے ہیں یا اپنی حکمت کی وجہ سے اس میں ترمیم کر دیتے ہیں، قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو کہ تمام قوموں کیلئے اسکے حکم ایک جیسے ہیں؛ لہٰذا اس نے پہلے شریعتوں کو منسوخ کر کے قیامت تک رہنے والے حکم نازل کر دیئے ہیں۔

اَوْ نُنْسِهَا: مشہور قرأت کے مطابق "اِنْسَاء اور نِسْيَان" سے ماخوذ ہے معنی یہ ہیں کہ کبھی نسخ آیت کی یہ صورت بھی ہوتی ہے کہ وہ آیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کے ذہنوں کے سے بالکل بھلا دی جائے، جیسا کہ اسکی تفسیر میں کئی واقعے اس طرح کے حضرات مفسرین نے ذکر کئے ہیں، اس بھلا دینے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ آئندہ اس پر عمل کرانا مقصود نہیں، نسخ کے متعلق بقیہ احکام کی تفصیلات کی یہاں گنجائش نہیں اسکا اصل محل اصولِ فقہ

کی کتابیں ہیں۔

پیغمبر سے سوالات

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ

کیا چاہتے ہوتم کہ سوال کرو پیغمبر اپنے سے جیسے سوال کئے گئے موسیٰ سے پہلے

وَ مَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾

اور جو بدلے میں لے کفر ایمان کے تو وہ بھٹکا سیدھے راستے سے (۱۰۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کیاتم چاہتے ہو کہ اپنے پیغمبر سے سوال کرو جیسے اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کئے گئے اور جو کوئی ایمان کے بدلے کفر لے تو وہ سیدھے راستے سے بھٹک چکا۔(۱۰۸)

تفسیر

یہودی مسلمانوں کے دلوں میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید کے بارے میں طرح طرح کے شک پیدا کرنے کی کوشش کرتے اور کہتے کہ ان کو دور کرنے کیلئے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جواب معلوم کرو، دراصل ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اگر مسلمان ہمارے مذہب کو قبول نہیں کرتے تو کم از کم وہ اپنے دین سے ہی بددل ہوجائیں گے اور اپنے مذہب کی تعلیم سے بدگمان ہوجائیں گے، بعض مسلمان ان کی اس سازش اور چال سے بے خبر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آکر بے تکے سوال کرتے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اس چیز سے منع فرمادیا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرنے کی ممانعت ایک اور مقصد سے بھی ہوئی ہے بار بار سوال کرنے سے انسان اپنے اوپر خود پابندی اور مشکلات کے اضافہ کا سبب بنتا ہے آسان حکم مشکل ہوجاتے ہیں جن باتوں میں آزادی ہوتی ہے حکم آنے سے ان باتوں میں بھی پابندی لگ جاتی ہے، بنی اسرائیل کیساتھ یہی ہوا گائے کا واقعہ بطورِ مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔

کفار کا حسد

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ

چاہتے ہیں بہت سے اہل کتاب کاش پھیر دیں تمہیں سے بعد ایمان تمہارے

كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ

کافر بنا کر حسد سے نزدیک دل اپنے سے بعد جب ظاہر ہو گیا پر ان

الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى

حق درگزر کرو تم اور خیال نہ کرو یہاں تک کہ بھیجے اللہ حکم اپنا بیشک اللہ پر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾

ہر چیز کے قادر ہے (۱۰۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بہت سے اہل کتاب چاہتے ہیں کاش! تمہیں ایمان کے بعد کفر میں لوٹا دیں اپنے دلی حسد کی وجہ سے، بعد اس کے کہ ان پر حق ظاہر ہو گیا، تم درگزر کرو اور خیال میں نہ لاؤ، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آئے، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱۰۹)

تفسیر

اس سے پہلی آیت میں کافروں اور یہودیوں کی اس بات کا ذکر ہو چکا ہے کہ وہ اپنے پیغمبروں سے بے جا سوالات کرتے رہے ہیں اور آخر کار انہوں نے اپنے غلط رویے کی وجہ سے ایمان کو چھوڑ کر کفر کی راہ اختیار کر لی، اب مسلمانوں کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ وہ تمہیں بھی اسی طرح ایمان سے ورغلا کر کفر کی طرف کھینچنا چاہتے ہیں کافروں اور یہودیوں کی اس خواہش کی وجہ ان کا دلی بغض اور حسد ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے بارہ میں ان کے اندر موجود ہے۔

حسد کے معنٰی ہیں کسی کی خوبی ترقی اور اچھائی کو دیکھ کر دل میں جلنا کڑھنا اور یہ خواہش کرنا کہ اس سے چھن

جائے، جو شخص کسی سے حسد کرتا ہے وہ صرف اس سے دشمنی نہیں کرتا، بلکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے دین پر اعتراض کرتا ہے اور بلا وجہ اپنے دل ہی دل میں جلتا ہے حسد سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، البتہ اخلاق ضرور بگڑتے ہیں اور ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔

آخرت کی تیاری

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ

اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور جو کچھ آگے بھیج دو گے واسطے اپنے

مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾

سے بھلائی پاؤ گے اسے پاس اللہ کے بیشک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھتا ہے (۱۱۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور جو کچھ بھلائی اپنے واسطے آگے بھیج دو گے وہ اللہ تعالیٰ کے پاس پاؤ گے، بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے دیکھتا ہے۔ (۱۱۰)

تفسیر

یہودیوں کی سازشوں سے بچنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم انکی طرف توجہ نہ دو، بلکہ اللہ تعالیٰ کے آخری حکم جہاد کے اعلان کا انتظار کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو، یہ دونوں اصول ایسے ہیں جس سے فرد اور جماعت دونوں کی قوت بڑھتی ہے۔

جو کوئی نیکی تم آگے بھیجتے رہو گے تو ان کا اجر تمہارے رب کے پاس محفوظ رہے گا، کیونکہ وہ تمہارے ہر عمل کو دیکھتا ہے اور انسان کی ادنیٰ سی کوشش بھی رائیگاں نہیں جاتی، ہمیں چاہئے کہ اپنے دشمنوں کے حملوں اور سازشوں سے بچنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے حکموں کی پابندی کریں۔

جنت کا حق دار کون؟

وَ قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ
اور کہتے ہیں ہرگز نہیں جائیں گے جنت میں مگر جو ہونگے یہودی یا عیسائی یہ
اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۚ
آرزوئیں ہیں انکی کہہ دیں لے آؤ دلیل اپنی اگر ہو تم سچے (۱۱۱) کیوں نہیں
مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَ
جس نے تابع کر دیا چہرہ اپنا لئے اللہ کے اور وہ نیک کام کرنیوالا ہو پس لئے اسکے ثواب اسکا پاس رب اسکے اور
لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع ۹/۱۳/۱۴
نہ ڈر پران اور نہ وہ غمگین ہونگے (۱۱۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور (بنی اسرائیل) کہتے ہیں کہ ہرگز جنت میں نہ جائیں گے، مگر وہ جو یہودی اور عیسائی ہوں گے، یہ ان کی آرزوئیں ہیں، آپ کہہ دیں! اگر تم سچے ہو تو اپنی سند لے آؤ۔ (۱۱۱) کیوں نہیں! جس نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے تابع کر دیا اور وہ نیک کام کرنے والا ہے تو اسکا ثواب اس کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (۱۱۲)

تفسیر

دنیا کی تمام سابقہ قوموں اور قدیم مذہب والوں کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے جدا جدا گروہ بنا کر دین کی سچائی ضائع کر دی، جو حقیقت میں ایک ہی تھی اور سب کو یکساں طور پر دی گئی تھی، اب ہر گروہ دوسرے کو جھٹلاتا ہے اور صرف اپنے آپ کو سچائی کا وارث سمجھتا ہے یہودی بھی اس گمراہی میں مبتلا تھے اور ان کا خیال تھا کہ سچائی صرف ان کے پاس ہے وہی جنت میں جائیں گے، قرآن مجید نے بتایا کہ: یہ ان کی من گھڑت

باتیں اور جھوٹی آرزوئیں ہیں، اگر ان کے پاس کوئی دلیل ہے تو پیش کریں۔

اب قرآن مجید اس لئے بھیجا گیا ہے کہ سب کو اسی مشترک سچائی پر جمع کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بن کر نیک کام کرنا ہی دینداری ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: جو کوئی میری فرمانبرداری کرے گا اور نیکی اختیار کرے گا وہ کامیاب ہوگا، ایسا کرنے والے کو نہ تو اپنی پچھلی زندگی کا غم ہوگا اور نہ آئندہ کا کوئی خوف ہوگا۔

جس نے اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے تابع کر لیا اور پھر وہ نیکی کرنے والا بن گیا تو ایسے شخص کیلئے اپنے رب کے ہاں اجر ہے نیکی کا بدلہ اس کو ضرور ملے گا، ایسے لوگ مستقبل میں کسی پریشانی میں مبتلا نہیں ہوں گے، نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے، ظاہر ہے کہ دنیا میں انسان ہر وقت پریشان رہتا ہے کم از کم موت کا ڈر تو اسے ہر وقت لگا رہتا ہے، پھر دولت اور صحت کے چھن جانے کا خوف لگا رہتا ہے پتا نہیں یہ دولت ہمارے پاس رہے گی یا نہیں، پتہ نہیں کل کو صحت بھی برقرار رہ سکے گی یا نہیں، تو اس قسم کے خوف ہمیشہ انسان کو لگے رہتے ہیں، مگر جن کا عقیدہ صحیح ہوگا اور جو اچھے عمل کرنے والے ہوں گے وہ ان تمام پریشانیوں سے محفوظ رہیں گے، انہیں نہ اپنے ماضی پر افسوس ہوگا اور نہ انہیں مستقبل کا کوئی خدشہ ہوگا، برخلاف اس کے جنہوں نے کوئی نیکی نہیں کی زندگی کی پونجی کو ضائع کر دیا، وہ افسوس کریں گے کہ ہم نے کتنی کوتاہی کی اللہ تعالیٰ نے مہلت دی تھی، مگر ہم نے اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا، نہ عقیدہ درست کیا اور نہ نیکی کا کوئی کام کیا، ایمان سے محروم رہے، ایسے لوگ خوف اور پریشانی میں مبتلا ہوں گے اور اپنے کئے پر ہمیشہ افسوس کرتے رہیں گے۔

جنت میں جانے کیلئے صرف یہ بھی کافی نہیں کہ کوئی آدمی اپنے دل سے خدا کی فرمانبرداری کا ارادہ تو کر لے، مگر اطاعت فرمانبرداری اور عبادت کے طریقے اپنے ذہن وخیال کے مطابق خود گھڑ لے، حالانکہ یہ ضروری ہے کہ عبادت واطاعت کے طریقے بھی وہی اختیار کرے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بتائے اور متعین کئے ہوں۔

"تورات" کے زمانے میں عمل صالح وہ تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور "توریت" کی تعلیم کے مطابق تھا، "انجیل" کے دور میں عمل صالح یقیناً وہی عمل تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور "انجیل" کی تعلیم کے مطابق تھا اور اب

"قرآن مجید" کے زمانے میں عمل صالح وہی ہوگا جو پیغمبر ﷺ کے فرمان اور ان کی لائی ہوئی اللہ تعالیٰ کی کتاب "قرآن مجید" کی ہدایت کے مطابق ہوگا۔

مذہبی گروہ بندیاں

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَیْءٍ ۪ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰى

اور　کہا　یہودیوں نے　نہیں　عیسائی　پر　راہ　اور　کہا　عیسائیوں نے

لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَیْءٍ ۙ وَّ هُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ

نہیں　یہودی　پر　راہ　حالانکہ وہ　پڑھتے ہیں　کتاب　اسی طرح　کہا

الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ

ان لوگوں نے جو نہیں　جانتے　مانند　بات انکی　اب اللہ　فیصلہ کریگا　درمیان انکے　دن

الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

قیامت کے　میں جس　تھے وہ　میں اس　جھگڑتے　(۱۱۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور یہودیوں نے کہا کہ عیسائی کسی راہ پر نہیں اور عیسائیوں نے کہا کہ یہودی کسی راہ پر نہیں، حالانکہ وہ سب کتاب پڑھتے ہیں، اسی طرح جاہل لوگوں نے انہی کی سی بات کہی، اب اللہ تعالیٰ ان میں قیامت کے دن فیصلہ کرے گا جس بات میں وہ جھگڑتے تھے۔ (۱۱۳)

تفسیر

تمام اہل کتاب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی سچائی اور تعلیم کی پیروی کرنے کے بجائے مذہبی فرقہ بندی میں مبتلا ہیں ان میں سے ہر ایک یہی دعویٰ کرتا ہے کہ وہ سیدھی راہ پر ہے اور دوسرا راستے سے بھٹکا ہوا ہے۔

یہی حال ان لوگوں کا ہے جن کے پاس آسمانی کتاب تو کوئی نہیں، لیکن انہوں نے خود ہی یہ عقیدے گھڑ رکھے

ہیں کہ وہ سیدھی راہ پر ہیں اور دوسرے تمام فرقے حقیقی راہ سے بھٹک گئے ہیں ان لوگوں میں عرب کے مشرک اور دوسرے باطل پرست شامل ہیں۔

قرآن مجید نے یہ بتایا کہ: یہ مذہبی فرقہ بندی بالکل فضول ہے اصل چیز اللہ تعالیٰ کے حکم ماننا اور نیک عمل کرنا ہے جو شخص ان دونوں اصولوں پر عمل کرے گا، بس وہی سیدھی راہ پر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ادھر مشرکوں کا حال بھی یہودیوں اور عیسائیوں سے کم نہیں، عرب کے مشرک بھی وہی بات کرتے ہیں جو اہل کتاب نے کی یہ کہتے ہیں کہ نہ یہودی اور عیسائی حق پر ہیں اور نہ مسلمان، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ کچھ بھی نہیں جانتے یہ تو صرف جاہل ہیں، نہ ان کے پاس کوئی کتاب ہے جس سے یہ رہنمائی حاصل کر سکیں اور نہ ہی دو ہزار سال کے عرصے میں ان کے پاس کوئی پیغمبر آیا ہے، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد تقریباً ڈیڑھ ہزار سال تک عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے دین پر قائم رہے، اس کے بعد ان میں بگاڑ پیدا ہونا شروع ہوا، اور پھر ایسا وقت بھی آیا کہ سب کے سب شرک کی طرف مائل ہو گئے، ہزاروں میں سے کوئی اکّادکّا ہی اللہ تعالیٰ کو ماننے والا ملتا ہے، ورنہ سب دین سے ہٹ چکے تھے۔

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ: یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی کسی دین پر نہیں ہیں، اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی کسی دین پر نہیں، یعنی: ان کا دین سچا نہیں ہے، اس طرح جب یہ اکٹھے ہوتے ہیں تو آپس میں جھگڑتے ہیں، یہودیوں کا اعتراض یہ ہے کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا کہہ کر کفر کیا اور عیسائیوں کا اعتراض یہ ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام آئے تو یہودیوں نے نہ صرف انکار کیا، بلکہ "انجیل" کو بھی نہ مانا؛ لہٰذا یہ گمراہ ہوئے، فرمایا: یہ دونوں فرقے ایک دوسرے پر الزام لگاتے ہیں، حالانکہ یہ دونوں گروہ اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی: "تورات" اور "انجیل" کی تلاوت کرتے ہیں، اس کے باوجود ان میں اس قدر اختلاف پایا جاتا ہے۔

مسجدوں کو ویران کرنے والے

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَ
اور کون بڑا ظالم جس نے منع کیا مسجدوں اللہ کی سے کہ لیا جائے میں جس نام اسکا اور

سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ
کوشش کی میں اجاڑنے اسکے ایسے نہیں تھے واسطے انکے کہ داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ہوئے

لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾
لئے انکے میں دنیا ذلّت اور لئے انکے میں آخرت عذاب بڑا (۱۱۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں منع کیا کہ وہاں اسکا نام لیا جائے اور ان کے اجاڑنے کی کوشش کی، ایسوں کو لائق نہیں کہ ان میں داخل ہوں، مگر ڈرتے ہوئے، ان کیلئے دنیا میں ذلّت ہے اور ان کیلئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ (۱۱۴)

تفسیر

اس آیت میں اسلام سے پہلے کے ایک واقعہ کا ذکر ہے، جب یہودیوں نے حضرت یحیٰی علیہ السلام کو قتل کر ڈالا تو روم کے عیسائیوں نے ان سے انتقام لینے کی خاطر ایراق کے مجوسی بادشاہ بخت نصر کیساتھ ملکر اپنے بادشاہ طیطوس کی سرکردگی میں شام کے یہودیوں پر حملہ کرکے ان کو قتل کیا اور توراۃ کے نسخوں کو جلا ڈالا، بیت المقدس میں گندگی اور خنزیر ڈال دیئے، اس کی عمارت کو خراب و ویران کر دیا، یہودیوں کی قوت و شوکت کو بالکل ختم کر دیا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک تک بیت المقدس اسی طرح ویران پڑا تھا۔

علماء نے کہا ہے کہ: جس طرح اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مسجد آباد ہوتی ہے برے کام اور بری بات سے مسجد ویران ہوتی ہے، اس کے علاوہ وہ تمام چیزیں جو نمازیوں کی کمی اور مسجد کی ویرانی کا سبب بنیں وہ سب اس آیت

کے حکم میں داخل ہوجاتی ہیں کہ وہ ناجائز ہیں، اس لئے ایسی چیزوں سے پرہیز کرنا چاہئے جن سے مسجد کی رونق کم ہو اور لوگوں کا مسجد میں آنا کم یا بند ہو جائے۔

جس طرح مسجد کو ظاہری طور پاک صاف رکھنا ضروری ہے اسی طرح مسجد کو باطنی خرابیوں سے پاک رکھنا بھی ضروری ہے، باطنی خرابی یہ ہے کہ مسجد کو اس کے اصل مقصد کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کیلئے استعمال کیا جائے، مسجد عبادت خانہ ہے اس میں نماز، تلاوت، ذکر واذکار ہونا چاہئے نہ کہ دنیا کے دوسرے کاروبار، مسجد میں لڑائی جھگڑا کرنا، فحش کلامی، گالی گلوچ کرنا، گندگی پھینکنا، تجارت یا لین دین کرنا یہ سب مسجد کے آداب کے خلاف ہے، یہاں تک کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں گمشدہ چیزوں کا اعلان کرنے سے بھی منع فرمایا ہے، بلکہ فرمایا کہ: جو شخص مسجد میں گمشدگی کا اعلان کرے اس کے حق میں یوں دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ تیری چیز تجھ کو واپس نہ لوٹائے، کیونکہ تو نے مسجد کے آداب کا خیال نہیں رکھا، اسی طرح فرمایا کہ: مسجد میں تجارت کرنے والے کے حق میں کہو کہ اللہ تعالیٰ تجھے اس تجارت میں نفع نہ دے۔

اِلَّا خَآىِٕفِيْنَ: کا مطلب یہی ہے کہ مسجد میں خشوع وخضوع کے علاوہ کوئی بات نہیں کرنی چاہئے، مسجد میں چیخ وپکار اور ایسی ویسی دنیوی باتیں کرنے کی ممانعت ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: ان پر لازم ہے کہ وہ جب مسجد میں داخل ہوں تو ڈرتے ہوئے داخل ہوں، لیکن چونکہ وہ اپنی شرارتوں سے باز نہیں آئے، اس لئے انہیں دنیا میں بھی رسوا کن عذاب ملا اور آخرت میں بھی بہت بڑا عذاب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہر طرف موجود ہے

وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ

اور اللہ کا ہے | مشرق | اور | مغرب | پس جس طرف | تم منہ کرو | وہیں | متوجہ ہے | اللہ

اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

بیشک | اللہ | وسعت والا | سب کچھ جاننے والا (۱۱۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور مشرق اور مغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، سو! جس طرف تم رخ کرو، اللہ تعالیٰ بھی اسی طرف متوجہ ہے، بیشک اللہ تعالیٰ وسعت کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ (۱۱۵)

شانِ نزول

اس آیت کا ایک شان نزول یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ مسافر اور سوار کو قبلہ کا رخ معلوم کرنا، چونکہ مشکل ہوتا ہے اس لئے حکم ہوا کہ اس وقت جس طرف بھی رخ کرکے عبادت کروگے وہ قبول ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر سمت اور ہر جگہ موجود ہے، چنانچہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر نماز کیلئے قبلہ کا صحیح رخ معلوم نہ ہوسکے تو جس طرف دل گواہی دے اس طرف رخ کرکے نماز ادا کرلے اور نفل نماز اگر سواری پر ہو تو خواہ سواری کی سمت بدل جائے تم اپنی نماز جاری رکھو، پس جدھر تم اپنا منہ کرلوگے اُدھر ہی اللہ تعالیٰ کا سامنا ہے۔

تفسیر

اسی طرح جہاں نمازی کو سمت قبلہ معلوم نہ ہو اور رات کی اندھیری وغیرہ کی وجہ سے سمتیں متعین کرنا بھی دشوار ہو اور کوئی بتلانے والا بھی نہ ہو تو وہاں بھی یہی حکم ہے کہ وہ اپنا اندازہ اور تخمینہ لگا کر، یعنی: اپنے دل میں خوب سوچ بچار کرکے جس طرف کو بھی متعین کرلیگا وہی سمت اسکا قبلہ قرار دی جائے گی، نماز ادا کرنے کے بعد اگر یہ بھی ثابت ہوجائے کہ اس نے غلط سمت میں نماز ادا کی ہے تب بھی نماز صحیح ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

آیت کے اس بیان اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے تعامل اور جزئیات مذکورہ سے استقبال قبلہ کے حکم شرعی کو پوری حقیقت واضح ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں

وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اور کہتے ہیں — رکھتا ہے — اللہ — اولاد — پاک ہے وہ — بلکہ اسی کا ہے جو کچھ میں — آسمانوں

وَ الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

اور زمین سب لئے اسکے فرمانبردار(۱۱۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے وہ سب باتوں سے پاک ہے بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کا ہے سب اسی کے فرمانبردار ہیں۔(۱۱۶)

تفسیر

عیسائیوں کا ایک غلط عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنالیا ہے، ان کا یہ عقیدہ شرک کی بدترین قسم ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: وہ ان تمام بیہودہ باتوں سے پاک ہے اسکی کوئی اولاد نہیں ہے، وہ ایک ہے، وہ تمام کائنات کا مالک ہے، زمین وآسمان میں جو کچھ ہے سب اسی کے حکم کے تابع ہے، ہر جگہ اسی کی بادشاہت ہے، وہ سب کا معبود ہے، کائنات کی تمام چیزیں اس کے حکم کے آگے سر جھکائے ہوئے ہیں، انسان کا کمال بھی اسی میں ہے کہ اس کے آگے سر جھکا دے اور صرف اسی کا فرمانبردار بن کر رہے۔

كُنْ فَيَكُوْنُ!

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ

پیدا کرنیوالا ہے آسمانوں اور زمین کا اور جب حکم کرتا ہے کسی کام کا تو یہی فرماتا ہے اس کو

كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

ہوجا پس وہ ہوجاتا ہے(۱۱۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔زمین اور آسمان کا پیدا کرنے والا ہے اور جب کسی کام کا حکم کرتا ہے تو اس کو یہی فرماتا ہے کہ: ہوجا! پس وہ ہوجاتا ہے۔(۱۱۷)

تفسیر

کُنْ فَیَکُوْنُ: ہوجا، پس وہ ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کو کائنات کی تخلیق اور ایجاد میں اسباب اور وسائل کی ضرورت نہیں، صرف اسکا حکم اور اشارہ کافی ہے، اسی حقیقت کو اس مختصر سے جملے میں بیان کیا گیا ہے۔

واضح دلیلیں

وَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا یُکَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِیْنَآ اٰیَةٌ ؕ
اور کہتے ہیں وہ لوگ جو نہیں جانتے کیوں نہیں بات کرتا ہم سے اللہ یا پاس آئے ہمارے کوئی آیت

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ
اسی طرح کہہ چکے وہ لوگ جو سے پہلے ان جیسی بات انکی ایک جیسے ہیں

قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾
دل انکے بیشک بیان کردیں ہم نے نشانیاں لئے ان لوگوں کے جو یقین رکھتے ہیں (۱۱۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور وہ لوگ جو کچھ نہیں جانتے، کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کیوں بات نہیں کرتا؟ یا ہمارے پاس کوئی آیت کیوں نہیں آتی؟ اسی طرح وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے ان ہی کی سی بات کر چکے ہیں، ان کے دل ایک جیسے ہیں، بیشک ہم نے ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں نشانیاں بیان کر دیں۔ (۱۱۸)

تفسیر

مکہ کے کافر اور مشرک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اگر پیغمبر سے بات کرتا ہے تو ہم سے بات کیوں نہیں کرتا، یا ہمارے پاس کوئی معجزہ کیوں نہیں بھیجتا کہ ہم اسے دیکھ کر خود ہی اس پیغمبر کو سچا مان لیں۔

ایک شخص پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگا آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں تو آپ

اللہ تعالیٰ سے کہیں کہ ہم سے بات کرے یا وہ کوئی خاص نشانی ہمارے پاس بھیجے جسے دیکھ کر ہم تصدیق کریں، اس طرح کی باتیں تو ان سے پہلے لوگوں نے بھی کی تھیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ان لوگوں کے دل آپس میں ملتے جلتے ہیں، اسی لئے تو وہ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں اور فضول سوال کرتے ہیں۔

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ہم نے تو یقین رکھنے والے لوگوں کیلئے بیشمار نشانیاں، یعنی: معجزات دکھا دیئے ہیں، کسی ایک آدھ نشانی کی بات نہیں، اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہزاروں معجزات ظاہر فرمائے اور یہ سارے ان لوگوں کے سامنے ہیں، کیا چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ کوئی ڈھکی چھپی بات ہے، کیا ان لوگوں نے کھجور کے خشک تنے کو روتے ہوئے نہیں دیکھا، آپ کی انگلیوں سے پانی کا بہنا کس کے علم میں نہیں، یہ سب کچھ ان لوگوں کے سامنے ہے، مگر یہ نشانیاں ان لوگوں کو نظر نہیں آتیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمّہ داری

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ وَّ لَا تُسْـَٔلُ عَنْ

بیشک بھیجا ہم نے آپکو ساتھ حق کے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور نہ آپ سے پوچھ ہوگی سے

اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

والے دوزخ (۱۱۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بیشک ہم نے آپ کو حق کیساتھ بھیجا ہے، خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر اور دوزخ والوں کے بارے میں آپ سے کوئی پوچھ نہیں ہوگی۔ (۱۱۹)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ: ہم نے آپ کو سچا دین دیکر بھیجا ہے، جو لوگ آپکے دین پر چلیں گے وہ ایماندار ہیں اور ان کیلئے آپ نیک اجر کی خوشخبری دینے والے ہیں، البتہ جو لوگ آپکے دین پر

نہیں چلیں گے وہ کافر ہیں اور وہ دوزخ میں جائیں گے، ان کیلئے پیغمبر کا کام صرف اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچا دینا ہے اور بس! کافروں کو مسلمان بنادینے کی ذمہ داری پیغمبر پر نہیں ہوتی ہے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کی خواہش

وَ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ

اور ہرگز نہ راضی ہونگے سے آپ یہودی اور نہ عیسائی یہاں تک کہ تابع ہوجائیں دین انکے کے

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ

آپ کہہ دیں بیشک ہدایت اللہ کی وہی ہدایت ہے اور اگر آپ تابعداری کریں خواہشوں انکی کی بعد

الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا

وہ جو آیا پاس آپکے سے علم نہیں لئے آپ سے اللہ کوئی حمایتی اور نہ

نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ

مددگار (۱۲۰) وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب پڑھتے ہیں اسکو حق پڑھنا اسکا وہی

يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

ایمان لاتے ہیں پر اس اور جو منکر ہوگا سے اس وہی لوگ ہیں نقصان پانے والے (۱۲۱)

وقف منزل

ع ۱۴ ۹ ۱۴

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور آپ سے یہودی اور عیسائی ہرگز نہ راضی ہوں گے، یہاں تک کہ آپ ان کے دین کے تابع ہوجائیں، آپ کہہ دیں! جو اللہ تعالیٰ راہ بتائے وہی راہ سیدھی ہے اور اگر (بالفرض) آپ ان کی خواہشوں کی تابعداری کریں اس علم کے بعد جو آپ کو پہنچا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا کوئی حمایت کرنے والا اور مددگار نہیں ہوگا۔ (۱۲۰) وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی وہ اسے پڑھتے ہیں جیسے اسے پڑھنے کا حق ہے وہی اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو کوئی اس کے منکر ہونگے تو وہی لوگ نقصان پانے والے ہیں۔ (۱۲۱)

تفسیر

یہودی اور عیسائی اس قدر ضدی تھے کہ پیغمبر ﷺ خواہ ان سے کتنا ہی ہمدردی کا برتاؤ کرتے یا ان کی کتنی ہی رعایت کرتے وہ ہرگز آپ کی بات سننے اور ماننے کیلئے تیار نہ ہوتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: وہ صرف اسی صورت میں آپ سے خوش ہو سکتے ہیں کہ آپ ان کا دین قبول کرلیں۔

آپ کہہ دیں! اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی حقیقی معنوں میں ہدایت ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی سیدھی راہ سے جان بوجھ کر منہ موڑے گا اس کے لئے سخت سزا مقرر ہے اور اس سزا سے بچانے والا اسکا کوئی حامی اور مددگار نہیں ہوگا۔

اس آیت سے دو باتیں بالکل واضح ہو جاتی ہیں: اوّل یہ کہ اہل کتاب کا دین اس قدر بدل چکا ہے کہ اس میں ان کی جھوٹی خواہشوں اور آرزوؤں کے سوا کچھ باقی نہیں ہے، دوسرے یہ کہ حقیقی راستہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفی ﷺ کے ذریعہ سے انسانوں پر بخوبی واضح کر دیا ہے۔

اہل کتاب ضد اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر اخلاص اور نیک نیتی سے کام لیں اور اپنی کتابوں کو خلوص دل سے پڑھیں تو وہ قرآن مجید اور پیغمبر ﷺ کی سچائی کے قائل ہو جائیں گے اور آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے۔

جو لوگ اپنی کتابوں میں بھی تبدیلی کرتے ہیں وہ کبھی قرآن مجید کی سچائی کے قائل نہ ہوں گے، وہ ضد اور ہٹ دھرمی میں مبتلا ہیں، وہ ہمیشہ کفر میں مبتلا رہیں گے اور وہ لگاتار حق سے انکار کرتے رہیں گے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ دنیا میں بھی نقصان اٹھائیں گے اور آخرت میں تباہ و برباد ہوں گے۔

قیامت کے دن پکڑ

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَنِّيْ

اے بنی | اسرائیل | یاد کرو | احسان میرے | جو | میں نے کئے | پر تم | اور | میں نے

فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَ اتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ
فضیلت دی تمہیں پر جہان والوں (۱۲۲) اور ڈرو اس دن کہ نہ کام آئیگا کوئی شخص کسی

نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّ
شخص کے ذرا بھی اور نہ قبول کیا جائیگا سے اس بدلہ اور نہ کام آئیگی اسکے سفارش اور

لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾
نہ انکی مدد کی جائیگی (۱۲۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے بنی اسرائیل! میرے احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے اور یہ کہ میں نے تمہیں (تمہارے زمانے میں) جہان والوں پر فضیلت دی۔ (۱۲۲) اور اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی کے ذرا کام نہ آئیگا اور نہ اسکی طرف سے بدلہ قبول کیا جائیگا اور نہ اسے سفارش کام آئیگی اور نہ ہی اس کی مدد کی جائے گی۔ (۱۲۳)

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی برائیوں کی نشاندہی کے بعد انہیں آخر میں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری ان نعمتوں کو جو میں نے تم پر کیں اور میں نے تمہیں جہان والوں پر فضیلت دی، بنی اسرائیل پر انعامات اور ان کی فضیلت کا تذکرہ پہلے تفصیلاً آچکا ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک مرتبہ پھر دلایا، مگر یہ ایسی ناشکری قوم ہے کہ حسد میں آکر تمام نعمتوں کو بھول گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش

وَ اِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ
اور جب آزمایا ابراہیم کو رب اسکے نے کئی باتوں میں پھر اس نے وہ پوری کیں فرمایا میں آپکو بناؤں گا

لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

واسطے لوگوں کے پیشوا کہا اس نے اور سے اولاد میری کہا اس نے نہیں پہنچے گا عہد میرا ظالموں کو (۱۲۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے آزمایا کئی باتوں میں پھر اس نے وہ پوری کیں، تب (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بناؤں گا، (ابراہیم) نے کہا اور میری اولاد میں سے بھی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا اقرار ظالموں کو نہیں پہنچتا ہے۔ (۱۲۴)

تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدامجد تھے، آپ کا وطن بابل تھا اور باپ کا نام آذر تھا، ان کی نسل میں دو سلسلے چلے، ایک حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے اور ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے، پہلے سلسلے کے پیغمبروں کو اسرائیلی پیغمبر کہا جاتا ہے، مثلاً: حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

دوسرے خاندان میں حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغمبر ہوئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیغمبروں کا دادا کہا جاتا ہے، مسلمانوں کے علاوہ عیسائی یہودی سبھی ان کی عزت کرتے ہیں۔

اِذِ ابْتَلٰٓى: جب آزمایا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو کئی طرح سے آزمایا، آپ کے والد بت پرست تھے انہوں نے آپ کو گھر سے نکالنے کی دھمکی دی، قوم نے ملک سے نکال دینے کی دھمکی دی، بادشاہ نے آگ میں ڈال دیا مگر آپ دین پر برقائم رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے بیوی بچہ کو جنگل میں چھوڑ آنے اور بچہ کو قربان کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے اس حکم کو بھی پورا کر دکھایا، اس کے علاوہ اور بھی کئی امتحان ہوئے اور وہ ہر ایک میں کامیاب رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحان سے اللہ تعالیٰ کو دنیا والوں پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ جس ہستی کو میں نے اپنا خلیل منتخب کیا ہے وہ بہت خوبیوں والے ہیں؛ اسی لئے انہیں بلند مقام حاصل ہوا ہے۔

اِمَامًا: پیشوا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ امامت فقط روحانی اور مذہبی پیشوائی نہیں تھی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے

انہیں سیاسی اعتبار سے بھی برتری اور سرفرازی عطا فرمائی، وہ اپنے زمانے میں واقعی سردار اور پیشوا بنے لوگوں نے ان کی پیشوائی تسلیم کی۔

یہودیوں کو اپنی نسلی برتری کا بڑا گھمنڈ تھا وہ کہتے تھے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور توراۃ میں لکھا ہے کہ خدا نے اسکی نسل کو برکت اور فضیلت دی، اس آیت نے واضح کر دیا کہ اوّل تو اس فخر و امتیاز اور نسلی برتری میں بنو اسماعیل بھی شامل ہیں، دوسرے یہ کہ خدا کا وعدہ صرف نیک کرداروں کیلئے تھا نہ کہ بدکرداروں کیلئے، جن لوگوں نے ایمان وعمل کی سعادت کھودی وہ امامت کے حقدار نہیں۔

گزشتہ امتوں کے راہِ حق سے بھٹک جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے منصبِ امامت کیلئے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد رکھ رہا ہے؛ اس لئے ضروری تھا کہ دعوتِ قرآن کے ظہور کی معنوی تاریخ بیان کر دی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: میرا یہ وعدہ ظالموں کیلئے نہیں ہوگا، یعنی: آپکی نسل کو یہ منصب ضرور ملے گا لیکن اسی صورت میں جبکہ وہ ظالم نہ ہوں اور اگر انہوں نے ظلم (شرک) کو اختیار کر لیا تو پھر یہ منصب انہیں نہیں دیا جائیگا۔

ایک لمبے زمانے تک امامت وقیادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل کے اندر حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد (بنی اسرائیل) میں رہی، جب وہ گمراہ ہو گئے انہوں نے حق ادا نہ کیا تو یہ امامت ان کے بجائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوگئی، اب یہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کریں۔

بِكَلِمٰتٍ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مختلف آزمائشوں کیلئے یہاں پر "كَلِمٰتٍ" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا معنٰی ہے آزمائشیں، مفسرین کرام بہت سی آزمائشوں کا ذکر کرتے ہیں آپ کی آزمائش کا پہلا مرحلہ اس وقت شروع ہوتا ہے جب آپ نے ہوش وحواس سنبھالا اور اردگرد کے ماحول کو دیکھا، قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں جو آپ کے واقعات بیان ہوئے ہیں ان کے مطابق سب سے پہلے آپ کی اپنے والد، قوم اور بادشاہ وقت کیساتھ اختلاف پیدا ہوا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو شروع عمر میں ہی رشد وہدایت سے نوازا تھا، دوسری جگہ آتا ہے ہم نے

ابراہیم علیہ السلام کو سمجھ عطا کی، چنانچہ آپ نے اپنے مشرکانہ ماحول کا کوئی اثر نہ لیا، آپ شرک اور کفر سے نفرت کرتے تھے، چنانچہ آپ نے کفر و شرک کی مذمت بیان کرنا شروع کر دی، خاندان، قوم اور بادشاہ آپ کے دشمن ہو گئے، لیکن پھر بھی آپ پچاس ساٹھ سال تک اپنے ماحول سے مقابلہ کرتے رہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے عبادت خانہ میں جا کر سارے بتوں کو توڑ دیا تو آپ کے خلاف ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا، سب لوگ پہلے ہی آپ کے خلاف تھے، اب ان کو یقین ہو گیا کہ ان کے بتوں کی توہین ابراہیم کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا، بادشاہ قوم کیساتھ تھا؛ لہٰذا فیصلہ یہ ہوا کہ ہمارے معبودوں کو جو نقصان پہنچایا گیا اسکا بدلہ اسی طرح لیا جا سکتا ہے کہ ابراہیم کو آگ میں زندہ جلا دیا جائے، چنانچہ جیسا کہ واقعات بیان ہوئے ہیں اس فیصلہ پر عمل درآمد کیلئے بہت بڑی مقدار میں ایندھن جمع کیا گیا اور پھر اسے ایک کھائی میں اچھی طرح جلا کر منجنیق کے ذریعے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسمیں پھینک دیا گیا، ان حالات میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام آزمائش میں پورے اترے، اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ہم نے ابراہیم آزمایا تو آپ ان آزمائشوں میں پورے اترے یہ آپ کی پہلی بڑی آزمائش تھی۔

اتنی بڑی آزمائش دیکھنے کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم آپ پر ایمان نہ لائی، بلکہ آپ کو ایک دوسرے امتحان سے گزرنا پڑا، آپ کا خاندان، ایک بیوی سارہ اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام پر مشتمل تھا، لوط علیہ السلام بچپن ہی سے آپ کیساتھ تھے اور آپ پر یقین بھی رکھتے تھے، اتنی بڑی حکومت میں کوئی دوسرا شخص ایمان نہیں لایا، اگرچہ قوم پہلے منصوبے میں ناکام ہو چکی تھی اس کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جان کے دشمن تھے اور آپ کے قتل کے منصوبے بناتے رہتے تھے، ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کا حکم دیا، یہ آپ کی دوسری آزمائش تھی ہجرت کرنا، یعنی: وطن اور گھر بار چھوڑنا بڑا مشکل کام ہے، مگر جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے تو پیغمبر اس کو پورا کرنے میں ذرا دیر نہیں کرتا۔

الغرض! حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے ہجرت کیلئے تیار ہو گئے اور فرمایا: میں

اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں، چنانچہ آپ نے بیوی اور بھتیجے کے ساتھ بابل اور عراق کو چھوڑا آپ کو مصر کے راستے سے شام اور فلسطین پہنچنے کا حکم تھا، راستے میں شرقِ اردن کے علاقے میں بحرِ میت آتا ہے اس کے کنارے پر بڑے ترقی یافتہ لوگ آباد تھے، انہوں نے اعلیٰ درجے کا نظامِ حکومت قائم کر رکھا تھا، اس مقام پر حضرت لوط علیہ السلام کو پیغمبری حاصل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ آپ یہیں رہیں اور ان لوگوں کو دین کی تبلیغ کریں، چنانچہ آپ وہیں رہنے لگے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیوی بچے کو لے کر آگے شام اور فلسطین اور پھر مصر تک چلے گئے، مصر میں آپ کو ایک اور آزمائش سے گزرنا پڑا، وہاں کے ظالم حاکم نے آپ کی بیوی حضرت سارہ کو قبضہ میں کرنا چاہا، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ثابت قدم رکھا اور اس جابر حاکم سے نجات دلائی۔

مصر کے حاکم نے حضرت سارہ علیہا السلام کو ایک باندی ہاجرہ خدمت کیلئے دی، حضرت سارہ نے ہاجرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بخش دی اور اس طرح وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی بن گئیں، شام و فلسطین کے قیام کے دوران حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے بچہ پیدا ہوا جسکا نام نام اسمٰعیل رکھا گیا، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ابھی دودھ پیتے بچے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا کہ اے ابراہیم! اس بچے اور اسکی ماں کو عرب کے دور دراز بیابان میں چھوڑ آؤ، آپ نے حکم کی تعمیل میں بیوی اور بچے کو ساتھ لیا اور موجودہ مکہ مکرمہ والے مقام پر پہنچے، جو کہ اس وقت چٹیل میدان تھا، ان کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان بھی نہیں تھا، کچھ کھجوریں اور ایک مشکیزے میں تھوڑا سا پانی تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اور بیوی کو یہاں چھوڑا۔

لیکن یہ امتحان اسی پر ختم نہیں ہو جاتا اور خود ملک شام کو واپس ہو جائیں، اللہ تعالیٰ کا خلیل حکم پاتے ہی اس کی تعمیل میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور شام کی طرف روانہ ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے میں اتنی دیر بھی گوارا نہیں کی کہ بیوی کو اتنا ہی کہہ دیدیں کہ مجھے چونکہ خدا کا یہ حکم ملا ہے اس لئے میں جا رہا ہوں، حضرت ہاجرہ علیہا السلام جب آپ کو جاتے ہوئے دیکھتی ہیں تو پکارتی ہیں، مگر آپ جواب نہیں دیتے، پھر پکارتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اس صحراء میں ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ اسکا بھی جواب نہیں دیا، مگر وہ بھی خلیل اللہ کی بیوی تھیں سمجھ گئیں کہ معاملہ کیا ہے

اور کہنے لگیں کہ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم ملا ہے؟ آپ نے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں، حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کا اندازہ ہو گیا تو نہایت اطمینان کیساتھ فرمایا کہ: جائیے، جس مالک نے آپ کو چلے جانے کا حکم فرمایا ہے وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا، یہ سارے واقعات آپ سنتے رہتے ہیں اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی کبھی جاتے اور اپنے بیوی بچے کی خبر گیری کرتے، اللہ تعالیٰ نے اس بیابان وادی میں زم زم جیسے بہترین پانی کا انتظام فرما دیا، پھر وہاں بنو جرہم قبیلہ کے لوگ آباد ہو گئے اور اس طرح وہ ویران اور غیر آباد جگہ بستی میں تبدیل ہو گئی۔

دودھ پیتا بچہ جب بڑا ہو کر کام کاج کے قابل ہو گیا تو اس وقت پھر اللہ تعالیٰ اپنے خلیل کا تیسرا امتحان لیتے ہیں، یہ بچہ اس بے کسی اور بے سرو سامانی میں پروان چڑھا اور بظاہر باپ کی تربیت اور شفقت سے بھی محروم رہا، اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا گیا کہ اس بچے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے سے خواب کا ذکر کیا اور کہا کہ اے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھ کو ذبح کر رہا ہوں، تو بتلا کہ تیرا کیا خیال ہے؟ پیغمبر کا خواب عام لوگوں کے خواب کی طرح محض خواب نہیں ہوتا، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہوتی ہے، اس لئے بیٹے نے عرض کیا کہ ابّا جان جو آپ کو حکم ملا ہے اسکو پورا کیجئے، آپ مجھے بھی انشاء اللہ ثابت قدم پائیں گے۔

اس کے بعد کا واقعہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے کو ذبح کرنے کیلئے منیٰ کے جنگل میں لے گئے، پھر ان کو پیشانی کے بل لٹایا، مگر وہاں مقصود بچے کو ذبح کرانا نہیں، بلکہ شفیق باپ کا امتحان کرنا تھا، واقعہ خواب کے الفاظ میں غور کیا جائے کہ اس میں یہ نہیں دیکھا تھا کہ ذبح کر دیا، بلکہ چھری چلاتے ہوئے دیکھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کر دکھایا، اسی وجہ سے ارشاد یہ ہوا کہ اے ابراہیم! آپ نے اپنا خواب بالکل سچ کر دکھایا، اللہ تعالیٰ نے بیٹے کے بدلے میں جنت سے ایک عظیم الشان جانور ذبح کیلئے بھیجا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسکی قربانی فرمائی اور یہ سنت ابراہیمی آنے والی دنیا کیلئے انکی یادگار بن گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ مبارک ہستی ہیں کہ جب ان امتحانوں میں کامیاب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے خوش ہو کر انعام فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کا امام، یعنی: پیشوا بنانے والا ہوں۔

خانہ کعبہ کی اہمیت

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ
اور جب مقرر کیا ہم نے خانہ کعبہ ثواب کی جگہ واسطے لوگوں کے اور امن کی جگہ اور بناؤ سے

مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ
مقام ابراہیم نماز کی جگہ اور حکم دیا ہم نے کو ابراہیم اور اسماعیل کہ

طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾
پاک رکھیں گھر میرا واسطے طواف کرنیوالوں اور اعتکاف کرنیوالوں اور رکوع سجدہ کرنیوالوں کے (۱۲۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو مقرر کیا لوگوں کے واسطے ثواب اور امن کی جگہ اور (کہہ دیا) کہ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ، اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو حکم دیا کہ میرا گھر پاک صاف رکھیں طواف کرنے والوں کیلئے اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کیلئے۔ (۱۲۵)

لفظی تحقیق: مَقَامِ اِبْرٰهٖمَ: ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ۔ مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہوکر ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کی تعمیر کرتے تھے، یہ پتھر خانہ کعبہ سے تھوڑے فاصلے پر شیشے میں بند کرکے پیتل کی جالی لگادی ہے، اب مقام ابراہیم دور سے تو نظر نہیں آتا، مگر جالی کے قریب کھڑے ہوکر دیکھیں تو خوب نظر آتا ہے کہ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشان موجود ہیں، یہ پورا ڈھانچہ باب رحمت سے تھوڑے فاصلے پر مطاف میں رکھا ہوا ہے، عام دنوں میں تو طواف کرنے والے مقام ابراہیم اور بیت اللہ شریف کے درمیان ہی چلتے ہیں، مگر ایام حج میں جوں جوں رش بڑھتا ہے مقام ابراہیم طواف کرنے والوں کے درمیان میں آجاتا ہے اور لوگ اس کے دونوں طرف سے گزرتے رہتے ہیں، حج کے موقع پر طواف کے بعد اس حجرے کے سامنے دو رکعت نماز ادا کی جاتی ہے اسکا بہت بڑا ثواب ہے۔

تفسیر

لفظ "مَثَابَةً" سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو یہ خاص فضیلت بخشی ہے کہ لوگ بار بار اسکی طرف جانے اور لوٹنے کے خواہش مند رہیں گے، یعنی: کوئی آدمی اسکی زیارت سے کبھی سیر نہیں ہوتا، بلکہ ہر مرتبہ پہلے سے زیادہ زیارت وطواف کا شوق لیکر لوٹتا ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ: حج قبول ہونے کی علاماتوں میں سے ہے کہ وہاں سے لوٹنے کے بعد پھر وہاں جانے کا شوق دل میں پائے، چنانچہ عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ پہلی مرتبہ جتنا بیت اللہ کی زیارت کا شوق ہوتا ہے دوسری مرتبہ میں اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔

یہ معجزہ بیت اللہ کی خصوصیت ہو سکتی ہے ورنہ دنیا کی بہتر سے بہتر عمارت کو انسان ایک دو مرتبہ دیکھ لینے کے بعد سیر ہو جاتا ہے اور پانچ سات مرتبہ دیکھنے کے بعد دل بھر جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: پورا حرم مقام ابراہیم ہے، ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ طواف کے بعد کی دو رکعتیں جن کو مقامِ ابراہیم پر پڑھنے کا اس آیت میں حکم ہے حرم میں کسی جگہ بھی یہ رکعتیں پڑھنے سے حکم پورا ہو جائیگا، اکثر علماء کا یہی قول ہے۔

مَثَابَةً: کا دوسرا معنیٰ ثواب کی جگہ ہے یہ بھی واضح ہے کہ اس مقدس مقام پر جس قدر ثواب حاصل ہوتا ہے وہ کسی دوسری جگہ پر نہیں ملتا ابن ماجہ شریف کی روایت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود ہے: مسجد حرام میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب دوسری جگہ پر ایک لاکھ نماز کے ثواب کے برابر ہوتا ہے۔

امن والا شہر

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ

اور جب کہا ابراہیم نے رب میرے بنا اس شہر کو امن والا اور روزی دے والوں اسکے کو

مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ

سے　پھلوں　جوکوئی　ایمان لائے　میں سے ان　پر اللہ　اور　دن　قیامت　فرمایا

وَ مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَ

اور　جو　کفر کرے　نفع پہنچاؤں گا میں اسے بھی　تھوڑے دن　پھر　اسے جبراً لاؤں گا　طرف　عذاب　آگ　اور

بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾

وہ بری ہے　رہنے کی جگہ (۱۲۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا اور اس کے رہنے والوں میں سے ان لوگوں کو پھلوں کی روزی دے، جو کوئی اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے، (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: جو کفر کرے اس کو بھی تھوڑے دنوں نفع پہنچاؤں گا، پھر اسے جبراً دوزخ کے عذاب کی طرف لاؤں گا اور وہ رہنے کی بہت بری جگہ ہے۔ (۱۲۶)

تفسیر

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر مکمل کر لی تو چند دعائیں کیں: اوّل یہ کہ اس شہر کو امن والا بنا دے، دوم یہاں کے رہنے والوں کو جو مؤمن ہوں پھل اور میوے کھانے کو دے، آپ کی یہ دونوں دعائیں پوری ہوئیں، چنانچہ نہ اس جگہ خون خرابہ ہوتا ہے، نہ ڈاکے پڑتے ہیں، حتیٰ کہ جانور کا شکار تک نہیں کیا جاتا، اگرچہ ساری زمین سخت پتھریلی اور ریتلی ہے، لیکن تازہ پھل، میوے، ترکاریاں اور غلّے وغیرہ بکثرت ملتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتایا گیا تھا کہ ظالموں اور بدکاروں کو امام اور پیشوا نہیں بنایا جائے گا، آپ نے اس حکم کو یاد رکھا اور مکہ کے رہنے والوں کیلئے پھلوں کی روزی کی دعا کرتے وقت صرف ایمانداروں کیلئے دعا فرمائی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دینی سرداری صرف ایمان و اطاعت کیلئے ہی مخصوص ہے، البتہ دنیوی زندگی سے کافروں اور منکروں کو بھی محروم نہ کیا جائیگا، مگر یہ چیزیں انہیں صرف دنیا ہی میں تھوڑے عرصے کی زندگی میں ملیں گی، تھوڑے

عرصے سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو کافروں کو بھی یہ نعمتیں ملتی رہیں گی، لیکن اس کے بعد انہیں بہرحال دوزخ میں جانا ہوگا، جبکہ ایمان والوں کو دونوں چیزیں حاصل ہوں گی، دنیا میں امن بھی نصیب ہوگا اور آخرت میں نجات بھی حاصل ہوگی۔

مسلمانوں کیلئے دعا

وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا

اور جب اٹھارہے تھے ابراہیم بنیادیں سے گھر اور اسماعیل اے رب ہمارے

تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا

قبول کر سے ہم بیشک آپ ہی سننے والے جاننے والے ہیں (۱۲۷) اے رب ہمارے اور کر ہمیں

مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا

فرمانبردار اپنا اور سے اولاد ہماری جماعت فرمانبردار اپنی اور بتلا ہمیں حج کرنے کے قاعدے

وَ تُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَ ابْعَثْ

اور معاف کر ہمیں بیشک آپ ہی توبہ قبول کرنیوالے مہربان ہیں (۱۲۸) اے رب ہمارے اور بھیجیں

فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

میں ان پیغمبر میں سے انہی پڑھے پر ان آپ کی آیتیں اور سکھائے انہیں کتاب

۱۵ ع ۸ ۱۵ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾

اور دانائی کی باتیں اور پاک کردے انہیں بیشک آپ ہی زبردست بڑی حکمت والے ہیں (۱۲۹)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور یاد کرو جب ابراہیم اور اسماعیل خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھارہے تھے اور دعا کررہے تھے اے ہمارے رب! ہم سے اس محنت کو قبول فرما، بیشک آپ ہی سننے والے جاننے والے ہیں۔ (۱۲۷) اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں بھی ایک فرمانبردار جماعت بنا اور ہمیں حج کرنے کے

قاعدے بتلا اور ہمیں معاف کر، بیشک آپ ہی توبہ قبول کرنے والے مہربان ہیں۔ (۱۲۸) اے ہمارے رب! ان میں انہی کا ایک ایسا پیغمبر بھیج کہ ان میں تیری آیتیں پڑھے اور انہیں سکھادے کتاب اور دانائی کی باتیں اور انہیں پاک کردے، بیشک تو ہی بہت زبردست بڑی حکمت والا ہے۔ (۱۲۹)

تفسیر

حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام جب کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے تو ساتھ ہی ساتھ مخلصانہ دعائیں کرتے جاتے تھے کہ اے ہمارے رب! ہماری فرمانبرداری میں ترقی دے، ہماری نسل سے فرمانبردار امت پیدا کر، ہمیں دین کے قاعدے اور حج اور بیت اللہ کی زیارت کے آداب سکھادے اور ہماری توبہ قبول فرمائیں، کیونکہ آپ ہی توبہ قبول کرنے والے مہربان ہیں۔

مِنْهُمْ: انہی میں سے، حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام مل کر دعا کررہے ہیں کہ ہم دونوں کی نسل سے ایک اپنی فرمانبردار امت پیدا کردیں اور انہی میں سے ایک پیغمبر ان کی طرف بھیج دیں، صاف ظاہر ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بنی اسمٰعیل کی نسل سے ہو، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے پیدا ہوئے۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ: ان پر آپ کی آیتیں پڑھے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے سامنے آیتوں کی تلاوت کریں، اور انہیں کتاب کا علم اور دانائی کی باتیں سکھلائے۔

يُزَكِّيْهِمْ: انہیں پاک کردے، یعنی: پیغمبر اپنی امت کو کفر و شرک اور ہر قسم کی برائیوں اور اخلاقی کمزوریوں سے پاک کردے۔

"مسند احمد" کی ایک حدیث میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس وقت سے تھا جبکہ آدم علیہ السلام پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، بلکہ ان کا خمیر ہی تیار ہو رہا تھا اور میں آپ کو اپنے معاملہ کی ابتداء بتاتا ہوں کہ میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری اور اپنی والدہ ماجدہ کے

خواب کی تعبیر ہوں۔

دین ابراہیمی

وَ مَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَ لَقَدِ
اور کون پھرے سے مذہب ابراہیم مگر جو اس نے احمق بنایا اپنے آپ کو اور بیشک

اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۳۰﴾
چن لیا ہم نے اسے میں دنیا اور بیشک وہ میں آخرت سے نیکوں (۱۳۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کون ہے جو ابراہیم کے مذہب سے پھرے، مگر وہی کہ جس نے اپنے آپ کو احمق بنایا اور بیشک ہم نے اسے (ابراہیم کو) دنیا میں چن لیا پیغمبری کیلئے اور آخرت میں نیکوں میں سے ہے۔ (۱۳۰)

لفظی تحقیق: یَرْغَبُ عَنْ: پھرے۔ "یَرْغَبُ" لفظ "رَغْبَت" سے بنا ہے جس کے معنٰی مائل اور متوجہ ہونا ہیں، جب اس کیساتھ "عَنْ" آئے تو معنٰی برعکس ہو جاتے ہیں، یعنی: کسی کے خلاف جانا اور منہ پھیر لینا۔

تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت و بزرگی بیان کرنے سے قرآن مجید کا مقصد یہ ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو بتایا جائے کہ جس پیغمبر کو وہ اپنا پیشوا مانتے ہیں، ان کا دین یہی تھا جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیش کر رہے ہیں، اگر وہ ان کو اپنا مذہبی رہنما مانتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لایا ہوا دین قبول کرلیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وصیّت

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَ وَصّٰی
جب کہا سے اس رب اسکے نے فرمانبرداری کریں بولے میں فرمانبردار ہوں واسطے رب جہانوں کے (۱۳۱) اور وصیت کر گیا

بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ
یہی ابراہیم بیٹوں اپنے کو اور یعقوب اے بیٹو! بیشک اللہ چُن لیا لئے تمہارے

الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ﴿۱۳۲﴾
دین کو ہرگز نہ تم مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان (۱۳۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یاد کرو! جب ابراہیم کو اس کے رب نے کہا کہ: فرمانبرداری کریں تو (ابراہیم) بولے کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کا فرمانبردار ہوں۔(۱۳۱) اور یہی وصیّت ابراہیم اپنے بیٹوں کو کر گئے اور یعقوب بھی یہی وصیت اپنے بیٹوں کو کر گئے کہ اے بیٹو! بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین کو چُن لیا ہے، سو! تم ہرگز نہ مرنا، مگر اس حال میں کہ تم مسلمان رہو۔(۱۳۲)

تفسیر

تمام اہل کتاب اور مکہ کے مشرک سب کے سب اس چیز کا دعویٰ کرتے تھے کہ وہ اپنے بزرگوں کے دین کو مانتے ہیں، اسی پر وہ جمے رہیں گے اور کسی نئے دین کو ہرگز قبول نہ کریں گے، قرآن مجید نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کرکے ان لوگوں کو بتایا کہ جن بزرگوں کو تم مانتے ہو اور جن کے دین پر چلنے کا تم دعویٰ کرتے ہو وہ تو اپنی نسل کو اپنے اسی دین کی پیروی کرنے کا حکم دے گئے ہیں جس پر وہ خود تھے؛ اس لئے اگر تم انہیں پیشوا مانتے ہو تو ان کا اصل دین تو یہ ہے جسکی طرف اب قرآن مجید تمہیں بلاتا ہے اب تم اسے مانو، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام اپنی اولاد کو یہی وصیت فرما گئے ہیں کہ تم سب مرتے دم تک اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہنا، موت کا وقت غیر یقینی ہے اس لئے اسکا مطلب یہ ہوا کہ ہر وقت مسلم بنے رہنا، ایمان کو ہر گھڑی دل میں جگہ دیئے رکھنا۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ: یعنی: جب فرمایا ابراہیم علیہ السلام سے ان کے رب نے کہ: اطاعت اختیار کرو، تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اطاعت اختیار کی ربّ العالمین کی، اس طرزِ بیان میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "اَسْلِمْ" کا جواب بظاہر یہ ہونا چاہئے کہ "اَسْلَمْتُ لَكَ"

یعنی: میں نے آپ کی اطاعت اختیار کرلی، مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس طرزِ کلام کو چھوڑ کر یوں عرض کیا کہ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، یعنی: میں نے رب العالمین کی اطاعت اختیار کرلی، اس میں رعایتِ ادب کیساتھ اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء شامل ہوگئی جسکا مقام تھا۔

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی اور ان سے عہد لیا کہ اسلام کے سوا اور کسی اور دین اور مذہب پر نہ مرنا، مراد اسکی یہ ہے کہ اپنی زندگی میں اسلام اور اسلامی تعلیمات پر پختگی سے عمل کرتے رہنا، تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارا خاتمہ بھی اسلام ہی پر فرمادے، جیسا کہ بعض روایتوں میں ہے کہ تم اپنی زندگی میں جس حالت کے پابند رہوگے اس حالت پر تمہاری موت بھی ہوگی اور اسی حالت میں محشر میں قائم ہوگے، اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہی ہے کہ جو بندہ نیکی کا قصد کرتا ہے اور اس کیلئے اپنی قدرت کے مطابق کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نیکی کی توفیق دیدیتے ہیں اور یہ کام اس کیلئے آسان کردیتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیّت

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ

کیا تھے تم موجود جب قریب آئی یعقوب کے موت جب کہا بیٹوں اپنے کو

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ

کس کی عبادت کروگے تم سے بعد میرے بولے بندگی کرینگے ہم رب آپکے کی اور معبود باپ دادا آپکے

اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾

ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق معبود ایک کی اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں(۱۳۳)

بامحاورہ ترجمہ: کیا تم موجود تھے جس وقت موت یعقوب کے قریب آئی، جب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟ بیٹے بولے ہم آپکے اور آپکے باپ دادا کے رب کی بندگی کریں گے جو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق ہیں، وہی ایک معبود ہے اور ہم سب اسی کے فرمانبردار ہیں۔ (۱۳۳)

تفسیر

اس آیت میں یہودیوں کو کہا گیا ہے کہ تم اپنی طرف سے من گھڑت باتیں اپنے بزرگوں کے نام لگاتے ہو اور اسلام قبول کرنے سے انکار کرتے ہو، کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب علیہ السلام نے مرنے سے پہلے اپنے بیٹوں سے معبود کے بارے میں سوال کیا تھا اور انہوں نے جواب دیا تھا کہ ہم اسی معبود کی عبادت کریں گے جس کی عبادت آپ کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ کے چچا حضرت اسماعیل علیہ السلام اور آپ کے والد حضرت اسحاق علیہ السلام کرتے آئے ہیں۔

آج جب قرآن مجید دوبارہ ان کو اسی دین کی طرف بلا رہا ہے تو وہ اس سے منہ موڑ رہے ہیں اور گمراہیوں میں بھٹک رہے ہیں، وہ دین جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اختیار کیا تھا اور جس کی دعوت آج قرآن مجید دے رہا ہے وہ یہی دین اسلام ہے۔

اپنے ہی عمل کام آئیں گے

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ

وہ جماعت تھی گزر چکی لئے اسکے جو اس نے کیا اور لئے تمہارے جو تم نے کیا اور

لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

نہ تم سے پوچھ ہوگی ان عملوں کی جو تھے وہ کرتے (۱۳۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی ان کیلئے وہ ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے کیا اور تم سے ان کے کاموں کے متعلق نہیں پوچھا جائیگا۔ (۱۳۴)

تفسیر

یہودیوں کو اس بات پر بڑا فخر تھا کہ وہ پیغمبروں کی نسل سے ہیں اس سبب سے انہوں نے یہ عقیدہ گھڑ رکھا تھا

کہ ذاتی نیک عمل کی کوئی ضرورت نہیں، پیغمبروں کی اولاد سے ہونا ہی آخرت کی نجات کیلئے کافی ہے ان کا خیال تھا کہ خدا تعالیٰ اپنی مہربانی سے باپ کی نیکیاں اولاد کی طرف منتقل کر دیتا ہے اس غلط عقیدہ کے سبب وہ لوگ نیک عملوں سے بالکل بے پرواہ ہو چکے تھے اور ہر قسم کے گناہوں، بدکاریوں اور نافرمانیوں میں مبتلا ہو گئے تھے۔

قرآن مجید نے ان کے اس غلط عقیدے کی جڑ کاٹ دی اور بتا دیا کہ ہر فرد اور جماعت کو وہی ملتا ہے جو اس نے خود کمایا ہے، نہ تو کسی کی نیکی دوسرے کو پہنچتی ہے نہ کسی کی بدعملی کیلئے کوئی دوسرا جواب دہ ہے، اپنی ذاتی کوشش کے بغیر صرف بزرگوں کی رشتہ داری سے کام نہیں چل سکتا اور نجات حاصل نہیں ہو سکتی، اس میں ان لوگوں کیلئے بڑا سبق ہے جو اس غلط خیال میں پھنسے ہوئے ہیں کہ گو ہم نے خود نیک کام نہ کئے ہوں، ہمارے بزرگوں کی نیکیاں ہی ہمارے کام آ جائیں گی اور ہماری دنیا اور آخرت سنور جائے گی۔

ہم میں سے اگر کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کر خاندانی بزرگی یا محض کسی بزرگ کی نسبت کافی ہو سکتی ہے تو اسے یہ خیال دل سے نکال دینا چاہئے، اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف اپنے عمل ساتھ دیں گے سب اپنی اپنی ذمہ داریوں کے جواب خود دیں گے۔

مِلّتِ ابراہیمی

وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ
اور کہتے ہیں ہو جاؤ یہودی یا عیسائی ہدایت پالو گے تم کہہ دیں بلکہ راہ ابراہیم

حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾
حنیف کی اور نہ تھا سے شرک کرنے والوں (۱۳۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور (یہودی اور عیسائی لوگوں کو) کہتے تھے کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو تم سیدھا راستہ پالو گے، آپ کہہ دیں کہ! ہرگز نہیں، بلکہ ہم نے ابراہیم کی راہ اختیار کی جو ایک ہی طرف کا تھا اور شرک کرنے والوں میں نہ تھا۔ (۱۳۵)

تفسیر

قرآن مجید نے اہل کتاب اور مشرکوں کے تمام جھوٹے عقیدوں کی تردید کردی، ان کی دلیلوں کو غلط ثابت کر کے روشن اور واضح دلیلوں کیساتھ حق قبول کرنے کی دعوت دی، یہودیوں اور عیسائیوں کو چاہئے تھا کہ قرآن مجید کی سیدھی اور سچی تعلیم کو قبول کر لیتے، لیکن اس کے بجائے انہوں نے حسد اور ہٹ دھرمی سے کام لیا اور الٹا مسلمانوں کو یہودیت اور عیسائیت کی دعوت دینے لگے، مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہمارا دین قبول کرلو تو تمہیں دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل ہو جائیگی، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعوت کے بارے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری امت کی طرف سے یہ جواب دینے کو کہا کہ اے اہل کتاب! تم نے اپنی کتابوں اور شریعتوں میں بیشمار تبدیلیاں کردی ہیں اور ہمارا دین وہی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا، ہم اسی دین پر قائم ہیں اور ہم نے اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔

دوسرے یہ کہ تم کس منہ سے اپنے دین کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر کہتے ہو وہ تو شرک کے قریب ہو کر بھی نہیں گزرے تھے، وہ خالص توحید پر قائم تھے اور تم لوگوں کا مذہب تو اب شرک کی گندگیوں سے بھرا ہوا ہے تم کس طرح سچے دین اور نجات کے دعویدار ہو سکتے ہو۔

تمام پیغمبروں پر ایمان

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ
تم کہہ دو ایمان لائے ہم پر اللہ اور جو اتارا گیا پر ہم اور جو اتارا گیا طرف ابراہیم اور

اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ
اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد اسکی اور جو دیا گیا موسیٰ اور

عِيْسٰى وَ مَاۤ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ
عیسٰی اور جو دیا گیا پیغمبروں کو سے رب انکے نہیں فرق کرتے ہم درمیان کسی ایک

مِّنْهُمْ ۖ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾
میں سے ان اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں (۱۳۶)

بامحاورہ ترجمہ: تم کہہ دو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا اور جو ابراہیم پر اتارا گیا اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور انکی اولاد پر اتارا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے اور ہم اسکے فرمانبردار ہیں۔ (۱۳۶)

لفظی تحقیق: اَلْاَسْبَاطِ: اولاد۔ جمع ہے "سبط" کی، اس کے معنٰی ہیں اولاد کی اولاد، یعنی: پوتے نواسے وغیرہ، یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل مراد ہے۔

تفسیر

اس آیت میں مسلمانوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ تم کہہ دو کہ ہم مسلمان تمام پیغمبروں کا سچا ہونا مانتے ہیں، کسی ایک کا بھی انکار نہیں کرتے، دنیا میں جتنے بھی پیغمبر آئے ہیں خواہ وہ کسی زمانے اور کسی ملک وقوم سے تعلق رکھتے ہوں، سب ایک ہی سچائی کے پیغام لائے تھے ہم سب کو سچا مانتے ہیں۔

آپ کو اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا
پس اگر ایمان لائیں وہ مانند اسکے جس طرح ایمان لائے تم پر اس پھر تو انہوں نے ہدایت پائی اور اگر پھر جائیں

فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾

تو پھر وہی ہیں میں اختلاف پس عنقریب کافی ہے آپ کیلئے اللہ اور وہ سننے والا جاننے والا ہے (۱۳۷)

بامحاورہ ترجمہ: سو! اگر وہ اسطرح ایمان لائیں اس پر جس طرح تم ایمان لائے تو انہوں نے بھی ہدایت پائی اور اگر پھر جائیں تو وہی اختلاف میں ہیں، پس عنقریب ان کے مقابلہ میں آپ کیلئے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی سننے والا جاننے والا ہے۔ (۱۳۷)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے پیغمبر! آپ نے ہمارا پیغام پہنچا کر اپنا فرض پورا کر دیا، اب اگر یہ لوگ اپنا بھلا چاہتے ہیں تو اسلام قبول کرلیں کامیاب ہو جائیں گے، ہم ان کے پچھلے گناہ معاف فرما دیں گے، لیکن اگر یہ سب کچھ کہنے سننے کے بعد بھی اس سے منہ پھیریں تو پھر یہ ان کی بدبختی اور ہٹ دھرمی ہے اور کچھ نہیں، اے پیغمبر! ان لوگوں کی اس ضد اور دشمنی کی آپ کچھ فکر نہ کریں، ان سے نپٹنے کیلئے آپ کی طرف سے ہم کافی ہیں ہم یقیناً ان سب کی باتیں سنتے ہیں اور سب جانتے ہیں۔

آیت کے آخری حصہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کیلئے اونچے درجہ کی خوشخبری ہے کہ تمہارے لئے اللہ کافی ہے، بھلا اللہ تعالیٰ جسکا ہو جائے اسے اور کسی کی ضرورت نہیں رہتی۔

اللہ تعالیٰ کا رنگ

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ

رنگ اللہ کا اور کس کا ہے بہتر سے اللہ رنگ اور ہم اسی کی

عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَ

بندگی کرتے ہیں (۱۳۸) کہہ دیں کیا تم ہم سے جھگڑا کرتے ہو میں بارے اللہ اور وہی رب ہمارا اور رب تمہارا اور

لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿١٣٩﴾

لئے ہمارے عمل ہمارے اور لئے ہمارے عمل تمہارے اور ہم واسطے اسی کے خالص ہیں (۱۳۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کا رنگ قبول کرلیا اور کس کا رنگ بہتر ہوسکتا ہے اللہ کے رنگ سے اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں۔(۱۳۸) آپ کہہ دیں! کیا تم ہم سے جھگڑا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے بارے میں، حالانکہ وہی ہمارا اور تمہارا رب ہے اور ہمارے لئے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لئے تمہارے عمل اور ہم تو خالص اسی کے ہیں۔(۱۳۹)

لفظی تحقیق: صِبْغَةَ اللّٰهِ: اللہ کا رنگ۔ مراد ہے "اللہ کے دین کا رنگ" محاورہ کے اعتبار سے یہاں ایک لفظ محذوف ہے، یعنی: "قَبِلْنَا" ہم نے قبول کیا، اس طرح پورے جملہ کے معنٰی یہ ہوں گے ہم نے اللہ تعالیٰ کا رنگ، یعنی: اللہ تعالیٰ کا دین قبول کیا۔

تفسیر

اہلِ کتاب یہودی اور عیسائی اپنے بچوں کو رنگین پانی میں بٹھاتے تھے اور کوئی عیسائیت کا دین قبول کرے تو اس پر رنگین پانی چھڑکتے تھے، اسے اصطباغ، یعنی: بپتسمہ کہتے تھے، گویا ان کے نزدیک عیسائیت کا رنگ پانی سے چڑھتا ہے، حالانکہ اصل رنگ وہ ہے جو ایمان اور کردار سے پیدا ہو۔

اس کے مقابلہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ: ہم نے اللہ تعالیٰ کا رنگ قبول کیا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کا نام بچے کے پیدا ہوتے ہی اس کے کان میں پہنچا دیا کرو، چنانچہ پیدا ہوتے ہی بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہی جاتی ہے یہ اس کو دین فطرت کی طرف بلاوا ہے پانی میں بٹھانے کی رسم اس کے مقابلہ میں بے معنٰی ہے۔

اہل کتاب کو پھر کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بابت تمہارا یہ خیال اور عقیدہ جسکی بنیاد محض وہم پر ہے کہ اسکی عنایت ورحمت صرف تمہیں پر ہے سراسر غلط ہے، وہ جیسا تمہارا رب ہے ویسا ہی ہمارا بھی رب ہے اور ہم جو کچھ

عمل کرتے ہیں، خالص اسی کے لئے کرتے ہیں تمہاری طرح ہم اپنے بزرگوں کی نیکیوں کو اپنے لئے کافی سمجھ کر خود بدعملی اور گناہ کی زندگی بسر نہیں کرتے۔

فرمایا: اگر یہ مکمل ایمان لانے کے بجائے روگردانی کرینگے تو یہ محض ضد اور اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں یہ نہ تو منصف مزاج ہیں اور نہ ہی حقیقت کے طلب گار ہیں، آپ اپنا کام کرتے جائیں ان کی پرواہ نہ کریں، ان کی طرف سے ہر شر وفساد کے جواب میں اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت کریگا، آپ کو ان کی شرارتوں اور حیلہ سازیوں سے محفوظ رکھے گا اور جو لوگ آپ کے فرمانبردار ہیں وہ بھی محفوظ ہوں گے۔

یہ یہودی آپ کو یہودیت اور عیسائیت کی طرف دعوت دیتے ہیں، آپ انہیں فرمادیجئے کہ ہم نے تو اللہ تعالیٰ کا رنگ اختیار کرلیا ہے، تم سے ہمارا کیا تعلق؟ اور اللہ تعالیٰ کے رنگ سے مراد کوئی سرخ، نیلا یا پیلا رنگ نہیں، بلکہ توحید اور اخلاص کا رنگ ہے یہ وہ رنگ ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے انسان کی چہرے پر نمایاں ہوتا ہے یہ رنگ ان کے قول وفعل اور کردار کی وجہ سے اور چمکتا ہے، ہم نے یہ رنگ اختیار کیا ہے، یہ یہودیت اور عیسائیت والا رنگ نہیں جو کہ کپڑوں اور جسم پر لگا کر عیسائیت میں پختگی کا اظہار کرتے ہیں۔

وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً: اور اللہ تعالیٰ کے رنگ سے کونسا رنگ اچھا ہوگا؟ جو کہ توحید، عبادت اور ایمان کا رنگ ہے جو صرف ایمان والوں کو حاصل ہے، ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں جس نے ہمیں اپنے رنگ میں رنگ لیا، اس لئے ہم اسی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے ہیں ہم کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہیں کرتے۔

ان کی عادت تھی کہ جو بچہ پیدا ہوا اسکو ساتویں روز ایک رنگین پانی میں نہلاتے تھے اور بجائے ختنہ کے اسی نہلانے کو بچہ کی پاکیزگی اور عیسائیت کا پختہ رنگ سمجھتے تھے، اس آیت نے بتلایا کہ یہ پانی کا رنگ تو دھل کر ختم ہوجاتا ہے اسکا بعد میں کوئی اثر نہیں رہتا، نیز: ختنہ نہ کرنے کی وجہ سے جو گندگی اور ناپاکی جسم میں رہتی ہے اس سے بھی یہ رنگ نجات نہیں دیتا، اصل رنگ دین وایمان کا رنگ ہے جو ظاہری اور باطنی پاکی کی ضمانت بھی ہے اور باقی رہنے والا بھی۔

دین وایمان کو رنگ فرما کر اسکی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ جس طرح رنگ آنکھوں سے محسوس ہوتا ہے مؤمن کے ایمان کی علامات اسکے چہرہ اور عملوں میں ظاہر ہونا چاہیے۔ واللہ اعلم

وَ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ: اس میں امت مسلمہ کی ایک خصوصیت یہ بتلائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کیلئے مخلص ہیں، اخلاص کے معنٰی حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے یہ بتلائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اور اپنے عمل کو خالص اللہ تعالیٰ کیلئے کرے لوگوں کے دکھلاوے یا انکی تعریف کی طرف نظر نہ ہو۔

حق کو چھپانا

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ

کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور

الْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ

اولاد اسکی تھے یہودی یا عیسائی کہہ دیں کیا تمہیں زیادہ خبر ہے یا اللہ

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ

اور کون بڑا ظالم جس نے چھپائی گواہی پاس اسکے سے اللہ اور نہیں اللہ

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾

بے خبر سے کام تمہارے (۱۴۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اسکی اولاد یہودی یا عیسائی تھے آپ کہہ دیں کہ تمہیں زیادہ خبر ہے یا اللہ تعالیٰ کو زیادہ خبر ہے اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے گواہی چھپائی، جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔ (۱۴۰)

تفسیر

اس آیت میں یہودیوں اور عیسائیوں کی ایک اور غلط فہمی اور غلط عقیدے کا جواب دیا گیا ہے، ان کا خیال تھا کہ ان کے بزرگ حضرت ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد یا تو یہودی مذہب پر تھے یا عیسائی مذہب کے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اے اہل کتاب! یہ سب حضرات خالص توحید کے دین پر خود قائم رہنے والے اور اسی کی دوسروں کو دعوت دینے والے تھے اور اسی کا نام اسلام ہے، تم لوگ سچائیوں کو جان بوجھ کر چھپاتے ہو تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتابیں پہنچ چکی ہیں جو اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ اسلام سچا دین ہے، حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، اور یعقوب علیہم السلام اسلام کی پیروکار تھے تمہاری کتابوں میں یہ بھی صاف لکھا ہوا ہے کہ آخر زمانہ میں ایک پیغمبر دنیا میں آئیگا، تم جانتے بوجھتے ہو کر اس واقعی اور حق بات کو چھپا رہے ہو اور حق بات کو چھپانے والے سے بڑا ظالم اور کون ہوگا۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ سچائی اور حقیقت کو چھپانا اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ ہے ہمیں بھی اس سے بچنا چاہئے۔

اپنے اعمال ہی کام آئیں گے

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ

وہ جماعت گزر چکی لئے اس جو کیا انہوں نے اور لئے تمہارے جو کیا تم نے اور

لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾ ع ۱۶ ۱۲ ۱۶

نہ تم سے پوچھ ہوگی ان عملوں کی جو تھے وہ کرتے (۱۴۱)

بامحاورہ ترجمہ: ۔وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی ان کیلئے ہے وہ جو انہوں نے کیا اور تمہارے لئے ہے

وہ جو تم نے کیا اور تم سے ان کے کاموں کی کچھ پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔ (۱۴۱)

تفسیر

یہ آیت پہلے بھی گزر چکی ہے اور اب دوبارہ یہودیوں اور عیسائیوں کو مزید فرمانبردار کرنے کیلئے لائی گئی ہے، اہل کتاب کو اس بات پر بڑا فخر تھا کہ وہ پیغمبروں کی نسل سے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نہایت مقبول بندے ہیں، اس لئے ان کی اپنے گناہوں پر پکڑ نہیں ہوگی، بلکہ ان کے بزرگوں کی نیکیاں ان کے کام آئیں گی اور یہ مفت میں بخشے جائینگے، اس لئے انہیں نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں اور نہ ہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لانے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عقیدے کو غلط قرار دیا اور فرمایا کہ: پہلے جو پیغمبر گزر چکے ہیں میں ان کے بارے میں خوب جانتا ہوں وہ توحید پر قائم تھے ہرگز یہودی یا عیسائی نہیں تھے، بلکہ سب سے ہٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کے ہو رہے تھے۔

ان کی نیکیاں تمہارے یا کسی اور کے کام نہیں آسکتیں، ہر شخص اور ہر قوم کی اپنی نیکیاں ہی اس کے کام آسکتی ہیں کسی شخص کے نیک اعمال دوسرے شخص کو نہیں بچاسکتے اور نہ کسی اور کو نقصان پہنچاسکتے ہیں، اس لئے باپ داد کے عملوں پر بھروسہ رکھنا نادانی ہے۔

مسلمانوں کا قبلہ

الۡجُزۡءُ ۲

سَيَقُوۡلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰٮهُمۡ عَنۡ قِبۡلَتِهِمُ الَّتِىۡ

اب کہیں گے بے وقوف سے لوگ کس نے پھیر دیا انہیں سے قبلہ ان کے جو

كَانُوۡا عَلَيۡهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الۡمَشۡرِقُ وَ الۡمَغۡرِبُ ؕ يَهۡدِىۡ مَنۡ

تھے پر اس تو آپ کہہ لئے اللہ مشرق اور مغرب چلائے جسے

يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٤٢﴾

چاہے طرف راہ سیدھی (۱۴۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اب بے وقوف لوگ کہیں گے کہ مسلمانوں کو انکے قبلہ سے کس نے پھیر دیا جس پر وہ تھے؟ آپ کہہ دیں مشرق اور مغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے وہ جسے چاہے سیدھی راہ پر چلائے۔ (۱۴۲)

تفسیر

مکہ میں رہتے ہوئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ بیت المقدس اور بیت اللہ دونوں ہی تھے بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: آپ نماز کے دوران بیت اللہ شریف کی طرف اس طرح رُخ کرتے تھے کہ یہ رُخ بیت المقدس کی طرف بھی ہوجاتا تھا ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رُخ کیا اور تمام مسلمان اسی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے رہے اسمیں بھی مصلحت تھی بیت المقدس بھی پہلے پیغمبروں کا قبلہ رہا ہے اور اسی طرح بہت سے پیغمبروں کا قبلہ بیت اللہ شریف بھی رہا ہے اور آخر کار اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خانہ کعبہ کو ہی قبلہ مقرر فرمایا جو قیامت تک رہے گا۔

مدینہ کی طرف ہجرت کے ابتدائی عرصہ میں بیت المقدس کو قبلہ مقرر کرنے کا ایک مقصد یہودیوں کو اسلام کی طرف مائل کرنا تھا تاکہ وہ مسلمانوں سے قریب تر ہوکر اسلام میں داخل ہوں۔ مگر یہ لوگ انتہائی ضدی تھے انہوں نے مسلمانوں کی رواداری سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا بلکہ اپنی ہٹ دھرمی پر اڑے رہے تاہم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی خواہش یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ بیت اللہ شریف کو مسلمانوں کا قبلہ مقرر فرمادیں بالآخر اللہ تعالیٰ نے آپ کی خواہش کو پورا فرمایا اور جیسا کہ اگلی آیتوں میں آئے گا، بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کو قبلہ بنانے کا صریح حکم اتار دیا۔

قبلہ بدلنے پر پہلا اعتراض

اہل کتاب چونکہ ضدی اور ہٹ دھرم تھے، اللہ رب العزت جانتے تھے کہ خانہ کعبہ کو قبلہ بنانے پر یہ لوگ

اعتراض کرینگے اور مسلمانوں کے خلاف پراپیگنڈہ کرینگے ،لہٰذا اللہ تعالیٰ نے قبلہ بدلنے کے حکم کے ساتھ ہی مسلمانوں کوخبردار کردیا کہ یہ لوگ اس تبدیلی پراعتراض کریں گے، لہٰذا تم ان کی باتوں میں نہ آنا، چنانچہ اہل کتاب کے پہلے اعتراض کا ذکراس طرح فرمایاعنقریب اہل کتاب کے بیوقوف لوگوں میں سے بعض یہ کہیں گے مسلمانوں کوان کے قبلہ سے کس چیز نے پھیر دیا ہے جس قبلہ پر وہ پہلے تھے؟ جیسا کہ پہلے بیان ہوا مسلمان ہجرت کے بعد سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اوراسکے بعد بیت اللہ کے قبلہ مقرر ہونے کا حکم اترا تو یہودیوں نے اعتراض کردیا کہ کیا اللہ تعالیٰ کواس قبلہ کا پہلے علم نہ تھا جواب نیا حکم دیدیا؟ پہلے قبلہ میں کیا خرابی تھی وہ بھی پیغمبروں کا قبلہ رہا ہے اب اسکی تبدیلی کی کیا ضرورت پیش آئی؟

یہاں پراہل کتاب کیلئے "سُفَهَآءُ" (بیوقوف) کالفظ استعمال کیا گیا ہے اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جوکوئی ابراہیم کی ملت سے منہ موڑتا ہے وہ بیوقوف ہے ظاہر ہے کوئی صحیح عقل کا آدمی اس سے منہ نہیں پھیر سکتا، یہ یہود عیسائی اور مشرک ہی ہیں جوایسا کرتے ہیں، لہٰذا یہ بیوقوفوں میں داخل ہیں جواسلام کوقبول کرنے کیلئے تیار نہیں اہل کتاب کے اس اعتراض کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا: اے پیغمبر! آپ فرمادیں کہ یادرکھو! مشرق ومغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، یہ بات تونہیں ہے کہ مشرق اللہ کا ہے اور مغرب کسی دوسرے کا لہٰذا ہر جہت اسی کی ہے پھر اسی کی اطاعت لازم ہے وہ جس طرف کومنہ کرنے کا حکم دے ماننا پڑے گا اسمیں کسی کواعتراض کرنے کا حق نہیں پہنچتا جوکوئی اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرے گا اسکی خوشنودی کو پالیگا اور جو اسکے حکم پر اعتراض کریگا وہ بیوقوف ہوگا، حضرت آدم علیہ السلام اوران کی اولاد کا سب سے پہلا قبلہ یہی بیت اللہ بنایا گیا۔

حضرت نوح علیہ السلام تک سب کا قبلہ یہی بیت اللہ تھا نوح علیہ السلام کے طوفان کے وقت پوری دنیا غرق ہوکر تباہ ہوگئی بیت اللہ کی عمارت بھی گرگئی اور انکے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام نے دوبارہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کوتعمیر کیا اور یہی ان کا اوران کی امت کا قبلہ رہا اسکے بعد انبیاء بنی اسرائیل کیلئے بیت المقدس کوقبلہ قرار دیا گیا پہلے پیغمبر جو بیت المقدس میں نماز پڑھتے تھے وہ بھی عمل ایسا کرتے تھے کہ صخرۂ بیت المقدس بھی سامنے

رہے اور بیت اللہ بھی۔

احکام ومسائل

بیت اللہ کی طرف رُخ کرنا

جو شخص مسجد حرام میں موجود ہے یا کسی قریبی پہاڑ پر بیت اللہ کو سامنے دیکھ رہا ہے اس کے لئے خاص بیت اللہ ہی کی طرف رُخ کرنا ضروری ہے، جن کے سامنے بیت اللہ نہیں انکے واسطے سمتِ بیت اللہ یا سمتِ مسجد حرام کی طرف رُخ کر لینا کافی ہے۔

میانہ رَو

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

اور | اسی طرح | ہم نے | تمہیں بنایا | امت | معتدل | تا کہ تم ہو | گواہ | پر | لوگوں

وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ

اور | ہو | پیغمبر | تم پر | گواہی دینے والا

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اسی طرح ہم نے تمہیں معتدل امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور پیغمبر تم پر گواہی دینے والا ہوں۔

تفسیر

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو یہ خاص فضیلت حاصل ہے کہ ان کو حشر کے میدان میں سارے پیغمبروں کی امتیں جب اپنے پیغمبروں کی ہدایت و تبلیغ کرنے سے مکر جائیں گی اور ان کو جھٹلا کر یہ کہیں گی کہ ہمارے پاس نہ کوئی کتاب آئی نہ کسی پیغمبر نے ہمیں کوئی ہدایت کی؟ اس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی امت گواہ کے طور پر پیش ہوگی اور یہ

گواہی دے گی کہ پیغمبروں نے ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائی ہوئی ہدایت ان کو پہنچائی اور ان کو صحیح راستہ پر لانے کی بھرپور کوشش کی، دوسری امتیں ان کی گواہی پر یہ جرح کریں گی کہ اس امت کا تو ہمارے زمانے میں وجود بھی نہ تھا اس کو ہمارے معاملات کی کیا خبر اسکی گواہی ہمارے مقابلہ میں کیسے قبول کی جاسکتی ہے؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس اعتراض کا یہ جواب دے گی کہ بیشک ہم اس وقت موجود نہ تھے مگر ان کے واقعات وحالات کی خبر ہمیں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اللہ کی کتاب قرآن مجید نے دی ہے جس پر ہم ایمان لائے اور ان کی خبر کو سچا جانتے ہیں اسلئے ہم اپنی گواہی میں سچے ہیں اس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پیش ہوں گے اور تائید کریں گے کہ بیشک انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ صحیح ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میری تعلیم کے ذریعہ ان کو یہ صحیح حالات معلوم ہوئے۔

عقیدے میں میانہ روی

پہلی امتوں نے اپنے پیغمبروں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اور یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہونے کا عقیدہ رکھا اور دوسری طرف اپنے پیغمبروں کو خود ان کے ماننے والے طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے رہے۔

بخلاف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے کہ وہ ہر زمانے میں ایک طرف تو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ اعلیٰ درجہ کی محبت رکھتے ہیں کہ اسکے آگے اپنی جان و مال اور اولاد و آبرو سب کو قربان کر دیتے ہیں، اور دوسری طرف یہ اعتدال کہ پیغمبر کو پیغمبر اور خدا کو خدا سمجھتے ہیں۔

عمل اور عبادت میں میانہ روی

عقیدہ کے بعد عمل اور عبادت ہے پہلی امتوں میں اپنی شریعت کے حکموں کو چند ٹکوں کے بدلے غلط مسائل بتائے جاتے تھے اور طرح طرح کے حیلے بہانے کر کے شرعی حکموں کو بدلا جاتا تھا عبادت سے پیچھا چھڑایا جاتا تھا اور دوسری طرف آپ کو پہلی امتوں میں ایسے لوگ بھی نظر آئیں گے جنہوں نے دنیا چھوڑ کر کے

رہبانیت اختیار کرلی وہ خدا کی دی ہوئی حلال نعمتوں سے بھی اپنے آپ کو دور رکھتے اور سختیاں جھیلنے ہی کو عبادت وثواب سمجھتے تھے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکے خلاف ایک طرف رہبانیت کو انسانیت پر ظلم قرار دیا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے حکموں پر مرمٹنے کا جذبہ پیدا کیا۔

قبلہ کی تبدیلی کی حکمت

وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ

اور نہیں ہم نے مقرر کیا قبلہ جو کہ تھے آپ اس پر مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کون تابع رہیگا

الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَیْهِؕ وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِیْرَةً

پیغمبر کا کون پھر جائیگا پر ایڑھیاں اپنی اور بیشک ہوئی البتہ بھاری (یہ قبلہ کی تبدیلی)

اِلَّا عَلَى الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَكُمْؕ

مگر پر لوگوں راہ دکھائی اللہ اور نہیں ہے اللہ کہ ضائع کرے تمہارا ایمان

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴۳﴾

بیشک اللہ پر لوگوں بہت شفیق مہربان (۱۴۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے وہ قبلہ نہیں مقرر کیا تھا جس پر پہلے آپ تھے مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کون پیغمبر کا تابع رہیگا اور کون ایڑیوں پر پھر جائیگا، اور بیشک یہ قبلہ کی تبدیلی والی بات بھاری ہوئی مگر ان پر بھاری نہیں ہوئی جنہیں اللہ نے راہ دکھائی، اور اللہ ایسا نہیں کہ تمہارا ایمان ضائع کرے، بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت شفیق نہایت مہربان ہے۔ (۱۴۳)

تفسیر

پہلی کتابوں میں اس بات کی پیشین گوئی موجود تھی کہ آخری پیغمبر کا قبلہ وہی ہوگا جو حضرت ابراہیم کا قبلہ تھا، یعنی: خانہ کعبہ؛ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش تھی کہ بیت اللہ شریف کی طرف منہ کرنے کی اجازت مل جائے، چنانچہ پیغمبر صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کو جب بیت اللہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا گیا تو یہ حکم منافقوں پر بھاری گزرا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ: قبلہ بدلنے کا حکم بھاری ہے مگر جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے ان پر بھاری نہیں۔

قبلہ بدلنے پر اعتراض

قبلہ بدلنے سے متعلق یہودیوں کا اعتراض یہ تھا کہ جو لوگ بیت اللہ شریف کے قبلہ مقرر ہونے سے پہلے فوت ہو گئے ہیں انہیں تو اس طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا موقع ہی نہیں ملا وہ تو بیت المقدس کی طرف ہی رُخ کرتے رہے، لہٰذا اس نئے حکم کی روشنی میں پہلے لوگوں کی نمازیں ضائع ہو گئیں؟

اس اعتراض کے جواب میں فرمایا گیا کہ: اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ایمان (نماز) ضائع کرنے والے نہیں ہیں، پہلے لوگوں نے جو نمازیں پڑھی ہیں وہ شرعی حکم کے مطابق صحیح طریقے سے ادا کی ہیں، لہٰذا انکی نمازیں ضائع نہیں ہوئیں۔

حاصل یہ ہے کہ! جن لوگوں نے تبدیلی قبلہ سے پہلے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھی ہیں انکی نمازیں بالکل درست اور اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول ہیں اللہ تعالیٰ کسی کے نیک عمل کو ضائع نہیں کرتے وہ بڑے شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آرزو

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً

بیشک ہم دیکھتے ہیں | بار بار اٹھنا | چہرے آپ کے کا | طرف | آسمان | سو! البتہ ہم پھیریں گے آپ کو | ایسے قبلہ

تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

کہ پسند کرتے ہیں آپ اسے اب پھیر دیں چہرہ اپنا طرف مسجد حرام

بامحاورہ ترجمہ:۔ بیشک ہم آپ کے چہرے کا آسمان کی طرف بار بار اٹھنا دیکھتے ہیں، سو! البتہ ہم آپ کو ایسے قبلہ کی طرف پھیریں گے جس کو آپ پسند کرتے ہیں، اب آپ اپنا چہرہ مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیں۔

تفسیر

مسلمانوں کا اصلی قبلہ خانہ کعبہ ہی تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا، صرف کچھ عرصے کیلئے بیت المقدس کو آزمائش کی خاطر قبلہ مقرر کیا گیا تھا یہود اعتراض کیا کرتے تھے کہ جب مسلمانوں کی شریعت ہم سے مختلف اور ابراہیمی مذہب کے موافق ہے تو ہمارا قبلہ کیوں اختیار کئے ہوئے ہیں؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل چاہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خانہ کعبہ کو قبلہ بنانے کا حکم مل جائے تا کہ خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں، وحی لانے والے فرشتہ کے انتظار میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر بار بار آسمان کی طرف اُٹھ جاتی اس آیت میں اسی کیفیت کا بیان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آرزو کو پورا کیا اور فرمایا: جس قبلہ کی طرف رُخ کر کے آپ نماز پڑھنا چاہتے ہو ہم اسی کو آپ کا قبلہ بنادینگے جب قبلہ کے بدلنے کا یہ حکم نازل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں ظہر کی نماز باجماعت پڑھ رہے تھے دو رکعت بیت المقدس کی طرف پڑھ چکے تھے نماز ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور نمازیوں نے کعبہ کی طرف منہ پھیر لیا اور باقی دو رکعتیں پوری کیں مدینہ کی اس مسجد کو "مسجدِ قبلتین" کہتے ہیں۔

اس آیت میں عین کعبہ کے بجائے مسجد الحرام کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ عین کعبہ کی طرف رُخ کرنا مشکل ہے، لہٰذا پوری مسجد حرام کہکر قبلہ کی جہت کو وسعت دیدی گئی ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنے والوں کیلئے عین کعبہ جہت ہوگی جو لوگ حدود حرم کے اندر رہنے والے ہیں انکے لئے مسجد الحرام جہت ہے اور جو لوگ حدود حرم سے باہر دور دراز کے رہنے والے ہیں انکے لئے پورا حرم جہت ہے، مقصد یہ کہ جوں جوں لوگ خانہ کعبہ سے دور ہوتے جائینگے انکے لئے قبلہ کی

جہت میں وسعت پیدا ہوتی جائیگی۔

ایک زمانہ میں عنایت اللہ خان مشرقی نے اپنی تحقیق کے مطابق عام مسجدوں کے رُخ بتائے تھے وہ ایک ریاضی دان تھے انکے نزدیک صرف بادشاہی مسجد کا رُخ درست تھا باقی سب غلط تھے، انکے بقول نمازیوں کا رُخ عین قبلہ کی طرف نہ ہونے کی وجہ سے انکی نمازیں باطل تھیں انکا یہ نظریہ غلط تھا، کیونکہ قبلہ کا تعین اللہ تعالیٰ نے ریاضی کے اصولوں پر کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ فطری اصولوں پر جہت کعبہ یا جہت مسجد الحرام کا حکم ہے۔

اگر عین کعبہ یا مسجد الحرام کی پابندی لازمی ہوتی تو واقعی یہ بڑا مشکل کام تھا بعض مقامات پر جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں بڑی بڑی لمبی قطاریں بن جاتی ہیں ایسی صورت میں ہر نمازی کا رُخ عین کعبہ یا عین مسجد الحرام کی طرف ہونا ممکن ہی نہیں رہتا؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے صرف جہت کا حکم دیا ہے۔

جس طرح بدن کپڑا اور مکان کی طہارت نماز کی شرائط میں سے ہیں اسی طرح قبلہ کی طرف رُخ کرنا بھی نماز کیلئے شرط ہے، اسی لئے حکم یہ ہے کہ نماز شروع کرتے وقت قبلہ کی طرف رُخ کرنا ضروری ہے اگر ریل گاڑی یا جہاز پر بھی سفر کر رہا ہے تو قبلہ کا تعین کرسکتا ہے تاہم اگر دوران نماز سواری پر ہونے کی وجہ سے رُخ تبدیل بھی ہوجائے تو کوئی حرج نہیں نماز درست ہوگی، البتہ جہاں قبلہ معلوم نہ ہوتا ہو وہاں تحرّی کا حکم ہے، یعنی: اپنی طرف سے قبلہ کی طرف رُخ کرنے کی پوری کوشش کرے اور پھر جس طرف دل مطمئن ہو اس طرف رُخ کر کے نماز شروع کرلے اور پھر اس طرح سے متعین کیا ہوا رخ غلط بھی ہوگا تو بھی نماز درست ہوگی۔

مشرقی ملکوں ہندوستان و پاکستان وغیرہ کیلئے مغرب کی جانب مسجدِ حرام کی سمت ہے تو مغرب کی جانب رُخ کرلینے سے قبلہ کی طرف رُخ کرنے کا فرض ادا ہوجائیگا اور چونکہ گرمی، سردی کے موسموں میں مغرب کی سمت میں بھی اختلاف ہوتا رہتا ہے؛ اس لئے فقہاء رحمۃ اللہ علیہم نے اس مغربی سمت کو قبلہ کی سمت قرار دیا ہے جو گرمی اور سردی کی دونوں مغربوں کے درمیان ہے اور ریاضی کے قاعدوں کے حساب سے یہ صورت ہوگی کہ گرمی کے موسم کی مغرب اور سردی کے موسم کی مغرب کے درمیان ۴۵ ڈگری تک قبلہ کی سمت قرار دی جائیگی، ریاضی کی قدیم اور مشہور کتاب "شرح چغمینی" باب رابع صفحہ: ۶۶ میں دونوں مغربین کا فاصلہ یہی ۴۵ ڈگری قرار دیا ہے۔

خانہ کعبہ قبلہ مقرر ہو گیا

وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور جس جگہ ہو تم پھیرلو چہرے اپنے طرف اسکے اور بیشک جنہیں

اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَ مَا اللّٰهُ

دی گئی کتاب البتہ جانتے ہیں کہ یہی ٹھیک ہے سے انکا رب اور نہیں اللہ

بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

بے خبر سے اس جو وہ کرتے ہیں (۱۴۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جس جگہ تم ہوا کرو تم اسی کی طرف اپنا منہ پھیر لیا کرو اور جنہیں کتاب دی گئی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہی ٹھیک ہے ان کے رب کی طرف سے اور اللہ ان کے کاموں سے بے خبر نہیں ہے جو وہ کرتے ہیں۔ (۱۴۴)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: مسلمانوں کا قبلہ کعبہ ہی کو قرار دیا جاتا ہے، مسلمان جس جگہ بھی ہوں، خواہ سفر میں، خواہ گھر میں، شہر میں یا جنگل میں، صحرا میں، بیت اللہ کے اردگرد میں یا بیت المقدس کے اردگرد میں، غرض! ہر حالت میں نماز پڑھتے وقت کعبہ کی طرف رُخ کیا کریں۔

اسکے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے یہ فرمایا کہ: اے مسلمانوں! تم اہل کتاب کی پرواہ نہ کرو کیونکہ وہ قبلہ کی تبدیلی کی حقیقت کو پہلے ہی سے اپنی کتابوں کے ذریعہ جانتے ہیں اور اب اگر جان بوجھ کر وہ اسکے خلاف شک وشبہ پیدا کریں تو اللہ تعالیٰ ان سب سے نمٹ لیگا کیونکہ اس کو ان کے عملوں کی خبر ہے۔

اہلِ کتاب کی ہٹ دھرمی

وَ لَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا

اور اگر آپ لائیں ان کے پاس جو دیے گئے کتاب ساری نشانیاں نہ مانیں گے

قِبْلَتَكَ ۚ وَ مَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَ مَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ

قبلہ تیرا اور نہ آپ ماننے والے ہیں قبلہ ان کا اور نہ کوئی ایک ان کا ماننے والا ہے

قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ

قبلہ کسی دوسرے کا اور اگر تو نے تابعداری کی خواہش ان کی سے بعد اس جو آیا پاس آپ

مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

سے علم بیشک آپ تب البتہ سے ظالموں (۱۴۵)

وقف لازم

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر آپ اہلِ کتاب کے پاس لائیں ساری نشانیاں تو بھی وہ آپ کے قبلہ کو نہ مانیں گے اور نہ آپ انکا قبلہ ماننے والے ہیں، اور نہ ان میں کوئی ایک دوسرے کا قبلہ مانتا ہے، اور اگر آپ نے انکی خواہشوں کی پیروی کی اس علم کے بعد جو آپ کو کے پاس آیا ہے، تو بیشک آپ بھی بے انصافوں میں سے ہو جائیں گے۔ (۱۴۵)

تفسیر

اس آیت میں یہودیوں کی ہٹ دھرمی اور ضد بیان کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اے پیغمبر! آپ اگر اہلِ کتاب کو اپنی پیغمبری کی ساری نشانیاں دکھا دیں اور خانہ کعبہ کے اصلی قبلہ ہونے کی ساری دلیلیں بیان کر دیں کہ بیت اللہ شریف ہی صحیح قبلہ ہے، پھر بھی یہ لوگ آپکے قبلہ کو نہیں مانیں گے، حالانکہ یہ چیز "انجیل" میں بھی موجود ہے۔

اہل کتاب اور پیغمبر اسلام

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَ

وہ لوگ جنہیں دی ہم نے کتاب پہنچانتے ہیں اسے جیسے پہنچانتے ہیں بیٹوں کو اپنے اور

اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٤٦﴾ اَلْحَقُّ

بیشک ایک جماعت میں سے ان البتہ چھپاتے ہیں حق اور وہ جانتے ہیں (۱۴۶) حق

وقف منزل

مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿١٤٧﴾

سے رب آپ کے پھر نہ آپ ہوں سے شک کرنے والے (۱۴۷)

ع ١٧ ٦

بامحاورہ ترجمہ: جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ ایسی اچھی طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، اور بیشک ان میں سے ایک جماعت ہے جو حق کو جان بوجھ کر چھپاتی ہے۔ (۱۴۶) حق آپ کے رب کی طرف سے ہے، پھر آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ (۱۴۷)

تفسیر

پیغمبر علیہ السلام کو بیٹوں کی طرح جاننے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بیٹا گود میں ہونے کی وجہ سے اس کی پہچان پر شک نہیں گزرتا اسی طرح اہل کتاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ہی کتابوں میں موجود نشانیوں سے پہچانتے ہیں کہ یہ آخری پیغمبر ہے مگر مانتے نہیں۔

نیکی میں آگے بڑھنا

وَ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا

اور واسطے ہر ایک کے سمت وہ منہ کرتا ہے اس طرف تم سبقت کرو نیکیوں میں جہاں کہیں

وقف النبی ﷺ

تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾

تم ہوگے لائیگا تمہیں اللہ اکٹھا بیشک اللہ پر ہر چیز کے قادر ہے(۱۴۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہر کسی کے واسطے ایک سمت ہے جسکی طرف وہ منہ کرتا ہے، سو! تم نیکیوں میں سبقت کرو جہاں کہیں تم ہوگے تمہیں اللہ تعالیٰ اکٹھا کرلائیگا، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔(۱۴۸)

تفسیر

سمت کا تعین تو محض توجہ کیلئے ہوتا ہے ورنہ مشرق و مغرب سب اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہیں، اصل اور بنیادی چیز نیکی ہے، لہٰذا نیکیوں کی طرف سبقت کرو، یعنی: زیادہ سے زیادہ نیکیاں حاصل کرنے کی کوشش کرو، تم جہاں بھی ہوگے اللہ تعالیٰ تم سب کو اکٹھا کرلیگا۔

خانہ کعبہ

وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ

اور سے جگہ آپ نکلیں سو! پھیرلیں چہرہ اپنا طرف مسجد حرام

وَ اِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾

اور بیشک البتہ حق سے رب آپ کے اور نہیں اللہ بے خبر سے اس جو تم کرتے ہو(۱۴۹)

وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ

اور سے جہاں آپ نکلیں پھیرلیں چہرہ اپنا طرف مسجد حرام

وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ

اور جس جگہ تم ہو پھیرلو چہرے اپنے طرف اس کے تاکہ نہ رہے لئے لوگوں کو

عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۗ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ

پر تم کوئی دلیل مگر جو لوگ ظالم ہیں ان میں سو! نہ ڈرو ان سے اور

خْشَوْنِیْ وَ لِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْکُمْ وَ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

ڈرو مجھ سے اور اس لئے کہ پوری کروں نعمت اپنی تم پر اور تاکہ تم سیدھی راہ پاؤ (۱۵۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جس جگہ سے آپ نکلیں، سو! اپنا چہرہ مسجدِ حرام کی طرف کرلیں اور بیشک آپ کے رب کی طرف سے یہی حق ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔(۱۴۹) اور جہاں سے آپ نکلیں اپنا چہرہ مسجدِ حرام کی طرف کرلیں اور جس جگہ آپ ہوں اسی کی طرف چہرہ کریں تاکہ لوگوں کو تم سے جھگڑنے کا موقع نہ رہے مگر ان میں جو ظالم ہیں، سو! ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور اس واسطے کہ تم پر اپنی نعمت پوری کردوں اور تاکہ تم سیدھی راہ پاؤ۔(۱۵۰)

تفسیر

ان آیتوں میں بھی قبلہ کی تبدیلی کا حکم ہے اور ساتھ ہی ارشاد ہے کہ: ایسا نہ ہو تمہارے عمل سے لوگوں کو حجت بازی کا موقع ملے اور مکہ کے کافر و مشرک یہ کہہ سکیں کہ یہ دین ابراہیمی کے کیسے پیروکار ہیں جو ان کے کعبہ کو قبلہ بھی نہیں مانتے جہاں تک ڈر کا تعلق ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کا چاہئے فضل و کرم کرنا اور ہدایت دینا اسی کے اختیار میں ہے۔

بعض دوسرے مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ: پہلا حکم اس لئے دیا گیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی مرضی اور خواہش تھی کہ ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ ہی ہمارا قبلہ مقرر ہو، دوسرا حکم اس لئے دیا گیا کہ پہلے حکم میں اسکی پیش گوئیاں موجود تھیں اور انکی تصدیق کیلئے یہ دوسرا حکم اتارا گیا پھر تیسری دفعہ رُخ کرنے کا حکم اس لئے دیا کہ لوگوں کو الزام کا موقع نہ ملے کہ دیکھو! مسلمان ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرتے ہیں، لہٰذا ہمارا دین سچا ہے اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ یہ یہودی اس قسم کے اعتراض کرینگے۔

اس قسم کے حجت بازوں کی آپ بالکل پرواہ نہ کریں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھیں جب اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہوجائیگا تو باقی تمام خوف خودبخود ختم ہوجائیں گے۔

خانہ کعبہ پوری دنیا کیلئے ہدایت کا مرکز ہے وہاں پر کئے جانے والے عمل کا اجر وثواب لاکھ گنا زیادہ ہے؛ اسی لئے یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کیلئے ایک عظیم نعمت ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے، اسکے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے قبلہ مقرر کیا ہے اسی طرح کتاب بھی بے مثال دی ہے اور دین بھی بے مثال دیا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے ہر عظیم الشان نعمت اس آخری امت کو دے رکھی ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ

جیسا ہم نے بھیجا تم میں پیغمبر میں سے تم پڑھتا ہے پر تمہارے آیتیں ہماری اور

يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ

تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں سکھلاتا ہے کتاب اور دانائی اور تمہیں سکھلاتا ہے جو نہ

تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

تھے تم جانتے (۱۵۱)

بامحاورہ ترجمہ: ۔جیسا کہ ہم نے تم ہی میں سے پیغمبر بھیجا جو تمہارے سامنے ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں سکھاتا ہے کتاب اور دانائی اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔ (۱۵۱)

تفسیر

اس آیت میں ہے کہ خانہ کعبہ کو قبلہ مقرر کرنا ایک نعمت ہے، جیسے: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجنا ایک نعمت ہے، تاکہ آپ اُمت کو قرآن مجید کی آیتیں سنائیں، ظاہری اور باطنی پاکیزگی حاصل کرنے کے طریقے بتائیں قرآن مجید کے قانون پر چلنا سکھائیں اور ان قانونوں کے اصول اور انکی باریکیاں امت کو سمجھائیں، تاکہ علم وعمل دونوں کے اعتبار سے یہ امت ساری امتوں پر سبقت لے جائے۔

معانقہ ۲
عند المتاخرین ۱۲

ذکر و شکر

ع ۱۸ / ۵ / ۲

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِيْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾

سو! تم یاد رکھو مجھے　میں یاد رکھوں گا تمہیں　اور　احسان مانو　میرا　اور　نہ　ناشکری کرو میری (۱۵۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ سو! تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور تم میرا احسان مانو اور میری ناشکری مت کرو۔ (۱۵۲)

تفسیر

اپنے رب کو یاد رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اسکی بتائی ہوئی راہ پر پوری ہمت اور شوق سے چلتا رہے۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ: پس! تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا: یعنی: میں تمہیں اس ذکر کی بدولت اجر و ثواب عطاء کرتا رہونگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہے: جو شخص مجھے اپنے جی میں یاد کریگا میں بھی اسکو اپنے جی میں یاد کرونگا، جو مجھے کسی مجمع میں یاد کریگا میں اسکا ذکر اس سے بہتر مجمع میں کرونگا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے معاذ! جب بھی نماز پڑھو تو اسکے بعد یوں کہا کرو: اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ. یعنی: اے اللہ! مجھے اپنا ذکر کرنے، شکر کرنے، اور اچھے طریقے سے عبادت کرنے کی توفیق عطا فرما۔

صبر اور نماز

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اے　وہ لوگ　جو ایمان والے　مدد لو　ساتھ صبر　اور　نماز　بیشک　اللہ

مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

ساتھ ہے　صبر کرنے والوں کے (۱۵۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد مانگو، بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کیساتھ ہے۔(۱۵۳)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: مشکلوں اور مصیبتوں میں صبر کرو اور نماز باقاعدگی سے پڑھتے رہو، ہر مقصد کے حاصل کرنے میں تکلیفوں اور مصیبتوں کا پیش آنا لازمی ہے؛ اس لئے مصیبتوں اور رکاوٹوں کی وجہ سے دین کو نہ چھوڑنا بلکہ جمے رہنا یہ صبر ہے۔

صبر تین قسم پر ہے: ایک اپنے نفس کو حرام و ناجائز چیزوں سے روکنا، دوسرے طاعت وعبادات کی پابندی سے جمے رہنا، تیسرے مصیبتوں پر صبر کرنا، یعنی: جو مصیبت آ گئی اسکو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھنا اور اسکے ثواب کا امیدوار ہونا اسکے ساتھ اگر تکلیف و پریشانی سے کوئی بات زبان سے نکل جائے تو وہ صبر کے خلاف نہیں۔

قرآن وحدیث کی اصطلاح میں "صابرین" انہی لوگوں کا کو کہا گیا ہے جو تینوں طرح کے صبر میں ثابت قدم ہوں، بعض روایات میں ہے کہ محشر میں نداء کی جائیگی کہ "صابرین" کہاں ہیں تو وہ لوگ جو تینوں طرح کے صبر پر قائم تھے وہ کھڑے ہوجائیں گے اور ان کو بلاحساب وکتاب جنت میں داخلہ کی اجازت دیدی جائیگی۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی پریشانی آتی تو نماز کی طرف رجوع فرماتے تھے اور اسکی برکت سے اللہ تعالیٰ اس پریشانی کو دور فرمادیتے تھے۔

حدیث میں ہے صبر مشکلوں کو آسان کرنے اور مصیبتوں کو دور کرنے کا ذریعہ ہے، صبر کے نتیجہ میں انسان کو حق تعالیٰ کی مدد نصیب ہوتی ہے، جس شخص کیساتھ اللہ ربّ العزت کی مدد ہو، اسکا کوئی کام رکا نہیں رہ سکتا ہے اور کوئی مصیبت اسکو عاجز نہیں کرسکتی ہے۔

شہید زندۂ جاوید ہوتا ہے

وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ
اور نہ کہو ان کو جو قتل کئے گئے میں راہ اللہ کے مردے بلکہ زندہ

وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (۱۵۴)
اور لیکن نہیں تم شعور رکھتے (۱۵۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے گئے انہیں مردے نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔(۱۵۴)

تفسیر

شہید ہمیشہ زندہ رہتا ہے ہم اس کی زندگی کا احساس نہیں رکھتے۔

شہید کو اگلے جہان میں پیغمبروں جیسی اعلیٰ زندگی حاصل ہوتی ہے، شہید کے جسم کو قبر کی مٹی نہیں کھاتی اور زندہ آدمی کے جسم کی طرح صحیح سالم رہتا ہے، جیسا حدیثوں میں آیا ہے، پس! اس کی وجہ سے شہیدوں کو زندہ کہا گیا ہے اور انکو مردہ کہنے سے روکا گیا ہے، مگر دنیاوی احکام میں وہ عام مردوں کی طرح ہیں انکی میراث تقسیم ہوتی ہے اور انکی بیویاں دوسروں سے نکاح کر سکتی ہیں۔

امتحان اور آزمائش

وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ
اور البتہ ہم آزمائینگے تمہیں کچھ سے ڈر اور فاقہ اور نقصان سے مالوں

وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ (۱۵۵)
اور جانوں اور میوے اور خوش خبری دی صبر کرنے والوں (۱۵۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور البتہ ہم تمہیں آزمائینگے کچھ ڈر اور فاقہ سے اور مالوں اور جانوں اور میوؤں کے نقصان سے اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری دیں۔ (۱۵۵)

تفسیر

زندگی میں مسلمانوں کو ایسی تکلیفیں اور آزمائشیں پیش آئیں گی جنکا سہنار ہنا موت سے بھی زیادہ تکلیف دینے والا ہے، ایسے موقعوں پر بزدلی اور کمزوری ہرگز نہیں دکھانی چاہئے بلکہ صبر سے کام لینا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کیساتھ خوش رہتے ہوئے اسکے حکموں کو پورا کرنے میں لگے رہنا چاہئے، یہ آزمائشیں مختلف صورتوں میں ظاہر ہونگی مثلاً: دشمن کا خوف، خشک سالی، قحط، خوراک اور دوسری ضروریات زندگی کی کمی، روزی میں کمی، اپنے رشتہ داروں کو اپنے سامنے مرتے دیکھنا، میوؤں، پھلوں اور دوسری کھانے پینے کی چیزوں کی کمی وغیرہ، ان تمام تکلیفوں اور مصیبتوں کے ذریعے وقتاً فوقتاً امتحان لیا جائیگا، ثابت قدمی اور صبر کو دیکھا جائیگا، صابرین میں داخل ہونا آسان کام نہیں لیکن صبر کا تقاضا یہی ہے کہ ہم غمزدہ ہونے کے بجائے اپنے مقصد میں سرگرم رہیں اسے حاصل کرنے کا خیال اپنی پوری قوت کیساتھ قائم رہے، اب یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ وہ کس شخص کی آزمائش کس طریقہ سے کرتے ہیں اسکے مختلف طریقے ہیں جنکا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔

مِّنَ الْخَوْفِ: خوف سے۔ یعنی: تم پر خوف ہی خوف طاری کردینگے جس سے انسان مصیبت میں مبتلا ہوجائے خوف ایک ایسی چیز ہے جسکی موجودگی میں زندگی کا کاروبار ٹھپ ہوکر رہ جاتا ہے، تجارت، زراعت، صنعت ہر چیز خوف سے متاثر ہوجاتی ہے پوری زندگی بیکار ہوکر رہ جاتی ہے سکون ختم ہوجاتا ہے۔

وَ الْجُوْعِ: فاقہ کشی۔ آزمائش کا دوسرا ذریعہ فاقہ ہے، غذا اس کے بغیر زندہ رہنا ناممکن ہے، خندق کی جنگ کے موقع پر خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ بھوک کی وجہ سے ہم نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے چین ہوتے ہوئے بھی دیکھا، بعض اوقات بھوک کا اتنا غلبہ ہوتا کہ سیدھے بیٹھ بھی نہ سکتے بلکہ ٹیک لگانا پڑتی تھی۔

وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ: اور مال جان کے نقصان سے۔ آزمائش کی تیسری صورت مال وجان کا نقصان ہے، جان ومال میں کمی کر کے بھی لوگوں کا امتحان لیتے ہیں، زمینی اور آسمانی مصیبتیں مال وجان میں نقصان کا ذریعہ ہیں، یا پھر زلزلہ، طوفان اور سیلاب وغیرہ کے ذریعے جانی ومالی نقصان پہنچتا ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کا ذریعہ ہیں۔

وَ الثَّمَرٰتِ: اور میوے۔ آزمائش کا چوتھا ذریعہ پھل ہیں کہ بعض اوقات پھلوں میں کمی کے ذریعے بھی آزمائش آتی ہے۔

صبر کرنے والوں کی سیرت

الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ؁۱۵۶

وہ لوگ جب پہنچے انہیں کوئی مصیبت کہیں بیشک ہم ہیں لئے اللہ کے اور ہم طرف اسی کی لوٹ کر جانے والے (۱۵۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہ لوگ کہ جب انہیں کچھ مصیبت پہنچے تو کہیں ہم تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور ہم تو اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ (۱۵۶)

تفسیر

اس آیت میں سے تین باتوں کا پتہ چلتا ہے، پہلی یہ کہ ہم سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں ہم خود بھی اور ہماری ہر شے بھی ہماری اپنی نہیں، نہ بیوی، نہ بچے، نہ مال، نہ جائداد، نہ وطن، نہ خاندان، نہ جسم، نہ جان، نہ دنیا، انسان کے رنج وغم اور درد وحسرت کہ وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی محبوب چیزوں کو اپنی سمجھتا ہے جب ذہن سے یہ خیال نکال دیا جائے اور سمجھا جائے کہ جو چیز ہے سب اللہ تعالیٰ کی ہے پھر رنج غم ہی نہیں رہتا ہر مصیبت کے وقت پر یہی کلمہ دہرا دینا چاہئے کہ اپنا کچھ نہیں سب اللہ تعالیٰ کا ہے اور ہم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ رنج اور تکلیفیں خواہ کتنی ہی بڑی ہوں سب آنی، جانی ہیں یہ ختم ہو جائینگی اور عنقریب انہیں چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہونا ہے؛ اس لئے ان سے گھبرانا کیا؟

تیسری بات یہ ہے کہ یہ مصیبتیں اور آزمائشیں یونہی بیکار نہیں، انکا اجر وثواب دوسری زندگی میں ضرور ملیگا جو انہیں صبر سے برداشت کر گیا حق پر ثابت قدم رہا اس کو اس ثابت قدمی پر اجر ضرور ملے گا، جس شخص کے یہ تینوں عقیدے جتنے زیادہ مضبوط ہونگے اسی قدر سکون اور اطمینان نصیب ہوگا ہمیں چاہئے کہ ان باتوں کو ہم ذہن میں خوب اچھی طرح بٹھالیں، اگرچہ صبر کا تعلق دل سے ہے لیکن زبان سے یہ کلمہ ادا کرنے سے زبان دل کی ساتھی ہوجاتی ہے اور اس سے دل کو قوت وطاقت ملتی ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معمولی سی معمولی تکلیف یا ناگواری کے موقع پر بھی "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ" کہا کرتے تھے۔

جب کسی مؤمن کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ "اِنَّا لِلّٰہِ" کہہ کر اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ یہ مال و دولت اسی کا دیا ہوا ہے وہ جب چاہے لے لے؛ اس لئے وہ کسی قسم کے نقصان پر چیخ وپکار یا واویلا نہیں کرتا بلکہ صبر سے کام لیتا ہے اور ایسے ہی صابرین کیلئے اللہ تعالیٰ نے دی ہے، مصیبت کے وقت نوحہ کرنا حرام ہے کسی کے آنسو بہہ نکلیں تو یہ ایک فطری امر ہے اور درست ہے مگر چیخ وپکار کرنا ناجائز ہے اس سے بچنا چاہئے، مصیبت کے وقت صبر کرنا اور "اِنَّا لِلّٰہِ" کہہ دینا اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر رضامندی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے جو بھی پسند فرمایا ہے میں اس پر راضی ہوں۔

صبر کرنے والوں کا صلہ

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

وہی ان پر عنائتیں سے رب ان کے اور مہربانی اور وہی ہیں ہدایت یافتہ (۱۵۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ایسے ہی لوگوں پر اپنے رب کی عنائتیں ہیں اور مہربانی ہے اور وہی سیدھی راہ پر ہیں۔(۱۵۷)

تفسیر

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ صبر کرنے والوں کا اجر بہت بڑا ہے دنیا وآخرت میں ان پر ہماری خاص عنائتیں ہونگی، مخالفت کے خوف سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہئے بلکہ ان آزمائشوں میں پورا اترنا چاہئے؛ اس لئے کہ آزمائشوں پر صبر کرنے والے سیدھی راہ پر ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ تک کامیابی کیساتھ پہنچ جائینگے۔

حج کے حکم

اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ

بیشک صفا اور مروہ سے نشانیاں اللہ کی سو!جوکوئی حج کرے بیت یا

اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا ۙ

عمرہ تونہیں گناہ اس پر کہ طواف کرے ان دونوں کا اور جوکوئی خوشی سے کرے کچھ نیکی

فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۵۸﴾

توبے شک اللہ قدردان جاننے والا (۱۵۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، سو! جوکوئی بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کا طواف کرے اور جوکوئی اپنی خوشی سے کچھ نیکی کرے تو بے شک اللہ تعالیٰ قدردان اور جاننے والا ہے۔(۱۵۸)

لفظی تحقیق: اس آیت میں حج کے بعض حکموں کا ذکر ہے، "صَفَا" کے لغوی معنٰی صاف پتھر یا خاص چٹان کے ہیں اور مَرْوَہ " کے لغوی معنٰی سفید نرم پتھر کے ہیں، شَعَآىِٕرِ :"شعیرہ" کی جمع ہے اسکے معنٰی

ہیں علامت۔

تفسیر

شانِ نزول

مشہور روایت کے مطابق "صفا" اور "مروہ" پر دو بت رکھے ہوئے تھے ان میں سے اساف مرد کا بت تھا اور وہ "صفا" پہاڑی پر تھا اور نائلہ عورت کا بت "مروہ" پر رکھا ہوا تھا یہ دونوں مرد، عورت مشرک تھے، انہوں نے خانہ کعبہ میں بدکاری کی تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں پتھر کا بنایا لوگوں نے ان پتھروں کو اٹھا کر باہر رکھ دیا تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں کہ برائی کا نتیجہ کیا ہوتا ہے وقت گزرنے کیساتھ ساتھ ان بتوں کی پوجا ہونے لگی اور یہ لوگوں کے معبود بن گئے، پھر لوگوں نے ان میں سے ایک کو "صفا" پر اور دوسرے کو "مروہ" پر رکھ دیا۔

سوال اسی کا تھا کہ "صفا و مروہ" پر بتوں کی مورتیں رکھی تھیں اور جاہلیت کے دور کے لوگ انہی کی پوجا کیلئے "صفا و مروہ" کے درمیان سعی کرتے تھے؛ اس لئے صحابہ نے سعی کو گناہ سمجھا، اسکے جواب میں فرمایا کہ: "صفا و مروہ" کے درمیان سعی کرنا سنت ابراہیمی ہے؛ اس لئے ہمیں کوئی گناہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی لعنت

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الْهُدٰى مِنْۢ

بیشک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں جو اتارا ہم نے سے واضح نشانیاں اور ہدایت سے

بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ

بعد واضح چکے لوگوں کے لئے میں کتاب وہی ہیں ان پر لعنت کرتا اللہ اور

يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿١٥٩﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ بَيَّنُوْا

ان پر لعنت کرتے ہیں لعنت کرنے والے (۱۵۹) مگر وہ جنہوں نے توبہ کی اور اپنے عمل کو درست کیا اور حق بات بیان کردی

فَاُولٰٓىِٕكَ اَتُوْبُ عَلَیْهِمْ ۚ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶۰﴾

تو یہی ہیں میں متوجہ ہوا پر ان اور میں ہوں بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان (۱۶۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بیشک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں وہ چیز جو ہم نے اتاری، یعنی: واضح نشانیاں اور ہدایت اسکے بعد کہ ہم انہیں لوگوں کے لئے کتاب میں واضح ہو چکے ہیں وہی ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اوران پرلعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔(۱۵۹) لیکن جنہوں نے توبہ کی اور اپنے کام کو درست کیا اورحق بات بیان کردی، یہی لوگ ہیں جنہیں میں معاف کرتا ہوں اورمیں بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان ہوں۔(۱۶۰)

تفسیر

یہودی اورعیسائی دنیاوی لالچ اورحرص میں آکراللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے اصل حکموں کو چھپاتے تھے اوراس کے بدلے جھوٹی باتیں بنا کر بتاتے تھے اس طرح بہت سے لوگ گمراہ ہوجاتے، ایماندار لوگ شک وشبہ میں پڑجاتے، حق کی پیروی کرنے والوں کوطرح طرح کی تکلیفیں پیش آتی تھیں؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انکوملعون قراردیا۔

مطلب یہ کہ جولوگ ان حکموں کو چھپائیں گے اصل بات کے بجائے من گھڑت باتیں بیان کرینگے اور پیغمبرصلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جونشانیاں اور پیشینگوئیاں آسمانی کتابوں میں موجود ہیں ان کو چھپائینگے ان پراللہ تعالیٰ بھی لعنت بھیجتا ہے اورلعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں، ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوجاتے ہیں اوردوسرے اسکے حق میں لعنت کی بددعا کرتے ہیں، کیونکہ جب حق کو چھپانے کا وبال نازل ہوتا ہے تو دوسری مخلوق بھی اسکے بھنور میں پھنس جاتی ہے، پیغمبرصلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: قیامت کے دن اسکے منہ میں لگام ڈالی جائیگی اورسخت سزادیجائے گی کہ اس نے حق کو چھپایا۔

آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے گناہوں کی معافی کیلئے تین شرائط بیان کی ہیں:(ا)....جو گناہ ہوگیا اس

پر دل سے شرمندہ ہو۔ (۲)....اس گناہ کو فوراً چھوڑ دے۔ (۳).... آئندہ کے لئے پختہ عزم کر لے کہ یہ گناہ نہیں کروں گا۔

کفر کی موت

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ

بیشک وہ جو کافر ہوئے اور مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے وہی ہیں جن پر لعنت

اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ

اللہ اور فرشتے اور لوگوں سب کی (۱۶۱) ہمیشہ رہیں گے میں اس نہ ہلکا کیا جائے۔

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

سے ان عذاب اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی (۱۶۲) اور تمہارا معبود معبود ایک

۱۹ ع ۱۱ ۴ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾

نہیں معبود سوا اس کے بڑا مہربان نہایت رحم والا (۱۶۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بیشک جو کافر ہوئے اور وہ کافر ہی مر گئے ان پر اللہ کی اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ (۱۶۱) اس میں ہمیشہ رہیں گے ان پر سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت ملے گی۔ (۱۶۲) اور تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا۔ (۱۶۳)

تفسیر

وہ لوگ جو کفر پر ہی مر گئے اور توبہ نصیب نہ ہوئی ان پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے یہ لعنت ان پر چپک جاتی ہے اور قیامت تک ساتھ رہے گی اور دوزخ کی آگ میں لے جائے گی، یہ لوگ ہمیشہ کے لئے اس عذاب میں رہیں گے نہ تو عذاب میں کمی ہوگی اور نہ ہی مہلت دی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ

بیشک میں پیدا کرنے آسمان اور زمین اور بدلنا رات اور دن کا

وَ الْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَآ اَنْزَلَ

اور کشتیاں جو چلتی ہیں میں سمندر ساتھ اسکے جو فائدہ دیتی ہیں لوگوں کو اور جو اتارا

اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

اللہ سے آسمان سے پانی پھر زندہ کیا اس سے زمین بعد اسکی موت

وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّ تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَ السَّحَابِ

اور پھیلائے اس میں سے تمام جانور اور بدلنا ہوائیں اور بادل

الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

تابع درمیان آسمان اور زمین نشانیاں واسطے قوم عقل مند (۱۶۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بیشک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور کشتیوں میں جو سمندروں میں چلتی ہیں لوگوں کے کام کی چیزیں لیکر اور پانی میں جسے اللہ نے آسمان سے اتارا، پھر اس کے ذریعہ زمین کو زندہ کیا اسکے مرنے (بنجر) ہونے کے بعد اور اسمیں سب قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو اسکے حکم کے تابع ہیں زمین اور آسمان کے درمیان، بیشک ان سب چیزوں میں عقلمندوں کیلئے نشانیاں ہیں۔ (۱۶۴)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قوت اور قدرت کی نشانیاں بیان فرمائی ہیں تا کہ انسان ان پر غور کرے

اور اسکی خدائی اور برتری کا اقرار کرے۔

ایک تو یہ آسمان ہے جس کی بلندی اور کشادگی جس میں ایک جگہ پر ٹھہرے ہوئے ستاروں اور دوسرے چلتے ہوئے سیارے تم دیکھ رہے ہو۔

پھر زمین کا پیدا کرنا جو ایک ٹھوس چیز ہے جس پر تم چلتے پھرتے ہو جس میں اونچی اونچی چوٹیوں والے پہاڑ ہیں جس میں موجیں مارنے والے وسیع سمندر ہیں جس میں قسما قسم کے بیل بوٹے ہیں جس میں طرح طرح کی پیداوار اُگتی ہے جس پر رہتے سہتے ہو اور اپنی مرضی کے مطابق آرام دہ مکان بناتے ہوں اور جس سے سینکڑوں قسم کے فائدے اٹھاتے ہو، پھر رات دن کا آنا جانا، رات گئی دن آیا، دن گیا رات آگئی نہ رات دن سے پہلے آئے اور نہ دن سے پہلے آئے اور نہ دن رات سے پہلے آئے ہر ایک اپنے صحیح اندازے سے آئے اور جائے کبھی کے دن بڑے، کبھی کی راتیں، کبھی دن کا کچھ حصہ رات میں آجائے، پھر کشتیوں کو دیکھو جو تمہیں اور تمہارے مالوں اور تجارتی سامانوں کو لے کر سمندر میں ادھر سے ادھر آتی جاتی رہتی ہیں۔

یہاں کی چیزیں وہاں اور وہاں کی چیزیں یہاں پہنچ سکتی ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کا اپنی رحمت سے بارش برسانا اور اس سے بنجر زمین کو سرسبز بنانا، اس سے اناج اور کھیتی پیدا کرنا۔

زمین میں مختلف قسم کے چھوٹے بڑے جانوروں کو پیدا کرنا ان سب کی حفاظت کرنا، ان کے لئے روزی پہنچانا، ان کے لئے سونے بیٹھنے چرنے چگنے کی جگہ تیار کرنا، ہواؤں کو مشرق و مغرب کی طرف چلانا، کچھ ٹھنڈی کبھی گرم، کبھی کم کبھی زیادہ، بادلوں کو آسمان اور زمین کے درمیان چلانا، ضرورت کی جگہ برسانا یہ سب کی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جن سے عقلمند لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو پہچانتے ہیں۔

غیر اللہ سے محبت

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ

وَ مِنَ	النَّاسِ	مَنْ	يَّتَّخِذُ	مِنْ دُوْنِ	اللّٰهِ	اَنْدَادًا	يُّحِبُّوْنَهُمْ
اور سے	لوگ	جو	بناتے ہیں	سوا	اللہ کے	شریک	انکی محبت رکھتے ہیں

كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ

جیسے محبت اللہ کی اور وہ لوگ ایمان لائے زیادہ تر محبت اللہ کی

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور بعض وہ لوگ ہیں جو اوروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں انکی ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ تعالیٰ کی محبت اور مومنوں کو اللہ کی محبت سب سے زیادہ ہے۔

تفسیر

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو شکر ادا کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں، اسکی نعمتیں کسی دوسرے کی طرف سے سمجھتے ہیں، انہیں اپنے معبود بناتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں اور ان سے ایسی محبت اور عقیدت ظاہر کرتے ہیں جیسی کہ اللہ تعالیٰ سے رکھنی چاہئے تھی، اس آیت میں انہی لوگوں کا ذکر ہے۔

بعض ناسمجھ لوگ اللہ تعالیٰ کیساتھ دوسرے بتوں، دیوتاؤں اور پیشواؤں کو شریک ٹھہراتے ہیں، انہیں قدرت والا سمجھتے ہیں، مثلاً: عیسائی اللہ تعالیٰ کیساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کی عبادت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: جب خالق و مالک اسی کی ذات ہے، معبود وہی ہے تو محبت بھی اسی کی ہونی چاہئے، ایک کامل مؤمن کی نشانی یہی ہے کہ وہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھے اپنے دل میں اسکی محبت سب سے زیادہ رکھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''مؤمن وہ ہے جسکی دوستی اور دشمنی اللہ تعالیٰ کیلئے ہوتی ہے، جسے اللہ تعالیٰ چاہے وہ اسے دوست رکھتا ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو اسے دشمن سمجھتا ہے۔

تمام قوت اللہ تعالیٰ کیلئے ہے

وَ لَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ

اور اگر دیکھ لیں یہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا جب دیکھیں گے عذاب کہ بیشک قوت لئے اللہ کے

جَمِيْعًا ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾

ساری اور بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے (۱۶۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر یہ ظالم دیکھ لیں اس وقت کو جبکہ عذاب دیکھیں گے کہ ساری قوت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور یہ کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔ (۱۶۵)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: یہ مشرک لوگ اگر اس عذاب کو دیکھ لیتے جو ہم قیامت کے دن ان پر اتاریں گے جسے دیکھ کر یہ فوراً کہہ اٹھیں گے کہ ہر قسم کی قوت وطاقت صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے کسی کو اسکے آگے دم مارنے کی مجال نہیں اسکے سوا کوئی دوسرا کسی کی مدد نہیں کرسکتا اور ہر چیز اسکے آگے بے بس ہے، اس روز نہ کسی کا مال واسباب کچھ کام آئیگا اور نہ رشتہ دار ساتھ دے سکیں گے ہر شخص اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی، بچوں، یاروں دوستوں، اور عزیزوں سے دور بھاگے گا کہ کہیں ان کے گناہوں کے وبال اسکے اوپر نہ آپڑے، اس روز مشرک لوگ اپنے ان باطل معبودوں اور جھوٹے شریکوں کو بھول جائینگے۔

مشرکوں کی بے بسی

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ

جب بیزار ہوجائیں وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی سے ان لوگوں جنہوں نے پیروی کی اور دیکھیں گے عذاب

وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا

اور کٹ جائیں گے ان سے تعلقات (۱۶۶) اور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے پیروی کی کاش! بیشک ہمارے لئے

كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ

لوٹ جانا پھر ہم بھی بیزار ہوجاتے ان سے جیسے یہ بیزار ہوئے ہم سے اس طرح انہیں دکھائیگا اللہ

ع ۲۰ ۴

اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾

ان کے کام حسرتیں بنا کر ان پر اور نہیں وہ نکلنے والے سے آگ (۱۶۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جب وہ لوگ جنکی پیروی کی گئی تھی ان سے بیزار ہوجائینگے جنہوں نے پیروی کی تھی اور وہ عذاب دیکھ لینگے اور ان سے سب تعلقات کٹ جائینگے۔(۱۶۶) اور پیروکار کہیں گے کاش! ایسا ہوتا کہ ہمیں دنیا کی طرف لوٹ کر جانا مل جاتا تو پھر ہم بھی ان سے بیزار ہوجاتے جیسے یہ ہم سے بیزار ہوئے، اسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں دکھلائیگا ان کے کام حسرت دلانے کیلئے اور وہ آگ سے ہرگز نکلنے والے نہیں۔(۱۶۷)

تفسیر

اس دن کافر سردار جنہوں نے دنیا میں نادان عوام کو اپنے پیچھے لگا رکھا تھا ان لوگوں کو چھوڑ دینگے جنہوں نے دنیا میں انکی پیروی کی تھی اور انکے پیچھے لگ کر سیدھا راستہ چھوڑ بیٹھے تھے یہ گھڑی ان نادان پیروکاروں کیلئے بڑی بھیانک ہوگی کہ ان کے سردار جواب دے چکے ہونگے تعلقات کٹ چکے ہونگے اور عذاب سامنے نظر آ رہا ہوگا، اس دن نادان گمراہ لوگ کہیں گے کہ کاش! دنیا میں ہم کو ایک بار جانا نصیب ہو اور ہم ان مکار سرداروں سے اسی طرح بیزاری اختیار کریں جس طرح آج انہوں نے ہم سے بیزاری اختیار کی۔

حلال اور پاکیزہ غذا

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا

اے لوگو! کھاؤ میں سے جو میں زمین حلال پاک اور نہ پیروی کرو

خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ

قدم شیطان کے بیشک وہ لئے تمہارا دشمن کھلا (۱۶۸) بیشک وہ (شیطان) تمہیں حکم کریگا

بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴿۱۶۹﴾

برائی سے اور بے حیائی اور یہ کہ جھوٹ کہو پر اللہ جو نہیں تم جانتے (۱۶۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔(۱۶۸) وہ تمہیں یہی حکم کریگا کہ برائی اور بے حیائی کے کام کرو اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کہو وہ باتیں جنہیں تم نہیں جانتے۔(۱۶۹)

تفسیر

عربوں نے بعض چیزیں ازخود حرام قرار دے رکھی تھیں مثلاً: بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور اور اسی طرح بعض دوسری غذائیں، نیز: انہوں نے بعض حرام چیزوں کو حلال مال کی طرح استعمال کرنا شروع کر دیا تھا، اسلام نے اس بات کو روکا، چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے جس شخص کا کھانا حرام کا، لباس حرام کا، غذا حرام کی ہو اسکی دعا کیسے قبول ہوسکتی ہے۔

جو لوگ حلال وحرام کی پرواہ نہیں کرتے وہ شیطان کی پیروی کرتے ہیں اور شیطان انسانوں کا کھلا دشمن ہے وہ کبھی انسان کی خیرخواہی نہیں چاہتا، جو چیز غیراللہ کے نام پر دی جاتی ہے خواہ وہ مٹھائی ہو یا فروٹ، چاول ہوں یا گوشت، ان میں بظاہر تو کوئی خرابی نظر نہیں آتی مگر اسمیں روحانی نجاست پائی جاتی ہے جو روح کو ناپاک کر دیتی ہے، لہٰذا ایسی چیز روحانی طور پر مضر ہوگی اور اس کا کھانا حلال نہیں ہوگا۔

اس آیت میں شیطان کی دو برائیاں بیان کی گئی ہیں، پہلی یہ کہ وہ انسان کو ہمیشہ برائی اور بے حیائی سکھاتا ہے اس سے کبھی بھی انسان کو فائدہ کی امید نہیں رکھنی چاہیئے بلکہ اسکی فطرت ہی ایسی ہے کہ وہ سراسر برائی، بے حیائی، گمراہی، اور ناپاکی کے کام کرواتا ہے، ہر گھڑی کسی نہ کسی فساد، فتنہ، اور گڑبڑ پر اکساتا ہے اور نیکی میں روڑے اٹکاتا ہے۔

ایک زمانہ ایسا بھی آیا تھا کہ لوگ بیت اللہ شریف کا طواف بالکل ننگے ہوکر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ

نے ہمیں حکم دیا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا ہرگز حکم نہیں دیتا، شیطان نے انکے دل میں یہ بات ڈال دی کہ جن کپڑوں کیساتھ ہم گناہ کرتے ہیں انکے ساتھ طواف نہیں کرنا چاہئے، لہٰذا انہوں نے ننگے طواف شروع کر دیا۔

احکام ومسائل

مسئلہ:..... اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے کسی جانور کو کسی غیر اللہ کے نام کر کے چھوڑ دیا تو حرام ہے، پھر اگر وہ غیر اللہ کے نام پر چھوڑنے سے رجوع کرے اور اپنے اس فعل سے توبہ واستغفار کرے تو پھر اسکا گوشت حلال ہو جائیگا۔ واللہ اعلم

باپ دادا کی پیروی

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ

اور جب کہا جاتا ہے سے ان پیروی کرو جو اتارا اللہ نے کہتے ہیں بلکہ ہم پیروی کرینگے اس کی جو

اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا

پایا ہم نے اس پر اپنے باپ دادا کو بھلا! اگرچہ ہوں ان کے باپ دادا نہ سمجھتے ہوں کچھ

وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

اور نہ سیدھی راہ جانتے ہوں (۱۷۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو اس حکم کی جو اللہ نے اتارا، تو کہتے ہیں ہم تو اسکی پیروری کرینگے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا، بھلا! اگرچہ انکے باپ دادا کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور نہ سیدھی راہ جانتے ہوں؟ (۱۷۰)

تفسیر

جب ان لوگوں سے کہا جائے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں اسکے حکم کی پیروی

کرواسکے حکموں کے مطابق دولت کماؤ، اسکے حکموں کے مطابق دولت خرچ کرو معاملات میں، لین دین میں، خرید وفروخت میں، بیاہ شادی میں، نکاح وطلاق میں، اسی کی دی ہوئی شریعت کے مطابق عمل کرو تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اپنے باپ دادا اور اپنے بڑوں کی رسموں اور خاندانی روایتوں کا لحاظ کرینگے ہم تو ان راستوں پر چلیں گے جن پر ہم نے اپنے بڑوں کو چلتے دیکھا، گویا اللہ تعالیٰ کے احکام کو چھوڑ کر یہ لوگ اپنے بڑوں کی روایتوں کو مانتے ہیں، انکی رسموں کو صحیح سمجھتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی شریعت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کیا یہ لوگ اپنے بڑوں کی پیروی کریں گے اگر چہ ان کے باپ دادا کو کوئی نہ ہو، لہٰذا ایسے باپ دادا کی اندھی پیروی سے یہ لوگ ضرور تباہی اور بربادی میں جا گرینگے۔

احکام ومسائل

اس آیت سے جس طرح باپ دادوں کی اندھی تقلید واتباع کی مذمت ثابت ہوئی ہے اسی طرح جائز تقلید واتباع کی شرائط اور ایک ضابطہ بھی معلوم ہوگئی جسکی طرف دو لفظوں میں اشارہ فرمایا ہے: لَا يَعْقِلُوْنَ اور لَا يَهْتَدُوْنَ کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ باپ دادا کی تقلید واتباع کو اس لئے منع کیا گیا ہے کہ انہیں نہ عقل تھی، نہ ہدایت، ہدایت سے مراد وہ حکم ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتارے گئے اور عقل سے مراد وہ جو اجتہاد کے ذریعہ معلوم کئے گئے۔

باپ دادا کی پیروی کی مثال

وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ

اور مثال ان لوگوں کی کافر ہیں مثال ایسے شخص کی جو پکارے اس چیز کو جو نہ سنے

اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

سوا پکارنا اور چلانا بہرے گونگے اندھے پس وہ نہیں سمجھتے (۱۷۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اوران کافروں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص ایک چیز کو پکارے جو سوا پکارنے اور چلانے کے کچھ نہ سنے وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ (۱۷۱)

تفسیر

حق بات کو قبول نہ کرنے والے گویا بہرے ہیں کہ حق کی آواز ان کے کانوں سے داخل ہو کر دل پر اثر نہیں کرتی وہ سنی بات کو ان سنی کر دیتے ہیں، وہ گونگے ہیں کہ حق کو سنتے اور سمجھتے ہیں لیکن زبان سے اسکا اعتراف نہیں کرتے، اگر دل مان بھی لے پھر بھی اقرار نہیں کرتے اور دوسروں تک حق کا پیغام نہیں پہنچاتے، وہ اندھے ہیں کہ حق کے راستے کو نہیں دیکھتے آنکھیں ہونے کے باوجود انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا اگر ان کا استعمال حق کیلئے نہ ہو اور حق کی راہ میں کام نہ آئیں تو انکا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے۔ کیونکہ جس اللہ نے انسان کو سننے، دیکھنے اور بولنے نعمتیں دی ہیں اگر یہ حکم کے مطابق کام نہ کریں انسان کو اسکے حقیقی مالک کا راستہ نہ دکھائیں اوران سے ملنے کا طریقہ نہ بتائیں تو انکے ہونے کا کیا فائدہ؟

یہی حال ان کافروں کا ہے کہ ان کے پاس، کان، زبان، آنکھیں، موجود ہیں لیکن یہ ان سے وہ کام نہیں لیتے جو لینا چاہیے، گویا کہ یہ بہرے، اندھے اور گونگے ہیں۔

حرام غذائیں

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا

اے | لوگو! جو | ایمان والے | کھاؤ | سے | پاک چیزیں | جو | تمہیں دی ہم نے | اور | شکر کرو

لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ

اللہ کا | اگر | ہو تم | اسی کی | عبادت کرتے ہو (۱۷۲) | بیشک | حرام کیا | تم پر | مردہ جانور

وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ

اور خون اور گوشت سور کا اور وہ پکارا جائے اس پر غیر اللہ کے کا

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے ایمان والو! کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں دیں اور اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ (۱۷۲) اس نے تم پر حرام کیا ہے مردہ جانور اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے۔

تفسیر

اس آیت میں جن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے وہ چار چیزیں یہ ہیں۔ (۱).... مردار (۲).... خون (۳).... خنزیر کا گوشت (۴).... وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، پھر چاروں چیزوں کی تفصیل خود قرآن کریم کی دوسری آیتوں اور صحیح حدیثوں میں آئی ہے جن کو ملانے کے بعد ان چاروں چیزوں کے حکم حسبِ ذیل ہیں ان کو کسی قدر تفصیل سے لکھا جاتا ہے۔

مردہ جانور: یعنی: ایسا جانور جو از خود مر جائے یا ہلاک کیا گیا ہو لیکن اسے شریعت کے مطابق ذبح نہ کیا گیا ہو، اسی طرح اگر زندہ جانور کے جسم سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ لیا جائے تو وہ بھی مردار ہی شمار ہوگا، دو جاندار ایسے ہیں جو حدیث کی رو سے ذبح کرنے کے بغیر بھی جائز ہیں، ایک مچھلی، دوسرے ٹڈی۔

میتۃ: اس سے مراد وہ جانور ہے جس کے حلال ہونے کیلئے ذبح کرنا ضروری ہے مگر وہ بغیر ذبح کے خود بخود مر جائے یا گلا گھونٹ کر یا کسی دوسری طرح چوٹ مار کر مار دیا جائے تو وہ مردار اور حرام ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! ہمارے لئے دو مری ہوئی چیزیں حلال قرار دی گئی ہیں ایک مچھلی اور دوسرے ٹڈی، اور دو خون حلال قرار دیئے گئے ہیں کلیجی اور تلی۔ (ابن کثیر از احمد، ابن ماجہ، دارقطنی)

تیسری چیز جو اس آیت میں حرام کی گئی ہے وہ خنزیر کا گوشت ہے، اگر چہ آیت میں نام صرف گوشت کا لیا گیا ہے لیکن مراد اس سے خنزیر کی ہر چیز ہے کیونکہ وہ دوسرے حرام جانوروں کی طرح نہیں ہے کہ وہ ذبح کرنے

سے پاک ہو سکتے ہیں اگر چہ کھانا حرام ہی رہے گا، کیونکہ خنزیر کا گوشت ذبح کرنے سے بھی پاک نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ نجس العین بھی ہے، حرام بھی ہے۔

مجبوری کی صورتیں

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

پھر جو کوئی بے اختیار ہو جائے نہ نافرمانی کرے اور نہ زیادتی تو نہیں گناہ اس پر بیشک اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

بخشنے والا مہربان ہے (۱۷۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جو کوئی بے اختیار ہو جائے نہ تو نافرمانی کرے اور نہ زیادتی تو اس پر ان کے کھانے میں کچھ گناہ نہیں، بیشک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ (۱۷۲)

لفظی تحقیق: اُضْطُرَّ: بے اختیار ہو جائے: ضرورت اسی کے مادہ سے نکلا ہے اسکا مصدر اِضْطِرَار ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ انسان ایسی مجبوری میں پھنس جائے کہ جان پر آ بنے تو ایسی مجبوری کے وقت حرام غذا صرف اس حد تک کھانے کی اجازت ہے جس سے جان بچ سکے، مثلاً: کھانا میسر نہ ہو اور جان نکلنے کی نوبت آ جائے اور حرام شے کے سوا کوئی چیز نہ ملے یا تنگدستی کی وجہ سے حلال غذا میسر نہ آتی ہو یا کسی مرض میں ماہر طبیب کے مشورے پر حرام شے کا استعمال ضروری ہو، صرف ان صورتوں میں اس حد تک حرام شے کے استعمال کی اجازت ہے جس سے جان بچ سکے۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے اپنی اور مہربانی سے ان حرام چیزوں کو بھی بعض بعض حالات میں حلال کر دیا ہے اسکے لئے شرط یہ ہے کہ انسان کسی وجہ سے ان کے استعمال پر مجبور ہو جائے کہ اسکے بغیر جان نہ بچتی ہو اور دوسری یہ کہ وہ

اس وقت حرام چیز محض لذّت حاصل کرنے کیلئے نہ کھائے بلکہ اتنا کھائے کے جان بچ جائے، صرف جان بچانا فرض ہے۔

مجبوری کی حالت میں ان چیزوں کو نہ کھانا گناہ بھی ہے کیونکہ جان بچانا فرض ہے ایسے موقعوں پر غذا نہ کھانا خودکشی کے برابر ہے اور ظاہر ہے خودکشی حرام ہے۔

برے عالموں کی سزا

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَشْتَرُوْنَ

بیشک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں جوکچھ اتارا اللہ نے سے کتاب اور لیتے ہیں

بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ

بدلے اس کے مول تھوڑا وہ نہیں بھرتے میں پیٹوں اپنے مگر آگ

وَ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَا يُزَكِّيْهِمْ ۚۖ وَ لَهُمْ

اور نہ بات کرے گا ان سے اللہ دن قیامت اور نہ انہیں پاک کریگا اور لئے ان کے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾

عذاب دردناک (۱۷۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بیشک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے اتاری، یعنی: کتاب اور اس پر تھوڑا سا مول (یعنی: دنیاوی معاوضہ) لیتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں، اور قیامت کے دن اللہ ان سے بات نہ کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (۱۷۴)

تفسیر

اس آیت میں ان کا انجام بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ مال نہیں بلکہ آگ کھا رہے ہیں، "تورات" میں پیغمبر

صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات بیان کی گئی تھیں اور جو نشانیاں بیان کی گئی تھی یہودی عالم ان کو چھپاتے تھے اور جو لوگوں سے تحفے اور ہدیئے سمیٹتے رہتے تھے اس فانی دنیا کے مال کے بدلے اپنی آخرت خراب کر رہے تھے انہیں ڈر لگا ہوا تھا کہ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری کی یہ نشانیاں ظاہر کر دیں تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں اور انہیں چھوڑ دیں گے اس خوف سے وہ ہدایت کو چھوڑ بیٹھے اور گمراہی پر اڑے رہے۔

گھاٹے والا سودہ

أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَ الْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ

یہی جنہوں نے خریدا گمراہی کو بدلے ہدایت کے اور عذاب کو بدلے بخشش کے

فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ

کس قدر وہ صبر کرنے والے ہیں پر آگ (۱۷۵) یہ اس لئے کہ اللہ نے اتاری کتاب

ع ۲۱ ۹ ۵ بِالْحَقِّ ۗ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾

حق کے ساتھ اور یہ جنہوں نے اختلاف کیا میں کتاب البتہ میں ضد دور کے (۱۷۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہی ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی اور بخشش کے بدلے عذاب، سو! وہ کس قدر صبر کرنے والے ہیں دوزخ پر۔ (۱۷۵) یہ اس لئے ہے کہ اللہ نے کتاب حق کیساتھ اتاری اور جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا وہ دور کی ضد میں جا پڑے ہیں۔ (۱۷۶)

تفسیر

اس آیت میں سچائی کے چھپانے اور چند ٹکوں پر دین کے بیچنے والے لوگوں کے سودے کی حقیقت بیان کی گئی ہے، وہ خود تو یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے حق بیچ کر مال و دولت اکٹھا کر لیا، دنیا کما لی، عیش کا سامان اکٹھا کر لیا اور بڑا اچھا سودا کیا، لیکن قرآن مجید بیان کرتا ہے کہ اس سودے میں انہوں نے سب کچھ کھو دیا، انہوں نے

ہدایت کو بیچ کر گمراہی خریدی ہے، آخرت کے بجائے دنیا کو پسند کیا ہے اس سے زیادہ خسارے اور نقصان والا سودا اور کوئی نہیں، ان لوگوں نے عارضی فائدوں کو حاصل کیا ہے اور ہمیشہ کے آرام حاصل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

سچی بات کو چھپانا اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کو غلط رنگ دینا، حق فروشی کرنا، تھوڑے سے فائدے کیلئے حق کو چھپانا بہت بڑا جرم ہے اور اس جرم کی سزا بہت دردناک ہے، یہودیوں کی بدعملیوں سے ہمیں سبق سیکھنا چاہئے، تاکہ ہم ان گناہوں کی سزا سے بچ سکیں۔

یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حق نازل کیا، لیکن انہوں نے حق میں اختلاف کیا، اگر اختلاف کی کوئی جائز وجہ ہوتی پھر بھی کوئی بات تھی، لیکن انہوں نے محض ضد اور تعصب کی وجہ سے حق کو نہ مانا، تعاون کے بجائے اختلاف اور مخالفت پر کمر باندھ لی، انہوں نے مذہب کو بھی نسلی اور خاندانی میراث سمجھ لیا، آنحضرت ﷺ کی مخالفت صرف اس لئے کی کہ وہ بنو اسرائیل میں سے نہیں بلکہ بنو اسماعیل میں سے تھے، اگرچہ ایک ہی دادا (یعنی: حضرت ابراہیم علیہ السلام) کی اولاد تھے۔

اصل نیکی / اچھے عقیدے

لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ وَ

نہیں نیکی کہ پھیرلو چہرے اپنے طرف مشرق اور مغرب اور

لٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ الۡمَلٰٓئِكَةِ وَ الۡكِتٰبِ

لیکن نیکی جوکوئی ایمان لائے پر اللہ اور دن قیامت کے اور فرشتے اور کتابیں

وَ النَّبِيّٖنَ‌ۚ وَ اٰتَى الۡمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الۡقُرۡبٰى وَ الۡيَتٰمٰى وَ

اور پیغمبر اور دے مال پر محبت اسکی رشتہ داروں اور یتیموں اور

الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ
مسکینوں اور مسافروں اور مانگنے والوں اور میں گردنوں اور قائم رکھے

الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَ
نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور پورا کرنے والے عہد اپنا جب عہد کریں اور

الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ
صبر کرنے والے میں سختی اور تکلیف اور وقت جنگ یہی

الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾
وہ جو لوگ ہیں کہ سچے ہیں اور یہی لوگ وہ پرہیزگار (۱۷۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ نیکی یہی نہیں کہ اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر، لیکن نیکی یہ ہے جو کوئی اللہ پر ایمان لائے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور پیغمبروں پر، اور اسکی محبت پر مال دے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور مال خرچ کرے غلام آزاد کرنے میں، اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ دیا کرے، اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہیں جب وہ کسی سے عہد کریں، اور سختی اور تکلیف میں صبر کرنے والے اور لڑائی (یعنی: جہاد میں) صبر کرنے والے، یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۔(۱۷۷)

تفسیر

مسلمانوں کے پہلے تو حکم ہوا کہ وہ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھیں، پھر انہیں کعبہ کی طرف کرنے کا حکم ہوا جو اہل کتاب اور بعض مسلمانوں کو بھی ناگوار گزرا، اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت بیان فرمائی، اصل نیکی اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے میں ہے وہ جدھر رُخ کرنے کا حکم دے اور ادھر ہی رُخ کرنا چاہئے اگر کوئی مشرق کی طرف رُخ کرے یا مغرب کی طرف اور اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو تو وہ اس وجہ سے ایماندار نہیں ہو جائے گا بلکہ حقیقت

میں ایمان والا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کو مانے۔

وَ الْكِتٰبِ: اور کتاب: یعنی کتاب پر ایمان لانا بھی مکمل ایمان کا ایک حصہ ہے، یہاں کتاب سے مراد قرآن مجید یا ساری آسمانی کتابیں ہیں۔

یہاں صرف مال کا خرچ کرنا ہی مقصد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اسکی رضا حاصل کرنے کیلئے خرچ کرنا مقصود ہے، آیت کے پہلے حصہ میں ارشاد ہوا تھا کہ نیکی کسی خاص سمت رخ کرنے کا نام نہیں بلکہ نیک بننے کیلئے پہلی شرط عقائد کی درستی اور تکمیل ایمان ہے اب نیکی کے دوسرے جز، یعنی: مالی قربانی کا ذکر ہو رہا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ: نیک انسان وہی ہے جو مال کی محبت کی باوجود اسے اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا حاصل کرنے کی خاطر اللہ تعالیٰ کے بندوں پر خرچ کرے، ضرورت مند اوحقداروں میں سب سے پہلے اپنے رشتہ دار ہیں، پھر یتیم، مسکین، مسافر، سوالی ہیں، اور غلاموں کو آزاد کرانے میں خرچ کرے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اپنے رشتہ داروں پر خرچ کرنے پر دوہرا اجر ملتا ہے، ایک اجر صلہ رحمی کا حاصل ہوتا ہے اور دوسرا صدقہ کا کرنا باعث اجر وثواب ہے۔

وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ: اور یتیم اور مسکین: یتیموں اور مسکینوں کی مالی حاجت پوری کرنا بھی نیکی ہے، نابالغی کی حالت میں جس کا فوت ہو گیا ہے اسکی سرپرستی ضروری ہے، اس پر مال خرچ کرنا چاہئے اور مسکین وہ ہے جو محنت مزدوری کرتا ہے مگر کوشش کے باوجود اسکی بنیادی ضروریات پوری نہیں ہوتیں، وہ بھی حقدار ہے ایسے شخص کی مالی مدد یقیناً نیکی کا کام ہے۔

وَ ابْنَ السَّبِيْلِ: اور مسافر: اور وہ مسافر بھی امداد کے مستحق ہیں جو سفر کے دوران محتاج ہو جائیں، سفر کا سامان ختم ہو گیا یا چوری ہو گیا ہے یا کسی تکلیف میں مبتلا ہو گیا ہے تو ایسے شخص پر خرچ کرنا بھی نیکی ہے۔

عبادات میں سب سے بڑی عبادت بدنی اور مالی قربانی ہے، بدنی عبادت کی صورت نماز ہے اور مالی عبادت کی صورت زکوٰۃ ہے، نماز کی بہت سے خوبیاں خود قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان کی گئی ہیں اور

احادیث میں بھی اسکے تذکرے جا بجا ملتے ہیں، نماز اسلام کی ایک نہایت اہم عبادت ہے، نماز انسان کو بے حیائی سے روکتی ہے، نافرمانی سے باز رکھتی ہے، نماز مؤمن کی معراج ہے۔

مالی عبادت میں زکوٰۃ سب سے بنیادی عبادت ہے، جس شخص کے پاس زکوٰۃ کے نصاب کے برابر مال ہو، وہ شخص سال گزرنے پر اڑھائی فیصد حصہ اپنے مال میں سے زکوٰۃ کے طور پر ادا کرے۔

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اور نماز کو اکٹھا بیان فرمایا ہے ان میں سے ایک بَدنی عبادت ہے اور دوسری مالی عبادت ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بتیس ۳۲ مرتبہ "اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ" کا اکٹھا ذکر فرمایا ہے یہ اتنے اہم فرض ہیں جنکے ذریعے ایک طرف اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہوتا ہے اور دوسری طرف مخلوق کیساتھ تعلق قائم ہوتا ہے۔

اخلاق والے شخص میں یہ خوبیاں ہونی چاہئیں کہ وہ اپنے عہد کو پورا کرتا ہوا اپنی ذمہ داریوں کو نہایت اچھے طریقے سے نبھاتا ہو، حقوق اللہ اور حقوق العباد پوری خوبی کیساتھ ادا کرتا ہو، وہ مالی پریشانیوں، جسمانی بیماریوں اور خدا کے دشمنوں سے جنگ کے وقت صبر سے کام لیتا ہو۔

وہ لوگ بھی نیکی والے ہیں کہ میدان جہاد میں پہنچنے والی تکلیف کو خوشی کے ساتھ برداشت کرتے ہیں یہاں تک کہ اپنی جان تک کی بازی لگا دیتے ہیں مگر صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔

قصاص (قتل کے بدلے قتل)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ

اے لوگو! جو ایمان لائے فرض کیا گیا پر تم برابری کرنا میں مقتولوں آزاد

بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ

بدلے آزاد اور غلام بدلے غلام کے اور عورت بدلے عورت کے

با محاورہ ترجمہ:۔ اے ایمان والو! تم پر فرض کیا گیا ہے مقتولوں میں قصاص (برابری) کرنا، آزاد کے

بدلے آزاد، اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔

لفظی تحقیق: قَتْلٰى: مقتولین۔ اسکا واحد قَتِيْل ہے، یعنی: مقتول، خصوصاً وہ مقتول جسے کسی شخص نے ارادہ کیساتھ، یعنی: جان بوجھ کر قتل کیا ہو۔ قِصَاصُ: بدلہ میں برابری۔ یعنی: کسی جرم کا بدلہ لینے میں برابری سے کام لینا، شریعت کی اصطلاح میں قتل کے بدلہ میں قتل کرنا یا زخم کے بدلہ میں ایسا ہی برابر کا زخم لگانا مراد ہے۔

تفسیر

اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانے میں عربوں کے ہاں دستور تھا کہ اگر کسی اونچے خاندان کا فرد قتل کر دیا جاتا تو وہ قاتل کے خاندان کے بہت سے آدمی قتل کر دیتے تھے، اگر کسی اونچے گھرانے کا کوئی غلام قتل ہو جاتا تو بدلہ میں قاتل کے خاندان کے کسی آزاد آدمی کو قتل کرتے، خواہ قتل کرنے والا کوئی غلام ہی ہوتا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اونچے گھرانے کے غلام کی قدر ادنیٰ گھرانے کے آزاد کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے؛ اس لئے غلام کو نہیں بلکہ آزاد کو قتل کیا جائے، پھر اگر اونچے گھرانے کی کوئی عورت ادنیٰ گھرانے کی کسی عورت کے ہاتھوں قتل ہو جاتی تو مقتول کے وارث اصل قاتلہ کو چھوڑ کر اس خاندان کے کسی مرد کو قتل کرتے کیونکہ انکا خیال تھا کہ ہماری عورت ادنیٰ گھرانے کے مرد کے برابر ہے۔

قرآن مجید نے اس نسلی امتیاز اور فرق کو ختم کر دیا اور حکم دیا کہ جہاں تک انسان ہونے کا تعلق ہے سب ایک دوسرے کے برابر ہیں، غریب ہو یا امیر، شریف ہو یا رذیل، عالم ہو جاہل، جوان ہو یا بوڑھا، تندرست ہو یا بیمار، گویا جان کے لحاظ سے سب آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہیں، اگر کوئی عورت کسی مرد کو قتل کر دے تو صرف اسی قاتل عورت کو قتل کیا جائے گا، کیونکہ اس کی جان مقتول کی جان کے برابر ہے کوئی غلام قاتل ہو تو بدلے میں غلام کو قتل کیا جائے گا کسی دوسرے کو نہیں۔

معاف کرنا اور احسان کرنا

فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ

پھر جسے معاف کیا جائے اسے سے اسکے بھائی کچھ پس لازم پیچھا کرنا اس کا دستور کے مطابق اور ادا کرنا چاہیے

اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ

اسے ساتھ اچھے طریقے یہ آسانی ہوئی سے رب تمہارے اور مہربانی پھر جو کوئی

اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾

زیادتی کی بعد اس کے تو لئے اس کے عذاب دردناک (۱۷۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جسے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کیا جائے تو دستور کے موافق پیچھے جانا اور اسے ادا کرنا چاہئے خوبی کیساتھ، یہ تمہارے رب کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہوئی پھر جس نے زیادتی کی اس فیصلہ کے بعد تو اس کیلئے دردناک عذاب ہے۔(۱۷۸)

تفسیر

جان کے معاملے میں تمام انسان برابر ہیں؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قتل کا بدلہ قتل مقرر کیا ہے، اب یہ بیان فرمایا کہ: مقتول کے وارث قاتل کو قصاص معاف کر اس سے خون بہا لے سکتے ہیں یا اس سے خون بہا، یا خون بہا کی رقم میں بھی کچھ کمی کر سکتے ہیں، ان حالات میں قاتل سزائے قتل سے بچ سکتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ: مقتول کے وارث اگر قاتل کی جان بخشی اور خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں تو وہ اتنی بھاری رقم کا مطالبہ نہ کریں جو قاتل کی ہمت سے باہر ہو، ضد میں آ کر خوامخواہ اُسے تنگ نہ کرنے لگیں یا خون بہا معاف کرنے کے بعد دوبارہ پورے معاوضہ شروع نہ کر دیں، بلکہ دستور کے مطابق جتنی باقی ہو وہ وصول کریں۔

مقتول کے وارثوں کو تاکید کرنے کے بعد قاتل کو بھی تاکید کی جاتی ہے کہ وہ بھی اس رقم کو نہایت خوش

اسلوبی اور خوبصورتی کیساتھ ادا کردے، خوامخواہ بدمزگی پیدا کرنے کی کوشش نہ کرے، اللہ تعالیٰ نے قاتل کو قتل کی انتہائی جانی سزا دینے کیساتھ یہ تخفیف کا طریقہ مقرر کردیا ہے، اللہ تعالیٰ انسانوں پر مہربانی کرنے والا ہے اس نے اپنی شفقت سے کام لیتے ہوئے سزا کو ہلکا کردیا ہے لیکن اگر اس کے بعد بھی کوئی ان قوانین کی خلاف ورزی کرے گا اور حدود سے باہر قدم رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اسے دردناک سزا دینے پر قادر ہیں۔

قصاص میں زندگی ہے

وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اور تمہارے لئے میں قصاص زندگی ہے اے عقل مندو تاکہ تم بچتے رہو (۱۷۹)

بامحاورہ ترجمہ: اور قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے اے عقل مندو! تاکہ تم بچتے رہو۔ (۱۷۹)

تفسیر

قتل کے جرم میں قاتل کو جان سے مار دینے کی سزا بظاہر بہت سنگین اور سخت محسوس ہوتی ہے اور یہ خیال ہوتا ہے کہ قاتل کو سزا دے کر جان بوجھ کر ایک اور جان ضائع کردی جاتی ہے، لیکن اگر اس حکم کی مصلحت اور حکمت کا غور سے جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ اس سے مزید ایک زندگی فنا نہیں ہوتی بلکہ زندگی نصیب ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر اگر قتل کی سزا قتل نہ رکھی جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسانی جان کی قدر نہ رہے گی، ظالم لوگ بے دھڑک اور بے دریغ قتل کریں گے کیونکہ انہیں معلوم ہوگا کہ وہ تھوڑا سا جرمانہ بھرنے یا قید بھگتنے کے بعد رہا ہو جائیں گے، اس طرح انسانی جان بہت سستی ہو جائے گی جیسا کہ عرب کے اندر جاہلیت کے زمانہ میں عملی طور پر موجود تھا۔

اگر قتل کی سزا نہ ہو تو ہر مالدار آدمی بے دھڑک چھوٹی سی بات پر بھی دوسروں کو قتل کرے گا اور جرمانہ اداء

کر کے اپنے آپ کو چھڑا لے گا لیکن اگر اسلامی طریقہ کے مطابق قتل کی سزا قتل رکھ دی جائے یعنی تمام انسانی جانوں کو برابر سمجھا جائے، جان کی قیمت جان ہی مقرر کردی جائے تو قتل بہت کم ہوں گے، کیونکہ معلوم ہوگا کہ اگر اس کے ہاتھوں کوئی مارا گیا تو وہ جرمانہ بھر کر آزاد نہیں ہو سکے گا بلکہ خود اسی کو قتل کی سزا بھگتنی پڑے گی، ان حالات میں قتل کے واقعات رک جائیں گے اور لوگ اپنی جانوں کو محفوظ پائیں گے، گویا قتل کی سزا اگر قتل نہ ہو تو لوگوں کی جانیں تلف ہوتی ہیں لیکن جب قتل کی سزا قتل ہو تو لوگوں کی جانیں قاتلوں سے محفوظ ہو جائے گی۔

اسلام نے بظاہر جرموں کی سزائیں بہت سخت رکھی ہیں لیکن غور سے دیکھا جائے تو دراصل وہ جرم ہی اس قدر سخت سزا چاہتے ہیں، اس سے کم سزا دینا لوگوں میں جرم کو معمولی بنا دینے کا سبب ہوگا، دوسری بات یہ ہے کہ قانون کا مقصد تو جرم کو روکنا ہے نہ کہ سزا کو محض مذاق اور شغل بنا دینا، آج کل یہی ہو رہا ہے کہ سزا پانے والے مجرم مزید جرم کرنے میں پہلے سے زیادہ دلیر ہو جاتے ہیں، نہ ان کی اصلاح ہوتی ہے نہ دوسروں کو عبرت حاصل ہوتی ہے۔

قتل کی تین قسمیں ہیں: (الف)....قتل عمد۔(ب)....شبہ عمد۔(ج)....قتل خطاء۔

قتل عمد یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو آلۂ قتل کیساتھ ارادۃً مار ڈالے، مثلاً: بندوق یا پستول سے فائر کردے، چھرا یا نیزہ مار دے، یا کوئی اور ایسا آلہ استعمال کرے جو عام طور پر قتل کیلئے استعمال کیا جاتا ہے قتل کی یہ واحد صورت ہے جس میں قصاص ہے، باقی دو صورتوں، یعنی: قتل شبہ عمد یا قتل خطاء میں خون بہا ہے قصاص نہیں، پھر قصاص میں بعض استثناء ہیں، مثلاً: باپ اپنے بیٹے یا بیٹی کو قتل کردے تو قصاص نہیں لیا جائیگا بلکہ معاوضہ اور تعزیر ہوگی جسمیں سزائے قید بھی ہوسکتی ہے، اسی طرح اگر ماں اپنے بیٹے یا بیٹی کو یا پوتے پوتی کو یا نواسے نواسی کو ہلاک کردے تو بھی قصاص نہیں ہوگا برخلاف اسکے اگر بیٹا باپ کو قتل کردے تو اسے قصاص میں قتل کیا جائیگا، تفصیلات حدیث اور فقہ کی کتب میں موجود ہیں۔

وصیت

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۚۖ الْوَصِيَّةُ

فرض کردیا گیا تم پر جب حاضر ہو تم میں کسی کو موت اگر چھوڑے مال وصیت کرنا

لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ؕ۝۱۸۰

واسطے ماں باپ کے اور رشتہ داروں کے ساتھ انصاف کے یہ حکم لازم ہے پر پرہیزگار (۱۸۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو اس پر وصیت کرنا فرض کردیا گیا ہے بشرطیکہ وہ کچھ مال اپنے پیچھے چھوڑے ماں باپ کے واسطے اور رشتہ داروں کیلئے انصاف کیساتھ، یہ حکم پرہیزگاروں پر لازم ہے۔ (۱۸۰)

وصیت میں تبدیلی

فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ

پھر جوکوئی بدلے بعد اسکے جو سن چکا بس تو گناہ اس کا پر جو بدلتے ہیں اسے

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ؕ۝۱۸۱ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا

بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے (۱۸۱) پھر جوکوئی خوف کرے سے وصیت کرنے والا طرفداری یا گناہ

فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۸۲ ۲۲ ع ٦ ٦

پھر صلح کرادے درمیان ان کے تو نہیں گناہ اس پر بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے (۱۸۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جوکوئی وصیت کو سن لینے کے بعد بدل ڈالے تو اسکا گناہ انہی پر ہے جنہوں نے اسے بدلا، بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے۔ (۱۸۲) پھر جوکوئی وصیت کرنے والے سے خوف کرے طرفداری کا یا گناہ کا پھر ان کی آپس میں صلح کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا نہایت

مہربان ہے۔(۱۸۲)

تفسیر

فقہاء کرام نے وصیت کی کئی قسمیں بیان کی ہیں

(۱)..... بعض وصیتیں واجب ہوتی ہیں، مثلاً: زکوٰۃ، امانت، قرض ادا کرنے کی وصیت جسکا پورا کرنا انتہائی ضروری اور فرض ہے۔

(۲)..... بعض وصیتیں مستحب ہوتی ہیں مثلاً: کسی نیک کام کے لئے وصیت کر جانا یا ایسے رشتہ داروں کے لئے وصیت کر جانا جسے میراث نہ پہنچ رہی ہو۔

(۳)..... بعض وصیتیں صرف مباح ہوتی ہیں، مثلاً: کسی جائز کام کے لئے وصیت کرنا۔

(۴)..... بعض وصیتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا پورا کرنا قرآن مجید نے منع کیا ہے، مثلاً: کوئی حرام کام کے لئے وصیت کر جائے جس کا پورا کرنا ممنوع ہے۔

(۵)..... بعض وصیتیں موقوف کہلاتی ہیں، انہیں پورا کرنے کے لئے بعض شرطوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے، مثلاً: مرنے والا اپنے مال کے تیسرے حصے سے زیادہ حصہ کی وصیت کر جائے اس کی وصیت کو پورا کرنا دوسرے وارثوں کی رضامندی پر موقوف ہوتی ہے، وصیت کے بارے میں اگلی آیات میں بھی مسائل موجود ہیں ان کو بھی نظروں کے سامنے رکھیں تو مسئلہ صاف ہو جائیگا۔

جو لوگ مرنے والے کے پاس وصیت کے وقت موجود ہوں اگر وہ مرنے والے کی وصیت میں کوئی ردو بدل کرینگے تو اسکا گناہ انہی پر ہوگا، ممکن ہے بعض لوگ اپنے فائدہ کی خاطر وصیت میں کوئی تبدیلی کریں اور پھر اسے پیش کر کے اپنی غرض پوری کرلیں، اصل سے بے خبر لوگوں کو بظاہر اس میں وصیت کرنے والے یا وصیت کے مطابق فیصلہ دینے والے کا قصور معلوم ہوگا کہ اس نے حق تلفی کی۔

اگر کوئی شخص دیکھے کہ وصیت کرنے والے نے کسی کی حق تلفی کی ہے ترکہ کی ناجائز تقسیم کی ہے اللہ تعالیٰ

کے خلاف ہدایت کی ہے یا وصیت گناہ اور ناانصافی سے کی ہے، مثلاً: وہ کسی ایسے کام پر مال صرف کرنے کی وصیت کر گیا ہے جو شرعاً ممنوع ہے، ان صورتوں میں گواہ اور فیصلہ کرنے والے کو حق پہنچتا ہے کہ وہ وارثوں کو صحیح مشورہ دے ان کی آپس میں صلح کرادے اور وصیت تبدیل کرادے اس صورت میں وصیت کی تبدیلی گناہ نہیں ہوگی، گویا اصل بات اخلاص عمل اور نیکی ہے۔

جب تک اللہ تعالیٰ نے وارثوں کے حصے مقرر نہیں کئے تھے، اس آیت کے ذریعے وارثوں کیلئے وصیت کا حکم دیا گیا تھا تاکہ انہیں بھی میت کے ترکہ میں سے حصہ مل سکے مگر سورۃ نساء کی آیتیں اتارنے سے وارثوں کے حصے مقرر ہوگئے اس لئے وارثوں کے حق میں وصیت منسوخ ہوکر دی گئی، اب وارثوں کیلئے وصیت نہیں ہے البتہ وہ لوگ جو وارث نہیں ان کیلئے ایک تہائی مال تک وصیت کرسکتا ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ورثاء، یعنی: ماں، باپ، بیوی، خاوند، اولاد وغیرہ کے متعلق فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اسکا حق دیدیا ہے اب کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں ہے انہیں وراثت سے ان کا مقدر حصہ مل جائیگا۔

احکام ومسائل

مسئلہ (۱):.... جن رشتہ داروں کے حصے قرآن مجید میں مقرر کردیئے ہیں انکے لئے اب وصیت جائز نہیں، البتہ جو رشتہ دار شرعی وارث نہیں ان کے لئے ایک تہائی مال تک کی وصیت کرنے کی اجازت ہے۔

مسئلہ (۲):.... آدمی کو جو ایک تہائی مال میں وصیت کرنے کا حق دیا گیا ہے اپنی زندگی میں اسکو یہ بھی حق رہتا ہے کہ اس وصیت میں کچھ تبدیلی کردے یا بالکل ختم کردے۔

روزوں کا حکم اور مریض ومسافر کے لئے رعایت

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى

اے لوگو! جو ایمان لائے فرض کیا گیا پر تم روزہ جیسے فرض کیا گیا تھا پر

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ
ان لوگوں سے پہلے تم تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ (۱۸۳) چند روز گنتی کے پھر جو کوئی

كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ
ہو تم میں سے بیمار یا پر سفر تو گنتی سے دنوں اور

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ (۱۸۳) چند گنتی کے دن ہیں، پھر تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو اس پر ان کی گنتی اور دنوں سے پوری کرنا ضروری ہے۔

تفسیر

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ: روزہ کسی نہ کسی صورت میں دنیا کے ہر مذہب اور ہر قوم میں پایا جاتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، اور دوسرے پیغمبروں کی شریعت میں روزہ کو بہت اہمیت حاصل تھی؛ اس لئے پہلے لوگوں کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: انکی طرح تم پر بھی روزہ فرض کیا جاتا ہے، مقصد یہ ہے کہ روزہ دار اپنی جائز خواہشوں کو پورا کرنے سے صبح صادق سے سورج غروب ہونے تک کھانے پینے اور بیوی کے ساتھ ملاپ کرنے سے رکنا۔

پہلی امتوں کے روزے

فرمایا: اے ایمان والو! یہ روزے صرف تم پر ہی نہیں فرض کئے گئے بلکہ تم سے پہلی امتوں پر بھی اسی طرح فرض کئے گئے تھے، حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے ہر مہینہ میں تین روزے رکھنے کا حکم تھا پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے اس حکم کو بدل کر ۳ دن کے بجائے رمضان المبارک کے پورے مہینے روزے فرض کر دیئے گئے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ: تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی روزوں کا مقصد بھی بیان فرمادیا ہے۔ یعنی: روزے اس لئے فرض کئے گئے ہیں تاکہ تقویٰ اور پرہیزگاری پیدا ہو۔

جس طرح نقصان دینے والی چیزوں سے پرہیز کرنے سے جسمانی صحت درست ہوجاتی ہے اسی طرح روح اور اخلاق کو نقصان پہنچانے والی تمام عادتوں سے پرہیز کرنے سے انسان کی روحانی حالت درست رہتی ہے، اس خصوصیت کو تقویٰ کہا جاتا ہے۔

مریض اگر روزہ رکھنے کی کوشش کریگا تو بیماری میں اضافہ بھی ہوسکتا ہے تو ایسی صورت میں اسے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے بلکہ رمضان شریف کے بعد چھوٹ جانے والے روزوں کے بدلے روزے رکھ لے۔

اسی طرح مسافر کو بھی روزے نہ رکھنے کی اجازت ہے، سفر آرام وسکون کا ہو یا سختی وتکلیف والا، ہوائی جہاز کا ہو یا بحری جہاز کا، ریل گاڑی کا ہو یا بس کا، کسی جانور کی سواری ہو یا پیدل سفر کر رہا ہے، اگر اسکا جی نہیں چاہتا تو اسے اجازت ہے کہ روزے نہ رکھے اس پر کوئی گناہ نہیں رمضان کے بعد روزے رکھ سکتا ہے، چھوٹے ہوئے روزوں کی گنتی پوری کرنی پڑیگی۔

قرآن کریم کے الفاظ "اَلَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ" عام ہیں، حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام شریعتوں اور امتوں کو شامل ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح نماز کی عبادت سے کوئی شریعت اور کوئی امت خالی نہیں رہی اسی طرح روزہ بھی ہر شریعت میں فرض رہا ہے۔

احکام ومسائل

مسئلہ (۱):..... جو شخص سفر پر روانہ ہونے کے بعد کسی شہر یا بستی میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر کے رُک جائے تو وہ مسافر نہیں رہے گا بلکہ مقیم کہلائے گا اب اسے روزے نہ رکھنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

مسئلہ (۲):..... جو شخص پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کسی ایک شہر یا بستی میں نہیں کرتا بلکہ مختلف شہروں اور

بستیوں میں دو، دو، چار، چار دن ٹھہرنے کی نیت کر کے رکتا ہے تو وہ مسافر ہی رہے گا اور اس کو ان دنوں میں روزے نہ رکھنے کی اجازت ہوگی۔

گنتی کے مطابق دوسرے دنوں میں روزے رکھنا تب واجب ہے جب مرض اور سفر ختم ہو جائے، قضاء روزے رکھنے میں اختیار چاہے لگا تار رکھے یا وقفے وقفے سے رکھے۔

مجبوری کا فدیہ

وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ

اور پر ان لوگوں کے جو طاقت رکھتے ہیں اس کی بدلہ ہے کھانا کھلانا فقیر کو پھر جو کوئی

تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ

خوشی سے کرے نیکی تو اچھا ہوگا اسکے لئے اور روزہ رکھنا تمہارا بہتر تمہارے لئے اگر

كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

ہو تم سمجھ رکھتے (۱۸۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہوں (اور پھر نہ رکھنا چاہیں) وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا کر (روزے کا) فدیہ ادا کر دیں (یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا) پھر جو کوئی خوشی سے نیکی کرے تو اسکے واسطے اچھا ہے، اور تمہارا روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ (۱۸۴)

تفسیر

روزہ چھوڑنے کے بدلے میں کسی فقیر یا حاجت مند کو دو وقت کا کھانا پیٹ بھر کر کھلا دیا کریں اور کھانے کا معیار وہی ہو جو عام طور پر خود ان کا ہو۔

اسکے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ روزہ چھوڑنے کا صحیح فدیہ تو ایک مسکین کا دو وقت کا کھانا ہے لیکن اگر کوئی شخص

اس فدیہ کی مقدار بڑھادے، یعنی: ایک سے زیادہ فقیروں کو کھانا کھلادے، کھانے کی قسم بہتر کردے، تو اور بہتر ہے اس احسان اور نیک عمل کا معاوضہ اسے ضرور ملے گا اسکی آخرت سنور جائیگی۔

وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ: کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ جو لوگ مریض یا مسافر کی طرح روزہ رکھنے سے مجبور نہیں بلکہ روزے کی طاقت تو رکھتے ہیں مگر کسی وجہ سے دل نہیں چاہتا تو ان کیلئے بھی یہ گنجائش ہے کہ وہ روزے کے بجائے روزے کا فدیہ ادا کردیں، اسکے ساتھ ساتھ اتنا فرمادیا: "وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ" یعنی: تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ روزہ ہی رکھو، یہ حکم شروع اسلام میں تھا جب لوگوں کو روزے کا عادی بنانا مقصود تھا اسکے بعد جو آیت آنے والی ہے، یعنی: "مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" اس سے یہ حکم لوگوں کے حق میں منسوخ کردیا گیا، صرف ایسے لوگوں کے حق میں اب بھی یہ حکم باقی رہ گیا جو بہت بوڑھے ہوں یا ایسے بیمار ہوں کہ اب صحت کی امید نہیں رہی، جمہور صحابہؓ وتابعین کا یہی قول ہے۔

"صحیح بخاری، مسلم، ابوداود، نسائی، ترمذی، طبرانی" وغیرہ تمام ائمہ حدیث نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جب یہ آیت "وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ" نازل ہوئی تو ہمیں اختیار دیدیا گیا تھا کہ جسکا جی چاہے روزے رکھے جسکا جی چاہے نہ چاہے نہ رکھے اور اس کا فدیہ دیدے، پھر جب دوسری آیت "مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" نازل ہوئی تو یہ اختیار ختم ہوکر طاقت والوں پر صرف روزہ ہی رکھنا لازم ہوگیا۔

رمضان کی فضیلت

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ

مہینہ رمضان وہ اتارا گیا اس میں قرآن

بامحاورہ ترجمہ:۔ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید اتارا گیا۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں رمضان المبارک کے اندر روزے مقرر کرنے کی خصوصیت اور وجہ بیان فرمائی ہے اور وہ ہے اس مقدس مہینہ میں قرآن مجید کا اتارنا۔

قرآن مجید یوں تو تھوڑا تھوڑا اتار گیا اور تیئیس ۲۳ سال کے عرصہ میں مکمل ہوا، لیکن اسکی ابتدا رمضان کے مبارک مہینے سے ہوئی، سب سے پہلے "سورۃ العلق" کی ابتدائی پانچ آیتیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غارِ حرا میں اس ماہ میں اتاری گئیں، حدیثوں میں یہ بھی آیا ہے کہ لیلۃ القدر میں پورا قرآن مجید لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا پر اتارا گیا، اور پھر تھوڑا تھوڑا کر کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتارا جاتا رہا، لیلۃ القدر رمضان المبارک میں ایک برکت والی رات ہوتی ہے قرآن مجید میں اس رات کو ہزار مہینوں سے افضل بتایا گیا ہے۔

حدیثوں میں یہ بھی آیا ہے کہ سال میں جس قدر قرآن مجید اتر چکا ہوتا رمضان میں جبرائیل امین پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر اس کا دور کرتے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے آخری سال میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے جبرائیل امین نے آپ کے ساتھ پورے قرآن کا دورہ کیا۔

قرآن مجید کی خصوصیات

هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ

ہدایت لئے لوگوں کے اور روشن دلیلیں سے ہدایت اور جدا کرنے والا (حق کو باطل سے)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (قرآن) لوگوں کے واسطے ہدایت اور ہدایت کی روشن دلیلیں اور حق کو باطل سے جدا کرنے والا ہے۔

تفسیر

یہاں قرآن مجید کی تین خصوصیات بیان فرمائی گئی ہیں:

(۱)....هُدًى: ہدایت۔ یہ کہ قرآن مجید تمام انسانوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہے ہر فرد اپنے خالق اور مالک اور زندگی کی صحیح منزل تک پہنچنے کیلئے صحیح راستہ صرف قرآن مجید سے ہی حاصل کر سکتا ہے، صرف قرآن مجید ہی سیدھا راستہ دکھا سکتا ہے، انسان کی زندگی کو مجموعی طور پر کامیابی سے گزارنے کیلئے اسکے ہر پہلو سے متعلق قرآن مجید نے ایسے قاعدے دیئے ہیں جو سیدھے راستے اور حقیقی منزل کی نشاندہی کرتے ہیں۔

(۲)....بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى: ہدایت کی روشن دلیلیں۔ یہ کہ قرآن مجید نے ہدایت اور رہنمائی کے تمام اصول اور ضابطوں کو اس قدر کھول کر بیان کیا ہے کہ وہ بالکل، آسان ہو گئے ہیں، اور ہر شخص انہیں سہولت کیساتھ سمجھ سکتا ہے چونکہ قرآن کی خوبی یہ ہے کہ اس کے اصول آسان اور سادہ ہیں کوئی بات عقل کے خلاف اور کوئی اصول ناقابل عمل نہیں۔

(۳)....اَلْفُرْقَانِ: حق کو باطل سے جدا کرنے والا۔ قرآن مجید کی تیسری خوبی یہ ہے کہ جو لوگ اس مقدس کتاب کو پڑھتے ہیں ان میں صحیح فیصلہ کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے، وہ سچ اور جھوٹ، صحیح اور غلط، حق اور باطل، ایمان اور کفر، اصلاح اور فساد، اطاعت اور سرکشی، عبادت اور انکار میں فرق کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں، اچھے اور برے میں تمیز کر سکتے ہیں، قرآن مجید کے ہر حکم میں ان گنت برکتیں اور حکمتیں بھری ہوئی ہیں۔

روزہ کی فرضیت

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ

پس جو کوئی پائے میں سے تم مہینہ چاہئے کہ روزے رکھے اس کے

بامحاورہ ترجمہ: تم میں سے جو کوئی رمضان کا مہینہ کو پائے پس چاہئے کہ وہ اس کے روزے رکھے۔

تفسیر

پہلی آیت میں جو تندرست لوگوں پر روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کا اختیار دیا گیا اور نہ رکھنے کی صورت میں فدیہ

کا حکم دیا گیا تھا اس کے اترنے کے بعد اب وہ حکم باقی نہ رہا منسوخ ہو گیا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ جو کوئی رمضان کا مہینہ پائے اس کو چاہئے کہ اس مہینہ کے روزے رکھے، البتہ مریض اور مسافر کے لئے رعایتی حکم اب باقی ہے جو اگلی آیت میں آ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ آسانی چاہتا ہے مشکل نہیں

وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ

اور جو کوئی ہو مریض یا پر سفر گنتی پوری کرے سے دنوں دوسرے چاہتا ہے

اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۬ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ

اللہ تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر دشواری اور اس لئے کہ تم پوری کرو گنتی

وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

اور تاکہ بڑائی کرو اللہ کی پر جو تمہیں ہدایت کی اور تاکہ تم شکر ادا کرو (۱۸۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو (وہ رمضان المبارک کے بعد) دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر گنتی پوری کرے اللہ تعالیٰ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا، اور اس واسطے کہ تم گنتی پوری کرو اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اس بات پر کہ اس نے تمہیں ہدایت بخشی اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔ (۱۸۵)

تفسیر

اس آیت میں مریض اور مسافر کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اگر وہ مرض اور سفر کی وجہ سے رمضان المبارک کے روزے نہ رکھ سکیں تو جب وہ سفر سے واپس ہوں یا مرض سے تندرست ہوں تو پھر جتنے روزے چھوٹ گئے تھے ان کی قضاء کرے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر آسانی کرنا چاہتا ہے سختی نہیں کرنا چاہتا۔

معذور لوگ اپنے روزے کسی اور وقت رکھ لیں اور رمضان کی گنتی پوری کرلیں، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے کہ اگر انسان مقررہ وقت پر اپنا فرض ادا نہ کرسکے تو اسے دوسرا موقعہ دیا گیا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان پورا کرلے اور اسکی خوشنودی حاصل کرلے، گویا شریعت کے حکم پر عمل کرنا ضروری ہے سہولتوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے لیکن ٹالا نہیں جاسکتا۔

لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ: تا کہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو۔ مقصد یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر چل کر اسکی عظمت وبزرگی بیان کرنے اور اس کا شکرادا کرے۔

دُعا

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ

اور جب تجھ سے پوچھیں بندے میرے بارے میں میرے سو میں قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی

اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

جب دعا مانگے مجھ سے تو چاہئے کہ وہ حکم مانیں میرا اور ایمان لائیں مجھ پر تا کہ وہ نیک راہ پر آئیں (۱۸۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب تمہارے سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں، پس! آپ کہہ دیں میں تو تمہارے قریب ہوں، مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے مانگے، تو چاہئے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ وہ نیک راہ پر آئیں۔ (۱۸۶)

تفسیر

بعض دعاؤں کے قبول نہ ہونے کی وجہ سے یہ کہنا مناسب نہیں کہ دعا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ بسا اوقات کسی بیماری پر کوئی امید نہیں ہوتی لیکن علاج چھوڑ نہیں دیا جاتا؛ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ دعا قبول نہ ہونے پر اسے چھوڑ دیا جائے، قبول نہ ہونے میں ضرور کوئی مصلحت ہوگی اور اللہ تعالیٰ ہماری مصلحت کو جانتا ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کے قبول ہونے کی تین صورتیں بیان فرمائی ہیں

(۱)…. جب دعا اللہ تعالی کی چاہت اور مصلحت کے مطابق ہوتی ہے تو وہ فوراً قبول کرلی جاتی ہے اور بندہ جو چیز مانگتا ہے اس کو وہ چیز دیدی جاتی ہے۔

(۲)…. دوسری صورت یہ ہے کہ بندہ کو اس کی مانگی ہوئی چیز تو نہیں ملتی مگر اس دعا کی برکت سے بندہ پر اترنے والی کوئی مصیبت ٹال دی جاتی ہے، یا اس کی دعا کے بدلے اس کے فائدے کی کوئی اور چیز دے دی جاتی ہے جو اس کی مانگی ہوئی چیز سے بڑھ کر ہوتی ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: جب بندہ کی دعا نکلتی ہے تو وہ آنے والی مصیبت کے ساتھ ٹکراتی ہے اور وہ اسے نیچے نہیں آنے دیتی یہاں تک کہ صورِ اسرافیل پھونکا جائے۔

(۳)…. دعا کی قبولیت کی تیسری صورت یہ ہے کہ اسے دعا کرنے والے کے لئے آخرت کا ذخیرہ بنا کر رکھ دیا جاتا ہے قیامت کے دن دعا کرنے والے کو پتہ چلے گا کہ دعاؤں کے کتنے ذخیرے اسکے لئے موجود ہیں، اس دن بندہ خواہش کریگا کہ کاش! دنیا میں اسکی کوئی دعا قبول ہی نہ ہوتی اور وہ سب کی سب اس کے لئے آخرت کا ذخیرہ ہی بن جاتی، خلاصہ یہ ہے کہ! بندے کی دعا ہر حال میں قبول ہوتی ہے جب وہ دعا کرتا ہے کوئی دعاء ضائع نہیں جاتی دنیا میں یا آخرت میں ضرور اس کا بدلہ مل کر رہتا ہے۔

میاں بیوی کا تعلق

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ

جائز ہوا لئے تمہارے رات روزہ ملاپ ساتھ بیویوں اپنی کے وہ لباس

لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ

لئے تمہارے اور تم لباس لئے ان کے معلوم ہے اللہ کو کہ تم تھے خیانت کرتے

اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ

اپنی جانوں سے سو!معاف کیا تمہیں اور درگذر کی سے تم پھراب اپنی عورتوں سے ملو

وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ

اور طلب کرو وہ جو لکھ دیا اللہ لئے تمہارے اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صاف نظر آئے

لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ

تمہیں دھاری سفید سے دھاری کالی یعنی صبح پھر

اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ

پورا کرو روزہ تک رات

بامحاورہ ترجمہ: تمہارے لئے جائز ہوا روزہ کی رات میں ملاپ کرنا اپنی بیویوں سے، وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو، اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم خیانت کرتے تھے اپنی جانوں سے، سو! تمہیں معاف کیا اور تم سے درگذر کی، پھر اب اپنی عورتوں سے ملو اور جو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے وہ طلب کرو، اور کھاؤ اور پیو جب تک تمہیں صاف نظر آئے صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے جدا، پھر رات تک روزہ پورا کرو۔

تفسیر

شانِ نزول

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے روزے کے بعض دیگر مسائل بیان فرمائے ہیں، فرضیت رمضان سے پہلے یہود ونصاریٰ چوبیس گھنٹے کا روزہ رکھتے تھے اور سحری نہیں کرتے تھے، جب مسلمانوں پر رمضان کے روزے فرض ہوئے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یعنی: ہمارے روزے اور اہل کتاب کے روزے میں سحری کھانے کا فرق ہے۔"

لِبَاسٌ: میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس فرما کر اس قریبی رشتہ کو ظاہر کیا ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی

اجازت سے ایک دوسرے کے ساتھ حاصل ہے، میاں بیوی کو ایک دوسرے کا "لِبَاسٌ" کہنا کئی وجہ سے ہے، مثلاً: انکے آپس کے قریبی تعلقات، ایک دوسرے کی محتاجی، جسمانی لحاظ سے ایک دوسرے کے انتہائی قریب ہونا، ایک دوسرے کیلئے خوبصورتی کا سبب ہونا، سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک دوسرے کے انتہائی رازدار ہونے کے باوجود راز پوشیدہ رکھنا۔

غور کیجئے کہ! ایک لفظ "لِبَاسٌ" سے کتنی باتیں سمجھادی ہیں، میاں بیوی دونوں پر لازم ہے کہ وہ واقعی ایک دوسرے کا لباس، یعنی: رازدار، دلی سکون، اور راحت کا ذریعہ ثابت ہوں۔

رمضان کے روزے فرض ہونے کے بعد ہماری شریعت میں بھی یہ حکم تھا کہ رات کو عشاء کی نماز کے بعد یا ایک دفعہ سوجانے کے بعد کھانا پینا اور ہمبستری منع تھی، عشاء کی نماز یا سونے سے پہلے پہلے کھانا پینا اور ہمبستری جائز تھی، "بخاری شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی قیس بن صرمہ انصاری رضی اللہ عنہ کھیتی باڑی کرتے تھے، دن بھر کے کام کاج کے بعد گھر آئے تو بیوی سے کھانا مانگا بیوی نے خود روزہ رکھا ہوا تھا گھر میں کھانا نہیں تھا وہ اپنے پڑوس یا رشتہ داروں کے ہاں کھانا لینے چلی گئی واپس آئی تو شوہر سو چکا تھا اسے سخت افسوس ہوا کہ سونے کے بعد اٹھ کر اب کھانا کھانا جائز نہیں؛ اس لئے انہیں اگلے دن کا روزہ بغیر کھائے پیئے رکھنا پڑا دوپہر تک ان پر غشی طاری ہوگئی سخت موسم اور لگاتار دو روز کے روزہ کی وجہ سے نڈھال ہو چکے تھے، بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: اس واقعہ کے بعد یہ آیت اتری جس میں آسانی پیدا کردی گئی اور رات کے وقت کھانا پینا اور عورت سے ہمبستری جائز قرار دے دیا گیا۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیساتھ اس قسم کا واقعہ پیش آیا تھا کہ سو کر اٹھنے کے بعد اپنی بیوی سے ہمبستری کرلی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس غلطی کا اعتراف کیا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے افسوس کا اظہار کیا اور فرمایا کہ: ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا، اس قسم کے واقعات پیش آنے پر اللہ تعالیٰ نے یہ پابندی دور کر کے مسلمانوں کے لئے آسانی پیدا کردی اب یہ پابندی نہ رہی اور ملاپ کرنے کی اجازت دے دی گئی اور جو اولاد اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقدر میں لکھی ہے اسے حاصل کرنے کی کوشش کرو اور فرمایا کہ: صبح ہونے تک کھانے پینے

کی بھی اجازت ہے۔

دھاگے سے مراد عام ڈوری نہیں بلکہ اس سے صبح کی سفیدی اور رات کی سیاہی مراد ہے جب رات کی سیاہی ختم ہوکر صبح کی سفیدی ظاہر ہوجائے اس وقت تک تم کھا پی سکتے ہو اور اپنی بیویوں سے ہمبستری بھی کر سکتے ہو گویا روزے کی ابتداء صبح صادق سے ہوگی۔

سحری کھانا مستحب ہے اور بڑے اجر وثواب کا باعث ہے فقہائے کرامؒ فرماتے ہیں کہ: اگر بھوک نہ بھی ہو تو دو لقمے ہی کھا لینا چاہئے یا دو گھونٹ پانی ہی پی لینا چاہئے تا کہ سحری میں شمولیت حاصل ہو جائے، اللہ تعالیٰ سحری کھانے والوں پر رحمت فرماتا ہے اور اسکے فرشتے سحری کھانے والوں کیلئے مسلسل دعائیں مانگتے ہیں۔

اعتکاف کے احکام

وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ

اور نہ ملاپ کرو بیویوں سے اس حال میں کہ تم اعتکاف کرنے والے ہو میں مسجدوں یہ (احکام)

حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ

حدیں اللہ کی سو! نہ ان کے نزدیک جاؤ اس طرح بیان فرماتا ہے اللہ آیتیں اپنی لوگوں کے

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۱۸۷

تا کہ وہ بچتے رہیں (۱۸۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور نہ ملاپ کرو ان سے جب کہ تم مسجدوں میں اعتکاف کر رہے ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں، سو! ان کے نزدیک نہ جاؤ، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے تا کہ وہ بچتے رہیں۔ (۱۸۷)

تفسیر

جو شخص رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کی نیت سے مسجد میں رہے اس کے لئے گھر سے اگر کوئی کھانا لا کر دینے والا نہ ہو تو وہ کھانا کھانے کے لئے گھر جا سکتا ہے ہو، سکتا ہے کہ اس کے جی میں آجائے کہ کھانا بھی کھالوں اور بیوی سے ملاپ بھی کرلوں تو اس آیت میں اعتکاف کے دوران بیوی کے ساتھ ملاپ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

ناحق مال

وَ لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى

اور نہ کھاؤ مال اپنے آپس میں ناحق اور (نہ) پہنچاؤ انہیں تک

الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ

حاکم کہ کھاجاؤ کوئی حصہ سے مالوں لوگوں کے لوگ ناحق اور

اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۠ ﴿۱۸۸﴾ ع ۲۳ ۷

تم جانتے ہو (۱۸۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ، اور انہیں حاکموں تک نہ پہنچاؤ کہ لوگوں کے مال میں سے کوئی حصہ کھاجاؤ ناحق اور تم جانتے ہو۔ (۱۸۸)

تفسیر

اس آیت میں حرام مال کھانے سے منع کیا گیا ہے کہ روزہ کی حالت میں تو حلال چیز بھی کچھ وقت کیلئے حرام ہو جاتی ہے مگر حرام مال تو ہمیشہ کیلئے حرام ہی رہتا ہے۔

آپس میں چیزوں کا لین دین کرتے وقت کسی کا مال ناحق نہیں کھانا چاہئے۔

اس آیت کا نچوڑ یہ ہے کہ نیکی صرف یہ نہیں کہ تم رمضان کے دنوں میں حلال اور جائز چیزوں کو چھوڑ دو بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ تم ہمیشہ کیلئے ناجائز مال کھانا اور حاصل کرنا چھوڑ دو، کبھی دھوکے فریب، خیانت، ظلم، زیادتی، بے انصافی سے کسی کا مال حاصل نہ کرو، جھوٹ بول کر یا جھوٹی قسم کھا کر کوئی مال حاصل کر لینا یا ایسی کمائی جس سے شریعت نے منع کیا ہے حرام اور باطل ہیں۔

پوری آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ تم اپنے دعوے کے باطل ہونے کا علم رکھتے ہوئے لوگوں کے مال ناحق کھانے کے لئے جھوٹے مقدمے پیش نہ کرو کہ حاکموں کو غلطی میں ڈال کر لوگوں کا مال کھاؤ کہ اگر امام یا قاضی یا امام المسلمین کسی مغالطہ کی وجہ سے کوئی فیصلہ کر دے جس میں ایک کا حق دوسرے کو ناجائز طور پر مل رہا ہو تو اس عدالتی فیصلہ کی وجہ سے وہ مال اس کے لئے حلال نہیں ہو جاتا۔

چاند کا حساب

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ ؕ

پوچھتے ہیں آپ سے | بارے | نئے چاند | کہدے | یہ | اوقات | لوگوں کے لئے | اور | لئے حج کے

بامحاورہ ترجمہ:۔ آپ سے نئے چاندوں کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیں کہ! یہ لوگوں کے لئے (اپنے کاموں کے اوقات مقرر کرنے کا ذریعہ ہے) اور حج کے لئے مقرر اوقات ہے۔

تفسیر

پیغمبر ﷺ سے پوچھا گیا کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے کی کیا وجہ ہے اس کے طلوع ہونے اور غائب ہونے کے اسباب کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی وحی سے ان سوالوں کے جواب میں فرمایا کہ: چاند کے گھٹتے بڑھتے رہنے میں یہ فائدہ ہے کہ اس سے لوگوں کے دنیاوی معاملات اور شرعی حسابات میں دنوں، تاریخوں،

مہینوں اور سالوں کا تعین آسانی سے ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید کے اس صاف بیان سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے وہ اس طرح کہ دنیا کی بہت سی قومیں چاند کی پوجا کرتی تھیں، ایسی قوموں نے نئے چاند کو دیوتا مان کر اسکی پوجا کی اور بڑھتے ہوئے چاند کو مبارک اور گھٹتے ہوئے کو منحوس سمجھا، چنانچہ یہ لوگ چاند کی آخری تاریخوں میں شادی تک نہیں کرتے تھے، قرآن مجید نے چاند کے گھٹنے بڑھنے کا مقصد واضح کر دیا کہ اس سے انسانوں کے کام کے اوقات سہولت سے مقرر کئے جاسکتے ہیں، اور دوسرے دنیاوی معاملات کے علاوہ عبادت اور شرعی حسابات میں بڑی مدد ملتی ہے۔

مثلاً: زکواۃ ادا کرنی ہو، تو سال کا تعین کرنا ہوگا، روزہ کے لئے چاند کے اوقات کی ضرورت پڑیگی کہ اسکی ابتدا اور انتہا چاند کے نکلنے پر ہے، پھر حج کے ادائیگی کے لئے بھی چاند کی تاریخوں کو شمار کرنا پڑتا ہے کہ چاند کی دس تاریخ کو حج ادا کیا جاتا ہے اسی طرح قربانی کے لئے بھی چاند کی تاریخوں کو شمار کیا جاتا ہے۔

جاہلیت کی ایک رسم

وَ لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ

اور نہیں نیکی کہ آؤتم گھروں سے ان کی پشت اور لیکن نیکی

مَنِ اتَّقٰى ۚ وَ اْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ

جوکوئی ڈرے اور آؤ گھروں سے ان کے دروازے اور ڈرتے ہو اللہ سے

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

تاکہ تم کامیابی پاؤ (۱۸۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور نیکی یہ نہیں کہ گھروں میں پیچھے سے آؤ لیکن نیکی اس آدمی کی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیابی پاؤ۔(۱۸۹)

تفسیر

اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانہ میں یہ رواج تھا کہ حج کے دنوں میں جب عرب کے لوگ حج کے لئے احرام باندھ لیتے تو گھر میں جانے کے لئے دروازہ سے داخل ہونے کے بجائے گھر کی پچھلی دیوار توڑ کر گھر میں داخل ہوتے تھے اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ جن دروازوں سے ہم گناہ کر کے داخل ہوتے تھے اب ان دروازوں سے کیوں داخل ہوں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

"ابن کثیر" میں شانِ نزول یہ بیان کیا گیا ہے کے جاہلیت کے زمانے میں بہت سی قوموں کا رواج تھا کہ جب وہ حج کے سفر کے ارادہ سے نکلتے پھر سفر ادھورا چھوڑ کر اگر کسی وجہ سے واپس آجاتے تو گھر کے دروازے سے گھر میں نہ آتے بلکہ پیچھے کی طرف سے چڑھ کر آتے جس سے آیت میں منع کیا گیا ہے۔

اس آیت میں اس غلط فہمی کو دور کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ نیکی اس بات میں نہیں ہے کہ دروازوں کو چھوڑ کو مکان کی پچھلی دیوار توڑ کر ان میں داخل ہو اور نیکی یہ بھی نہیں ہے کہ خود کوئی بات اپنے پاس سے گھڑ کر اسے عبادت سمجھنے لگ جاؤ، بلکہ نیکی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو پورا کرو اس کی نافرمانی سے ڈرو، برے کاموں سے پرہیز کرو، اور جب بھی مکان میں آنا چاہو اسکے دروازے سے داخل ہو۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ

وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ

اور لڑو میں راہ اللہ کے ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں اور نہ زیادتی کرو

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾

بیشک اللہ نہ پسند کرتا ہے زیادتی کرنے والوں کو (۱۹۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑو ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو بیشک

اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (۱۹۰)

لفظی تحقیق: قَاتِلُوْا: لڑو: لفظ قتال سے ہے جس کے معنٰی ہیں جنگ کرنا۔

تفسیر

اَلَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ : جو لوگ تم سے لڑتے ہیں: یعنی وہ جنہوں نے تم پر ہتھیار اٹھائے ان سے لڑو ان الفاظ سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ جنگ صرف ان لوگوں کے خلاف کی جائے جو عملی طور پر لڑائی میں حصہ لے رہے ہوں، اس حکم کی رو سے تمام بوڑھے، بچے، عورتیں، بیمار ہونے کے حکم سے نکل جاتے ہیں، اسلام میں ان سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے البتہ "اَلَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ" میں وہ تمام دشمن شامل ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہوں اور کسی صورت میں لڑنے والوں کی مدد کر رہے ہوں۔

جنگ اور جلاوطنی

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ

اور مارڈالوانہیں جس جگہ پاؤانہیں اور نکال دوانہیں سے جہاں سے نکالا تم کو

بامحاورہ ترجمہ: اور انہیں جس جگہ پاؤ مارڈالو اور جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے تم انہیں نکال دو۔

تفسیر

اسلام کے دشمن ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ مسلمان ابھرنے نہ پائیں انہیں ختم کردیا جائے، مظلوم مسلمان اپنے آبائی وطن مکہ کو چھوڑ کر مدینہ چلے آئے وہاں بھی کافروں نے انہیں چین سے بیٹھنے نہ دیا مختلف قسم کی سازشیں کیں برابر چھیڑ چھاڑ اور مخالفت جاری رکھی، مسلمانوں کو حج کرنے سے روکا، لوگوں کو اسلام کی طرف بلانے میں ایک بڑی رکاوٹ بن گئے مدینہ پر حملے شروع کردیئے ان حالات میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ایسے

کافر دشمنوں کو جہاں پاؤ قتل کردو، اور اپنا آبائی وطن مکہ کو واپس لینے کیلئے انہیں وہاں سے نکال دو کیونکہ ان کا ظلم حد سے بڑھ چکا ہے۔

جہاد کا حکم

اسلام کے تیرہ سالہ ابتدائی مکی دور میں مسلمانوں نے کافروں کے ہاتھوں بڑی سے بڑی تکلیف برداشت کی مگر ہاتھ نہیں اٹھایا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا اپنے ہاتھ روکے رکھو، نماز قائم کرو، اور لوگوں کے اسلام کی طرف بلاتے رہو، پھر جب مدینہ میں مسلمانوں کو طاقت حاصل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے جہاد کی اجازت دیدی کہ وہ بھی دشمن کے سامنے ڈٹ جائیں اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے، چنانچہ اسکے بعد جہاد کی اجازت ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے واضح حکم دیدیا اللہ کے راستے میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔

کافروں کی طرف سے پہل

ظاہر ہے کہ یہ دفاعی جنگ کا حکم ہے ان کی طرف سے پہل ہوگی تو ان کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم ہوا اور شروع میں ایسا ہی ہوا پہل کفار کی طرف سے ہوئی، مشرکوں نے تیرہ سال تک ایمان والوں کو مکہ میں ستایا پھر ہجرت پر مجبور کیا بہت سی جانوں کو ضائع کیا یہاں تک کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا، ہجرت کے بعد بھی کافروں نے مسلمانوں کا پیچھا کیا، جنگ بدر، جنگ احد، اور جنگ احزاب، وغیرہ اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

زیادتی نہ کرو

فرمایا: جو تم سے لڑتے ہیں تمہیں بھی ان سے لڑنے کی اجازت ہے مگر زیادتی نہ کرو، زیادتی نہ کرنے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جنگ کے دوران جو کوئی تم سے لڑائی نہیں کرتا تم اس سے مت لڑو اور بے گناہوں کو قتل نہ کرو، مقصد یہ کہ تم سے تو لڑنے کیلئے میدان جنگ میں نوجوان آئے ہیں تم ان کو مارو مگر ان کے بچوں، ان کے

بوڑھوں، اوران کی عورتوں پر ہاتھ نہ اٹھاؤ، ایک جنگ کے دوران پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ایک عورت قتل ہوئی پڑی ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت ناراض ہوئے اور عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا کہ یہ زیادتی ہے اسی طرح کوئی بوڑھا ہے، معذور ہے، ہتھیار بھی نہیں اٹھا سکتا اس کو بھی قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تو یہاں تک وصیت فرمائی تھی کہ کسی پھل دار درخت کو نہ کاٹنا، سوائے اسکے کہ کسی خاص ضرورت کے تحت ہو، محض دشمن کو نقصان پہنچانے کیلئے ایسا کرنا درست نہیں فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: اگر کوئی عورت یا بوڑھا یا کوئی درویش کافروں کی طرف سے لڑائی میں شریک ہوں یا جنگ میں ان کی مدد کسی طرح سے کر رہے ہوں ان کا قتل جائز ہے۔

فتنہ قتل سے بدتر ہے

وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ

اور فتنہ زیادہ سخت سے قتل

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور فتنہ مار ڈالنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

تفسیر

ایک قوم کو صرف اس لئے کہ وہ توحید کی قائل اور شرک سے بیزار ہے مٹانا چاہتے ہیں، توحید کی جگہ کفر وشرک پھیلانا چاہتے ہیں، اگر اس فتنہ اور شرارت کو دور نہ کیا جائے تو پھر یہ پھیلتا پھیلتا اس قدر عام ہو جائیگا کہ پوری زمین کفر وشرک سے بھر جائیگی اور حدیث شریف میں شرک کو فتنہ کہا گیا ہے، یہاں پر فتنہ کا یہی معنٰی ہے۔

خانہ کعبہ کا احترام

وَ لَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ
اور نہ لڑو ان سے پاس مسجد حرام جب تک کہ تم سے لڑیں وہ میں اس

فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ
پھر اگر لڑیں تم سے وہ تو قتل کرو انہیں یہی ہے سزا کافروں کی (۱۹۱) پھر اگر

انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾
باز آئیں وہ تو بیشک اللہ بخشنے والا نہایت مہربان ہے (۱۹۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور ان سے مسجد حرام کے پاس نہ لڑو جب تک کہ وہ تم سے اس جگہ نہ لڑیں پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو انہیں قتل کرو، کافروں کی سزا یہی ہے۔(۱۹۱) پھر اگر وہ باز آ جائیں تو بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔(۱۹۲)

تفسیر

یہاں کے اس کے درخت کاٹنا بھی جائز نہیں، خود بخود اگنے والی گھاس نہیں کاٹی جاسکتی ہے، کسی جانور کو ایذا نہیں پہنچائی جاسکتی، شکار نہیں کیا جاسکتا بلکہ شکار کو چھیڑنا بھی جائز نہیں، یہاں پر لڑائی تو بالکل ہی حرام ہے یہاں تک کہ کوئی دوسرا تم پر حملہ کرے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: فتح مکہ کے دن اللہ تعالیٰ نے دن کے کچھ حصہ میں میرے واسطے حرم میں لڑائی کو حلال قرار دیا تھا اور وہ بھی اس صورت میں کہ مشرک مقابلے کے لئے آئے، اسکے بعد قیامت تک کیلئے اس پاک جگہ پر لڑائی کو حرام کر دیا گیا، اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے جو کوئی حرم میں داخل ہو گیا اسے امن مل گیا۔

الغرض! فرمایا کہ: مسجدِ حرام کے پاس اگر مشرک لڑائی کی ابتدا کریں تو تمہیں بھی جواب دینے کی اجازت

ہے تم بھی انہیں قتل کرو کافروں کا یہی بدلہ ہے پھر اگر وہ لڑائی سے باز آجائیں اور اسلام کی طرف جھکیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرمادے گا اگر چہ انہوں نے مسلمانوں کو حرم میں قتل کیا ہو لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ ایسے بڑے گناہ معاف فرمادے گا۔

شرک کے خاتمے تک لڑو

وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ

اور لڑو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ اور ہو جائے دین لئے اللہ کے پھر اگر وہ

انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

باز آجائیں تو نہیں زیادتی مگر پر ظالموں (۱۹۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ان سے یہاں تک لڑو کہ فتنہ باقی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ ہی کا دین باقی رہے پھر اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں۔ (۱۹۳)

تفسیر

اس آیت میں حکم ہے کہ ان مشرکوں سے جہاد جاری رکھو تا کہ یہ مشرک کا فتنہ مٹ جائے اور اللہ تعالیٰ کا دین سب دینوں پر غالب ہو جائے، پھر فرمایا کہ: اگر یہ کافر کفر اور شرک سے اور آپ کو قتل کرنے سے باز آجائیں تو آپ بھی ان سے رک جائیں اس کے بعد بھی اگر وہ لڑائی کریں تو وہ ظالم ہوں گے اور ظالموں کو ظلم کا بدلہ دینا ضروری ہے۔

حرمت والے مہینے

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَ الْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ

مہینہ حرمت والا بدلے مہینے کے حرمت والے اور حرمتوں میں برابری ہے پھر جس نے

اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ ۪

زیادتی کی　پرتم　زیادتی کروتم　اس پر　جیسی　جو　اس نے زیادتی کی　پرتم

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۹۰﴾

اور　ڈرتے رہو　اللہ سے　اور　جان لو　کہ بیشک　اللہ　ساتھ　پرہیزگار کے (۱۹۴)

صلے عند المتقدمین ۱۲

بامحاورہ ترجمہ:۔ حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینے کا بدلہ ہے اور حرمتوں میں برابری ہے، پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی کی، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کیساتھ ہے۔ (۱۹۴)

تفسیر

جاہلیت کے زمانہ میں عرب کے مختلف قبیلے آپس میں ہمیشہ جنگ کرتے رہتے تھے لیکن یہ بات انہوں نے ٹھہرالی تھی کہ سال میں چار مہینے جنگ بند رہا کرے گی اور یہ زمانہ امن و صلح کیساتھ گزارا جائے ان کے نزدیک ان چار مہینوں کی پاکی اور بزرگی بہت مانی جاتی تھی وہ چار مہینے یہ تھے:

(۱)....محرّم: قمری سال کا پہلا مہینہ۔

(۲)....رجب: قمری سال کا ساتواں مہینہ۔

(۳)....ذی قعدہ: قمری سال کا گیارہواں مہینہ۔

(۴)....ذی الحجہ: قمری سال کا بارہواں مہینہ۔

اس آیت کا شان نزول ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چودہ سو صحابہ کو ساتھ لیکر عمرہ کی غرض سے ذی قعدہ ۶ھ میں مدینہ سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے لیکن وہاں کے مشرک آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھیوں سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گئے بلکہ تیر پھینکنے اور پتھر پھینکنے شروع کر دیئے، انہوں نے اس حرمت والے مہینے کی بھی پرواہ نہ کی یہ آیت اسی کے بارے میں نازل ہوئی کہ اگر وہ تم سے حرمت والے مہینوں میں لڑتے ہیں تو تم بھی

ان سے لڑ سکتے ہو لڑائی میں پہل نہ کرو اور حرمت والے مہینہ کی حرمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد اس سے ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا

وَ اَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ لَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ ۚۖۛ

اور خرچ کرو میں راہ اللہ کے اور نہ ڈالو ہاتھوں اپنے کو میں ہلاکت

وَ اَحۡسِنُوۡا ۚۛ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۹۵﴾

اور نیکی کرو بیشک اللہ پسند کرتا ہے نیکی کرنے والوں کو (۱۹۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنی جانوں کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو، بیشک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (۱۹۵)

تفسیر

جہاد کرنے کے لئے مال و دولت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اسلحہ، ہتھیار اور جنگ کے آلات خریدے جاسکیں، سپاہیوں کے پسماندگان کی کفالت کی جاسکے، شہید ہونے والوں کے یتیم بچوں اور بیواؤں کی ضروریات پوری کی جاسکیں، مجاہدین کے لئے کھانے پینے کی چیزیں فراہم کی جاسکیں اور ضرورت کے وقت کھانے پینے کی چیزوں کا ذخیرہ کیا جاسکے۔

وَ لَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ : اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اسکا مطلب یہ ہے کہ جہاد کو چھوڑ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، یعنی: اگر تم نے جہاد سے منہ موڑ لیا تو دشمن تم پر غالب آجائے گا اور تمہیں ہلاک کردے گا۔

حج وعمرہ

وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ

اور پورا کرو حج اور عمرہ لئے اللہ کے پھر اگر تم روک دیئے جاؤ تو جو میسر ہو

مِنَ الْهَدْيِ ۚ

سے قربانی

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ کے لئے حج وعمرہ پورا پورا ادا کرو، پھر اگر روک دیئے جاؤ تو جو میسر آئے قربانی کرنی چاہئے۔

تفسیر

اسلام کا پانچواں رکن ہے، ہر شخص جو بیت اللہ تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو اس پر زندگی میں ایک بار ادا کرنا فرض ہے ورنہ وہ گنہگار ہوگا۔

حج میں خاص بات یہ ہے کہ دنیا بھر کے تمام مسلمان ہر سال میں ایک مرتبہ حج کیلئے جمع ہوتے ہیں، وہاں کوئی اونچ نیچ نہیں ہوتی، کالے، گورے، امیر، غریب، بادشاہ، فقیر، عالم، جاہل اور چھوٹے بڑے سب جمع ہوتے ہیں، سب کا ایک ہی لباس ہوتا ہے، ہر ایک کی زبان پر "لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ" ہوتا ہے، حج کے دوران میں سر منڈانا، ناخن تراشنا، شکار کرنا، اور بیوی سے ملاپ کرنا منع ہے۔

تمام حاجی ایک وقت مقررہ میں عرفات کے میدان میں حج کے روز جمع ہوتے ہیں، خطبہ سنتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعائیں کرتے ہیں، گناہ بخشواتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے رحمت مانگتے ہیں۔

"منیٰ" کے اندر قربانیاں دیتے ہیں، "صفاومروہ" کے درمیان سعی کرتے ہیں، "بیت اللہ" کے گرد طواف کرتے ہیں، "جمرات" پر کنکریاں مارتے ہیں، "حجر اسود" کو بوسہ دیتے ہیں، "آب زم زم" سے پیاس بجھاتے

ہیں، ہر قسم کے گناہ اور بد خلقی سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مبارک ہیں وہ جنہیں حج کی توفیق ملی اور انہوں نے حج ادا کیا، حج کے مقاصد کو سمجھا، اور آئندہ اپنی زندگی نیکی اور پاکیزگی سے بسر کی۔

عمرہ اسے چھوٹا حج بھی کہتے ہیں، عمرہ ادا کرتے کے آداب حج جیسے ہی ہیں، البتہ عمرہ ادا کرنے کیلئے حج کی طرح دنوں کی شرط نہیں، ہر وقت ادا ہوسکتا ہے، اور اس کے صرف دو رکن طواف اور سعی ہیں۔

حج وعمرہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے پورا کرو، نیت خالص رکھو، اور ان قاعدوں اور حکموں کا دیانتداری کے ساتھ خیال رکھو، جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں۔

یوں تو سارے کام اور ارادے اللہ تعالیٰ ہی کی خوشنودی کے لئے ہونے چاہئیں لیکن یہاں حج اور عمرہ کیساتھ اس پر خاص زور اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ اس میں سفر درپیش آتا ہے جس میں سیر وتفریح اور دنیاوی غرضیں شامل ہوسکتی ہیں؛ اس لئے لازم ہے کہ تمہاری غرض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے سوا کچھ نہ ہو، سیر وسیاحت از خود ہوجائیگی، تجارت کی اجازت ہے اس اجازت سے فائدہ اٹھاسکتے ہو لیکن تجارت کو سفر حج کا مقصد نہیں بناسکتے ہو۔

اُحْصِرْتُمْ: تم روک دیئے جاؤ۔ یہ لفظ "اِحْصَار" سے بنا ہے جس کے لفظی معنیٰ گھر جانے اور بند ہوجانے کے ہیں خواہ یہ گھر جانا کسی سبب سے ہو، یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ حج کا ارادہ رکھنے والا کسی بیماری کی وجہ سے منزل پر نہ پہنچ سکے یا کسی دشمن نے اسکا راستہ روک رکھا ہو یا کوئی موسمی اور دوسری رکاوٹ حائل ہوگئی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے معذور لوگوں کیلئے رعایت بھی رکھی ہے، ہوسکتا ہے ایک شخص حج یا عمرہ کرنے کیلئے احرام باندھ لے لیکن بد قسمتی سے راستے میں بیمار پڑ جائے یا کوئی اور مجبوری پیش آجائے، مثلاً: راستہ پرامن نہ ہوان تمام صورتوں میں اس کیلئے حکم ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق قربانی کا جانور کسی دوسرے کے ہاتھ بیت اللہ بھیج دے، جو اس کی طرف سے حدود حرم میں ذبح کردے اور پھر یہ احرام اتار لے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حج اور عمرہ کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر اس سفر کے دوران احصار پیدا ہوجائے سفر میں کوئی ایسی رکاوٹ پیدا ہوجائے کہ جس کی وجہ سفر جاری رکھنا ناممکن ہوجائے اور وہ شخص حج وعمرہ کا

سفر جاری نہ رکھ سکے تو اسے کیا کرنا چاہئے؟ یہ مسائل بیان ہوئے ہیں۔

حج اور عمرہ کے ارکان ملتے جلتے ہیں تاہم انکی ادائیگی کے اوقات مختلف ہیں، عمرہ کو حج اصغر (یعنی چھوٹا حج) بھی کہتے ہیں اور یہ سال بھر کے تمام ایام میں سوائے حج کے دنوں میں ادا کیا جاسکتا ہے، حج مخصوص ایام، یعنی: ذی الحجہ کی آٹھویں تا تیرہویں تاریخ کو ہی ادا کیا جاسکتا ہے ان دنوں کے علاوہ کسی اور تاریخ پر حج ادا نہیں ہوسکتا، حج عمر بھر میں ایک دفعہ فرض ہے، البتہ عمرہ سنت ہے ہاں اگر عمرہ کا احرام باندھ لیا جائے تو پھر لازماً اسکو پورا کرنا پڑیگا، اگر سفر کے دوران کوئی رکاوٹ پڑ جائے اور انسان عمرہ مکمل نہ کر سکے تو اسے بہر حال قضاء کرنا ہوگا، خود پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عمل موجود ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ ٦ ھ میں عمرہ کا سفر اختیار کیا مگر حدیبیہ کے مقام پر کافروں نے روک دیا اور بغیر عمرہ کئے واپس جانا پڑا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اگلے سال یعنی ۷ ھ میں اسکو قضاء کیا۔

جس طرح دوسری عبادتیں نماز، زکوٰۃ، روزہ وغیرہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہی کی جاتی ہیں اسی طرح حج اور عمرہ کے متعلق فرمایا کہ: انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر پورا کرو، تاہم اس جگہ پر ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ حج وعمرہ جیسی مشقت والی عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہونی چاہئے، اس میں غرور وتکبر والی بات نہیں ہونی چاہئے، حج پر روانہ ہوتے وقت گلے میں ہار ڈال کر دکھاوا کیا جاتا ہے، عام طور پر تو رشتہ دار اور دوست یار ہی حاجی کو ہار پہناتے ہیں۔

حاجی کو پھولوں کے ہاروں اور خاص طور پر کرنسی نوٹوں کے ہاروں سے لادا جاتا ہے اور اگر ہار پہنانے والا کوئی نہیں پہنچا تو اپنے پاس سے ہار نکال کر گلے میں ڈال لیا جاتا ہے کہ حاجی کی پہچان ہو یہ سب فخر اور دکھاوے کی چیزیں ہیں انکی وجہ سے رضا خالص اللہ تعالیٰ کی نہیں رہتی اور یہی چیز رضا کے خلاف ہے۔

سر منڈانا

وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ

اور نہ منڈاؤ سراپنے جب تک کہ پہنچ جائے قربانی جگہ اپنی پھر جوکوئی ہو

مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ

میں سے تم بیمار یا اسے تکلیف سے سر اس کا تو بدلہ دے سے روزے یا

صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ۫ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى

خیرات یا قربانی پھر جب امن ہو تمہیں تو جوکوئی فائدہ اٹھائے عمرہ کو ملا کر ساتھ

الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ

حج کے تو جو میسر ہو سے قربانی پھر جسے نہ ملے تو روزہ رکھے تین

اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ

دنوں میں حج اور سات جب لوٹو تم یہ دس پورے

ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ

یہ لئے اس کے نہ ہوں گھر والے پاس مسجد حرام اور

اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ ع ۲۴/۸ ۸

ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ اور جان لو کہ بیشک اللہ سخت عذاب والا ہے (۱۹۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اپنے سر نہ منڈواؤ یہاں تک قربانی اپنی ذبح ہونے کی جگہ پر پہنچ جائے، پھر تم میں سے جوکوئی بیمار ہو یا اسے سر کی تکلیف ہو تو وہ بدلہ دے روزے یا خیرات یا قربانی کا، پھر جب تمہیں امن ہو تو جوکوئی فائدہ اٹھائے عمرہ کو حج کیساتھ ملا کر، تو جو کچھ قربانی میسر ہو (کرڈالے) پھر جسے قربانی نہ ملے وہ روزہ رکھے تین دن حج کے دنوں میں اور سات دن جب تم لوٹو، یہ دس پورے ہوئے یہ حکم اسکے لئے ہے

جس کے گھر والے مسجدِ حرام کے پاس نہ رہتے ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ! بیشک اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔(۱۹۶)

تفسیر

پچھلی آیت میں بیان ہوا تھا کہ جو شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے اور راستہ میں کوئی ایسا عذر پیش آجائے کہ حج یا عمرہ پورا نہیں کرسکتا تو وہ کسی کے ہاتھ قربانی کا جانور بیت اللہ بھیج دے اس آیت میں کہا گیا ہے کہ جب تک یہ جانور حرم میں نہ پہنچے اور وہاں اسکی قربانی نہ کردی جائے اس وقت تک یہ رکا ہوا شخص سر نہیں منڈا سکتا، یعنی: احرام نہیں کھول سکتا اسکے آگے حج کے عام احکام کا بیان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حج کے حکم میں معذور لوگوں کیلئے ایک اور رعایت مقرر فرمائی ہے، یعنی: جو شخص محرم ہو اور وہ کسی وجہ سے سر منڈانے پر مجبور ہو تو اسے چاہئے کہ اسکے بدلے میں یا تو تین روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو صدقۃ الفطر کی مقدار کے مطابق پونے دو گندم دے یا جانور کی قربانی دے۔

تَمَتَّعَ: فقہ کی اصطلاح میں اس سے مراد حج اور عمرہ کو ملا کر ادا کرنا ہے، یعنی: حج کے زمانہ میں ایک احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا جائے اور پھر دوسرے احرام سے حج ادا کیا جائے، جاہلیت کے زمانہ میں عربوں نے یہ غلط عقیدہ گھڑ لیا تھا کہ حج کے موسم میں عمرہ کرنا گناہ ہے۔

حج کے مہینوں میں عمرہ اور حج دونوں الگ الگ احرام سے ادا کرے اس کو "تَمَتَّعَ" کہتے ہیں ایسے حاجی پر قربانی واجب ہے، یہ قربانی اس پر واجب نہیں جو فقط حج ادا کرے اور اسکے ساتھ عمرہ نہ کرے، جو قران یا تمتع کریں لیکن انہیں جانور نہ ملے یا جانور کے خریدنے کے لئے پیسے نہ ہونے کی وجہ سے قربانی نہ کرسکیں تو ان کیلئے ضروری ہے کہ وہ دس روزے رکھیں اور سات روزے وطن واپس پہنچ کر رکھ لے۔

ذٰلِكَ: یہ: اسمِ اشارہ ہے اور یہ اشارہ پہلی آیت کے مسئلہ کی طرف ہے کہ حج اور عمرہ ملا کر ادا کرنا، آیت کا مقصد یہ ہے کہ حج اور عمرہ کرنے کی اجازت اس شخص کے لئے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام، یعنی: میقات کے

اندر رہنے والے نہ ہوں بلکہ میقات کے باہر رہتے ہوں۔

میقات

اس مقام کو کہتے ہیں جہاں سے حرم کی حدود شروع ہوجاتی ہے اور جہاں پہنچ کر حج اور عمرہ کی نیت کر لینا اور احرام باندھ لینا واجب ہوجاتا ہے مختلف ملکوں سے خانہ کعبہ میں حج کیلئے آنے والوں کے واسطے میقات الگ الگ ہیں۔

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ: اللہ سے ڈرتے رہو: یعنی: ان تمام حکموں کو پورا کرنے میں اللہ تعالیٰ کا خوف سامنے رکھو کہ تمام نیکیوں کی بنیاد یہی تقویٰ ہے۔

شَدِيْدُ الْعِقَابِ: سخت عذاب دینے والا: جس طرح بیت اللہ اور مسجد حرام میں نیکی کرنے کا ثواب زیادہ ہے اسی طرح وہاں پر گناہ کرنے کا عذاب بھی تر یادہ اس کا حاصل یہ ہے کہ اس جگہ زیادہ سے زیادہ نیکی کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور گناہوں سے بچنا چاہئے۔

حج کے مہینوں میں حج وعمرہ وجمع کرنے کے چند احکام

اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ جب حج کے مہینے شروع ہوجائیں، یعنی: شوال کا مہینہ شروع ہوجائے تو ان ایام میں حج وعمرہ کا جمع کرنا سخت گناہ ہے، اس آیت کے آخری حصے میں ان کے اس خیال کی اصلاح اس طرح کردی گئی کہ حدود میقات کے اندر رہنے والوں کیلئے حج تمتع کرنا منع ہے، البتہ ان کے لئے حج افراد جائز ہے کیونکہ ان کو حج کے مہینوں کے بعد دوبارہ عمرہ کیلئے سفر کرنا مشکل نہیں لیکن حدود میقات کے باہر سے آنے والوں کیلئے حج تمتع جائز قرار کہ دور دراز سے عمرہ کیلئے مستقل سفر کرنا ان کیلئے آسان نہیں، میقات وہ متعین مقامات ہیں جو مختلف ملکوں سے مکّہ میں آنے والوں کے ہر راستہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہیں جب مکّہ آنے والا مسافر یہاں پہنچے تو یہاں سے حج یا عمرہ کی نیت سے احرام باندھنا لازم ہے بغیر

احرام کے یہاں سے آگے پڑھنا گناہ ہے جس کی وجہ سے دَم واجب ہوگا لیکن اگر واپس لوٹ میقات سے احرام باندھ لے تو دَم معاف ہو جائے گا۔

محرِم کے لئے تین چیزیں منع ہیں

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ

حج مہینے متعین ہیں پھر جس نے لازم کرلیا میں ان حج تو نہیں جائز (بیوی سے) ملاپ

وَ لَا فُسُوْقَ ۙ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ

اور نہ گناہ کرنا اور نہ جھگڑا کرنا میں حج

بامحاورہ ترجمہ:۔ حج کے چند معلوم مہینے ہیں، پھر جس نے ان میں حج لازم کرلیا (احرام باندھ لیا) تو وہ اپنی بیوی سے ملاپ نہ کرے اور نہ حج کے زمانہ میں گناہ اور جھگڑا کرے۔

تفسیر

اس آیت میں حج کے ضروری حکم بیان کئے گئے ہیں، حج کے مہینے مقرر کردیئے گئے ہیں اور اس دوران میں خاص طور پر تین باتوں سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

(۱)....بیوی سے ملاپ والی باتیں نہ کی جائیں (۲)....اور ہر قسم کے چھوٹے بڑے گناہوں سے بچا جائے (۳)....اور ہر قسم کے جھگڑے اور فساد سے بچا جائے۔

احکام و مسائل

جس طرح کوئی شخص روزہ کی حالت میں بیوی سے ملاپ نہیں کرسکتا اسی طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: احرام کی حالت میں بھی بیوی سے ملاپ نہیں کرسکتا، مثلاً: اگر کوئی شخص احرام باندھ کر عرفہ میں وقوف سے پہلے بیوی

سے ملاپ کر لے تو اسکا حج فاسد ہو جائیگا اور آئندہ سال حج قضا کرے گا اور اسکے علاوہ ایک سالم اونٹ یا سالم گائے بطورِ دم حدودِ حرم میں ذبح کرنا ہوگی۔

احرام کی حالت میں کوئی مرد سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتا، موزہ نہیں پہن سکتا، خوشبو نہیں لگا سکتا، سَر اور منہ کو ڈھانپ نہیں سکتا، عورتیں سِلے ہوئے کپڑے پہن سکتی ہیں مگر خوشبو نہیں لگا سکتیں، سَر کو ڈھانپ لیں گی مگر چہرہ کھلا رہیگا اس پر کپڑا نہیں آنا چاہئے۔

حج کا زادِراہ

وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ

اور جو کچھ کرتے ہو تم سے نیکی جانتا ہے اسے اللہ اور سفر خرچ ساتھ لے لیا کرو کہ بیشک بہتر

الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَ اتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

زادِراہ تقویٰ ہے اور ڈرتے رہو مجھ سے اے عقلمندو (۱۹۷)

وقف النبی ﷺ

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو کچھ نیکی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے اور اپنے سفرِ خرچ لے لیا کرو کہ بیشک بہتر زادِراہ تقویٰ ہے، اور اے عقلمندو! مجھ سے ڈرتے رہو۔ (۱۹۷)

تفسیر

آیت میں جاہلیت کے زمانے میں حج کے لئے روانہ ہونے والوں کی ایک عادت کی اصلاح کی ہے، مفسرین کرامؒ نے لکھا ہے یمنی لوگوں کا حال یہ تھا کہ حج کا موسم آتا تو اپنے ساتھ سفر خرچ لئے بغیر خالی ہاتھ چل پڑتے، نہ کوئی سامان لیتے نہ روپیہ پیسہ، بس! ایک چادر کندھے پر ڈالی اور حج کیلئے روانہ ہو جاتے اور کہتے کہ ہم تو اللہ پر بھروسہ کرنے والے ہیں، اسکے راستے پر نکلے ہیں وہ خود مدد کریگا اور پھر حالت یہ ہوتی کہ راستے میں بھیک مانگنا، سوال کرنا شروع کر دیتے اور اس طرح زادِ سفر کے بغیر کسمپرسی کی حالت میں حج کا سفر کرتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ

نے حج فرض ہونے کے لئے استطاعت کی شرط لگائی ہے اور استطاعت سے مراد سفر خرچ اور سواری ہے، اگر کسی کے پاس سفر کے اخراجات نہیں ہیں تو اس پر حج فرض نہیں ہے، اسی طرح اگر سواری کا انتظام نہیں تو پیدل حج فرض نہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سے پوچھ گچھ نہیں ہوگی کہ تم نے حج کیوں نہیں کیا۔

اس آیت میں حج کے سفر پر روانہ ہونے والوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے ساتھ زادِ راہ یعنی سفر خرچ ساتھ لے لیا کریں، پھر فرمایا کہ: زادِ راہ ساتھ لینے کا فائدہ یہ ہوگا کہ تم راستے میں لوگوں سے سوال کرنے اور بھیک مانگنے سے بچو گے اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ تم اپنے ساتھ زادِ راہ لے لیا کرو اور پھر فرمایا کہ: بہترین زدِ راہ تقویٰ، یعنی: خوف خدا ہے۔

حج کے لئے تجارت

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ

نہیں | پر تم | کوئی گناہ | کہ | تلاش کرو | فضل | سے | رب اپنے

بامحاورہ ترجمہ: تم پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔

تفسیر

اسلام قبول کر لینے کے بعد لوگوں نے اس بات کو مناسب خیال نہ کیا کہ حج کے دنوں میں تجارت کی جائے ان کا یہ خیال تھا کہ جو تاجر تجارت کا مال لیکر منیٰ اور مکّہ کے بازاروں کیلئے جاتے ہیں یا جو اونٹ والے اپنے اونٹ بیچنے کیلئے مزدلفہ، عرفات و منیٰ لے جاتے ہیں ان کا حج ہی نہیں ہوتا کیونکہ جہاں تجارت آ گئی وہاں عبادت کہاں باقی رہی، اللہ تعالیٰ نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے یہ آیت نازل فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ اجازت دیدی کہ حج کرنے والے اصلی مقصد حج کو قرار دیں اور اسکے ساتھ اگر تجارت بھی کرلیں تو کوئی گناہ کی بات نہیں البتہ یہ ضروری ہے کہ تجارت اصل مقصد نہ بن جائے بلکہ اصل مقصد حج ہی رہے۔

مِّنْ رَّبِّكُمْ: جو رزق یا فائدے تمہیں حاصل ہوتے ہیں یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ اپنی رحمت سے تمہیں دیتا ہے اس لئے تجارت اور کاروبار کرتے وقت بھی اس بات کی طرف نظر رکھو کہ جو نفع تمہیں ملے گا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

عرفات اور مشعر الحرام

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ
پھر جب لوٹو تم سے عرفات تو یاد کرو اللہ کو پاس مشعر

الْحَرَامِ ۠ وَ اذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَ اِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ
الحرام کے اور یاد کرو اسے جس طرح تمہیں سکھلایا اور بیشک تم تھے سے پہلے اس

لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ (۱۹۸)
سے ناواقفوں (۱۹۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جب تم طواف کیلئے عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ تعالیٰ کو یاد کرو، اور اسے اس طرح یاد کرو جس طرح تمہیں سکھلایا اور بے شک اس سے پہلے تم ناواقف تھے۔ (۱۹۸)

لفظی تحقیق: اَلْمَشْعَرِ الْحَرَامِ: یہ مزدلفہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان ایک خاص جگہ کا نام ہے ویسے سارے مزدلفہ کی بھی "مشعر الحرام" کہتے ہیں۔ مُزْدَلِفَه: مکہ سے کوئی چھ میل کے فاصلے پر ہے۔

تفسیر

میدان عرفات میں وقوف کرنا حج کا سب سے بڑا رکن ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: حج دراصل نام ہی عرفہ کے وقوف کا ہے، لہٰذا جو شخص نو ذی الحج کو زوال سے لیکر دس تاریخ کی صبح صادق طلوع ہونے تک ایک لمحہ کیلئے بھی میدانِ عرفات پہنچ گیا اس نے حج کو پالیا اور جو شخص اس وقت میں وہاں نہیں پہنچ سکا وہ حج سے محروم رہا

اسے اگلے سال قضا کرنا ہوگا کیونکہ وقوفِ عرفہ کا کوئی بدل نہیں کہ جس کے ادا کرنے سے حج ادا ہوجائے۔

حج کے دوسرے کام مثلاً: طواف، قربانی، جمرات کو کنکریاں مارنا، وغیرہ میں تاخیر بھی ہوسکتی ہے اور اگر ان میں سے کوئی کام چھوٹ جائے پھر اسکی تلافی دم صدقہ یا روزے کے ذریعے ہوسکتی ہے مگر وقوفِ عرفہ ایک ایسا اہم رکن ہے جسکی کوئی تلافی نہیں، میدان عرفات مکہ مکرمہ سے نو، دس میل کے فاصلے پر ہے یہ میدان تین طرف سے پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے اسکے اندر جبلِ رحمت نامی پہاڑ ہے جسکے دامن میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر وقوف فرمایا تھا۔

عرفات کا وقوف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے حج کا رکن چلا آرہا ہے، اس طرح واپسی پر مزدلفہ کا وقوف اور پھر منیٰ میں ٹھہرنا سب حج کے لوازمات ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اپنے مشاعر (مقررہ جگہ) پر ٹھہرو اور پھر بتائے گئے طریقوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، کیونکہ یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے۔

وقوف کے لئے آدمی کا احرام میں ہونا لازمی ہے، اگر بغیر احرام کے وقوف کیا ہے تو وہ وقوف نہیں ہوگا اور حج نہیں ہوگا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: شیطان جس قدر عرفہ کے دن ذلیل ہوتا ہے اور کسی دن نہیں ہوتا؛ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کی بارش کو اترتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔

عرفات، مزدلفہ اور منیٰ میں حج کے خصوصی عمل یوم عرفہ کے دن کی کچھ خصوصیات ہیں کہ ذی الحج کی نویں تاریخ ہو اور انسان احرام کی حالت میں ہو، امامِ حج کے پیچھے ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی ظہر کے وقت میں ادا کی جاتی ہیں، زوال کے فوراً بعد امام حج کا خطبہ دیتا ہے اسکے بعد اذان ہوتی ہے، پھر اقامت ہوتی ہے، اور ظہر کے دو فرض ادا کئے جاتے ہیں، پھر اقامت ہوتی ہے اور عصر کی نماز دو رکعت ادا کی جاتی ہے دونوں کے درمیان کوئی وقفہ نہیں ہوتا، نیز: دو دو فرائض کے علاوہ سنتیں اور نفل وغیرہ بھی ادا نہیں کئے جاتے، اسکے بعد جبل رحمت کے قریب وقوف ہوتا ہے یہ بڑا قیمتی وقت ہوتا ہے، سورج کے غروب ہونے تک انسان کھڑے ہو کر دعائیں کرتے ہیں،

ذکر وتلاوت میں مشغول رہتے ہیں، رورو کر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں یہ وقوفِ عرفات ہے، پھر سورج کے غروب ہونے کے بعد مغرب کی نماز ادا کئے بغیر یہاں سے مزدلفہ کی طرف نکل جانے کا حکم ہے مغرب سے پہلے میدان عرفات سے نکل جانا درست نہیں، اسکے علاوہ میدان عرفات یا مزدلفہ کے راستے میں مغرب کی نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے بلکہ مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ ادا کی جاتی ہیں خواہ رات کا آخری حصہ ہی کیوں نہ ہو۔

دس ذی الحجہ کی صبح فجر کی نماز اوّل وقت میں ادا کر کے وہاں وقوف کیا جاتا ہے جسے وقوفِ مزدلفہ کہتے ہیں وقوفِ عرفہ تو فرض ہے مگر وقوفِ مزدلفہ واجب، اسکے بعد سورج کھلنے سے ہی منیٰ کو روانہ ہو جائیں، امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق جو شخص مزدلفہ میں وقوف نہیں کریگا اسے دم دینا ہوگا کیونکہ یہ واجب ہے، البتہ بیمار اور ضعیف حاجیوں کو اجازت ہے کہ وہ مزدلفہ میں تھوڑی دیر قیام کے بعد رات کو ہی منیٰ کو چلے جائیں اور صبح کی نماز منیٰ میں جا کر ادا کر لیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا جو بیمار تھیں ان کو اور بعض دوسرے کمزوروں کو اجازت دیدی تھی کہ وہ مزدلفہ میں رات کے وقت تھوڑی دیر وقوف کریں، دعائیں کریں، اور پھر منیٰ کیلئے روانہ ہو جائیں تاکہ وہ عام لوگوں کے پہنچنے سے پہلے پہلے آسانی کیساتھ جمرات کو کنکریاں ماریں آپ نے ضعیف اور بیماروں کو اوّل وقت میں کنکریاں مارنے کی اجازت دے دی تھی۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت اور یاد ان طریقوں سے کرو جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے ہیں ان طریقوں کو چھوڑ کر اپنی طرف سے عبادت کے طریقے گھڑ لینا اور نئی صورتیں قائم کر لینا سخت گناہ ہے دنیا اور دنیا والوں کو گمراہ کرنے کیلئے شیطان کا سب سے بڑا طریقہ یہی ہے کہ انہیں حقیقی راہ سے ہٹا کر من گھڑت طریقوں میں الجھا دیتا ہے، جاہلیت کے زمانہ میں بھی لوگ بے شمار رسموں اور غلط عقیدوں میں مبتلا تھے وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کے اپنے بنائے ہوئے طریقے اللہ تعالیٰ کی نزدیک کا سبب ہو سکتے ہیں، لیکن قرآن مجید کی اس آیت نے پوری طرح ان گمراہیوں اور غلط فہمیوں کی تردید کردی۔

قرآن مجید نے لفظ "الضَّآلِّيْنَ" استعمال کر کے یہ بھی واضح کر دیا کہ جب تک انسان اللہ تعالیٰ کے

حکموں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سکھلائے ہوئے طریقوں پر نہیں چلے گا تب تک وہ ناواقف ہی رہے گا اور بھٹکتا ہی رہیگا، وہ اپنی طرف سے کتنا ہی زور لگا کر کوئی راستہ تلاش کر لے اور کیسے ہی عبادت کے طور طریقے ایجاد کر لے پوجا کی صورتیں سوچ لے لیکن سب باتیں گمراہی کی طرف لے جائیں گی۔

عمل میں برابری کا حکم

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ
پھر پھرو سے جہاں پھریں لوگ اور مغفرت مانگو اللہ سے بیشک

اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾
اللہ بخشنے والا مہربان ہے (۱۹۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر پھرو جہاں سے لوگ پھریں اور اللہ سے مغفرت مانگو، بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۱۹۹)

تفسیر

حج کے متعلق قریش مکہ اور ان کے رشتہ داروں بنوخزاعہ اور بنوکنانہ نے اپنے لئے علیحدہ مقام اور مرتبہ بنا رکھا تھا، وہ اس طرح کہ لوگ ۹ ذی الحجہ کو مزدلفہ سے آگے نہیں جاتے تھے، حالانکہ عرفات کی حاضری تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے ضروری تھی مگر یہ اپنے آپ کو دوسروں سے اعلیٰ سمجھتے تھے اور کہتے تھے ہم احمس ہیں، یعنی: دوسروں سے بلندتر ہیں؛ اس لئے ہم عرفات میں نہیں جائینگے، شیطان نے انکے دلوں میں یہ بات ڈال دی تھی کہ میدانِ عرفات حدود حرم سے باہر ہے اور ہم خانہ کعبہ کے ہمسایہ ہونے کے سبب حرم سے باہر کیوں جائیں، قریش کے اس غلط نظریئے کو توڑنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: تم بھی وہیں سے پلٹو جہاں سے دوسرے لوگ پلٹ کر آتے ہیں، یعنی: عرفات سے، مزدلفہ سے واپس آجانے کا تمہارا نظریہ غلط ہے، تم اسے نیکی سمجھ رہے

ہو، حالانکہ یہ بالکل غلط بات ہے اور ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ جو کوتاہی تم کر چکے ہو اس پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو، بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

منیٰ پہنچ کر سب سے پہلے جمرہ عقبیٰ کو کنکریاں ماری جاتی ہیں، اس دن کو صرف ایک ہی شیطان کو کنکریں ماری جاتی ہیں، اسکے بعد قربانی کی جاتی ہے، اس کے بعد پھر مرد حضرات حلق کرواتے ہیں، یعنی: استرے سے سر منڈواتے ہیں یا ایک پورو ے کے برابر سر کے بال چھوٹے کروا کر احرام کھول دیتے ہیں اور عورتیں اپنے بالوں کو ایک پورو ے کے برابر کٹوا کر احرام کھول دینگی۔

طوافِ زیارت

حج کا اگلا رکن بیت اللہ شریف کا طواف ہے، اسے طوافِ زیارت کہا جاتا ہے اور یہ فرض ہے، یہ طواف بھی دس تاریخ کو ہی کیا جاتا ہے، اگر کسی وجہ سے آج کے دن طوافِ زیارت کیلئے مکہ مکرمہ نہ جاسکے تو گیارہ اور بارہ تاریخ تک ادا کرسکتا ہے، اگر بارہ تاریخ کے بعد طواف کریگا تو اسے دم دینا پڑیگا اور یہ فرض ادا ہو جائیگا، یہ طواف چونکہ حاجیوں نے لازماً طواف کے بعد صفا و مروہ کی سعی بھی ہے اسکے بعد مکہ میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں بلکہ واپس منیٰ آنا ہوتا ہے، گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ ایام منیٰ کہلاتے ہیں ان ایام میں منیٰ میں قیام کیا جاتا ہے، یہ تمام مناسک (حج کے کام) ان جگہوں پر پورے کرنے ہوتے ہیں۔

مناسکِ حج کے بعد

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ

پھر جب پورے کر چکو تم حج کے کام اپنے تو یاد کرو اللہ کو جیسے یاد کرتے تھے تم باپ دادوں کو

اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ

بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جب اپنے حج کے کام کو پورا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جیسے تم یاد کرتے تھے اپنے باپ دادوں کو بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو۔

تفسیر

جاہلیت کے زمانہ میں دستور تھا کہ حج سے فارغ ہو کر حاجی منیٰ کے میدان میں تین دن تک (۱۰، ۱۱، ۱۲ ذوالحجہ) جمع رہتے اور یہاں اپنے قبیلے اور باپ دادا کے کارناموں کا ذکر کرتے تھے، ان کی فضیلتیں اور بڑائیاں بیان کرتے تھے، ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر فخریہ انداز میں خاندانی بڑائی کا اظہار کرتے تھے۔

پیغمبر علیہ السلام نے قریش سے فرمایا: اے لوگو! تم سے پہلے اللہ تعالیٰ نے خاندانی غرور تکبر کو ختم کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت کا معیار صرف تقویٰ ہے، اللہ کے نزدیک شرافت اور بزرگی والا انسان وہ ہے جو اُس سے زیادہ ڈرتا ہے، زیادہ متقی ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں خاندانی برتری کی کوئی قیمت نہیں۔

اس موقع پر خاندانی غرور و تکبر کے بجائے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرو جس نے تمہیں ہدایت دی، ایمان کی دولت سے نوازا اور پھر حج جیسی نعمت عطاء کی، لہٰذا جہاں تک ممکن ہو اللہ تعالیٰ کا کثرت کیساتھ ذکر کرو، حج کے جتنے بھی عمل ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی یاد کی مختلف صورتیں ہیں قربانی کرتے وقت: بِسْمِ اللّٰهِ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے، شیطان کو کنکریاں مارتے وقت بھی یہی کیا جاتا ہے، جب نماز پڑھی جاتی ہے تو تکبیر تشریق بلند ہوتی ہے، عرفات اور مزدلفہ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے ہوتا ہے، اور تلبیہ کے الفاظ "لبیک اللّٰھم لبیک" تو اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔

دنیا کے طلب گار

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَ مَا لَهٗ فِي

پھر میں سے لوگوں وہ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! دے ہمیں میں دنیا اور نہیں لئے اسکے میں

الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي
آخرت کوئی حصہ (۲۰۰) اور میں سے ان وہ جو کہتے ہیں اے رب ہمارے دے ہمیں میں

الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ النصف
دنیا خوبی اور میں آخرت خوبی اور بچا ہمیں عذاب دوزخ سے (۲۰۱)

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَ اللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝
وہی لوگ ان کیلئے حصہ سے اس جو کمایا انہوں نے اور اللہ جلد لینے والا ہے حساب (۲۰۲)

با محاورہ ترجمہ:۔ لوگوں میں سے کچھ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے اور ان کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ (۲۰۰) اور کوئی ان میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں خوبی دے اور آخرت میں بھی خوبی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ (۲۰۱) انہی لوگوں کیلئے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ (۲۰۲)

تفسیر

دنیا کے پانے والے اللہ تعالیٰ کو محض اس لئے پکارتے ہیں کہ وہ ان کے پاس روپے پیسے کے ڈھیر لگا دے ان کی مادی ضروریات پوری کر دے، جہاد میں صرف اس لئے حصہ لیتے ہیں کہ مال غنیمت ہاتھ آ جائے، حج صرف اس لئے کرتے ہیں کہ تجارتی فائدے سمیٹ لیں، نماز اور زکوٰۃ اس لئے ادا کرتے ہیں کہ لوگوں کا اعتماد حاصل کر لیں اور اس سے ناجائز فائدہ اٹھائیں، ان لوگوں کے نزدیک جنت اور آخرت کی نعمتیں کوئی شے نہیں، قیامت کو ایک بیکار عقیدہ سمجھتے ہیں مرنے کے بعد کی یقینی زندگی ان کے خیال میں ایک نہ ہونے والی بات ہے زندگی کے عملوں کے بدلہ کا عقیدہ وہ نہیں مانتے ان کی نزدیک زندگی صرف دنیا ہی کی ہے اور کامیابی صرف دنیاوی کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا یہ بتائی کہ آخرت میں انہیں کسی قسم کا ثواب اور حصہ نہیں ملے گا کیونکہ وہ جو کچھ

چاہتے ہیں اور جس کیلئے کوشش کرتے ہیں وہ انہیں دنیا میں مل جائیگا اب جبکہ انہوں نے اس دنیا میں اپنا مطلب پالیا تو آخرت میں ان کے حصہ میں کچھ نہیں آیگا۔

اس میں لفظ "حسنہ" تمام ظاہری اور باطنی خوبیوں اور بھلائیوں کو شامل ہے اور آخرت کی "حسنہ" میں جنت اور اسکی بے شمار اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسکا دیدار یہ سب چیزیں شامل ہیں۔

الغرض! یہ ایک ایسی جامع دعا ہے کہ اسمیں انسان کے تمام دنیاوی اور دینی مقاصد آجاتے ہیں دنیاوی آخرت دونوں جہان میں راحت وسکون میسر آتا ہے، آخر میں خاص طور پر دوزخ کی آگ سے بچانے کا بھی ذکر ہے، یہی وجہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت یہ دعا مانگا کرتے تھے:

"رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ"

اور حالت طواف میں خصوصیت کیساتھ یہ دعا مسنون ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ دنیا میں حسنہ اچھی عورت کو بھی کہتے ہیں جس کو دنیا میں اچھی بیوی مل گئی اس کو دنیا کی حسنہ، یعنی: بھلائی میسر آ گئی۔

"مسند احمد" کی کی روایت میں ہے کہ اچھی بیوی، اچھی سواری، اچھا مکان دنیا کے اعتبار سے انسان کی نیک بختی ہے۔

گنتی کے چند دنوں میں اللہ کی یاد

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ

اور یاد کرو اللہ کو میں دنوں گنتی کے پھر جو کوئی جلدی چلا گیا میں دو دن تو نہیں

اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَ

گناہ پر اس اور جو کوئی رہ گیا تو نہیں گناہ اس پر جو کہ ڈرتا ہے اور

اتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ بیشک تم پاس اسکے تم کئے جاؤ گے (۲۰۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور گنتی کے چند (مقررہ) دنوں میں اللہ کو یاد کرو، پھر جو کوئی دو ہی دن میں جلدی چلا گیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو کوئی رہ گیا تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں جو کہ ڈرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ! بیشک تم اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔ (۲۰۳)

تفسیر

جیسا کہ پیچھے بیان کیا گیا ہے عبادت کے خاص تین دن ہیں جنہیں ایام تشریق کہتے ہیں، یعنی: (۱۰/۱۱/ ۱۲ ذوالحجہ) لیکن اگر کوئی شخص بارہویں تاریخ کے بعد بھی وہاں ٹھہرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور اگر کوئی شخص دو ہی دن وہاں ٹھہرنے کے بعد مکہ کو روانہ ہو جائے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔

اس آیت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اصل چیز تقویٰ ہے اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف، یعنی: ان چیزوں سے پرہیز کرنا جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اسکی حرام کی ہوئی چیزوں کے پاس بھی نہ پھٹکنا اسکی اطاعت میں کوئی عذر اور بہانہ تلاش نہ کرنا اسکی خوشنودی کو مقصد بنائے رکھنا اسکے حکموں پر عمل کرنا اور دوسروں کو شوق دلانا قیامت کے دن کو سامنے رکھنا موت کے بعد کی زندگی پر ایمان رکھنا اور اسکے لئے سامان کرنا۔

جو کوئی منیٰ میں دو دن ٹھہرنے کے بعد جلد مکہ معظّمہ لوٹ جانا چاہے اس پر کوئی گناہ نہیں یوم نحر، یعنی: ۱۰ ذوالحجہ کے بعد صرف دو دن مزید، یعنی: گیارہ اور بارہ تاریخ کو منیٰ میں قیام کر کے واپس جا سکتا ہے، بارہ تاریخ کو جمرات کو کنکریاں مارنے کے بعد منیٰ سے مکہ واپس آ جائے اسکا حج مکمل ہو گیا اور جو کوئی ایک دن کی تاخیر کرے یعنی: تیرہ تاریخ تک منیٰ میں ٹھہر جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ایسا کر سکتا ہے۔

منیٰ کا قیام اور اللہ کے ذکر کی تاکید

اس آیت میں ایک مسئلہ کی وضاحت کی گئی کہ منیٰ میں قیام اور جمرات پر کنکریاں مارنا کب تک ضروری ہے اسمیں اہل جاہلیت کا اختلاف رہا کرتا تھا بعض لوگ ذوالحجہ کی تیرہویں تاریخ تک منیٰ میں قیام اور جمرات پر

رمی کرنے کو ضروری سمجھتے تھے اس سے پہلے بارہویں کو واپس آ جانے کو ناجائز اور ایسا کرنے والوں کو گنہگار کہا کرتے تھے اسی طرح بعض لوگ بارہویں تاریخ کو واپس آ جانے کو ضروری سمجھتے اور تیرہویں تک ٹھہرنے کو گناہ جانتے تھے، اس آیت میں ان دونوں کی اصلاح اس طرح کی گئی کہ جو شخص عید کے بعد صرف دو دن منیٰ میں قیام کر کے واپس آ جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں اور جو تیسرے دن تک مؤخر کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں یہ دونوں فریق جو ایک دوسرے کو گناہگار کہتے ہیں غلطی پر ہیں۔

صحیح یہ ہے کہ حاجیوں کو دونوں صورتوں میں اختیار ہے جس پر چاہیں عمل کریں ہاں افضل یہی ہے کہ تیسرے دن تک ٹھہریں، فقہاء نے فرمایا ہے کہ: جو شخص دوسرے دن سورج غروب ہونے سے پہلے منیٰ سے چلا آیا اس پر تیسرے دن کی رمی واجب نہیں لیکن اگر سورج منیٰ میں غروب ہو گیا پھر تیسرے دن کی رمی کرنے سے پہلے وہاں سے واپس آ جانا جائز نہیں رہتا البتہ تیسرے دن کی رمی میں یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ وہ سورج ڈھلنے سے پہلے صبح کے بعد بھی ہو سکتی ہے۔

حج کے متعلق حدیث میں ہے کہ جب انسان حج سے فارغ ہو کر آتا ہے تو اپنے گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے وہ ماں کے پیٹ سے آج پیدا ہوا ہے۔

قسمیں کھانے والے جھگڑالو منافقین

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يُشْهِدُ

اور میں سے لوگوں بعض وہ ہیں جن کی پسند آتی ہیں آپ کو بات اسکی میں زندگی دنیا کی اور گواہ کرتا ہے

اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَ هُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝۲۰۴

اللہ کو پر جو میں ہے دل اسکے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے(۲۰۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جن کی باتیں آپ کو پسند آتی ہیں دنیا کی زندگانی کے کاموں میں، اور وہ اپنے دل کی بات پر اللہ تعالیٰ کو گواہ کرتا ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔(۲۰۴)

تفسیر

اس آیت سے منافقوں کا ذکر شروع ہوتا ہے انکی زبان بڑی میٹھی معلوم ہوتی ہے بظاہر باتیں بڑی عقل کی کرتے ہیں لیکن اندر سے سخت جھگڑالو اور فتنہ باز ہوتے ہیں، اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قبیلہ ثقیف کا ایک شخص اخنس بن شریق تھا وہ ظاہری طور پر اسلام کا بڑا غمخوار اور ہمدرد معلوم ہوتا تھا اپنی زبان سے اسلام سے اپنی محبت کا بڑا دعویٰ کیا کرتا تھا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتا تو بڑے لمبے چوڑے دعوے کرتا بات بات پر قسمیں کھاتا لیکن جب یہ مجلس سے اٹھ کر چلا جاتا تو طرح طرح کی منافقت میں لگ جاتا اور اسلام کو نقصان پہنچانے کی تدبیریں سوچتا بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اسی شخص کیلئے اتری لیکن یہ ہر اس شخص ہے جو اس فطرت کا آدمی ہو۔

منافقوں کا فتنہ فساد

وَ اِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَ يُهْلِكَ الْحَرْثَ

اور جب لوٹے دوڑتا پھرے میں ملک تا کہ فساد کرے میں اس اور تباہ کرے کھیتیاں

وَ النَّسْلَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾

اور نسل اور اللہ نا پسند کرتا ہے فساد کو (۲۰۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب آپ کے پاس سے لوٹے تو ملک میں دوڑتا پھرے تا کہ اسمیں فساد کرے اور کھیتیاں اور جانیں تباہ کرے اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والے کو پسند نہیں کرتا ہے۔ (۲۰۵)

تفسیر

اس آیت میں ایسے لوگوں کی مزید نشانیاں بتائی گئی ہیں، یعنی: یہ کہ ملک میں فتنہ وفساد کی آگ کو

بھڑکاتے ہیں، ہنگامہ آرائی کرتے ہیں، متحد قوم کو مختلف گروہوں میں بانٹ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کی طرف متوجہ ہوں، کھیت جلاتے ہیں، مویشی ہلاک کر دیتے ہیں، بدکاری کرتے ہیں، جس سے نسل انسانی لازمی طور پر تباہ ہو جاتی ہے۔

جھوٹا وقار

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ

اور جب کہا جائے اسے اس ڈر اللہ سے آمادہ کرے اسے غرور پر گناہ سو! کافی ہے اسے

جَهَنَّمُ ؕ وَ لَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾

دوزخ اور بیشک برا ٹھکانہ ہے (۲۰۶)

با محاورہ ترجمہ:۔ اور جب اسے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر تو غرور اسے گناہ پر آمادہ کرے، سو! اس کیلئے دوزخ کافی ہے اور بیشک وہ برا ٹھکانہ ہے۔ (۲۰۶)

تفسیر

منافقین سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور امن وچین کی زندگی بسر کرو تو وہ اپنی جھوٹی شان وشوکت کو برقرار رکھنے کیلئے سرکشی اور اور گناہ میں اور زیادہ سرگرم ہو جاتے ہیں، لوگوں پر ظلم کرتے ہیں، ہر جائز وناجائز طریقہ استعمال کر کے فتنہ فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں ایسے لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے دوزخ بنا رکھی ہے جہاں انہیں جھونک دیا جائیگا یہ ہمیشہ اسمیں جلتے رہیں گے اور اپنے غرور کا مزہ چکھیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والا

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَ

اور میں سے لوگوں وہ ہے جو بیچتا ہے اپنی جان (تلاش) میں رضاجوئی اللہ کی اور

اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

اللہ مہربان پر بندوں کے (۲۰۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور لوگوں میں بعض وہ ہیں جو اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں بیچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بندوں پر مہربان ہے۔ (۲۰۷)

تفسیر

اس آیت میں ان سچے مومنوں کا ذکر ہے جو اپنی جان تک اس مقصد کیلئے قربان کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جائے۔

ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس چیز کے استعمال کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہونی چاہئے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے انسان اسکی عنایتوں، نوازشوں اور لطف و کرم کا اندازہ نہیں کر سکتا اسکی نعمتوں کا شمار نہیں کر سکتا کاش! انسان کبھی اس حقیقت پر غور کر لیا کرے تا کہ شکر گزاری اور قدردانی اسکے اندر پیدا ہو۔

اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے داخل ہو جاؤ میں اسلام پورے اور نہ پیروی کرو

خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾

قدموں شیطان کے بیشک وہ تمہارے لئے دشمن ہے کھلا (۲۰۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔اے ایمان والو! اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (۲۰۸)

تفسیر

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ چند یہودی اسلام لائے لیکن انہوں نے اسلامی شریعت کے ساتھ ساتھ یہودی مذہب پر بھی عمل جاری رکھا رکھی مثلاً: ہفتہ کے دن کو مقدس سمجھنا، اونٹ کے گوشت اور دودھ کو حرام سمجھنا اور "توراة" کی تلاوت وغیرہ، پھر اسی طرح بعض لوگ اپنی طرف سے ہی کوئی عقیدہ گھڑ لیتے یا کوئی عمل بابرکت سمجھ لیتے اور اسلامی شریعت کے ساتھ ساتھ خودساختہ باتوں کو بھی دین میں شامل کر لیتے، اللہ تعالیٰ نے اسلام کے احکام کے ساتھ دوسرے حکموں پر عمل کرنے سے روکنے کیلئے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ: پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ، یعنی: نہ تو اپنی طرف سے غلط عقیدوں گھڑو اور نہ سنی سنائی باتوں کی پیروی کرو، نہ یہ کہ جو بات اچھی لگے اس پر عمل کرو اور اسلام کی جو بات مشکل معلوم ہو اسے چھوڑ دو۔

اسلام صرف چند عقیدوں اور چند عبادتوں کا نام نہیں بلکہ پوری زندگی کیلئے مکمل اعلیٰ اور عمدہ ترین ضابطہ ہے زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کرتا ہے، منزل مقصود تک پہنچانے کیلئے صحیح رہنمائی کرتا ہے، دین و دنیا کی اعلیٰ ترین کامیابی حاصل کرنے کیلئے ہدایت کرتا ہے، لہٰذا اسلام کو پورے کا پورا ماننا ضروری ہے۔

انسان اپنے عقیدے اور عمل کے لحاظ سے پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جائیں وفاداری صرف اور صرف اسلام سے ہو، باقی سب دینوں سے مکمل طور پر علیحدگی ہو کیونکہ یہ چیزیں اسلام کے خلاف ہیں، اگر اسلام کے ساتھ ساتھ ایسے گندے عقیدوں اور عمل کے ساتھ بھی تعلق قائم رکھے گا تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ ایسا شخص مکمل طور پر اسلام میں داخل نہیں ہوا۔

"توراة" میں حکم تھا کہ ہفتہ کے دن اللہ تعالیٰ کی عبادت کے سوا اور کوئی کام نہ کرو گویا اس دن دنیاوی کاروبار مکمل طور پر بند کرنے کا حکم تھا یہاں تک کے چولہا بھی گرم نہیں کیا جا سکتا تھا، نہ کھیتی باڑی، نہ دکانداری اور نہ کوئی اور کام کرنے کی اجازت تھی اسی طرح یہودیوں کے دین میں اونٹ کا گوشت کھانا اور دودھ پینا منع تھا تو نومسلم یہودیوں نے خیال کیا کہ اسلام میں جمعہ کو افضل دن قرار دیا گیا ہے، ہم اسکو مانتے ہیں اور اسکے ساتھ ساتھ

پرانے طریقے پر اگر ہفتہ کی تعظیم بھی کی جائے اور اس کے ساتھ اونٹ اور دودھ استعمال نہ کیا جائے تو کیا حرج ہے اللہ تعالیٰ نے ایسی بات سے منع فرمادیا اور حکم دیا کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اب اسلامی حکموں کیساتھ دوسری شریعت کی پیوند کاری جائز نہیں ہے۔

جان بوجھ کر غلطی نہ کرو

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ

پھر اگر پھسلنے لگو تم سے بعد اس کے کہ پہنچ گئیں تمہیں واضح نشانیاں تو جان رکھو بیشک

اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾

اللہ زبردست حکمت والا ہے (۲۰۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر اگر تم پھسلنے لگو اس کے بعد کہ تمہیں پہنچ گئیں واضح نشانیاں تو جان رکھو کہ بیشک اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔(۲۰۹)

تفسیر

اسلام کے حکموں کا علم ہو جانے کے بعد بھی اگر کوئی اس پر قائم نہ ہو بلکہ دوسری طرف بھی جھکے تو خوب سمجھ لو کہ! اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے جس کو چاہے سزا دے کوئی اس کے عذاب کو روک نہیں سکتا، بڑا حکمت والا ہے جو کرتا ہے حق اور مصلحت کے موافق کرتا ہے۔

کافروں کا نامعقول رویہ

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ

کیا راہ دیکھتے ہیں یہی کہ آئے ان پر اللہ میں سائبانوں کے بادلوں اور

۲۵ ع(۱۴) ۹

الْمَلٰٓئِكَةُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾

فرشتے اور فیصلہ کردیا جائے بات کا اور طرف اللہ کے لوٹائے جائیں گے سب کام(۲۱۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔کیا وہ یہی راہ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کے سائبانوں میں آئے اور فرشتے (آئیں)اور بات کا فیصلہ کردیا جائے اور اللہ ہی کی طرف سب کام ٹائے جائیں گے۔(۲۱۰)

تفسیر

یعنی: اگر کوئی آدمی یا گروہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے منہ موڑتا ہے تو گویا اس بات کا انتظار کررہا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود فرشتوں کے لشکر کیساتھ ان کے سامنے آئے اور بتائے کہ یہ میرا حکم ہے اسے مانو اس قسم کا انتظار ایسے لوگوں کی بربادی اور تباہی پر جاکر ختم ہوگا؛ اس لئے کہ نہ ایسا کبھی ہوا ہے اور نہ کبھی ہوگا، اللہ تعالیٰ نے عقل دی اور اسکے بعد اپنی نشانیاں بھیج دیں اب ان پر یقین کرنا انسان پر فرض ہوگیا اگر کوئی شخص نہ ان نشانیوں پر غور کرے اور نہ عقل سے کام لے تو وہ یقیناً ہلاک ہوگا کیونکہ اسکے ایمان نہ لانے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی ان سب کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے اور وہی ان کی سب باتوں کا فیصلہ فرمائیگا۔

بنی اسرائیل سے عبرت

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ؕ وَ مَنْ يُّبَدِّلْ

پوچھیں بنی اسرائیل سے کس قدر دیں ہم نے انہیں سے نشانیاں کھلی ہوئی اور جو کوئی بدل ڈالے

نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَاجَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

نعمت اللہ کی بعد اس کے کہ پہنچ چکی اسے تو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے(۲۱۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔بنی اسرائیل سے پوچھیں ہم نے انہیں کس قدر کھلی ہوئی نشانیاں دیں اور جو کوئی اللہ کی نعمت بدل ڈالے بعد اسکے کہ وہ نعمت اسے پہنچ چکی ہو تو (وہ سمجھ لے کہ) اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔(۲۱۱)

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر احسان کئے، انہیں فرعون کے ظلم سے نجات دلائی، فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرادیتا تھا اور بچیوں کو زندہ رکھتا تھا ان سے سخت کام لیتا تھا ہر طرح سے ذلیل اور خوار کرتا تھا اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کے ظلم سے بچایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انہیں پیغمبر بنا کر بھیجا جس نے انہیں فرعون اور اس کی قوم کی غلامی سے نکالا، ان کے دشمن فرعون اور اس کی قوم کو ان کی آنکھ کے سامنے سمندر میں ڈبودیا، وادیٔ سینا کے صحرا میں ان پر بادل کا سایہ کیا، من وسلویٰ اتارا، پانی کے بارہ چشمے نکال دیئے، ان کے ہدایت کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو "تورات" عطاء فرمائی۔

انہیں فلسطین میں آباد کیا، ان کی نسل میں پیغمبروں کا سلسلہ بڑی دیر تک قائم رکھا۔

لیکن ان لوگوں نے ان تمام احسانوں کے باوجود بھی اپنی خواہشات کی پیروی کی اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب سے منہ موڑا، اس نافرمانی کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان پر مختلف قسم کے عذاب بھیجے تاکہ وہ سیدھے راستے کی طرف آئیں لیکن پھر بھی ان کے عالموں نے اللہ تعالیٰ کے حکموں کو بدل دیا عوام نے اندھا دھند ان کی پیروی کی، اگر اب بھی یہ لوگ اپنی بات پر اڑے رہینگے اور اللہ تعالیٰ کے سچے اور آخری کلام قرآن مجید کو نہیں مانیں گے تو وہ یاد رکھیں کہ! اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے اور ان کا حشر بھی ویسا ہی ہوگا جیسا پہلی قوموں کا ہوا ہے۔

مؤمنوں کا مذاق نہ اڑاؤ

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ

سجادیا گیا لئے ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا زندگی دنیا کی کو اور مذاق اڑاتے ہیں سے ان لوگوں جو

وقف لازم

اٰمَنُوْا ۘ وَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ

ایمان لائے اور وہ لوگ جو پرہیزگار بالاتر ہونگے ان سے دن قیامت کے اور اللہ روزی دیتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

جسے چاہے بغیر حساب (۲۱۲)

بامحاورہ ترجمہ: ۔کافروں کے لئے دنیا کی زندگی کو سجایا گیا ہے اور وہ ایمان والوں پر ہنستے ہیں اور جو پرہیزگار ہیں وہ قیامت کے دن ان کافروں سے بالاتر ہوں گے اور اللہ جسے چاہے بے شمار روزی دیتا ہے۔ (۲۱۲)

تفسیر

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مشرکوں کے سردار مسلمانوں پر ہنستے تھے انہیں ذلیل سمجھتے تھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ، صہیب رضی اللہ عنہ اور دوسرے غریب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مذاق اڑاتے اور کہتے (نعوذ باللہ) ان نادانوں نے آخرت کے خیال پر دنیا کی تکلیفوں اور مصیبتوں کو اپنے سر لے لیا اور محمد ان فقیروں، محتاجوں اور بے بس لوگوں کی امداد سے عرب کے طاقتور پر غالب آنا چاہتے ہیں، ان لوگوں کی ہنسی کی بنا پر یہ آیت نازل ہوئی انہیں بتایا گیا کہ انکا اس طرح سوچنا جہالت ہے انہیں معلوم نہیں کہ یہی غریب لوگ قیامت کے دن ان سرداروں سے اعلیٰ اور برتر ہونگے، اللہ تعالیٰ جسے بیشمار روزی عطا فرمائے، چنانچہ ایک دن آیا کہ انہی غریبوں کو جن پر کافر ہنستے تھے بنو قریضہ اور بنو نضیر کی دولت ملی اور اس زمانے کی ایران اور روم جیسی بڑی بڑی حکومتوں کا اللہ تعالیٰ نے انہیں مالک بنا دیا۔

اصل چیز نیکی اور پرہیزگاری ہے یہی سب سے بڑی دولت ہے اسی کے بدلے قیامت میں اجر ملے گا اور تمام دولت مند منکر لوگ اس دن ذلت اور رسوائی میں پڑے ہونگے اور اپنے کئے پر پچھتاتے ہونگے اچھا ہو کہ یہ لوگ آج سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ ہی سب کو روزی دیتا ہے وہ ان سے چھین کر ایمانداروں کو دے سکتا ہے کافروں کو

غریب اور مسکین مسلمانوں کا مذاق نہیں اڑانا چاہئے خود اپنی آخرت سنوارنے کی فکر کرنی چاہئے۔

ایک اُمّت

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ

تھے لوگ امت ایک پھر بھیجے اللہ نے پیغمبر خوشخبری سنانے والے اور

مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ

ڈرانے والے اور اتاری ساتھ ان کے کتاب سچی تاکہ فیصلہ کرے درمیان

النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَ مَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ

لوگوں کے جس میں وہ جھگڑا کریں آپس میں اور نہیں جھگڑا ڈالا میں اس مگر انہوں نے جنہیں

اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ فَهَدَى

دی گئی (کتاب) سے بعد اسکے کہ پہنچے ان کو صاف حکم ضد آپس کی میں پھر ہدایت کی

اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَ

اللہ نے انہیں جو ایمان لائے اسکی جھگڑ رہے میں جس سے سچ ساتھ حکم اپنے کے اور

اللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہے طرف راستے سیدھے کے (۲۱۳)

بامحاورہ ترجمہ: سب لوگ ایک امت تھے پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے اور ان کے ساتھ سچی کتاب اتاری تاکہ فیصلہ کردے لوگوں کے درمیان جس بات میں وہ جھگڑتے تھے اور جھگڑا صرف انہیں لوگوں نے ڈالا جنہیں کتاب دی گئی تھی آپس کی ضد کی وجہ ہے اس کے بعد کہ انہیں صاف حکم پہنچ چکے تھے، پھر اللہ نے ہدایت دی ایمان والوں کو اس سچی بات کی جس میں وہ جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے اور اللہ جسے چاہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا۔ (۲۱۳)

تفسیر

شروع میں آدم علیہ السلام کی اولاد ایمان والوں کی ایک ہی امت تھی، سب کا مذہب ایک ہی تھا، تمام لوگ توحید پر قائم تھے جب کبھی ان کے عقیدوں میں اختلاف پیدا ہوتا تو خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے پیغمبر آتے اور ان کے اختلافات ختم کرتے تھے، آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور کتابوں کے آجانے کے بعد انہی لوگوں نے اختلاف کیا جنہیں کتابیں دی گئی تھی، مثلاً: یہودیوں وعیسائیوں کے امام و پیشوا "تورات" اور "انجیل" میں اختلاف ڈالتے تھے ان کے معنیٰ بدل دیتے تھے اور ان کا مطلب بھی بدل دیتے تھے یہ سارا اختلاف وہ بے سمجھی سے نہیں کرتے تھے بلکہ آپس کی ضد، حسد اور مال و دولت کی لالچ میں کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان لوگوں کو جو ایمان کے طالب تھے سیدھے راستے کی ہدایت فرمائی اور انہیں گمراہ لوگوں کے اختلاف سے بچایا۔

اس لئے ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی ہدایت اور تعلیم کے مطابق عمل کرنا چاہئے ہدایت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے دی اور کامیابی اس طریق پر عمل کرنے سے حاصل ہوگی جو اللہ تعالیٰ نے دکھلایا ہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً: لوگوں کے ایک امت ہونے کا زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت ادریس علیہ السلام تک کا ہے اس عرصہ میں تمام لوگ ایک ہی امت تھے ان کا وہی دین تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کا تھا ان میں کوئی اختلاف نہ تھا اسکے بعد اختلافات پیدا ہونے لگے، پیغمبروں کیساتھ کتابوں کے اترنے کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک پیغمبر اپنا کام ختم کرکے اس دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے تو اسکے بعد اسکی لائی ہوئی کتاب آنے والی نسلوں کی رہنمائی کرتی رہتی تھی، جب لوگ اصل دین کو چھوڑ کر گمراہی کی طرف چلے جاتے تو اللہ تعالیٰ ایک اور پیغمبر بھیج کر اصل راستہ کی پہچان کرادیتا تھا تاکہ لوگ سیدھے راستے پر چلیں۔

آزمائش کی گھڑی

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ
کیا تمہیں خیال ہے کہ چلے جاؤ گے جنت میں اور نہیں گزرے تم پر حالات ان جیسے جو

خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا
گزر چکے سے پہلے تم پہنچی انہیں سختی اور تکلیف اور جھنجوڑے گئے

حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ
یہاں تک کہ کہنے لگا پیغمبر اور وہ جو ایمان لائے ساتھ اسکے کب آئیگی مدد اللہ کی

اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾
سن رکھو کہ بیشک مدد اللہ کی قریب ہے (۲۱۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کیا تمہیں یہ خیال ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ تم پر ان لوگوں جیسے حالات نہیں گزرے جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے کہ انہیں سختی اور تکلیفیں پہنچی اور جھنجوڑے گئے یہاں تک کہ پیغمبر اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئیگی سن رکھو کہ! اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے۔ (۲۱۴)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات بیان فرمائی ہے کہ کامیابی حاصل کرنے کیلئے انسان کو سختیوں، مصیبتوں اور مشکلوں کا مقابلہ کرنا ضروری ہوتا ہے، مشقت اور تکلیف جھیلے بغیر کامیابی کی امید رکھنا درست نہیں ہے اس آیت میں سب سے بڑی بھلائی جنت کو قرار دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اتنی بڑی نعمت محنت کئے بغیر حاصل نہیں ہوتی بھلائی اور جنت کی راہ اس لئے مشکل بنادی گئی ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ کسے اسکی طلب اور

تڑپ ہے وہ اس مقصد کیلئے ہر ممکن کوشش کریگا اور وہ اسکی خاطر ہر شئے قربان کرنے کو تیار ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے پچھلی امتوں کا ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ کامیابی پانے والے ہمیشہ سے تنگی اور سختی کا مقابلہ کرتے چلے آئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ایمانداروں کو اذیت پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے اور اس حد تک ان پر ظلم کرتے ہیں کہ پیغمبر اور اسکے ایماندار ساتھی پکار اٹھتے ہیں کہ اے اللہ! اب تو ظلم وستم کی حد ہوگئی، آزمائش کی انتہاء ہوگئی، آپ کی مدد کب آئیگی، اللہ تعالیٰ نے ایسے ایمانداروں سے وعدہ کیا ہے کہ اسکی مدد انہیں ضرور پہنچے گی لیکن اس مدد کا ایک مقررہ طریقہ ہے پہلے آزمایا جاتا ہے جب وہ پورے ثابت قدمی سے جمے رہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں آخر کار کامیاب کرتا ہے اور حق کا دشمن ذلیل وخوار اور تباہ و برباد ہو کر رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: کیا تم تک پہلے لوگوں کے حالات نہیں پہنچے اگر نہیں پہنچے تو ذرا ان کے حالات معلوم کرلو تاکہ تمہیں پتہ چل جائے کہ ان پر کیسی کیسی سختیاں اور تکلیفیں آئیں اور وہ ہلا دیئے گئے تم گمان بھی نہیں کر سکتے ان تمام تر تکلیفوں کو برداشت کرنے کے بعد وہ جنت کے حقدار ہوئے مثلاً: حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کی تکالیف کو دیکھو، "صحیح بخاری شریف" اور حدیث کی دوسری کتابوں میں موجود ہے کہ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے ان کو کس طرح برداشت کیا اور پھر مکہ کے کافروں کی ان سزاؤں سے تنگ آکر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا حضور! کیا آپ ہمارے لئے دعا نہیں فرماتے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان مصائب سے نجات دلائے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم صبر کرو تم سے پہلے ایسے ایمان والے بھی گزرے ہیں جن کے سروں پر آرہ رکھ کر چیر دیا گیا مگر وہ اپنے دین پر قائم رہے، پھر ایسے لوگ بھی تھے جن کے بدنوں کے گوشت لوہے کے کنگھوں سے نوچ لیا گیا مگر وہ پھر بھی اپنے دین پر جمے رہے میں تم کو بتلا دینا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ معاملہ پورا ہو کر رہیگا، تب اسلام کو غلبہ حاصل ہوگا اور پھر امن امان کا وہ دور دورہ ہوگا کہ ایک عورت صنعاء سے تنہا حضر موت تک سفر کریگی مگر اسے سوائے خدا تعالیٰ کے کسی چیز کا خوف نہیں ہوگا۔

بَأْسَاءُ: سے مراد سختی ہے اور یہ اندرونی اور بیرونی ہر دو طریقے سے ہوسکتی ہے، جیسے تجارت میں نقصان

ہو گیا، فقر و فاقہ کی نوبت آ گئی، بیماری آ گئی، کوئی حادثہ پیش آ گیا۔ زُلْزِلُوْا: کا معنیٰ ہلا دیئے گئے، یعنی: پریشانی کے عالم میں ان پر لرزہ طاری ہو گیا، گھبراہٹ پیدا ہو گئی یہ سب آزمائش کی مختلف قسمیں ہیں جن سے پہلے لوگوں کو گزرنا پڑا۔

اللہ کے نیک بندوں پر بھی دشواریاں آتی ہیں ان پر بھی سخت مجبوری اور پریشانی کی حالت آتی ہے مگر یہ چیز ان کے بلند مرتبے کے خلاف ہے بعض اوقات انبیاء بھی پکار اٹھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کب آئیگی، تاہم اہل ایمان کی شان یہ ہے کہ وہ آزمائش میں ثابت قدم رہے۔

ایک حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ سب سے زیادہ سخت مصیبتیں پیغمبروں کو پہنچی ہیں ان کے بعد جو ان کے قریب تر ہیں، یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا یہ عرض کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئیگی کسی شک وشبہ کی وجہ سے نہ تھا جو ان کی شان کے خلاف ہے بلکہ اس سوال کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ مدد کا وعدہ فرمایا ہے مگر اسکا وقت اور مقام متعین نہیں فرمایا؛ اس لئے سخت مجبوری کی حالت میں ایسے لفظ عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ مدد جلد بھیجی جائے اور ایسی دعاء کرنا اللہ تعالیٰ پر بھروسے کے خلاف نہیں اور نہ ہی اس کے مرتبے کے خلاف ہے۔

کہاں خرچ کریں؟

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ ۭ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ

سوال کرتے ہیں آپ سے کیا چیز خرچ کریں آپ کہہ دیں جو کچھ تم خرچ کرو تم سے مال

فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ

لئے ماں باپ کے اور رشتہ داروں کے اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافروں کے ہے

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝۲۱۵

اور جو کچھ کرو گے تم کوئی بھلائی بیشک اللہ اس سے باخبر (۲۱۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں، آپ کہدیں! جو مال تم خرچ کرو پس وہ ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کیلئے ہے، اور جو کچھ تم بھلائی کرو گے، سو! وہ بیشک اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے۔ (۲۱۵)

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ: آپ ان سے کہدیں کہ تم خرچ کرو وہ ماں، باپ، رشتہ داروں، یتیموں، محتاجوں اور مسافروں کے لئے ہے اور جو کچھ تم بھلائی کرو گے، سو! وہ بیشک اللہ کو خوب معلوم ہے: یعنی: نیکی کا جو کام بھی کرو گے اللہ تعالیٰ کو وہ خوب معلوم ہے اور وہ تمہاری نیت تک کو جانتا ہے، لہٰذا وہ کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا بلکہ اسکو پورا پورا اجر عطا کرتا ہے لہٰذا لازم ہے کہ اسی کے دیئے ہوئے مال کو اسی کی رضا کی خاطر خرچ کر کے اسکی خوشنودی حاصل کرلو۔

احکام ومسائل

یہاں پر مال خرچ کرنے سے مراد زکوٰۃ کا مال نہیں بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ مال خرچ کرنا مراد ہے۔

مسئلہ:..... نفلی صدقہ میں اسکی رعایت ضروری ہے کہ جو مال اپنی ضرورتوں سے زیادہ ہو وہی خرچ کیا جائے اپنے گھر والوں کو تنگی میں ڈال کر خرچ کرنا ثواب نہیں، اسی طرح جس کے ذمہ کوئی قرض ہے اور وہ قرض ادا نہ کرے اور نفلی صدقہ اور خیرات میں خرچ کرتا رہے یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔

جنگ کا حکم

تَكْرَهُوْا	اَنْ	وَ عَسٰٓى	لَّكُمْ	وَ هُوَ كُرْهٌ	الْقِتَالُ	عَلَيْكُمُ	كُتِبَ
بری لگے تمہیں	کہ	اور شاید	تمہیں	اور وہ بری لگتی ہے	لڑائی	پر تم	فرض کی گئی

شَيْـًٔا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ عَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ شَرٌّ

ایک چیز اور وہ بہتر ہو لئےتمہارے اور شاید کہ پسند کرو تم کوئی چیز اور وہ بری ہو

ع ۲۶ ۶ ۱۰ لَّكُمْ ۗ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾

لئےتمہارے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (۲۱۶)

بامحاورہ ترجمہ: ۔تم پرلڑائی فرض ہوئی اور وہ تمہیں بری لگتی ہے اور شاید تمہیں ایک چیز بری لگے اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور شاید کوئی چیز تمہیں پسند آئے اور وہ تمہارے لئے بری ہو اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے ۔(۲۱۶)

تفسیر

انسان کو سب سے زیادہ پیاری شے اپنی زندگی ہوتی ہے اسکا خاتمہ اسے ناپسند اور ناگوار معلوم ہوتا ہے جنگ میں جان کا جاتے رہنا زندگی سے ہاتھ دھوبیٹھنا عام ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آگاہ کردیا کہ اس جنگ کے نتیجے اور بعد میں ملنے والے فائدے بہت زیادہ ہیں؛ اس لئے اگر عارضی طور پر ناگواری کو برداشت کرلیا جائے اور گزرجانے والے نقصان کو سہہ لیا جائے تو اسکا پھل بہت میٹھا اور اعلیٰ ملے گا۔

"ممکن ہے تم کسی چیز کو پسند نہ کرو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو اسی طرح یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لئے بری ہو" اسکی دلیل یہ ہے کہ تم اپنے برے بھلے کو نہیں جانتے تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے حق میں بہتر کیا ہے اور برا کیا ہے، البتہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اچھا کیا اور برا کیا ہے جب حقیقت یہ ہے تو جیسے جیسے وہ کہتا ہے اور جو جو وہ حکم دیتا ہے کئے جاؤ اسمیں تمہارا بھلا ہی بھلا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا میں سب سے مشکل کام جان و مال کو خطرہ میں ڈالنا ہے اور جنگ میں یہ دونوں خطرے درپیش ہوتے ہیں، انسان جان و مال جیسی عظیم شے کو آسانی سے قربان کرنے کیلئے تیار نہیں ہوسکتا ہے، ہاں! اسے اگر یہ معلوم ہوجائے کہ یہ زندگی اور اس زندگی کا یہ سارا ساز و سامان عارضی ہے ہمیشہ کی زندگی اور

مستقل آرام اسکے بعد نصیب ہوگا تو پھر اس کے لئے جہاد کرنا آسان معلوم ہوتا ہے۔

دوسرے اگر انسان کو یقین ہو جائے کہ میرا نفع ونقصان میرا خالق و مالک مجھ سے بہتر سمجھتا ہے بلکہ میں کچھ بھی سمجھ نہیں رکھتا تمام حکمتیں اور بھلائیاں اسی کے اختیار میں ہیں اور وہ جو کچھ کہتا ہے میرے بھلے کیلئے ہی کہتا ہے اس صورت میں انسان جان و مال قربان کرنے کو تیار ہو جائیگا۔

جان کی بازی لگا کر دشمن کیساتھ جنگ لڑنا کوئی معمولی بات نہیں اور اسکا طبیعت پر ناگوار گزرنا بھی قدرتی بات ہے مگر اسکے نتیجے بہت اچھے ہیں پر غور کرنے سے معلوم ہوگا لیکن اگر دشمن سے جہاد نہ کیا جائے تو پھر جان مال، عزت وآبرو، ہر چیز چھن جائیگی حتیٰ کہ عورتیں اور بچوں کی بے حرمتی تک ہوگی، ظاہر ہے کہ اس قسم کا نتیجہ بہت ہی برا ہوگا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جہاد فرض کر کے مسلمان کو مشقت میں نہیں ڈالا بلکہ اس کے برے نتیجوں سے بچایا ہے۔

احکام ومسائل

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ: یعنی: تم پر جہاد فرض کیا گیا فرض کفایہ ہے مسلمانوں کی ایک جماعت اس فرض کو ادا کر دے تو باقی مسلمان اس کی فرضیت سے بری الذمہ ہو جائیں گے جہاد کی ضرورت کے باوجود اگر کسی زمانہ یا کسی ملک میں کوئی جماعت بھی جہاد ادا کرنے والی نہ رہے تو سب مسلمان اس فرض کو چھوڑنے سے گنہگار ہو جائیں گے، حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔

"صحیح بخاری ومسلم" کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جہاد میں شریک ہونے کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے عرض کیا کہ ہاں زندہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: پھر جاؤ! ماں باپ کی خدمت کر کے جہاد کا ثواب حاصل کرو، اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ جہاد فرض کفایہ ہے جب مسلمانوں کی ایک جماعت جہاد کے فرض کو قائم کئے ہوئے ہو تو باقی مسلمان دوسری خدمتوں اور کاموں میں لگ سکتے ہیں، ہاں! اگر کسی وقت امام المسلمین ضرورت سمجھ کر جہاد کا اعلان

عام کا حکم دے، یعنی: سب مسلمانوں کو شرکتِ جہاد کی دعوت دے تو پھر جہاد سب پر فرض عین ہو جاتا ہے۔

مسئلہ (۱):.... اسی لئے جب تک جہاد فرض کفایہ ہو اولاد کو بغیر ماں باپ کی اجازت کے جہاد میں جانا جائز نہیں۔

مسئلہ (۲):.... جس شخص کے ذمہ کسی کا قرض ہو وہ جب تک قرض ادا نہ کر دے اس فرض کفایہ میں حصہ لینا درست نہیں، ہاں! اگر کسی وقت نفیرِ عام کے سبب **یا** کفار کے نرغہ کے باعث جہاد سب پر فرض عین ہو جائے تو اس وقت نہ والدین کی اجازت شرط ہے نہ بیوی کیلئے شوہر کی اور نہ مقروض کیلئے قرض خواہ کی۔

حرمت والے مہینہ میں جنگ

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ

پوچھتے ہیں آپ سے مہینہ حرام لڑنا اس میں کہدیں لڑائی اس میں

كَبِيْرٌ ؕ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ

بڑا گناہ ہے اور روکنا سے راستے اللہ کے اور کفر سے اور (روکنا) مسجد حرام سے

وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ

اور نکال دینا لوگ اسکے سے اس بڑا گناہ نزدیک اللہ کے اور فتنہ بڑھ کر ہے سے

الْقَتْلِ ؕ وَ لَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ

قتل اور نہ جاری رکھیں گے تم سے لڑنا یہاں تک کہ پھیر دیں تمہیں سے دین تمہارے

اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ

اگر قابو پائیں اور جو کوئی پھرے میں سے تم سے دین اپنے پھر مر جائے اور

هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ

ہو وہ کافر تو ایسوں کے ضائع ہوئے عمل ان کے میں دنیا اور آخرت اور

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

وہ والے ہیں آگ وہ میں اس ہمیشہ رہیں گے (۲۱۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ تجھ سے حرمت کے مہینے پوچھتے ہیں اس میں لڑنا کیسا ہے، کہدے کہ اس میں لڑائی بڑا گناہ ہے، اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اسے نہ ماننا اور مسجد حرام سے روکنا، اور اس کے لوگوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ گناہ ہے، اور فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے، اور کفار تو ہمیشہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر قابو پائیں تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں، اور تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھرے پھر کفر کی حالت ہی میں مرجائے تو ایسے لوگوں کے عمل دنیا اور آخرت میں ضائع ہوئے اور وہ لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۲۱۷)

تفسیر

الشَّهْرِ الْحَرَامِ: حرمت والا مہینہ۔ قمری سال کے چار مہینے، محرم، رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ، عربوں کے نزدیک بڑے برکت والے اور پاک مہینے سمجھے جاتے تھے اگرچہ قتل وغارت گری ان کا پیشہ تھا لیکن چار مہینے میں وہ ہر قسم کی جنگ بند رکھتے تھے یہاں خاص طور پر "اشھر الحرام" سے مراد رجب کا مہینہ ہے۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ۲ھ میں ایک مرتبہ سفر کے دوران میں بعض صحابہ کا مشرکوں سے ٹکراؤ ہوگیا اور جنگ میں ایک مشرک مارا گیا ان اصحاب کے نزدیک یہ جنگ جمادی الثانیہ کی تیس تاریخ کو ہوئی کہ حرمت کا مہینہ نہیں تھا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ جمادی الثانیہ کا چاند ۲۹ کا ہوگیا تھا اور جس دن جنگ لڑی گئی وہ رجب کی پہلی تاریخ تھی جو کہ حرمت والا مہینہ تھا اس غلطی کو جو انجانے میں ہوگئی تھی کافر اور مشرکوں نے خوب اچھالا اور طعنہ دینے لگے کہ دیکھو! مسلمان اب ان مہینوں کا بھی احترام نہیں کرتے، رجب کے مہینے میں بھی جنگ شروع کردی اس پر وہ صحابی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ یہ غلطی بے خبری میں ہوگئی

ہے اب کیا حکم ہے اس پر آیت اتری اور مسلمانوں کو بتایا گیا کہ حرمت والے مہینوں میں جنگ بری بات ہے لیکن یہ اس صورت میں جب یہ گناہ جان بوجھ کر کیا جائے اور حرمت والے مہینہ کا پتہ ہونے کے باوجود جنگ لڑی جائے اور یہ جنگ جو مسلمانوں نے لڑی ہے یہ جان بوجھ کر نہیں لڑی بلکہ اسمیں ان سے بھول ہوگئی تھی۔

علماء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ اب بھی جب کبھی کافر حرمت والے مہینے میں جنگ شروع کریں تو مسلمان اپنی حفاظت کے لئے دفاعی اور جوابی جنگ لڑ سکتے ہیں، ان کے حملے کا جواب دے سکتے ہیں؛ اس لئے کہ ان مہینوں کی حرمت کے مقابلہ میں انسانی جانیں زیادہ حرمت والی ہیں ان کا بچانا زیادہ ضروری ہے ان برکت والے مہینوں میں جنگ کرنا اگرچہ برا ہے لیکن اس سے بھی زیادہ بری وہ باتیں ہیں جو کافر کرتے ہیں، مثلاً: اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لانا، ایک سے زیادہ معبودوں کی پوجا کرنا، آخرت کو نہ ماننا، فتنہ وفساد پھیلانا، لوگوں کو ان کے گھروں سے نکال دینا، کیونکہ جنگ سے زیادہ بری ہیں، خود کافر اپنی حرکتوں پر نظر نہیں کرتے انہوں نے مسلمانوں کی انجانی غلطی پر انہیں طعنے دینے شروع کر دیئے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ: اگرچہ حرمت والے مہینہ میں جنگ کرنا گناہ ہے لیکن اسکے مقابلہ میں وہ گناہ بڑے ہیں جو وہ خود کرتے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

صَدٌّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ: اللہ کی راہ سے روکنا: یعنی: لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکنا اور جو اسلام قبول کرلیں انہیں تکلیفیں پہنچانا، جو ارادہ کررہے ہوں انہیں دھمکیاں دینا، مکہ کے کافر یہ تمام گناہ کرتے تھے وہ لوگوں کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے سے روکتے تھے جو لوگ مسلمان ہوجاتے انہیں بہت مارتے پیٹتے، گرم پتھروں پر لٹاتے، جب مکہ معظّمہ سے نکل جانے کا ارادہ کرتے تو انہیں جانے سے بھی روکتے۔

اَلۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ: خانہ کعبہ۔ اللہ تعالیٰ کا یہ گھر عبادت کیلئے تھا مگر اس جگہ کافروں نے بیشمار بت رکھ چھوڑے تھے مسلمان بیت اللہ کو بتوں سے پاک کرنا چاہتے تھے لیکن کافر مسلمانوں کو بیت اللہ میں داخل ہونے سے روکتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں رکاوٹ ڈالتے تھے۔

اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ: مکہ کے کافروں نے مسلمانوں پر اس قدر سختیاں کیں اور اتنے ظلم ڈھائے کہ ان بیچاروں کو آخر مکہ مکرمہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا، غریب بے کس مسلمانوں نے اپنے گھر بار چھوڑ کر مدینہ منورہ میں پناہ لی اور سب کچھ چھوڑ کر صرف جانیں لیکر بھاگے یہ کس قدر بڑا گناہ ہے جو مکہ والوں نے ان کے ساتھ کیا۔

اَلْفِتْنَةُ: فساد، غارت گری، دین سے ہٹانا، مکہ کے کافر یہ سب خرابیاں کر رہے تھے مگر ان کی اپنے ان جرموں پر نظر نہ تھی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جب حالات یہ ہوں تو قتال فرض ہے۔

فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ: اس آیت میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان کافروں کے دباؤ آ کر اسلام چھوڑ کر کفر کی طرف لوٹ جائیگا اور مرتے دم تک کفر ہی پر اڑا رہے تو اسکے تمام نیک عمل ضائع ہو جائیں گے اس دنیا میں بھی اس کو قتل کی سزا ملے گی اور قیامت میں بھی دوزخ کے عذاب کی سزا ملے گی۔

ایمان، ہجرت اور جہاد

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ

بیشک جو ایمان لائے اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد میں راستے اللہ کے

اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾

وہ امیدوار ہیں رحمت اللہ کی کے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے (۲۱۸)

بامحاورہ ترجمہ: بیشک وہ لوگوں جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۲۱۸)

تفسیر

پچھلی آیتوں سے ان صحابیوں کو جنہوں نے بھول کر پاک مہینے میں ایک کافر کو قتل کر دیا تھا، یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ ان پر کوئی گناہ نہیں لیکن انہیں اس بارے میں کچھ فکر تھا کہ معلوم نہیں اس جہاد کا ثواب بھی ملے گا یا

نہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ ایمان لائے، جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے دشمنوں سے لڑے وہ بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اجر و ثواب کے حقدار ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی خطائیں بخشنے والا اور ان پر رحمت کرنے والا ہے، وہ اپنے اس قسم کے عبادت گزار بندوں کو اپنی رحمت سے محروم نہ کریگا، اس آیت سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ کافر اور مشرک مسلمانوں کو ان کے دین سے پھیرنے کی ہر ممکن کوشش کرینگے، انہیں تکلیفیں پہنچائیں گے، انہیں وطن سے نکال دینگے، ان سے جنگ کرینگے، لیکن مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ہمت نہ ہاریں وہ اپنے ایمان پر ڈٹے رہیں اگر کافر مسلمانوں کو جلاوطن کردیں، ان سے جنگ کریں تو مسلمانوں کو ان کا مقابلہ ڈٹ کر کرنا چاہئے۔

شراب اور جوا

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ

پوچھتے ہیں آپ سے سے شراب اور جوئے کے آپ کہدیں! ان دونوں میں گناہ ہے بڑا اور

مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ

فائدے ہے لوگوں کے اور گناہ ان دونوں کا بڑا ہے سے فائدے ان دونوں کے اور پوچھتے ہیں آپ سے

مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ

کہ کیا خرچ کریں کہدیں کہ (خرچ کریں) جو اپنے خرچ سے بچے اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ لئے تمہارے

الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ۙ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ

حکم تاکہ تم فکر کرو (۲۱۹) میں دنیا اور آخرت

بامحاورہ ترجمہ: آپ سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیں! ان دونوں میں گناہ بڑا ہے اور لوگوں کے لئے ان میں فائدے ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے اور آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں آپ کہدیں وہ خرچ کرو جو اپنی ضرورت سے بچے، اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے حکم بیان

کرتا ہے تا کہ تم فکر کرو۔ (۲۱۹) دنیا اور آخرت کی باتوں میں۔

تفسیر

بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے شراب اور جوئے کی بابت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ ایسی چیز جو عقل اور مال و دولت کو برباد کرنے والی ہے اسکے بارے میں کیا حکم ہے؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور تعلیم و تربیت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ایسی ناپاک اور گندی چیزوں کے بارے میں نفرت کا پیدا ہونا ضروری تھا وہ سمجھ گئے تھے کہ جن نیکیوں اور خوبیوں کا حکم اسلام دیتا ہے ان کے حاصل کرنے میں جوئے اور شراب جیسی چیزیں رکاوٹ ہیں۔

شراب ایک ہی مرتبہ میں حرام نہیں کی گئی بلکہ آہستہ آہستہ حرام کی گئی ہے اس کے بارے میں حکم مختلف موقعوں پر اترتے رہے، یہاں تک کہ چوتھے مرحلہ پر اس کو حرام قرار دیدیا گیا، حدیثوں میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس معاملے میں اکثر فکر رہتی تھی اور وہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! ہمارے لئے شراب کے بارے میں کوئی واضح حکم اتار، چنانچہ اب چوتھے مرحلے میں "سورۃ مائدہ" کی یہ آیت اتری جس میں شراب حرام قرار دیدیا گیا۔

موجودہ زمانے کے لوگ شراب کے حرام ہونے کا انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ بعض دوسری چیزوں کی طرح اس پر حرام ہونے کا واضح حکم نہیں لگایا گیا، جیسے مردار، خون وغیرہ کے متعلق فرمایا کہ: تمہارے اوپر مردار اور خون کو حرام کیا گیا مگر اس آیت میں لفظ "فَاجْتَنِبُوْهُ" آیا ہے، یعنی: اس سے اجتناب کرو، حالانکہ اگلی ہی آیت میں مزید وضاحت کردی گئی ہے کہ شیطان شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈالنا چاہتا ہے، پس! ان چیزوں سے باز آجاؤ، باز آنے کا حکم دینا حرام ہونے کی وجہ سے ہے۔

بہر حال "سورۃ مائدہ" کی آیت اترنے پر شراب حرام ہوگئی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مکمل طور پر اس کو چھوڑ دیا اس کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"شراب پینے والا، پلانے والا، نچوڑنے والا، بنانے والا، اٹھا کر لے جانے والا، جس کی طرف اٹھا کر لے جایا جائے، اسکو بیچنے والا اور اسکی کمائی کھانے والا سب لعنتی ہیں"۔

الْمَيْسِرِ: اسکا مادہ: "یُسر" ہے اور "یُسر" آسانی کو کہتے ہیں، جوئے کے ذریعے کوئی شخص بغیر محنت ومشقت، صنعت وتجارت یا مزدوری وملازمت دوسرے کے مال پر قبضہ کرلیتا ہے؛ اس لئے اسکو "مَيْسِرِ" کہتے ہیں، جوئے کی یہی خباثت ہے کہ اس میں ایک دوسرے کا حق مارا جاتا ہے جس شخص کا داؤ چل گیا اسے بغیر کچھ کئے کرائے مال حاصل ہوگیا اور دوسرا شخص بیٹھے بٹھائے بلاوجہ محروم ہوگیا۔

قرآن مجید اترنے کے زمانہ میں جوا اتنا عام تھا کہ خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مورتیوں کے ہاتھوں میں جوئے کے تیر پکڑائے ہوئے تھے جس سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ یہ پیغمبر بھی جوا کھیلا کرتے تھے۔ العیاذ باللہ

اسلام نے شراب اور جوئے کو اس وجہ سے حرام قرار دیا ہے کہ اسکے فائدوں سے اسکی خرابیاں اور نقصانات زیادہ ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجئے! جو اپنی ضرورت سے زائد ہے وہ خرچ کریں اس سوال کا تعلق خرچ کی مقدار سے ہے۔

اس آیت سے ایک بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ اپنی ضرورت کو پہلے پورا کرتے ہوئے اس سے زائد مال کو خرچ کرو اگر خود اپنی اور اپنے بال بچوں کی جائز ضرورتیں موجود ہیں اور ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے بعد کچھ نہیں بچتا تو مت خرچ کرو، پہلے اپنی ضرورتیں پوری کرو، اپنی ضرورتوں کو چھوڑ کر حق تلفی نہ کرو، ہاں! بعض خاص حضرات ہوئے ہیں جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جنکو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا صبر کا مادہ عطا کیا تھا تو ایسے شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں سب کچھ قربان کرسکتے ہیں مگر جو شخص صبر کے اس مرتبہ پر نہ ہو اسے اپنی ضرورتوں کو پہلے پورا کرنا چاہئے۔

یتیموں کی اصلاح

وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰی ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ ؕ وَ اِنْ
اور پوچھتے ہیں آپ سے بابت یتیموں کے آپ کہہ دیں سنوارنا کام ان کے بہتر ہے اور اگر

تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ
تم ان کو ملا لو اپنے ساتھ تو بھائی ہیں وہ تمہارے اور اللہ جانتا ہے فساد پھیلانے والے کو سے اصلاح کرنے والے

وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۰﴾
اور اگر چاہتا اللہ تو مشقت ڈالتا تم پر بیشک اللہ زبردست حکمت والا (۲۲۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور آپ سے یتیموں کے بارے میں حکم پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیں کہ! ان کے کام کا سنوارنا بہتر ہے اور اگر ان کا خرچ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ فساد کرنے والے اور اصلاح کرنے والے کو جانتا ہے، اور اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم پر مشقت ڈالتا، بیشک اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔ (۲۲۰)

تفسیر

یہ آیت ان صحابہ کے سوال کے جواب میں اتری جن کی سرپرستی میں یتیم بچے پرورش کیلئے دیئے گئے تھے، بعض لوگ یتیموں کے مال میں احتیاط نہ کرتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری "وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ" کے مال کے قریب نہ جاؤ سوائے اچھے طریقے کے، اس پر جو لوگ یتیموں کے سرپرست تھے ڈر گئے، اور ان کے خرچ کو بالکل جدا کر دیا، خرچ الگ کرنے میں یہ تکلیف پیش آئی کہ یتیموں کیلئے جو کھانا تیار کیا جاتا اس میں سے اگر کچھ بچ رہتا تو وہ خراب ہو جاتا اس احتیاط میں یتیموں کا نقصان ہونے لگا؛ اس لئے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یتیموں کے خرچ کا کیا نظام رکھا جائے، اپنے حساب میں شامل رکھا جائے یا ان کا حساب بالکل الگ رہنے دیا جائے۔

اس آیت میں یہ جواب دیا گیا ہے کہ اصل مقصد تو یتیموں کی بھلائی ہے جس طرح بھی ممکن ہو کوئی تدبیر اختیار کرلو نیت اور ارادہ صرف یتیم کی بہتری ہو خواہ خرچہ ساتھ ہو یا جدا۔

مقصد اس آیت کا یتیموں کے مال کی حفاظت اور ان کی بھلائی ہے ان کی حیثیت تمہارے بھائیوں کی سی ہے، حفاظت اور ان کی بھلائی ہو، سو! جس طرح بھی ہو اسی طرح کرلینا چاہئے، اگر یتیم کا فائدہ اسمیں ہو کہ اسکا حساب علیحدہ رکھا جائے تو یوں کرلینا چاہئے اگر اس کا فائدہ اس میں ہو کہ اسکا مال اپنے مال سے ملالیا جائے تو اسمیں بھی کچھ مضائقہ نہیں آخر وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

پرانی تہذیبوں میں اور ان کے علاوہ موجودہ کئی قوموں میں یتیموں کو نہایت حقیر اور ذلیل سمجھا جاتا ہے لیکن اسلام نے "فَاِخْوَانُکُمْ" یعنی: تمہارے بھائی کہہ کر بتادیا کہ انسان ہونے کے لحاظ سے ان میں اور تم میں کوئی فرق نہیں وہ تمہیں ایسے ہی عزیز ہونے چاہئیں جیسے تمہارے بھائی تمہیں عزیز ہیں انہیں ترقی کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے ان کی راہ میں کسی طرح بھی روڑے نہیں اٹکانے چاہئیں بلکہ ان کے مقصد کو حاصل کرنے میں ان کی مدد کرنی چاہئے جس طرح بھائی اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے؛ اس لئے ہر حال میں تمہیں ان کی اصلاح و درستی پیش نظر رکھنی چاہئے اور اس کیلئے کوئی سا بھی طریقہ جو تم پسند کرو اسے اختیار کرو اللہ تعالیٰ سب کی نیتیں جانتا ہے اور خوب سمجھتا ہے کہ کون فسادی اور کون اصلاح کرنے والا ہے۔

اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا کہ اگر وہ چاہتا تو یتیموں کے بارے میں وہ تمہیں سخت حکم بھی دے سکتا تھا جو تمہیں پورے کرنے پڑتے اس لئے کہ وہ زبردست اور غالب ہے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا کیونکہ وہ ہر حکم کی مصلحت سمجھتا ہے وہ ایسے حکم نہیں دیتا جو تم پر مشکل ہوں۔

مشرک عورت سے نکاح

وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ

اور نہ نکاح کرو مشرک عورتوں سے یہاں تک کہ ایمان لائیں وہ اور البتہ لونڈی ایمان والی بہتر ہے

مِّنۡ مُّشۡرِكَةٍ وَّ لَوۡ اَعۡجَبَتۡكُمۡ ۚ وَ لَا تُنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ

سے مشرک بیوی اور اگرچہ بھلی لگے تمہیں اور نہ نکاح کرو مشرکوں سے

حَتّٰى يُؤۡمِنُوۡا ؕ وَلَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكٍ وَّ لَوۡ اَعۡجَبَكُمۡ ؕ

یہاں تک کہ ایمان لائیں وہ اور البتہ غلام ایمان والا بہتر ہے سے مشرک اور اگرچہ بھلا لگے تمہیں

اُولٰٓئِكَ يَدۡعُوۡنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدۡعُوۡٓا اِلَى الۡجَنَّةِ وَ الۡمَغۡفِرَةِ

وہ بلاتے ہیں طرف آگ کے اور اللہ بلاتا ہے طرف جنت اور بخشش

بِاِذۡنِهٖ ۚ وَ يُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ ﴿۲۲۱﴾ ۲۷ ع ۵ ۱۱

ساتھ اپنے حکم اور بیان کرتا ہے آیتیں اپنی بے لوگوں کے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں (۲۲۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور مشرک عورتوں سے نکاح مت کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں، اور البتہ ایمان والی لونڈی مشرک بیوی سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں بھلی لگے، اور مشرک مردوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں، البتہ مسلمان غلام مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں بھلا لگے وہ (مشرک) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے جنت اور بخشش کی طرف بلاتے ہیں اور لوگوں کو اپنی نشانیاں بتلاتے ہیں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔(۲۲۱)

تفسیر

اہلِ کتاب عورتوں، یعنی: یہودی یا عیسائی عورتوں سے نکاح جائز ہے جس کی اجازت شریعت میں باقاعدہ موجود ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرک عورتوں کیساتھ نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے اس حکم کی اور وضاحت یہ ہے کہ:

(۱)....ہندو، سکھ یا آگ کی پوجا کرنے والی عورت سے نکاح درست نہیں۔

(۲)....اہل کتاب عورتوں سے نکاح جائز ہے لیکن بہتر نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے ناپسند فرمایا ہے

حدیثوں میں بھی دیندار عورت سے ہی نکاح کرنے کی ترغیب اور تاکید موجود ہے۔

غرض! ہر اس عورت سے نکاح ناجائز ہے جو مشرک ہو، البتہ قرآن کی دوسری آیت میں اہلِ کتاب سے نکاح کو جائز رکھا گیا ہے اسلام نے نکاح کے سلسلہ میں ذات، نسل، رنگت وغیرہ کی قید نہیں لگائی بلکہ صرف ایمان والی ہونے کی شرط لگائی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: مشرک عورت میں خواہ تمام خوبیاں موجود ہوں اسمیں ظاہری طور پر ہر طرح کی کشش موجود ہو لیکن جب اس میں ایمان کی نہیں تو مسلمان کیلئے کوئی کشش نہیں ہونی چاہئے اس کے مقابلہ میں اگر ایک مسلمان عورت خواہ باندی ہی ہو تو اسے نکاح میں لانا زیادہ بہتر ہے۔

ایک مشرک یا غیر مسلم عورت کی پسندیدگی کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں، مثلاً: یہ کہ وہ مال دار ہو، بہت سی جائداد کی مالکہ ہو، حسین وجمیل ہو، تعلیم یافتہ ہو، اعلیٰ خاندان سے ہو، بہت سلجھی ہوئی ہو، لائق ہو، شوہر کی فرمانبردار، لیکن ایک ایماندار عورت کے مقابلے میں اس مشرکہ کی یہ تمام خوبیاں کچھ بھی نہیں جبکہ اس مشرکہ کی زندگی کے بنیادی اصول غلط ہیں۔

اس کے مقابلہ میں ایک مومنہ لونڈی کو پسند نہ کرنے کی کئی ایک وجوہات ہوسکتی ہیں، مثلاً: بدصورتی، غربت یا ان پڑھ اور باندی ہونا لیکن ان سب باتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی لونڈی اپنے ایمان کی بدولت مشرکہ عورت سے بہتر ہے؛ اس لئے نکاح کیلئے ایسی عورت کو ترجیح دینے کا حکم دیا ہے۔

لَا تُنْكِحُوا: نکاح نہ کرو: یہاں خطاب مردوں سے ہے کہ تم اپنی لڑکیوں کو کافروں کے نکاح میں نہ دو یہ حکم خود عورتوں کو براہ راست نہیں مل رہا کہ تم کافروں کے نکاح میں نہ جاؤ، وجہ ظاہر ہے کہ لڑکی کا نکاح ہمیشہ باپ یا کسی مرد سرپرست کے ذریعے ہی ہوتا ہے، آیت کے پہلے حصہ میں مسلمانوں کو حکم تھا وہ کسی کافر یا مشرک عورت سے نکاح نہ کریں خواہ انہیں کتنی ہی پسند آتی ہو اس حصہ میں فرمایا کہ اپنی عورتوں کو بھی کافر مردوں کے نکاح میں ہرگز نہ دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔

احکام ومسائل

علماء کرام نے لکھا ہے کہ اگر شوہر پہلے سے مسلمان ہے اور خدانخواستہ بعد میں مرتد ہوگیا ہو تو مسلمان عورت اسی وقت اسکے نکاح سے باہر ہوجائیگی جو نکاح ابھی تک صحیح تھا ٹوٹ جائیگا اور یہ عورت عدت پوری کر کے کسی مسلمان مرد سے نکاح کرسکتی ہے، یہ بھی لکھا ہے کہ اگر میاں بیوی پہلے سے کافر ہیں اور عورت مسلمان ہوگئی تو اب نکاح کے باقی رہنے کی کوئی صورت نہیں سوائے اسکے کہ شوہر بھی اسلام قبول کر لے۔

یہاں پھر یہ واضح کردیا گیا کہ مشرک مرد خواہ تمہیں کتنا ہی بھلا لگے، کتنا ہی پسند آئے ہر حالت میں اس غیر مسلم سے مسلمان غلام بہتر ہے، کیونکہ مشرک سے شادی کے جو نتائج نکلتے ہیں وہ بہت بھیانک ہوتے ہیں مشرک مرد عقائد واعمال کی نہایت بری تعلیم دینگے اور تمہیں دوزخ کی آگ میں جھونکنے کا سبب بنیں گے۔

پہلی امتوں میں مؤمن مرد اور مشرکہ عورت یا مؤمنہ عورت اور مشرک مرد کا نکاح جائز تھا، نکاح کے معاملہ میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہ تھا، جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویاں مشرکہ اور کافرہ تھیں خود قرآن پاک نے گواہی دی ہے وہ دونیک بندوں کے نکاح میں تھیں مگر ان کا عقیدہ شرکیہ تھا، اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں اللہ تعالیٰ نے حکم اتار دیا کہ نہ مؤمن مرد مشرک عورت سے نکاح کرے اور نہ مؤمن عورت مشرک مرد سے نکاح کرے یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں ایسی صورت میں نکاح جائز ہوگا۔

اہل کتاب، یعنی: یہودیوں اور عیسائیوں کی عورتوں سے مسلمان مردوں کو نکاح کی اجازت کے بھی معنیٰ یہ ہیں کہ اگر نکاح کرلیا جائے تو نکاح صحیح ہوجائیگا لیکن حدیثوں سے پتہ چلتا ہے یہ بات پسندیدہ نہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مسلمان کو اپنے نکاح کیلئے دیندار عورت تلاش کرنا چاہئے تاکہ خود اس کے لئے بھی دین میں مددگار ثابت ہو اور اسکی اولاد کو بھی دیندار ہونے کا موقع ملے اور جب دین پر عمل نہ کرنے والی مسلمان عورت سے نکاح پسند نہیں کیا گیا تو کسی غیر مسلم سے کیسے پسند کیا جاتا یہی وجہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جب خبر پہنچی کے عراق وشام کے مسلمانوں میں کچھ ایسی شادیوں کی کثرت ہونے لگی ان کو اس سے روک دیا اور اس پر توجہ دلائی کہ اس

قسم کی شادیاں مسلمان گھرانوں کیلئے دینی اعتبار سے خرابی کا سبب ہیں اور آج کے غیر مسلم اہل کتاب یہودی وعیسائی اور ان کے سیاسی مکروفریب اور سیاسی شادیاں اور مسلم گھرانوں میں داخل ہوکر ان کو اپنی طرف مائل کرنا اور ان کے راز حاصل کرنا وغیرہ، جس کا اقرار خود بعض عیسائی مصنفین کی کتابوں میں میجر جنرل اکبر کی کتاب "حدیثِ دفاع" میں اسکی کچھ تفصیلات حوالوں کیساتھ موجود ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی فراست ان واقعات کو دیکھ رہی تھیں خصوصاً اس زمانہ کے یورپ کے اکثر وہ لوگ جو عیسائی یا یہودی کہلائے جاتے ہیں اور مردم شماری کے رجسٹروں میں ان کی قومیت عیسائی یا یہودی لکھی جاتی ہے اگر ان کے حالات کی تحقیق کی جائے تو ان میں بکثرت ایسے لوگ ملیں گے جن کو عیسائیت اور یہودیت سے کوئی تعلق نہیں وہ بالکل ملحد بے دین ہیں نہ عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں نہ انجیل کو، نہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان ہے نہ تورات پر، نہ خدا پر، نہ آخرت پر، ظاہر ہے کہ نکاح حلال ہونے کا قرآنی حکم ایسے لوگوں کو شامل نہیں ان کی عورتوں سے نکاح قطعاً حرام ہے، لہذا کسی بھی ملک کی شہریت حاصل کرنے کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں اس بات سے ہوشیار رہنا چاہئے۔

حیض کی حقیقت

وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ

اور پوچھتے ہیں آپ سے بابت حیض کے آپ کہہ دیں وہ گندگی ہے سو اتم الگ رہو عورتوں سے

فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ

میں حیض اور نہ قریب جاؤان کے یہاں تک وہ پاک ہوں پس جب وہ پاک ہوجائیں

فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ

پاس آؤ تم ان کے سے جہاں حکم دیا تمہیں اللہ نے بیشک اللہ پسند کرتا ہے توبہ کرنے والوں کو

وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

اور پسند کرتا ہے پاک رہنے والوں کو (۲۲۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیں! وہ گندگی ہے، سو! تم عورتوں سے حیض کے وقت الگ رہو یہاں تک وہ پاک ہوں ان کے قریب نہ جاؤ، پھر جب وہ پاک ہوجائیں تو ان کے پاس جاؤ، جیسے اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (۲۲۲)

لفظی تحقیق: مَحِيْضِ: حیض۔ حیض اس خون کو کہتے ہیں جو عورتوں کو ہر ماہ آتا ہے جسے گندگی کہا گیا ہے، دنیا کی دوسری قوموں نے بھی حیض کے خون کو گندگی قرار دیا ہے اور طب کے ماہروں کا بھی کہنا ہے کہ یہ ناقص خون ہے یہ خون رنگ بُو کے اعتبار سے بھی عام خون سے مختلف ہے۔

شانِ نزول

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایک طرف تو مجوسی اور یہودی حیض کے زمانہ میں عورت کے ہاتھ کا کھانا پینا بھی ناپاک سمجھتے تھے، بعض لوگ اس زمانہ میں عورت کو گھر میں رکھنا بھی جائز نہ سمجھتے تھے، ہندو آج بھی حیض کے زمانہ میں عورت کے ہاتھ کا پکا ہوا نہیں کھاتے، دوسری طرف عیسائی حیض کے دنوں میں بھی ہم بستری سے پرہیز نہ کرتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ: نہ تو حیض والی عورت سے اس قدر نفرت کرو کہ اس کو گھر میں نہ رہنے دیا جائے اور اسکے ہاتھ کا کھانا بھی ناپاک سمجھ لیا جائے، اور نہ اس قدر لاپروائی کرنی چاہئے کہ ہمبستری سے بھی پرہیز نہ کیا جائے بلکہ سیدھی راہ یہ ہے کہ اس حالت میں ہمبستری نہ کی جائے اسکے علاوہ ان کے ساتھ کھانا، پینا، رہنا سہنا سب درست ہے۔

البتہ یہودیوں کی طرح یہ بھی نہیں ہونا چاہئے کہ عورت کو بالکل ہی گھر سے الگ کردیا جائے کہ کسی کو ہاتھ

بھی نہ لگا سکے اسلام میں ایسا نہیں ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اس آیت میں عورتوں سے الگ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے ہمبستری نہ کرو اسکے علاوہ عورتیں کھانا پکا سکتی ہیں تم ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا سکتے ہو، ایک چارپائی پر لیٹ سکتے ہو، ان سے دوسری خدمات لے سکتے ہو، حدیث شریف میں آتا ہے کہ: حیض کی حالت میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک دھوتی تھیں، الغرض! اسلام نے اس معاملہ میں بہتر اور درمیانہ راستہ اختیار کیا ہے۔

تفسیر

فرمایا: حیض والی عورتوں کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں اور جب وہ اچھی طرح پاکیزگی حاصل کر لیں، یعنی: غسل کر لیں تو فرمایا کہ: پس! جاؤ ان کے پاس جہاں سے اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے، یعنی: جب عورتیں پاک صاف ہو جائیں تو پھر تم ہمبستری کر سکتے ہو۔

آخر میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اپنی پچھلی غلطیوں پر توبہ کرتے ہیں، ان پر شرمندہ ہوتے ہیں اور آئندہ اس غلطی کے کرنے سے پرہیز کرتے ہیں؛ اس لئے اگر کوئی شخص پہلے اس گناہ کو کرتا رہا ہے تو اسے فوراً توبہ کرنی چاہئے اللہ تعالیٰ پاکی اور طہارت حاصل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

فقہاء کرام فرماتے ہیں: عورتوں کے مخصوص خون تین قسم ہیں، ان میں سے پہلی قسم حیض کا خون ہے جو تندرست عورت کے رحم (بچہ دانی) سے ہر ماہ چند دن تک خارج نکلتا ہے اسکا نکلنا لازمی ہے اگر کسی وجہ سے یہ خون بند ہو جائے تو عورت طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتی ہے، گویا یہ خون عورت کی تندرستی کی علامت ہے جب تک عورت بالغ نہیں ہوتی خون شروع نہیں ہوتا شادی کے بعد جب حمل ٹھہر جاتا ہے تو یہی خون بچے کی خوراک بنتا ہے، للہذا حمل کے دوران بھی خارج نہیں ہوتا اس کے بعد بچہ جب تک دودھ پیتا ہے عموماً یہ خون رکا رہتا ہے اور پھر جب عورت بڑی ہو کر پہنچ جاتی ہے، یعنی: تقریباً پچاس سال کی عمر میں جا کر یہ خون ہمیشہ کیلئے بند ہو جاتا ہے۔

احکام ومسائل

مسئلہ (۱):.... حدیث شریف میں آتا ہے کہ حجۃ الوداع کے سفر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں جب آپ کا قافلہ مکہ معظمہ کے قریب سرف کے مقام پر پہنچا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ماہواری شروع ہوگئی حج کے دن قریب تھے اوران کو خدشہ پیدا ہوا کہ اس حالت کی وجہ سے وہ حج سے محروم نہ ہوجائیں، لہٰذا غم کی وجہ سے رونے لگیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا: گھبراؤ نہیں! تم احرام باندھ لو، حج کے تمام ارکان ادا کرو سوائے اس کے کہ طواف کو مؤخر کردو، کیونکہ اس کیلئے مسجدِ حرام میں جانا ضروری ہے اور وہاں ایسی حالت میں جانا جائز نہیں۔

مسئلہ (۲):.... حیض کی مدت کے متعلق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حیض کی مدت کم سے کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے اگر تین دن سے کم خون آ کر ختم ہوگیا تو وہ حیض شمار نہیں ہوگا، بلکہ کسی بیماری وغیرہ کا اثر ہوگا اسی طرح اگر دس دن سے زیادہ تک خون آتا رہا تو وہ بھی حیض شمار نہیں ہوگا بلکہ استحاضہ (بیماری) کا خون ہوگا۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ: اگر کوئی شخص حیض کی حالت میں عورت سے جماع کرتا ہے اور اسے حلال بھی جانتا ہے تو وہ کافر ہوگیا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے قطعی حکم کو توڑ دیا ہے اور لیکن اگر گناہ سمجھتے ہوئے بھی کرلیا تو گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوا ہے کافر نہیں ہوا، چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایسی غلطی کرنے والے کو توبہ کرنی چاہئے، استغفار کرے اور ایک دینار یا نصف دینار صدقہ دے۔

مسئلہ (۳):.... حیض والی عورت کیلئے حکم یہ ہے کہ وہ اس حالت میں نماز نہیں پڑھ سکتی، اسی طرح روزہ بھی نہیں رکھ سکتی، اس کیلئے نماز کی قضاء بھی نہیں ہے البتہ روزے کی قضاء لازم ہے، حائضہ عورت کا مسجد میں داخلہ منع ہے؛ اسی لئے طواف بھی نہیں کرسکتی، قرآن کریم کو ہاتھ نہیں لگاسکتی، حیض ونفاس والی عورت یا جنابت والی عورت یا مرد قرآن پاک کو نہ چھوسکتے ہیں اور نہ اسکی تلاوت کرسکتے ہیں، البتہ درود شریف پڑھ سکتے ہیں، دوسرے

وظیفے استغفار، بسم اللہ وغیرہ کا ورد کر سکتے ہیں۔

مسئلہ (۴):..... امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: کل مدت حیض دس دن گزرنے کے بعد اگر کوئی شخص عورت کے غسل کئے بغیر بھی ہمبستری کرے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ حکماً پاک ہے اور اگر ان دس دن سے کم پر خون بند ہو گیا ہے تو پھر جب تک عورت غسل نہ کر لے یا ایک نماز کا وقت نہ گزر جائے ہمبستری جائز نہیں ہو گی۔

بیوی کا درجہ

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَ قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

عورتیں تمہاری کھیتی ہیں تمہاری سو! آؤ کھیتی اپنی جس طرح چاہو تم اور نیکی آگے بھیجو واپنے واسطے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ تمہیں ملنا ہے اس سے اور خوشخبری سنا دیں ایمان والوں کو (۲۲۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں، سو! جس طرح چاہو اپنی کھیتی میں آؤ اور اپنے واسطے نیکی آگے بھیجو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جان رکھو کہ تمہیں اس سے ملنا ہے اور ایمان والوں کو خوش خبری سنا دیں۔ (۲۲۳)

لفظی تحقیق: حَرْثٌ: کھیتی: کھیت زمین کے اس ٹکڑے کو کہا جاتا ہے جس میں بیج بویا جاتا ہے اور اس میں سبزی غلہ اور نباتات پیدا ہوتے ہیں گویا بیوی تمہاری نسل بڑھانے اور اولاد پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیوی کی صحیح حیثیت واضح کر دی ہے، یعنی: یہ کہ بیوی مرد کی کھیتی ہے اور جس

طرح کسان اپنی کھیتی کو اپنی بہت بڑی دولت سمجھ کر عزیز رکھتا ہے اسکی نگرانی کرتا ہے، اسکی حفاظت کرتا ہے، اس سے پیداوار حاصل کرتا ہے، اسی طرح شوہر کو چاہئے کہ اپنی بیوی کو بھی اپنی عزیز ترین دولت سمجھے، اسکی مناسب نگرانی کرے اور اس سے اولاد حاصل کرے۔

فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ: پس آؤ! اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو۔ اس آیت میں عورت کو کھیتی کہکر اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھادی ہے کہ مرد کا نطفہ بمنزلہ بیج کے ہے اور اولاد بمنزلہ پیداوار کے ہے جس طرح زمین میں بیج ڈالا جاتا ہے اور اس سے فصل پیدا ہوتی ہے اسی طرح مرد کا نطفہ عورت کی بچہ دانی میں جاکر بچے کی پیدائش کا سبب بنتا ہے اب ظاہر ہے کہ اولاد تبھی ہوگی جب نطفہ آگے راستے سے رحم میں جائیگا، لہٰذا پچھلے راستے میں ہمبستری کو اس لئے حرام قرار دیا گیا ہے اور اسکے متعلق سخت وعید آئی ہے فرمایا، جس شخص نے عورت کیساتھ پچھلے راستے میں ہمبستری کی اس نے محمد کی شریعت کا انکار کردیا وہ باغی اور مجرم ٹھہرا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: "اَنّٰى شِئْتُمْ" سے جماع کی کیفیت مراد ہے، یعنی: تم جس طرح بھی پسند کرو، مثلاً لیٹ کر یا بیٹھ کر یا کروٹ کے بل یا پیچھے سے ہوکر مگر شرط یہ ہے کہ راستہ اگلا ہی استعمال ہو دوسرے راستے کے استعمال کی اجازت نہیں اللہ تعالیٰ نے یہاں پر کھیتی کا لفظ لاکر ان سب باتوں کی وضاحت فرمادی۔

وَ قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ: اور اپنے واسطے، آگے نیک عمل بھیجو، یعنی: ہمبستری کرنے سے فقط اس وقت کی لذت مقصود نہ رکھو بلکہ اس کے ذریعہ حرام کاری سے بچنے اور نیک اولاد پیدا کرنے کی نیت کرو۔

قسموں کا غلط استعمال

وَ لَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَ تَتَّقُوْا وَ تُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾

اور مت بناؤ اللہ کو نشانہ واسطے قسموں اپنی کے کہ نیک سلوک کرو اور پرہیزگاری کرو اور صلح کراؤ درمیان لوگوں کے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے (۲۲۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ کے نام کو اپنی قسموں کیلئے نشانہ مت بناؤ کہ نیک سلوک کرنے اور پرہیزگاری اور لوگوں میں صلح کرانے سے (بچ جاؤ) اور اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ (۲۲۴)

تفسیر

بعض لوگ کسی سے ناراض ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر یہ کہہ بیٹھتے تھے نہ اسکے پاس جائینگے اور نہ اس سے بولیں گے نہ اس سے اور اس سے لڑنے والوں کے درمیان صلح صفائی کرائینگے یہاں تک کہ قریشی رشتہ داروں میں بھی اس قسم کی ناچاقیاں پائی جاتیں اور پھر یہ قسمیں بہت سے نیک کام چھوڑ دینے کا بہانہ بن جاتیں جب کوئی کہتا ان کاموں کو کیوں کرنا چھوڑ دیا تو یہی بہانہ پیش کر دیتے کہ ہم تو اس کام کی قسم کھا چکے ہیں۔

نیک کاموں کو چھوڑ دینا تو ویسی ہی برا تھا، چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ کا بزرگ و برتر نام لیکر نیک کاموں کو چھوڑنے کی صورت پیدا کی جائے۔

علماء کرام نے بے ضرورت اور کثرت سے قسمیں کھاتے رہنے کو یوں بھی ناپسند کیا ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی بے احترامی ہوتی ہے اور برے کام کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کا نام لینا تو اور بھی برا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا مالک اور عظمت وجلال والا ہے، اسکا نام بھی بڑی شان اور بزرگی والا ہے اس قدر اونچے نام کو نیکی کے کام چھوڑنے کے لئے استعمال کرنا نہایت برا ہے اللہ تعالیٰ نیک کام سے نہیں روکتا اس لئے یہ عذر بالکل بے معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کی قسم ایسے کاموں کیلئے ہرگز نہ کھانا چاہئے اور اگر غلطی سے کبھار کھی ہو تو اسے توڑ کر کفارہ دیدینا چاہئے۔

قسم اٹھانا کوئی اچھی بات نہیں ہے اگر کوئی سچا ہو اور قسم اٹھائے بغیر کوئی چارہ بھی نہ ہو تو ایسی صورت میں قسم اٹھانے کی اجازت ہے اور اس میں شرط یہ ہے کہ قسم اللہ تعالیٰ کے کسی نام یا اسکی صفت کیساتھ اٹھائی جائے، کسی انسان، جنّ، پیغمبر یا کسی اور چیز کی قسم نہیں اٹھانی چاہئے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے غیر اللہ کی

قسم اٹھائی اس نے شرک کیا لہٰذا بہتر یہی ہے کہ قسم اٹھانے سے پرہیز کیا جائے۔

لغو قسمیں

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ

نہیں پکڑتا تمہیں اللہ بے ہودہ میں قسموں تمہاری اور لیکن پکڑتا ہے تمہیں

بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

بسبب ان کے جن کا ارادہ کیا دلوں تمہارے نے اور اللہ بخشنے والا حوصلے والا ہے (۲۲۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں پکڑتا تمہاری بیہودہ قسموں میں لیکن ان قسموں میں تمہیں پکڑتا ہے جن کا ارادہ تمہارے دلوں نے کیا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا حوصلے والا ہے۔ (۲۲۵)

تفسیر

پہلی آیت میں ذکر ہورہا تھا کہ نیک سلوک، نیکوکاری، پرہیزگاری اور صلح صفائی کے کاموں کو محض اللہ تعالیٰ کے نام کی غلط قسموں کا بہانہ بنا کر ترک نہ کرو ایسی قسمیں کوئی معنی نہیں رکھتی ہیں، مثلاً: کوئی کہے اللہ کی قسم میں آئندہ مسجد میں نماز نہ پڑھونگا، یہ غلط قسم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو نماز مسجد میں ادا کرنے کا حکم دیتا ہے اور یہ شخص خود اللہ تعالیٰ کا نام اس کام سے باز رہنے کیلئے استعمال کر رہا ہے۔

قسم کی تین قسمیں

پہلی قسم یمین لغو ہے، جو بغیر ارادے کے زبان سے نکل جائے ایسی قسم پر کوئی پکڑ نہیں اور نہ ہی کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے، اس پر آخرت میں بھی کوئی سزا نہیں، ہاں! اگر دل کے ارادے سے قسم اٹھائی جائے ایسی قسم پر یقیناً پکڑ ہوگی۔

دوسری قسم یمین غموس ہے، جس کا معنیٰ گناہ میں ڈبو دینے والی جھوٹی قسم، اگر کوئی شخص کسی گذشتہ واقعہ کے متعلق غلط قسم اٹھاتا ہے مثلاً: یہ کہ فلاں شخص میرے پاس آیا تھا مگر حقیقت میں وہ نہیں آیا تھا تو ایسی قسم غموس کہلاتی ہے اس میں اگر چہ کفارہ نہیں ہے مگر قسم اٹھانے والا گنہگار ہوتا ہے اور آخرت میں اس پر سزا ملے گی۔

قسم کی تیسری قسم یمین منعقدہ ہے، یعنی: کوئی شخص آنے والے زمانہ کیلئے قسم اٹھائے کہ میں فلاں کام کروں گا یا فلاں کام نہیں کرونگا اگر ایسی قسم جائز کام سے متعلق ہے اور اس نے قسم کو پورا بھی کر دیا تو وہ بری ہو گیا اگر اس نے قسم کو توڑ دیا ہے تو کفارہ دینا پڑیگا اور قسم کسی ناجائز کام سے متعلق اٹھائی ہے تو قسم کو توڑ کر کفارہ ادا کرنا چاہیے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: جب میں کسی بات پر قسم کھالیتا ہوں اور پھر دیکھتا ہوں کہ دوسری بات زیادہ بہتر ہے تو قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دیتا ہوں، ایک موقع پر مشہور صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضور! ہم جہاد پر جانا چاہتے ہیں ہمارے لئے سواری کا انتظام فرما دیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم میں تم کو سواری نہیں دونگا، صحابی رضی اللہ عنہ خاموش ہو کر چلے گئے تھوڑی دیر کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بلا کر اونٹ ان کے حوالے کر دیئے، انہوں نے عرض کیا حضور! آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ آپ ہمیں سوار نہیں دینگے اور میں نے اپنے ساتھیوں سے بھی کہہ دیا کہ آپ نے یہ قسم اٹھالی ہے، حضور! اگر میں اب اونٹ لے گیا تو اپنے ساتھیوں میں جھوٹا ثابت ہوں گا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب میں کسی معاملے میں قسم اٹھالیتا ہوں اور پھر دیکھتا ہوں کہ دوسری بات بہتر ہے تو قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دیتا ہوں، ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ایک بات پر اصرار نہ کرے جبکہ دوسری بات بہتر ہو اس کو چاہئے کہ ایسی قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دیئے اللہ تعالیٰ کی رضا اسی میں ہے۔

قسم کا کفارہ "سورۃ مائدۃ" میں ہے قسم توڑنے والا ایک غلام آزاد کرے غلامی کا رواج اب ختم ہو چکا ہے، لہٰذا یہ کفارہ تو اب ادا نہیں کیا جا سکتا البتہ یہ کہ دس مسکینوں کو اتنا کپڑا پہنا دیا جائے جس میں وہ نماز ادا کر سکیں یا دس

مسکینوں کو دو وقت درمیانے درجے کا کھانا کھلایا جائے، اگر اتنی استطاعت بھی نہ ہو تو پھر تین دن کے مسلسل روزے رکھے ان چاروں صورتوں سے قسم کا کفارہ ادا ہوجاتا ہے۔

طلاق کی ابتداء

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ

ان لوگوں کے جو قسم کھالیتے ہیں سے عورتوں اپنی انتظار ہے چار مہینوں کا پھر اگر

فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَ اِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ

باہم مل جائیں تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے (۲۲۶) اور اگر ارادہ کرلیا طلاق کا تو بیشک

اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

اللہ سننے والا جاننے والا ہے (۲۲۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جولوگ اپنی عورتوں کے پاس جانے سے قسم کھالیتے ہیں ان کے واسطے چار مہینوں کی مہلت ہے، پھر اگر باہم مل جائیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۲۲۶) اور اگر طلاق کا ارادہ کرلیا تو بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ (۲۲۷)

لفظی تحقیق: **يُؤْلُوْنَ:** قسم کھالیتے ہیں۔ "ایلاء" سے بنا ہے، اس کے معنیٰ قسم کھانا ہیں اور اصطلاح میں بیوی سے ملاپ نہ کرنے کی قسم کھانا مراد ہے، عربوں میں اسکا عام رواج تھا کہ ذرا غصہ آیا اور بیوی سے ملاپ نہ کرنے کی قسم کھا بیٹھتے۔

تفسیر

عربوں کا رواج تھا کہ شوہر "ایلاء" کر لینے کے بعد جو ان کے نزدیک ایک طرح کی طلاق تھی بیوی کے خرچ اور نان ونفقہ سے ہاتھ روک لیتا تھا اسلام نے اس رواج میں اصلاح کی اور بتایا کہ "ایلاء" سے نکاح ختم

نہیں ہوتا بلکہ اس کی مدت چار مہینے مقرر کی ہے جو اس مقصد کیلئے بالکل کافی ہے کہ خاوند اپنی بیوی کی جدائی کے اہم معاملہ اور اس کے سارے پہلوؤں پر ٹھنڈے دل سے غور کرے۔

اسلام نے اسکی اجازت روا رکھی ہے کہ شوہر اگر ایمانداری کیساتھ محسوس کرے کہ بیوی اس سے موافقت نہیں کرتی یا جائز تقاضوں کو پورا نہیں کرتی تو اسے وہ طلاق دے دے بجائے اسکے کہ دونوں تمام عمر کڑھتے رہیں اور ایک دوسرے سے بیزار رہیں، بہتر ہے کہ وہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں۔

ایلاء: کا لغوی معنیٰ قسم اٹھانا ہے اور مراد اس سے یہ ہے کہ کوئی شخص اس امر کی قسم اٹھالے کہ وہ اپنی عورت کے قریب نہیں جائیگا اسکی چار صورتیں ہوسکتی ہیں۔

(۱)....مدت متعین کئے بغیر قسم اٹھانا کہ عورت کے قریب نہیں جاؤنگا۔

(۲)....چار ماہ کی مدت مقرر کرے کہ اتنا عرصہ عورت کے قریب نہیں جاؤنگا۔

(۳)....چار ماہ سے زیادہ مثلاً: پانچ، چھ، آٹھ ماہ کیلئے یا ہمیشہ کے لئے قسم کھائی کہ عورت کے قریب نہیں جاؤنگا۔

(۴)....چار ماہ سے کم مدت ایک، دو، تین ماہ کیلئے قسم کھائے کہ عورت کے قریب نہیں جاؤنگا۔

چوتھی صورت، یعنی: چار ماہ سے کم مدت کے "ایلاء" کو شرعی "ایلاء" نہیں کہا جاتا اگر مقررہ مدت تک ایسا شخص عورت کے قریب نہیں گیا تو قسم سے بری ہو جائیگا اور اگر اس دوران عورت سے ہمبستری کر لی تو قسم توڑنے کا کفارہ ادا کرنا ہوگا باقی تین صورتوں میں حکم یہ ہے کہ ایسے شخص کو قسم توڑ دینی چاہئے اور اسکا کفارہ ادا کرنا چاہئے اور اگر چار مہینے کا عرصہ گزر گیا اور قسم کھانے والا شخص عورت کے پاس نہیں گیا تو پھر "ایلاء" ثابت ہو گیا ایسی صورت میں ایک طلاق بائن واقع ہو جائیگی اب اگر مرد دوبارہ رجوع کرنا چاہے تو اسے نئے حق مہر کیساتھ دوبارہ نکاح کرنا ہوگا اس شرط کے ساتھ کہ عورت رضامند ہو اور اگر عورت رضامند نہ ہو تو وہ عدت پوری کر کے دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

اس مقام پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ شرعی "ایلاء" اس صورت میں کامیاب ہوگا جب عورت کے پاس

نہ جانے کی قسم کھائی ہوگی اگر قسم نہیں کھائی ویسے ہی کہہ دیا عورت کے پاس نہیں جاؤنگا تو یہ "ایلاء" شمار نہیں ہوگا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے کہ "ایلاء" کیلئے قسم اٹھانا ضروری ہے کیونکہ اگر کوئی شخص ویسے ہی ایک دو سال کیلئے علیحدہ رہے تو "ایلاء" قائم نہیں ہوگا، لغوی اعتبار سے بھی قسم ضروری ہے کیونکہ "ایلاء" کا معنٰی ہی قسم ہے، البتہ قسم کے بغیر ایسی بات کرنے سے انسان گنہگار ضرور ہوتا ہے ایسی چیزوں سے اجتناب کرنا چاہئے اس سے عورت کو تنگ کرنا مقصود ہے جو کہ مناسب ہے جس طرح میاں بیوی کے دوسرے حقوق ہیں اسی طرح نفسانی خواہش کی تکمیل بھی دونوں کا حق ہے اور کسی فریق کو اس کے حق سے محروم کرنا بری بات ہے۔

طلاق یافتہ عورت کی عدّت

وَ الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَ لَا يَحِلُّ

اور طلاق والی عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو تین حیض اور نہیں حلال

لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ

انہیں کہ چھپا رکھیں جو پیدا کیا اللہ نے میں پیٹوں ان کے اگر وہ رکھتی ہیں ایمان

بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

پر اللہ کے اور دن آخرت کے اور شوہر ان کے زیادہ حق رکھتے ہیں لوٹا لینے کا انہیں میں اس

اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪

اگر چاہیں سلوک سے رہنا اور لئے عورتوں کے جیسا وہ پر ان دستور کے موافق

۲۸ ع ۱۲ وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۲۸

اور مردوں کو پر عورتوں فضیلت ہے اور اللہ زبردست حکمت والا (۲۲۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں تین حیضوں تک اور انہیں حلال

نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے پیٹ میں جو پیدا کیا ہے وہ چھپا رکھیں اگر وہ اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں اور ان کے خاوند اس مدت میں ان کو لوٹا لینے کا زیادہ حق رکھتے ہیں اگر وہ دونوں سلوک سے رہنا چاہیں، اور عورتوں کا بھی دستور کے موافق مردوں پر حق ہے جیسے مردوں کا ان پر حق ہے، اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ (۲۲۸)

لفظی تحقیق: يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ: اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں۔ یعنی: یہ نہ ہو کہ ادھر شوہر نے طلاق دی اور اُدھر دوسرا شوہر کرلیا، اس طرح یہ تعلق ایک کھیل بن کر رہ جائیگا۔ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ: تین حیض۔ "قُرُوْٓءٍ" لفظ "قرء" کی جمع ہے اور "قرء" کے معنیٰ حیض کے ہیں۔

تفسیر

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو اس عورت کو فوراً دوسرا شوہر نہیں کرلینا چاہئے بلکہ تین حیض تک انتظار کرنا چاہئے اس انتظار کی مدت میں بہت سی فائدے ہیں، مثلاً: ایک تو شوہر کو ٹھنڈے دل سے غور وفکر کا پورا موقع مل جاتا ہے دوسری طرف حمل کی بابت پورا یقین ہوجاتا ہے اس طرح کسی شخص کی اولاد کسی دوسرے کو نہیں ملتی؛ اس لئے عورت کا فرض ہے کہ اسکے پیٹ میں جو ہو اسے ظاہر کردے۔

عدت اُس کم از کم مدت کا نام ہے جو طلاق کی تاریخ یا شوہر کے فوت ہونے کے وقت سے لیکر دوسرے نکاح تک کیلئے مقرر ہے اس عرصہ میں عورت دوسرا نکاح نہیں کرسکتی، عدت مختلف صورتوں کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے مثلاً: فوت ہونے کی صورت میں عدت چار ماہ دس دن ہے۔

اگر کسی عورت کو حیض آتے ہیں اور کسی وجہ سے طلاق ہوگئی ہے تو اسکی عدت تین حیض ہوگی یہ تین حیض خواہ دو مہینوں میں آجائیں یا اس سے زیادہ ماہ میں اسے بہر حال تین حیض تک انتظار کرنا ہوگا۔

ایک اور صورت بھی ہوسکتی ہے کہ نکاح ہوگیا مگر میاں بیوی کی تنہائی میں ایسی ملاقات نہیں ہوئی جس میں وہ اگر ملاپ کرنا چاہتے تو کرسکتے تھے تو ایسی صورت میں اگر طلاق واقع ہوجائے ایسی عورتوں کیلئے کوئی عدت نہیں

وہ جب چاہیں دوسرا نکاح کرسکتی ہیں۔

رجعت کا بیان

وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا: اگر نیت اصلاح کی ہے تو طلاق یافتہ عورتوں کے خاوندوں کو زیادہ حق حاصل ہے کہ وہ ان عورتوں کو واپس لوٹائیں اس کو طلاق رجعی کہتے ہیں مثلاً: کسی شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق صریح الفاظ میں دیدی ہے اور عدت شروع ہوگئی ہے تو اس خاوند کو حق حاصل ہے کہ عدت پوری ہونے سے پہلے قولاً یا فعلاً رجوع کرلے۔

اسلامی شریعت نے طلاق کو صرف ضرورت کے موقع پر علاج اور آخری تدبیر کے طور پر جائز رکھا ہے خوامخواہ اسکی ترغیب نہیں دی اور نہ بلا ضرورت اسے پسند کیا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں بھی اسے بہت ناپسندیدہ چیز کہا گیا ہے، یعنی: اللہ تعالیٰ کی جائز ٹھہرائی ہوئی چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ، اس لئے اگر سوچ بچار کے بعد شوہر بیوی کو واپس بیوی بنا کر رکھنا چاہے تو رجوع کرسکتا ہے، اصطلاح میں اس کو رجعت کہتے ہیں۔

رجعت کی اجازت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ تنبیہ بھی کردی ہے کہ طلاق کو محض اس لئے رجوع چاہئے کہ آئندہ زندگی میں دونوں ایک دوسرے کیساتھ صلح وصفائی کیساتھ رہیں گے اور اس سے عورت کو تکلیف پہنچانا مقصود نہ ہو، شوہر اگرچہ قانونی طور پر طلاق سے رجوع کرسکتا ہے لیکن جہاں تک اس کے نیک سلوک کا تعلق ہے یہ بات قانون سے نہیں بلکہ محض اخلاق اور نیک نیتی ہے؛ اس لئے ظاہری اور باطنی دونوں طور پر انسان کو اچھا برتاؤ کرنا چاہئے۔

میاں بیوی کے حقوق اور شوہر کا درجہ

اس کے بعد یہ بتایا گیا کہ جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق بھی مردوں پر ہیں لوگوں کو اس چیز کی اطلاع دی گئی ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ بس شوہروں کے حقوق ہی بیویوں پر ہوتے

ہیں بیویوں کے حقوق نہیں ہوتے البتہ مرد کو عورت پر ایک طرح کی فضیلت و برتری حاصل ہے، یہ فضیلت مرد کو عقل اور قوت کے لحاظ سے حاصل ہے یہ تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں جو نہایت قوت اور حکمت والا ہے۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ: دستور کے مطابق عورتوں کا مردوں پر اسی طرح حق ہے جس طرح مردوں کا عورتوں پر ہے، مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے پر کچھ حق ہیں، لہٰذا ان کا خیال ہونا چاہئے ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ مرد تو اپنے حق زبردستی عورت سے حاصل کرے مگر عورت کو اس کے حق نہ دے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم پر یہ حق ہے کہ بیوی کیلئے بھی ویسی ہی خوراک کا بندوبست کرو جیسا کہ اپنے لئے کرتے ہو، جس معیار کا لباس اپنے لئے پسند کرتے ہو عورت کو بھی ویسا مہیا کرو، اس کو بھی اچھی رہائش دو، اسکا حق مہر ادا کرو، اسے بلاوجہ مارنا پیٹنا بھی جائز نہیں، اس کو اس کے حقوق سے محروم کر کے بائیکاٹ کرنا بھی جائز نہیں۔

اسی طرح طلاق کا حق بھی اللہ تعالیٰ نے مرد کو دیا ہے اس میں بھی مصلحت ہے نکاح کی گرہ چونکہ مرد کے ہاتھ میں ہے؛ اس لئے اس گرہ کو کھولنے کا حق بھی مرد کو حاصل ہے مگر قدرت کے اس قانون کے خلاف جب برطانیہ میں عورت کو طلاق کا حق مل گیا تو اسکا نتیجہ اب یہ نکلا کہ اب وہاں پچاس فیصد سے زیادہ طلاقیں ہونے لگی ہیں، ہر عورت دعویٰ کر سکتی ہے کہ اسے طلاق ملنی چاہئے محض اس لئے کہ اسکا خاوند سوتے میں خراٹے لیتا ہے اور اسکی نیند خراب ہوتی ہے، دوسری کہتی ہے کہ میرا خاوند میرے کبوتر یا میرے کتے سے محبت نہیں کرتا اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہوں، ایسی ایسی معمولی باتوں پر طلاق روزمرہ کا کھیل بن کر رہ گیا ہے وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف اپنا قانون جاری کیا ہے۔

اسلام سے پہلے معاشرہ میں عورت کا درجہ

اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانے میں تمام دنیا کی قوموں میں جاری تھا کہ عورت کی حیثیت گھریلو استعمال کی چیزوں سے زیادہ نہ تھی چوپاؤں کی طرح اسکی خرید و فروخت ہوتی تھی اس کو اپنی شادی بیاہ میں کسی قسم کا کوئی اختیار نہ تھا اس کے اولیاء جس کے حوالے کر دیتے وہاں جانا پڑتا تھا، عورت کو اپنے والدین اور دوسرے

رشتہ داروں کی میراث میں سے کوئی حصہ نہ ملتا تھا بلکہ وہ خود گھریلو چیزوں کی طرح مالِ وراثت سمجھی جاتی تھیں، وہ مردوں کی ملکیت تصور کی جاتی تھیں، اس کی ملکیت کسی چیز پر نہ تھی، اور جو چیز عورت کی ملکیت کہلاتی تھیں ان میں اس کو مرد کی اجازت کے بغیر کسی قسم کے تصرف کا کوئی اختیار نہ تھا، ہاں! اسکے شوہر کو ہر قسم کا اختیار تھا کہ اسکے مال کو جہاں چاہے اور جس طرح چاہے خرچ کر ڈالے اسکو پوچھنے کا بھی کوئی حق نہ تھا یہاں تک کہ یورپ کے وہ ملک جو آج کل دنیا کے سب سے زیادہ تہذیب یافتہ ملک سمجھے جاتے ہیں ان میں بعض لوگ اس حد کو پہنچے ہوئے تھے کہ عورت کے انسان ہونے کو بھی نہیں مانتے تھے۔

عورت کیلئے دین و مذہب میں بھی کوئی حصہ نہ تھا نہ اس کو عبادت کے قابل سمجھا جاتا تھا، نہ جنت کے، روما کی بعض مجلسوں میں باہمی مشورہ سے یہ طے کیا گیا تھا کہ وہ ایک ناپاک جانور ہے عام طور پر باپ کیلئے لڑکی کا قتل کرنا بلکہ زندہ درگور کر دینا جائز سمجھا جاتا تھا بلکہ یہ کام باپ کیلئے عزت کی نشانی اور شرافت کا معیار تصور کیا جاتا تھا، بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ عورت کو کوئی بھی قتل کر دے نہ تو اس پر قصاص واجب ہے، نہ خون بہا، اور اگر شوہر مرجائے تو بیوی کو بھی اس کی لاش کیساتھ جلا کر ستھی کر دیا جاتا تھا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے بعد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے ۵۸۶ء میں فرانس نے عورت پر یہ احسان کیا کہ بہت سے اختلافات کے بعد یہ قرارداد پاس کی کہ عورت ہے تو انسان مگر وہ صرف مرد کی خدمت کیلئے پیدا کی گئی ہے۔

الغرض! پوری دنیا اور اس میں بسنے والے تمام قوموں اور مذہب کے لوگوں نے عورت کیساتھ یہ برتاؤ کیا ہوا تھا کہ جس کو سن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس بیچاری مخلوق کیلئے نہ کہیں عقل و دانش سے کام لیا جاتا تھا نہ عدل و انصاف سے۔

قربان جایئے! رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے دین حق پر جس نے دنیا کی آنکھیں کھولیں، انسان کو انسان کی قدر کرنا سکھلایا، عدل و انصاف کا قانون جاری کیا، عورتوں کے حقوق مردوں پر ایسے ہی لازم کئے جیسے عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں، وہ اپنی جان و مال کی ایسی ہی مالک قرار دی گئی جیسے مرد، کوئی

شخص خواہ باپ دادا ہی ہو بالغ عورت کو کسی شخص کیساتھ نکاح پر مجبور نہیں کرسکتا اور اگر بلا اسکی اجازت کے نکاح کر دیا جائے تو وہ اسکی اجازت پر موقوف رہتا ہے، اگر نا منظور کر دے تو ختم ہو جاتا ہے، اس کے اموال میں کسی مرد کو بغیر اسکی اجازت کی کسی قسم کا کوئی حق نہیں، شوہر کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد وہ خود مختار ہے کوئی اس پر جبر نہیں کرسکتا، اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کی میراث میں بھی اس کو حصہ ملتا ہے۔

عورت کو مرد کی نگرانی سے آزاد کرنا فساد کا سبب ہے

عورت کو اس کے حقوق نہ دینا بہت بڑا ظلم ہے جس کو اسلام نے مٹایا اسی طرح اس کو آزاد چھوڑ دینا، جس سے دنیا میں فساد پھیلتا ہے خون ریزی ہوتی ہے اور طرح طرح کے فتنے پیدا ہوتے ہیں۔

اگر آج کوئی کمیشن اس تحقیق کیلئے بٹھایا جائے کہ فساد وخوں ریزی اور باہمی جنگ وجدل کے اسباب کی تحقیق کرے تو خیال یہ ہے کہ پچاس فیصد سے زائد ایسے جرائم کا سبب عورت اور اسکی بے مہار آزادی نکلے گی مگر آج کی دنیا میں نفس پرستی کے غلبہ نے بڑے بڑے حکماء کی آنکھوں کو خیرہ کیا ہوا ہے، خواہشاتِ نفسانی کے خلاف کسی خیر خواہانہ پابندی کو بھی گوارا نہیں کیا جاتا۔

خلاصہ کلام!

وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ: اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قرآن کریم نے میاں بیوی کو ان کی ذمہ داریاں بتائی ہیں کہ مردوں کے ذمہ عورتوں کے حقوق ادا کرنا ایسا ہی فرض ہے جیسا کہ عورتوں پر مردوں کے حقوق کو ادا کرنا فرض ہے، ہر فریق کو اپنی ذمہ داری پوری کرنی چاہئے۔

رجعی طلاق

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَ

طلاق دو بار ہے پھر رکھ لینا دستور کے موافق یا چھوڑ دینا بھلی طرح سے اور

لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ

نہیں حلال تمہیں کہ لے لو اس میں سے جو دیا تم نے ان کو کچھ مگر یہ کہ ڈریں دونوں کہ

اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ

نہیں قائم رکھ سکیں گے حکم اللہ کے پھر اگر ڈرو تم کہ نہ قائم رکھ سکیں گے حکم اللہ کے

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا

تو نہیں گناہ پر دونوں اس میں کہ بدلہ دے (عورت) اسے یہ حدیں حکم ہیں اللہ کے سو! نہ

تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

ان سے بڑھو اور جو کوئی بڑھ چلے حکموں اللہ کے سے سو! وہی لوگ ہیں ظالم (۲۲۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔طلاق (رجعی) دو بار تک ہے اسکے بعد دستور کے موافق رکھ لینا یا بھلی طرح سے چھوڑ دینا، اور تمہیں حلال نہیں کہ عورتوں سے اپنا دیا ہوا مال کچھ بھی لو سوائے اس کے کہ دونوں اس بات سے ڈریں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم قائم نہ رکھ سکیں گے، پھر اگر تم لوگ اس بات سے ڈرو کہ دونوں (میاں بیوی) اللہ تعالیٰ کی حکم قائم نہ رکھ سکیں گے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں اس میں کہ عورت بدلہ دے کر چھوٹ جائے یہ اللہ تعالیٰ کے حکم ہیں، سو! ان سے آگے مت بڑھو اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے حکموں سے آگے بڑھ چلے، سو! وہی لوگ ظالم ہیں۔ (۲۲۹)

لفظی تحقیق: فَاِمْسَاكٌ: پھر رکھ لینا۔ یعنی: ایک طلاق دی ہوئی بیوی کو رجوع کر کے پھر اپنے پاس رکھ لینا۔ بِمَعْرُوْفٍ: دستور کے موافق۔ یعنی: شرعی قاعدوں کے مطابق جن کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملے گی۔ بِاِحْسَانٍ: بھلی طرح سے۔ یعنی: طلاق سے مقصود جھگڑے کو دور کرنا اور ناخوشگوار حالات کو ختم کرنا ہے، عورت کو رسوا کرنا مقصود نہ ہو۔ مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا: جو کچھ عورتوں کو دیا ہو۔ عام مفسرین نے اس سے مراد مہر کی رقم لی ہے، لیکن بعض مفسرین نے اسے ہر اس مال تک وسعت دی ہے جو شوہر اپنی بیوی کو دے چکا ہو، مثلاً: کپڑے، زیور وغیرہ۔

تفسیر

اسلام سے پہلے دستور تھا کہ شوہر دس بیس جتنی بار چاہتا اپنی بیوی کو طلاق دیدیتا لیکن پھر اس سے رجوع کر لیتا اس برائی کو دور کرنے کیلئے یہ آیت نازل ہوئی اور بتایا کہ رجوع صرف دو بار طلاق دینے کے بعد ہو سکتا ہے، دو طلاق تک تو اختیار دیا گیا کہ عدت کے اندر اندر مرد چاہے تو عورت کو پھر دستور کے موافق رکھ لے یا بھلی طرح سے چھوڑ دے، لیکن پھر عدت کے بعد رجوع باقی نہیں رہتا، ہاں! اگر دونوں راضی ہوں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں اور اگر تیسری بار طلاق دیدی جائے تو پھر ان میں نکاح بھی درست نہیں ہوگا، یہاں تک وہ عورت عدت گزار کر کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لے اور وہ دوسرا شوہر اس سے ہمبستری کر کے طلاق دے دے یہ مسئلہ "بخاری شریف" جلد نمبر: ۲، میں لکھا ہوا ہے۔

کبھی مرد غصہ میں آ کر طلاق دیدیتا ہے تو یہ بھی کر گزرتا ہے کہ بیوی کو اب تک جو کچھ بھی دیا لیا ہے وہ سب اس سے چھین لیتا ہے جاہلیت کے زمانے میں عربوں کے ہاں یہ برا رواج بہت زیادہ پھیلا ہوا تھا، یہاں اس سے منع کیا گیا ہے اور بتایا کہ مہر وغیرہ جو کچھ انہیں پہلے دے چکے ہو اب واپس نہیں لے سکتے۔

طلاق کی تین قسمیں

میاں بیوی میں جدائی کیلئے شریعت نے طلاق کا طریق کار مقرر کیا ہے، فقہاء کرامؒ فرماتے ہیں کہ: طلاق کی تین قسمیں ہیں، یعنی: (۱)....احسن، (۲)....سنت (۳)....اور بدعت۔

(۱)....طلاق احسن سے مراد اچھی اور بہتر طلاق ہے اور یہ اس طلاق کو کہتے ہیں جب عورت حیض سے پاک ہو جائے اور شوہر ہمبستری کئے بغیر اس کو ایک طلاق دے دے، ایسی طلاق کی صورت میں عدت کے اندر خاوند دوبارہ عورت سے رجوع کر سکتا ہے اور رجوع کیلئے نکاح کی ضرورت نہیں اگر عدت گزر جائے تو عورت آزاد ہو جائیگی، ہاں! اگر کوئی شوہر اب بھی رجوع کرنا چاہے تو عورت کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر کے عورت کو گھر

لاسکتا ہے عدت کے بعد عورت کسی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

(۲)....اگر کوئی شخص ایک سے زیادہ، یعنی: دو یا زیادہ سے زیادہ تین طلاقیں دینا چاہتا ہے، یعنی: اس نے ارادہ کرلیا ہے کہ عورت کو کسی صورت میں بھی نہیں رکھنا تو پھر اسکا بہتر طریق کار یہ ہے کہ ہر طلاق اس وقت دے جب عورت حیض سے پاک ہو اور ہمبستری نہ کی ہو، اس طلاق کو طلاقِ سنت کہتے ہیں کہ یہ سنت کے مطابق ہے، اسکا فائدہ یہ ہے کہ پہلی اور دوسری طلاق کے بعد اگر خاوند رجوع کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور اگر تیسری طلاق دیدی تو پھر یہ طلاق مغلظہ ہو جائیگی، اب رجوع کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

(۳).... تیسری قسم کی طلاق، طلاقِ بدعت کہلاتی ہے اور یہ ایسی ہے کہ یا تو طہر کے بجائے حیض کے دوران طلاق دے دے یا تینوں طلاقیں بیک وقت دیدے، اس طرح طلاقیں تو واقع ہو جائیگی مگر دینے والا گنہگار ہوگا کیونکہ اس نے صحیح طریقہ اختیار نہیں کیا۔

فرمایا: دوسری طلاق کے بعد یا تو دستور کے مطابق روک لو اور اس سے اچھا سلوک کرو، اسکا خرچہ ادا کرو بشرطیکہ ارادہ اصلاح کا ہو، تنگ کرنے کا نہ ہو ایسا نہ ہو کہ نہ تو عورت کا حق ادا کیا جائے، اور نہ اسکو آزاد کیا جائے بلکہ دستور کے مطابق اس سے اچھا سلوک کرنا چاہئے، شریعت نے عورت کے لئے جو حق مقرر کئے ہیں انہیں ادا کرو اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو پھر اسے جدا کر دو لڑائی جھگڑے میں نہ پڑو بلکہ لین دین کا جو معاملہ ہے اسے احسن طریقے سے نپٹا کر عورت کو رخصت کر دو، ہاں یاد رکھو! اور تمہارے لئے یہ چیز حلال نہیں ہے کہ تم ان عورتوں سے کوئی چیز واپس لے لو جو تم نے انہیں دے رکھی ہے، مثلاً اگر مہر ادا کر دیا تھا تو طلاق کے وقت واپس لینے کی کوشش کی ہے یا کوئی تحفہ دیا تھا تو اس کی واپسی کا مطالبہ کرے۔

عام حالات میں تو مرد کو حق حاصل نہیں کہ وہ بیوی کو دیئے ہوئے مال میں سے عورت سے واپس لے سوائے اس صورت کے کہ ان دونوں کو خوف ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود قائم نہیں رکھ سکیں گے، یعنی: ان کا نباہ مشکل ہو گیا ہے اور علیحدگی ضروری ہے، تو جب دونوں فریق خلع کے بدلے کسی مال کی ادائیگی پر رضامند

ہوجائیں تو ایسا مال خاوند لے سکتا ہے، خلع ایک طلاق بائن ہے اور طلاق کی طرح عورت کو اس میں بھی عدت گزارنا ہوتی ہے۔

آیت کے اگلے حصے میں فرمایا: اے لوگو! اگر تم کو ڈر ہے کہ یہ میاں بیوی اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل نہیں کرسکیں گے، تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں اس چیز میں کہ عورت اپنی جان چھڑائی کا فدیہ دے، یعنی: عورت فدیہ دیکر مرد سے خلع حاصل کرے، ہاں! یہ بات یاد رہے کہ! اگر اگر خاوند بے قصور ہے اور عورت اس سے بلا وجہ علیحدگی چاہتی ہے تو وہ گنہگار ہوگی اور خاوند بلا وجہ عورت کو تنگ کرتا ہے تو وہ گنہگار ہوگا تاہم دونوں صورتوں میں خلع واقع ہوجائیگا۔

امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: **اس قسم کا مال لینا مکروہ ہے** مگر بہرحال جائز ہے دوسرے فقہائے کرامؒ کا کہنا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے خاص حالت میں خلع کی اجازت دیدی ہے؛ اس لئے اسکے عوض مال وصول کرنا بالکل جائز ہے اسمیں کوئی کراہت نہیں، فرمایا: "تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا" یہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے حکم ہیں ان سے آگے نہ بڑھو، یہ نکاح، طلاق، ایلاء، خلع وغیرہ اللہ تعالیٰ کے حکم ہیں ان کی خلاف ورزی نہ کرو۔

تیسری طلاق

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ

پھر اگر طلاق دی اسے تو نہیں حلال اس کے سے بعد یہاں تک کہ نکاح کرے خاوند سے سوا اس کے

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا

پھر اگر طلاق دیدے اسے تو نہیں گناہ پر ان دونوں کہ دونوں آپس میں رجوع کریں اگر خیال کریں دونوں کہ قائم رکھیں گے

حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

حکم اللہ کے اور یہ حکم ہیں اللہ کے بیان کرتا ہے انہیں واسطے لوگوں کے جاننے والے (۲۳۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر اگر اس عورت کو طلاق دی تو اب اسکے بعد اسے وہ عورت حلال نہیں یہاں تک کہ وہ ملاپ کرے، پھر اگر دوسرا خاوند طلاق دیدے تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ پھر یہ عورت اور پہلا شوہر آپس میں نکاح کریں ان دونوں کو خیال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو قائم رکھ سکیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کے حکم ہیں جو بیان کرتا ہے ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں۔ (۲۳۰)

تفسیر

تیسری بار طلاق دینے کے بعد وہ عورت اس وقت تک پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی یہاں تک دوسرے شوہر سے ملاپ کرے، پھر وہ اس کو طلاق دیدے۔

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ: اگر خاوند پہلی دونوں طلاقوں کے بعد رجوع نہ کرے تو اب اس تیسری طلاق کے بعد شوہر عورت سے رجوع نہیں کرسکتا بلکہ اس کا اب اس سے دوبارہ نکاح بھی کبھی نہیں ہوسکتا سوائے اس صورت کے کہ وہ عورت تین حیض گزارنے کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے اور وہ اس سے ملاپ کرکے اسے طلاق دیدے یا ملاپ کے بعد فوت ہوجائے اور عدت گزر جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اس عورت نے دوسری جگہ نکاح کیا تو اس دوسرے شوہر نے بھی اسے طلاق دیدی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ یہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! جب تک کہ دوسرا شوہر اس سے ہم بستری کرکے لطف اندوز نہ ہوجائے جس طرح پہلے شوہر نے کیا تھا اس وقت تک طلاق دینے سے پہلے شوہر کیلئے حلال نہ ہوگی"۔

حدیث سے ظاہر یہی ہے کہ یہ تینوں طلاقیں اکھٹی دی گئی تھیں، "فتح الباری" اور "عمدۃ القاری" میں روایت کا یہی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ یہ تینوں طلاقیں ایک وقت میں دی تھیں اور حدیث میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاق کو نافذ قرار دیکر یہ حکم دیا کہ جب تک دوسرے شوہر سے ہمبستری نہ ہوجائے تو اسکے طلاق دینے سے

پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک لفظ سے دی ہوئی تین طلاقوں کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک نہیں بلکہ تین قرار دیا یہ اور یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ دوسرا شوہر ملاپ کے بعد طلاق دے تو پہلے کے لئے حلال ہوگی ورنہ نہیں، اگر تین طلاقیں ایک شمار کی جائیں اس صورت میں نہ تو دوسرے آدمی سے نکاح کرنا شرط ہوتا اور نہ نکاح کے بعد ہمبستری کرنا شرط ہوتا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما دیتے کہ: یہ تین طلاقیں ایک طلاق ہے رجوع کرو اور گھر جاؤ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہیں کیا۔

بیویوں کے ساتھ برتاؤ

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ

اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر قریب پہنچیں عدت اپنی کو تو انہیں رکھ لو دستور کے مطابق

اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَّ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ

یا چھوڑ دو انہیں دستور کے مطابق اور نہ روکے رکھو انہیں ستانے کے لئے تاکہ زیادتی کرو

وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَ لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰیٰتِ

اور جو کرے گا ایسا وہ بیشک زیادتی کریگا جان اپنی پر اور نہ ٹھہراؤ حکم

اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَّ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ مَاۤ اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ

اللہ کے ہنسی اور یاد کرو نعمت اللہ کی پر تم اور جو اتاری پر تم

مِّنَ الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ یَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا

سے کتاب اور باتیں علم کی نصیحت کرتا ہے تمہیں ساتھ اس کے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو

ع ۲۹ ۱۳ اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۟(۲۳۱)

کہ بیشک اللہ ہر چیز کو جانتا ہے (۲۳۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دی، پھر وہ اپنی عدت پوری ہونے کے قریب پہنچ گئیں تو انہیں دستور کے مطابق رکھ لو یا انہیں چھوڑ دو دستور کے مطابق، اور ان کو نہ روکو ستانے کیلئے تا کہ ان پر زیادتی کرو اور جو ایسا کریگا وہ بیشک اپنا ہی نقصان کریگا اور اللہ کے حکموں کو ہنسی نہ ٹھہراؤ اور یاد کرو! اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جو تم پر کیں، اور یاد کرو! کتاب اور علم کی باتیں تم پر اتاریں تمہیں اس کے ذریعے نصیحت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ! اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔ (۲۳۱)

لفظی تحقیق: اِذَا طَلَّقْتُمُ: جب تم نے طلاق دی۔ یہاں مراد ایک یا دو بار دی ہوئی طلاق رجعی ہے جس کے بعد ابھی رجوع کر لینے کی گنجائش ہے۔ اَجَلَهُنَّ: ان کی عدت۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی عدت کا زمانہ ختم ہونے پر ہو لیکن پوری طرح ختم نہ ہو چکا ہو ورنہ بالکل ختم ہو جانے کے معنیٰ یہ ہونگے کہ اب رجوع کی گنجائش باقی نہ رہی۔

تفسیر

اس آیت میں یہ قانون بیان کیا گیا ہے کہ جب خاوند ایک یا دو مرتبہ بیوی کو طلاق دیدے اور تیسری بار طلاق نہ دی ہو تو اس کی عدت پوری ہونے سے پہلے اگر وہ رجوع کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور اگر رجوع نہ کرنا چاہے تو تیسری مرتبہ طلاق دیدے یا اسکو اپنی عدت پوری کرنے دے۔

جو لوگ عورتوں کی حق تلفی کرتے ہیں اور محض ستانے کیلئے رجوع کر کے دوبارہ بیوی بنا لیتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ اس طرح وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں، وہ اپنا نقصان آپ کرتے ہیں، ظاہر ہے ان کے ایسا کرنے سے ان کا اپنا گھر آباد نہیں ہو سکے گا بلکہ برباد ہو جائیگا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ تنبیہ کر دی ہے کہ ہمارے حکموں کو ہنسی اور مذاق نہ بناؤ کہ جس حکم پر چاہا عمل کر لیا اور جسے چاہا چھوڑ دیا، بلکہ سارے حکموں پر پوری طرح عمل کرنے والے بن جاؤ کیونکہ تمہاری بھلائی اسی میں ہے۔

زمانہ جاہلیت میں یہ ایک غلط رسم تھی کہ عورتوں کو تنگ اس طرح کرتے تھے کہ طلاق دیدیتے اور جب عدت پوری ہونے کے قریب آتی تو رجوع کر لیتے، مقصد یہ کہ نہ تو عورت کو معقول طریقے سے آباد کرتے اور نہ اسے رخصت کرتے کہ وہ دوسری جگہ نکاح کر سکے، یہ سلسلہ سالہا سال تک جاری رہتا؛ اس لئے کہ طلاق کی کوئی تعداد مقرر نہیں تھی کہ کتنی مرتبہ رجوع کر سکتا ہے اس طرح اگر کوئی شخص سو(۱۰۰) مرتبہ بھی طلاق دے کر رجوع کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا جس کی وجہ سے بے گناہ عورتوں کو سخت تکلیف ہوتی اس بات کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جب تم عورتوں کو طلاق دیدو اور پھر ان کی عدت پوری ہونے کو ہو جائے، پھر یا تو انہیں دستور کے مطابق روک لو، یعنی: رجوع کرلو، یعنی: اگر تمہیں اپنے فعل پر واقعی ندامت ہوئی ہے تو اپنا گھر دوبارہ آباد کرلو اور اس میں نیت اصلاح کی ہونی چاہئے۔

اور وہ یہ ہے کہ عدت کے دنوں میں اس کو اپنے گھر میں رہنے دے، اسکا پورا خرچ برداشت کرے، اگر مہر اب تک نہیں دیا تو مہر ادا کرے عورتوں کے یہ سب حق لازم جو طلاق دینے والے کو لازمی طور پر ادا کرنے ہیں اور مستحب یہ بھی ہے کہ طلاق بیوی کو رخصت کرنے کے وقت کچھ نقد یا کم از کم ایک جوڑا دیکر رخصت کیا جائے۔

جاہلیت کے زمانے میں بعض لوگ طلاق دیکر یا غلام آزاد کر کے مکر جاتے اور کہتے تھے کہ میں نے تو ہنسی مذاق میں کہہ دیا تھا، بیوی کو طلاق دینے یا غلام آزاد کرنے کی نیت نہیں تھی اس پر یہ آیت اتری جس نے یہ فیصلہ کر دیا کہ طلاق و نکاح کو اگر کسی نے کھیل یا مذاق میں بھی کہا تو وہ نافذ ہو جائینگے نیت نہ کرنے کا عذر نہیں مانا جائیگا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: تین چیزیں ایسی ہیں جن کا ہنسی کے طور پر کہنا یا حقیقت میں کہنا دونوں برابر ہیں: (۱).... طلاق۔ (۲).... باندی یا غلام آزاد کرنا۔ (۳).... نکاح۔

مرد و عورت اگر نکاح کے ارادے کے بغیر یونہی ہنسی ہنسی میں گواہوں کے سامنے نکاح کا ایجاب و قبول کرلیں تو بھی نکاح ہو جاتا ہے۔

عورت کی رضا

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ
اور جب تم نے طلاق دی عورتوں پھر پہنچ جائے وہ عدت اپنی کو تو نہ پیچیدگی کران کے لئے کہ

يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ
نکاح کرلیں اپنے (پہلے) خاوندوں سے جبکہ راضی ہوجائیں آپس میں دستور کے مطابق یہ

يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ
نصیحت کی جاتی ہے اسے جوکہ رکھتا ہے میں سے تم ایمان اللہ پر اور دن قیامت کے

ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾
یہ بات بڑی پاکیزگی کی لئے تمہارے اور بہت صفائی ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (۲۳۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دی، پھر وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو اب ان میں پیچیدگی پیدا نہ کرو کہ نکاح کرلیں اپنے انہی خاوندوں سے جبکہ آپس میں دستور کے موافق راضی ہوجائیں یہ نصیحت اس کو کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس میں تمہارے لئے ستھرائی اور پاکیزگی ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (۲۳۲)

تفسیر

بعض اوقات طلاق یافتہ عورت اپنے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح پر راضی ہوجاتی ہے مگر عورت کے سرپرست اور قریبی رشتہ دار کو طلاق دینے کی وجہ سے ایک قسم کی اس سے دشمنی ہوجاتی ہے وہ اب دونوں کے راضی ہونے کے بعد بھی ان کے آپس میں نکاح کرنے میں رکاوٹ ڈالتے ہیں، عورتوں کو اپنے پہلے شوہروں سے دوبارہ نکاح کرنے سے روکنا بہت ظلم ہے اس آیت میں فرمایا گیا ہے۔

"صحیح بخاری" اور "سنن ترمذی" کی روایت ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کا نکاح ایک شخص سے ہوا کچھ عرصہ بعد اس شخص نے طلاق دیدی، حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے اسے رجوع کیلئے کہا مگر وہ راضی نہ ہوا اور مدت پوری ہوگئی تاہم یہ طلاق مغلظہ نہیں تھی بلکہ ایک یا دو تھی دوبارہ نکاح ہوسکتا تھا جب عورت آزاد ہوگئی تو بعض دوسرے لوگوں نے بھی نکاح کے پیغام بھیجے اتنے میں اس شخص کو اپنے کئے پر ندامت ہوئی اور اس نے بھی دوبارہ نکاح کی خواہش کا اظہار کیا عورت بھی اس پر رضامند ہوگئی کہ چلو کسی اور کا منہ نہ دیکھنا پڑیگا، حدیث شریف میں یہ الفاظ آتے ہیں دونوں کی خواہش تھی کہ ان کا نکاح ہوجائے، مگر حضرت معقل رضی اللہ عنہ کو یہ بات پسند نہ آئی ان کا کہنا یہ تھا کہ جس شخص نے اسکی بہن کو طلاق دی اور پھر کہنے کے باوجود رجوع نہیں کیا ایسے شخص کیساتھ نکاح نہیں ہونے دونگا اسی دوران یہ آیت اتری اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلا کر اللہ تعالیٰ کا حکم سنایا کہ اگر مرد اور عورت نکاح پر رضامند ہیں تو پھر سرپرست کو رکاوٹ نہیں بننا چاہئے، جب حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے یہ حکم سنا تو کہا ہم اپنے رب کی بات سنتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے تو میں اپنے رب کی اطاعت کرونگا چنانچہ ان دونوں کا دوبارہ نکاح کرادیا؛ اسی لئے فرمایا کہ: اگر کوئی مرد اور عورت نکاح پر رضامند ہوں تو بلاوجہ انہیں اس سے نہ روکو۔

ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ: یہ چیز تمہارے لئے زیادہ شائستگی اور زیادہ پاکیزگی والی ہے، عورتوں کو دوسرے نکاح سے مت روکو ورنہ کئی طرح کی خرابیاں پیدا ہونگی اور اسکے ذمہ دار تم ہوگے، یہاں پر طہارت سے مراد ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی پاکیزگی ہے، نکاح کر لینے سے ان کے دل بھی مطمئن ہوکر پاک ہوجائینگے اور کسی گناہ میں ملوث ہونے کا امکان بھی نہیں ہوگا۔

دودھ پلانے کی مدّت

وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ

اور | بچے والی عورتیں | دودھ پلائیں | اولاد اپنی کو | دو برس | پورے | جو کوئی | چاہے | کہ

يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ

پوری کرے دودھ کی مدت اور پر باپ اس کے کھانا ان کا اور کپڑے ان کے

بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ

دستور کے موافق نہیں تکلیف دی جاتی کسی کو مگر گنجائش مطابق اس کی کے نہ نقصان دیا جائے ماں کو

بِوَلَدِهَا وَ لَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَ عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ

بوجہ بچے اس کے کے اور نہ جسکا بچہ ہو (باپ) اسکے بچہ کی وجہ سے اور اوپر وارث مثل اس کے ہے

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور بچے والی عورتیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں پورے دو برس جو کوئی یہ مدت اس کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے اور لڑکے والے (باپ) پر ان عورتوں کا کھانا اور کپڑا دستور کے موافق واجب ہے کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی مگر اسکی گنجائش کے موافق، نہ ماں کو اسکے بچے کی وجہ سے نقصان دیا جائے اور نہ اسکو جسکا وہ بچہ ہے، یعنی: باپ کو اسکے بچہ کی وجہ سے اور وارثوں پر بھی اسی طرح کا حکم لازم ہے۔

تفسیر

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ماں اپنے بچے کو اجرت لے کر دو برس تک دودھ پلائے اور یہ مدت اس کے لئے ہے جو بچے کے دودھ پینے کی مدت کو پورا کرنا چاہے ورنہ اس میں کمی بھی جائز ہے جیسا کہ آیت کے آخر میں آتا ہے اس حکم میں وہ مائیں بھی داخل ہیں جنکا نکاح باقی ہے اور وہ بھی جن کو طلاق مل چکی ہو یا ان کی عدت گزر چکی ہو، فرق صرف یہ ہوگا کہ بیوی کا کھانا، کپڑا خاوند پر ہر حال میں لازم ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دودھ پلانے کی مدت جس کو ماں سے پورا کرنا چاہیں یا باپ سے دودھ پلانے کی اجرت ماں کو دلوانا چاہیں تو اسکی مدت مکمل دو سال ہے، اسکے بعد یہ بھی واضح ہو گیا کہ باپ کو بچہ کی ماں کو کھانا، کپڑا ہر حال میں دینا پڑیگا، پہلی صورت میں تو اسکے نکاح میں ہے، دوسری صورت میں دودھ پلانے کی اجرت دینی ہوگی اور بچہ کے ماں باپ کسی طرح سے ایک دوسرے کو تکلیف نہ دیں، مثلاً: ماں بلاوجہ دودھ پلانے سے

انکار کرے یا باپ بلا وجہ بچے کو ماں سے جدا کر کے کسی اور سے دودھ پلوائے یا کھانا و کپڑا میں تنگی نہ کرے۔

بچہ کی پرورش کا خرچ باپ کے ذمہ ہے اور جب باپ مرجائے تو پھر حکم اس طرح ہے کہ اگر بچہ مال کا مالک ہو تو اسی مال میں سے اسکا خرچ چلے گا اور اگر مال کا مالک نہیں تو اس کے مالدار رشتہ داروں میں سے جو لوگ اسکے محرم ہوں اور محرم ہونے کے علاوہ شرعاً اسکے مستحق میراث بھی ہوں تو ان وارث رشتہ داروں کے ذمہ اسکا خرچ واجب ہوگا، دودھ پیتے بچہ کا خرچہ جو دوسروں پر واجب کیا گیا ہے اس کی وجہ یہی کہ بچہ خود اپنی پرورش کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

آپس کی رضامندی

فَاِنۡ اَرَادَا فِصَالًا عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡهُمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ

پھر اگر چاہیں دودھ چھڑالیں سے رضا دونوں کی اور مشورے تو نہیں گناہ

عَلَيۡهِمَا ؕ وَ اِنۡ اَرَدۡتُّمۡ اَنۡ تَسۡتَرۡضِعُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ فَلَا جُنَاحَ

پر ان دونوں کے اور اگر چاہو تم کہ دودھ پلواؤ تم اولاد اپنی کو تو نہیں گناہ

عَلَيۡكُمۡ اِذَا سَلَّمۡتُمۡ مَّآ اٰتَيۡتُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ

پر تم جب تم حوالہ کردو جو تم نے طے کیا تھا دستور کے موافق اور ڈرتے رہو اللہ سے اور

اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۲۳۳﴾

جان رکھو کہ بیشک اللہ اس کو جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے (۲۳۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر اگر ماں باپ چاہیں کہ دودھ چھڑالیں اپنی رضا اور مشورہ سے تو ان پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تم لوگ چاہو کہ اپنی اولاد کو کسی اور سے دودھ پلواؤ تو بھی تم پر کچھ گناہ نہیں جب کہ حوالہ کردو جو تم نے دینا طے کیا تھا دستور کے موافق، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ! اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھتا ہے۔ (۲۳۳)

تفسیر

اگر والدین دو برس سے پہلے ہی دودھ چھڑا دینا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں لیکن یہ فیصلہ وہ آپس کی رضا اور مشورہ سے کریں ماں کے رحم دلی کے جذبہ کی وجہ سے اس کو پرورش کا حق زیادہ ہوتا ہے؛ اس لئے اس معاملہ کو صرف باپ کی رائے پر نہیں چھوڑا گیا، پھر یہ بھی واضح کر دیا کہ بعض حالات میں جب ماں کے بجائے دودھ کسی دوسری عورت سے پلوانا ضروری ہو تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ اجرت ادا کر دی جائے۔

بیوہ کی عدّت

وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ

اور | وہ لوگ جو | مر جائیں | میں سے تم | اور | چھوڑ جائیں | بیویاں | تو انتظار میں رکھیں

بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا

اپنے آپ کو | چار | مہینے | اور | دس دن | پھر جب | پوری کر چکیں | عدت اپنی | تو نہیں

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَ اللّٰهُ

گناہ | پر تم | اس بات میں کہ | وہ کریں | میں | اپنے حق | قاعدہ کے موافق | اور | اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

جو تم کرتے ہو | باخبر ہے (۲۳۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو چاہئے کہ وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن انتظار میں رکھیں، پھر جب اپنی عدت پوری کر چکیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں اُس بات میں کہ جو اپنے حق میں قاعدہ کے موافق کریں اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ (۲۳۴)

تفسیر

جاہلیت کے زمانہ میں بیوہ سال بھر تک سوگ مناتی تھی بیوہ عورت عام لوگوں کیساتھ مکان میں نہیں رہ سکتی تھی بلکہ اسے کسی تنگ وتاریک کوٹھڑی میں ڈال دیا جاتا تھا، نہ وہ غسل کرسکتی تھی اور نہ کپڑے تبدیل کرسکتی تھی، اسکو منحوس خیال کیا جاتا تھا، وہ دوسرے لوگوں کیساتھ ملکر کھانا بھی نہیں کھا سکتی تھی، ایک سال گزارنے کے بعد اسے کوٹھڑی سے نکالا جاتا اور گدھے یا اونٹ پر سوار کیا جاتا، "مسلم شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ مرغ یا کوئی دوسرا جانور ایسی عورت کو لاکر دیا جاتا جسے وہ اپنی شرمگاہ کیساتھ ملتی اکثر اوقات وہ جانور بدبو اور زہریلے جراثیم پیدا ہونے کی وجہ سے مرجاتے، نہ استنجا، نہ طہارت، پھر اس عورت کے ہاتھ میں اونٹ یا بکری کی مینگنیاں پکڑواتے وہ اپنے ہاتھ سے مینگنیاں پھینکتی تو اس کے لواحقین کہتے کہ اب اس کی عدت پوری ہوگئی ہے، اب یہ نہا دھو کر صاف لباس پہن سکتی ہے، خوشبو استعمال کرسکتی ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ: جو عورت اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے پر اور قیامت پر ایمان رکھتی ہے وہ کسی مرنے والے پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ منائے مگر خاوند پر چار ماہ دس دن تک سوگ منانے کا حکم ہے، ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے واقعات ملتے ہیں، ایک کے والد فوت ہوگئے اور دوسری کے بھائی انہوں نے تین دن گزرنے کے بعد خوشبو منگائی اور کچھ بچّی کے سر پر لگادی اور کچھ اپنے ہاتھوں کو مل لی، عورتوں کے مجمع میں فرمایا: مجھے خوشبو کی حاجت نہ تھی مگر میں تمہیں مسئلہ سمجھانا چاہتی تھی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: کسی عورت کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ سوگ منائے سوائے خاوند کی فوتگی پر۔

فرمایا: جب ان کی عدت پوری ہوجائے تو اب تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ عورتیں اپنے بارے میں شریعت کے مطابق فیصلہ کریں، یعنی: اگر وہ نکاح کرنا چاہیں تو کرسکتی ہیں، کہیں نکاح کا پیغام بھیجنا چاہیں تو کوئی حرج نہیں وہ ایسا کرسکتی ہیں، کسی دوسرے شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان کو اس کام سے منع کرے یا ان کے کام میں کسی قسم کی رکاوٹ ڈالے، فرمایا: جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسکی خبر رکھتے ہیں۔

احکام و مسائل

جس کا خاوند مرجائے اسکو عدت کے اندر خوشبو لگانا، سنگھار کرنا، سرمہ اور تیل بلاضرورت دوا لگانا، مہندی لگانا، رنگین کپڑے پہننا درست نہیں، اور کھلے لفظوں میں نکاح کا پیغام دینا بھی جائز نہیں، اور رات کو دوسرے گھر میں رہنا بھی درست نہیں اور یہی حکم ہے اس عورت کا جس پر طلاق بائن واقع ہوئی، یعنی: جس میں رجوع درست نہیں مگر اس کو اپنے گھر سے دن کو بھی سخت مجبوری کے بغیر نکلنا درست نہیں۔

اگر چاندرات کو خاوند کی وفات ہوئی تب تو یہ مہینے خواہ تیس کے ہوں یا انتیس کے ہوں، چاند کے حساب سے پورے کئے جائیں گے اور اگر چاندرات کے بعد وفات ہوئی ہے تو یہ سب مہینے تیس تیس دن کے حساب سے پورے کئے جائیں گے، پس کل ایک سو تیس دن پورے کئے جائیں گے، اس مسئلہ سے بہت لوگ غافل ہیں اور جس وقت وفات ہوئی ہو جب یہ مدت گزر کر وہی وقت آئیگا عدت ختم ہو جائیگی۔

دوسرے نکاح کا پیغام

وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ

اور نہیں گناہ پرتم میں اس اشارہ میں کہو اس بات کو سے نکاح کا پیغام عورتوں

اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَ

یا پوشیدہ رکھو میں دلوں اپنے معلوم ہے اللہ کو کہ تم البتہ ذکر کروگے ان کا اور

لٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ؕ وَ

لیکن نہ وعدہ کرو ان سے چھپ کر مگر یہ کہ کہہ دو کوئی بات شریعت کے موافق اور

لَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَ اعْلَمُوْٓا

نہ پکی کرو گرہ نکاح کی یہاں تک کہ پہنچ جائے اللہ تعالیٰ کا حکم مدت اپنی کو اور جان رکھو

اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

کہ بیشک اللہ جانتا ہے جو کچھ میں ہے دلوں تمہارے سو! ڈرتے رہو اس سے اور جان رکھو کہ بیشک اللہ

غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۲۳۵﴾ ع ۳۰/۱۴

بخشنے والا حوصلے والا ہے (۲۳۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ان عورتوں کو نکاح کا پیغام اشارہ میں کہو یا اپنے دل میں پوشیدہ رکھو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم ان عورتوں کا ذکر کرو گے لیکن ان سے نکاح کا وعدہ چھپ کر نہ کرو، مگر یہی کہ کوئی بات شریعت کے رواج کے موافق کہہ دو، اور نکاح کا پکا ارادہ نہ کرو یہاں تک کہ مقررہ عدت اپنی انتہاء کو پہنچ جائے اور جان رکھو کہ! اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے، سو! اس سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ! اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور حوصلے کرنے والا ہے۔ (۲۳۵)

تفسیر

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جب بیوہ عدت کا دور گزار رہی ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ کوئی مرد بیوہ سے نکاح کا ارادہ اپنے دل میں قائم کرلے لیکن زبان پر نہ لائے یا اگر لائے بھی تو صرف اشارہ کے طور پر، صاف اور واضح طور پر اپنا ارادہ ظاہر کرنا جائز نہیں ہے، یہاں انسان کی ایک کمزوری بیان فرمادی، یعنی: عورت کسی کو پسند آئی اور اس کے دل میں بس گئی ہو تو وہ شخص اسکا ذکر ضرور زبان پر لاتا ہے؛ اس لئے یہ تنبیہ کردی کہ غم کے اس زمانہ میں عورت سے نکاح کا وعدہ ظاہری طور پر یا خفیہ طور پر کرنا جائز نہیں، عدت کا زمانہ ختم ہونے سے پہلے نکاح کا پیغام نہ دو۔

بیوی کو چھونے سے پہلے طلاق اور مہر

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ
نہیں گناہ پرتم اگر طلاق دوتم عورتوں کو جنہیں نہ چھوا ہو اور (نہ)

تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ
مقرر کیا ہو لئے ان کے مہر اور خرچ دو انہیں پر وسعت والے کے موافق اس کے اور

عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾
اوپر تنگی والا موافق اس کے جو خرچ کہ قاعدہ کے موافق لازم اوپر نیکی کرنے والوں کے (۲۳۶)

وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ
اور اگر تم نے طلاق دیدی انہیں سے پہلے کہ چھوؤ انہیں اور تم ٹھہرا چکے تھے لئے ان کے

فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ
مہر تو آدھا اس کا جو مقرر کر چکے تم مگر یہ کہ درگزر کریں عورتیں یا درگزر کرے وہ شخص

بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَ اَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَ لَا
اختیار میں جس کے گرہ ہے نکاح کی اور اگر تم درگزر کرو تم تو زیادہ قریب ہے پرہیز گاری اور نہ

تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾
بھلا دو احسان کرنا آپس میں بیشک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھتا ہے (۲۳۷)

بامحاورہ ترجمہ: تم پر کچھ گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دو اس وقت کہ انہیں چھوا بھی نہ ہو اور ان کے لئے کچھ مہر مقرر نہ کیا ہو اور انہیں کچھ خرچ دو، مقدور والے پر اس کے موافق ہے اور تنگی والے پر اس کے موافق ہے خرچ قاعدہ کے موافق نیکی کرنے والوں پر لازم ہے۔(۲۳۶) اور اگر تم نے چھونے سے پہلے طلاق دیدی اور ان کے لئے تم مہر مقرر کر چکے تھے تو جو تم نے مقرر کیا تھا اس کا نصف ادا کرو مگر یہ کہ وہ عورتیں درگزر کریں یا وہ

شخص درگزر کرے جس کے ہاتھ نکاح کی گرہ ہے، یعنی: شوہر اور اگر تم درگزر کرو تو یہ پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے اور آپس میں احسان کرنا نہ بھلا دو، بیشک اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔ (۲۳۷)

تفسیر

طلاق کے بعد عورت کو جو کچھ دینا ہے وہ خاوند کی حیثیت کے مطابق مقرر ہوگا اگر وہ امیر اور دولت مند ہے تو وہ معقول رقم دے اور اگر تنگ دست ہے تو پھر جو اسکی توفیق ہو وہی دیدے رقم کی ادائیگی میں کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچائی جائے بلکہ دستور کے مطابق خاوند کی سہولت اور بیوی کی ضرورت پیش نظر رکھتے ہوئے دیا جائے۔

اگر نکاح کے وقت مہر مقرر ہو چکا تھا اور ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق کی نوبت آجائے تو آدھا مہر لازم ہے لیکن عورت یا شوہر مہر کے لینے دینے میں درگزر کریں تو اور بات ہے، یعنی؛ عورت نصف مہر بھی چھوڑ دے یا شوہر نصف کے بجائے پورا حق مہر دیدے تو یہ اعلیٰ درجہ کی بات ہے۔

اس کے بعد یہ بھی بتایا گیا کہ اگر مرد درگزر کرے تو تقویٰ کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے بڑائی دی اور اسے نکاح باقی رکھنے اور طلاق دینے کا اختیار دیا اب اگر ہاتھ لگائے بغیر طلاق دے کر خاوند آدھا مہر بھی اپنے ذمہ نہ لے تو تقویٰ کے مناسب نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ! یہاں چار صورتیں ہیں، نہ مہر مقرر کیا، نہ صحبت ہوئی ہو، اس صورت میں کچھ مناسب مدد دیدے، دوسرے یہ کہ مہر مقرر ہوا اور صحبت نہ ہوئی تو نصف مہر ادا کرے، تیسرے یہ کہ مہر مقرر ہوا اور صحبت ہوئی تو پورا مہر ادا کرے، چوتھی صورت یہ کہ مہر مقرر نہ ہوا اور صحبت ہوئی اس صورت میں مہر مثل ادا کرنا ہوگا۔

بغیر مہر مقرر کئے نکاح ہو گیا تھا اور اب طلاق بھی واقع ہوگئی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم عورتوں کو ان کے حقوق سے بالکل محروم کرو بلکہ ان کو فائدہ پہنچاؤ، یعنی: کچھ دے دلا دو، مگر کس قدر؟ فرمایا: صاحبِ حیثیت پر اسکی حیثیت کے مطابق اور اگر کوئی مالی لحاظ سے کمزور ہے تنگدست ہے تو وہ اپنی حیثیت کے مطابق طلاق یافتہ دے دلا دے، اس مقام پر فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ: عورت کو کم از کم ایک جوڑا کپڑے دینا ضروری ہے۔

مہرِ مثل

اگر نکاح کرتے وقت مہر مقرر نہیں ہوا تھا اور میاں بیوی کا تنہائی میں ملاپ نہیں ہوا اور خاوند مر گیا تو اب عورت کس چیز کی حقدار ہے؟ ایسی صورت میں عورت مہر مثل کی حقدار ہوگی، شریعت میں مہر مثل سے مراد ایسا مہر ہے جو ایسی لڑکی کے خاندان کی دوسری لڑکی کا عام طور پر مقرر ہوتا ہے جب ایسی صورت پیش آجائے تو پھر دیکھا جائے کہ اس خاندان یا برادری میں اس حیثیت کی لڑکیوں کا کیا مہر مقرر ہوتا ہے، اس کے مطابق اس لڑکی کو بھی مہر ادا کیا جائیگا اس کے علاوہ یہ عورت خاوند کی وراثت کی بھی حقدار ہوگی اور اسے چار ماہ دس دن کی مقررہ عدت بھی گزارنا ہوگی۔

نصف مہر

دوسری آیت نصف مہر کے متعلق ہے یہ کس حالت میں ادا کیا جاتا ہے، فرمایا: اگر تم ایسی حالت میں عورتوں کو طلاق دو کہ ان کے قریب نہیں گئے مگر نکاح کرتے وقت مہر مقرر کیا تھا اور وہ طلاق دینے سے قبل ادا نہیں ہوا تو تم نے جتنا مہر مقرر کیا تھا اسکا آدھا ادا کرنا ہوگا۔

نمازوں کی پابندی

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿٢٣٨﴾

حفاظت کرو پر نمازوں اور نماز درمیانی پر اور کھڑے رہو لئے اللہ کے ادب سے (۲۳۸)

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

پھر اگر تمہیں ڈر ہو تو پیادہ یا سوار ہوکر پھر جب تم امن پاؤ تو یاد کرو اللہ کو

كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٩﴾

جس طرح تمہیں سکھایا جسے نہ تم تھے جانتے (۲۳۹)

بامحاورہ ترجمہ: نمازوں کی حفاظت کرو خصوصاً درمیانی نماز کی اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہو۔(۲۳۸) پھر اگر تمہیں دشمن کا ڈر ہو تو پیادہ پڑھ لو یا سوار ہو کر، پھر جس وقت تم امن پاؤ تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جس طرح تمہیں سکھایا ہے جسے تم نہ جانتے تھے۔(۲۳۹)

تفسیر

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ: نمازوں کی پابندی کرو، علماء کرام نے نماز کی پابندی کے تین درجے بتائے ہیں، سب سے پہلا درجہ تو یہ ہے کہ نماز وقت پر فرض واجب کے ساتھ پڑھی جائے اور درمیانہ درجہ یہ ہے کہ نمازی کا جسم ہر طرح سے پاک وصاف ہو، دل میں عاجزی وانکساری ہو، سنتوں اور مستحبات کا پورا پورا خیال رکھتا ہو اور سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ یہ سمجھ کر نماز پڑھی جائے گویا نمازی اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اور اسے یہ بھی احساس ہو کہ اللہ تعالیٰ نمازی کو دیکھ رہا ہے۔

اَلصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى: بیچ والی نماز۔ اس سے مراد عصر کی نماز ہے، بعض حدیثوں میں ظہر کا اور بعض میں مغرب کا اور بعض میں عشاء ذکر بھی آتا ہے۔

درمیانی نماز کے متعلق بہت سے اقوال ہیں کسی نے اسے فجر کی نماز بتایا ہے کسی نے ظہر کی، کسی نے مغرب کی اور بعض نے عشاء کی مگر صحیح قول یہ ہے کہ "صَلٰوةِ الْوُسْطٰى" سے مراد عصر کی نماز ہے اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اس نماز کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ یہ نماز رات کی دو نمازوں، یعنی: مغرب اور عشاء اور دن کی دو نمازوں، یعنی: فجر اور ظہر کے درمیان واقع ہے اور یہ وقت نسبتاً زیادہ مشغولیت کا ہوتا ہے کاروبار کی وجہ سے اس نماز کے ضائع ہونے کے زیادہ موقع ہوتے ہیں؛ اس لئے اسکی حفاظت کی زیادہ تاکید فرمائی گئی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ فجر کی نماز کے وقت اور پھر عصر کی نماز کے وقت اُن فرشتوں کی ڈیوٹیاں تبدیل ہوتی ہیں جو بندوں کے عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لے جاتے ہیں، لہٰذا یہ وقت بڑا اہم ہے "ترمذی شریف" کی روایت میں آتا ہے جس کی عصر

کی نماز فوت ہوگئی گویا اسکا کنبہ اور مال سب کچھ ہلاک کردیا گیا؛ اسی لئے فرمایا کہ: تمام نمازوں کی حفاظت کرو مگر خاص طور پر درمیانی نماز کی حفاظت کرو۔

وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ: اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کیساتھ کھڑے ہوجاؤ۔ لفظ "قٰنِتِیْنَ" قنوت سے نکلا ہے جس کے معنیٰ دعا، خشوع وخضوع اور عاجزی وانکساری اور اطاعت وفرمانبرداری کے ہیں گویا نماز میں پوری توجہ اسی طرف لگاؤ دوادھر ادھر کا خیال دل میں نہ لاؤ بلکہ یہ تصور کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کھڑے ہو، لہٰذا پوری توجہ کیساتھ نماز ادا کرو ایسی ہی حالت کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: عبادت کے وقت تیری کیفیت یہ ہونی چاہئے گویا کہ تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، فرمایا: اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہوسکے تو کم از کم اتنا تو ضرور ہے کہ وہ تجھے بہرحال دیکھ رہا ہے لہٰذا نماز کے لئے نہایت باادب طریقے سے کھڑے ہو کہ تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف۔

نمازِ خوف

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا: اگر تم خوف کی حالت میں ہو، پس! پیدل یا سواری پر نماز ادا کرلو۔ خوف سے مراد دشمن کا خوف ہے جب دشمن کے ساتھ حالت جنگ ہو اور جنگ کے میدان میں نماز کا وقت آجائے تو جنگ سے فارغ ہونے تک نماز کو لیٹ نہ کرو بلکہ اس وقت اگر تم پیدل چل رہے ہو یا سواری پر ہو اور دشمن کا ہر آن خطرہ ہے تو سواری کے اوپر چلتے چلتے ہی نماز ادا کرلو، اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے وہ قبول کرنے والا ہے، دشمن کے خوف کے وقت دو گروپ بنا کر نماز کی باجماعت ادئیگی کا ذکر آگے آئیگا۔

بیوہ کے لئے وصیّت

وَ الَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ یَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِیَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ

اور وہ لوگ جو | مرنے لگیں | میں تم | اور | چھوڑ رہے ہوں | بیویاں | وصیت کردیں | چاہئے کہ وصیت کریں

مَّتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ

خرچ دینا تک ایک برس بغیر نکالے پھر اگر عورتیں نکل جائیں پس نہیں گناہ

عَلَیْکُمْ فِیْ مَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِہِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ وَ اللّٰہُ عَزِیْزٌ

اوپر تمہارے میں اس کہ وہ کریں میں بارے اپنے سے بھلی بات اور اللہ زبردست ہے

حَکِیْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۴۱﴾

حکمت والا ہے (۲۴۰) اور لئے طلاق یافتہ عورتوں خرچ قاعدہ کے موافق لازم ہے پر پرہیزگار (۲۴۱)

۳۱ ع ۱۵ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ ع

اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ لئے تمہارے حکم اپنے تاکہ تم سمجھ لو (۲۴۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور اپنی عورتیں چھوڑ جائیں تو وہ اپنی عورتوں کیلئے وصیت کر دیں ایک برس تک خرچ ہے کا گھر سے نکالے بغیر، پھر اگر وہ عورتیں آپ نکل جائیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس میں کہ وہ اپنے حق میں بھلی بات کریں اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے۔(۲۴۰)اور طلاق دی ہوئی عورتوں کیلئے قاعدہ کے موافق خرچ دینا پرہیزگاروں پر لازم ہے۔(۲۴۱)اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے حکم بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھ لو۔(۲۴۲)

تفسیر

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ:ایک سال کی وصیت کا قانون اس وقت تک تھا جب تک بیواؤں کیلئے چار ماہ دس دن کی عدت مقرر نہیں ہوئی تھی، یہ ایک سال کی وصیت عورت پر احسان کہ اسے عدت کے فوراً بعد گھر سے نہ نکالا جائے، بعض اوقات عورت کے ماں باپ بھی نہیں ہوتے جن کے پاس چلی جائے اور دوسرے نکاح کا بھی فوراً بندوبست نہیں ہوسکتا، لہٰذا ایک سال تک انہیں گھر سے نہیں نکالنا چاہئے بلکہ جہاں تک ہوسکے ان کیساتھ احسان کا برتاؤ ہونا چاہئے کیونکہ وہ بیوہ اور بے سہارا ہو چکی ہیں اور وہ پہلے ہی غم سے نڈھال ہیں اس کے ساتھ

مزید سختی نہایت ہی ناپسندیدہ فعل ہوگا۔

بیوہ کے حق میں ایک سال کی وضاحت کا حکم اس وقت تک تھا جب تک چار ماہ دس دن کا حکم نہیں آیا تھا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: پہلے تو یہی حکم تھا کہ بیوہ عورت کے لئے سال بھر کا نان ونفقہ شوہر کے مال سے دیا جائے اور اسی کے مکان میں رہے، پھر میراث والی آیت نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔

موت سے نہ بھاگو

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ هُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ

کیا نہ دیکھا آپ نے طرف ان لوگوں کے جو نکلے سے گھروں اپنے اور وہ ہزاروں ڈر

الْمَوْتِ ۠ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۠ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ

موت پھر فرمایا ان کو اللہ کو مرجاؤ پھر زندہ کردیا انہیں بیشک اللہ والا

فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾

فضل پر لوگ کے اور لیکن اکثر لوگ نہیں شکر کرتے (۲۴۳)

بامحاورہ ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے گھروں سے نکلے موت کے ڈر سے حالانکہ وہ ہزاروں تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ: مرجاؤ! پھر انہیں زندہ کر دیا، بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے اور لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ (۲۴۳)

تفسیر

اس آیت میں ایک بہت پرانے واقعہ کا ذکر ہے کہ ہزاروں یہودی موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے نہ تو انہوں نے تقدیر پر یقین کیا اور نہ دشمن کے خلاف ہتھیار اٹھائے بلکہ بزدل بن کر جان بچانے کی کوشش میں بھاگ کھڑے ہوئے لیکن ان کا یوں بھاگنا کچھ بھی کام نہ آیا اور وہ موت سے نہ بچ سکے۔

"مستدرک حاکم" کی روایت اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ لوگ چار ہزار کی تعداد میں تھے بعض روایتوں میں ستر ہزار تک کی تعداد کا ذکر آتا ہے مگر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت زیادہ صحیح ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک ہے کہ: جس علاقہ میں طاعون پھیل جائے وہاں سے بھاگنے کی کوشش نہ کرو، کیونکہ ہوسکتا ہے بھاگنے والے اپنے ساتھ وبائی اثرات لے جائیں اور اگلے علاقے میں وباء پھوٹ پڑے، نیز: وبائی مرض سے باہر رہنے والے لوگوں کو فرمایا کہ: وہ وباء والی جگہ پر جانے کی کوشش نہ کریں۔

دوبارہ زندگی

ان لوگوں کی دوبارہ زندگی کے متعلق کئی ایک روایتیں ہیں، بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر موجود تھے جن پہاڑوں یا درّوں میں یہ لوگ رہتے تھے، وہاں حزقیل علیہ السلام کبھی کبھی عبادت کیلئے آتے تھے ان لوگوں کی موت کے بعد جب اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حسبِ معمول عبادت کیلئے گئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان درّوں پر ہر طرف لاشیں بکھری پڑی ہیں انہیں علم نہیں تھا کہ کونسا واقعہ پیش آیا ہے، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان مردوں کو دوبارہ زندگی عطا کردی۔

یہاں پر یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ دوبارہ زندگی ایک غیر معمولی واقعہ تھا اور معجزانہ طور پر دوبارہ زندگی عطاء ہوئی ورنہ موت کے بعد دوبارہ زندگی تو قیامت کو ہی ملے گی۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ موت کے خوف سے بھاگنا خواہ جہاد سے ہو یا کسی وباء سے ہو اللہ تعالیٰ اور اسکی تقدیر پر ایمان رکھنے والے کے لئے ممکن نہیں، جسکا یہ ایمان ہے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے نہ اس سے ایک سیکنڈ پہلے آسکتی ہے اور نہ ایک سیکنڈ پیچھے ہٹ سکتی ہے؛ اس لئے یہ حرکت فضول بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ناراضی کا سبب ہونے کی وجہ بھی۔

بیشک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے اور اس میں وہ فضل بھی داخل ہے جو بنی اسرائیل کی اس قوم کو دوبارہ زندہ کرکے فرمایا، اور یہ فضل بھی شامل ہے کہ یہ واقعہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلاکر ان کیلئے عبرت بنایا۔

وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ: اور لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ آخر میں غفلت میں پڑے ہوئے انسانوں کو بیدار کرنے کیلئے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت کے ہزاروں نمونے انسانوں کے سامنے آتے رہتے ہیں مگر اس کے باوجود اکثر انسان شکرگزار نہیں ہوتے۔

احکام ومسائل

مسئلہ (۱):.... اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مقابلے میں کوئی تدبیر فائدہ مند نہیں ہوسکتی اور جہاد سے یا طاعون وغیرہ سے بھاگنا جان بچانے کا ذریعہ نہیں ہوسکتا اور نہ ان میں موجود رہنا موت کا باعث ہوتا ہے بلکہ موت کا ایک وقت معیّن ہے نہ اس میں کوئی کمی ہوسکتی ہے نہ زیادتی۔

مسئلہ (۲):.... جس شہر میں طاعون یا اور کوئی وبائی مرض پھیل جائے وہاں سے بھاگ کر دوسری جگہ جانا جائز نہیں اور دوسرے لوگوں کا بلاضرورت وہاں جانا بھی درست نہیں، حدیث میں ہے کہ:

> "اس بیماری (طاعون) کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تم سے پہلی قوموں پر عذاب نازل فرمایا ہے، سو! جب تم یہ سنو کہ کسی شہر میں طاعون وبائی مرض پھیل رہا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور اگر کسی بستی میں یہ مرض پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو تو وہاں سے بھاگ کر نہ نکلو"۔

وہاں جانے سے روکنے کی ایک حکمت تو یہ ہے کہ ممکن ہے وہاں پہنچ کر کسی کی عمر ختم ہوچکی ہو اور اس مرض میں مبتلا ہوکر انتقال ہوگیا تو مرنے والے کو بھی یہ گمان ہوگا کہ اگر وہ یہاں نہ جاتا تو زندہ رہتا اور دوسروں کو بھی یہی خیال ہوگا کہ یہاں آنے سے اس کی موت واقع ہوئی حالانکہ جو کچھ ہوا وہ پہلے سے لکھا ہوا تھا، اسکی عمر اتنی ہی تھی، کہیں بھی رہتا اس وقت اس کی موت لازمی تھی اس حکم میں مسلمانوں کے عقیدہ کو خراب سے بچایا گیا ہے تاکہ وہ غلط فہمی کا شکار نہ ہوجائیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یحییٰ بن یعمر کی روایت سے کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خبر دی کہ انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طاعون کے متعلق سوال کیا تھا تو آپ نے ان کو بتلایا کہ یہ بیماری اصل میں عذاب کی

حیثیت سے اتری تھی اور جس قوم کو عذاب دینا منظور ہوتا تھا اس پر بھیج دی جاتی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اسکو مومنین کیلئے رحمت بنادیا تو جو اللہ کا بندہ طاعون پھیلنے کے بعد اپنی بستی میں صبر وسکون کیساتھ ٹھہرا رہے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اس کو صرف وہی مصیبت پہنچ سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے لکھ دی ہے تو ایسے شخص کو شہید کے برابر ثواب ملے گا''۔

قرضِ حسن

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۴۴﴾

اور لڑو میں راہ اللہ کے اور جان لو کہ بیشک اللہ سننے والا جاننے والا (۲۴۴)

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا

کون ایسا جو قرض دے اللہ کو قرض اچھا پھر کئی گنا کردے اسے کئی

كَثِیْرَةً ؕ وَ اللّٰهُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ ۪ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

گنا اور اللہ کشادگی کردیتا ہے اور فراخی کرتا ہے اور اسکی طرف لوٹائے جاؤ گے (۲۴۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ کی راہ میں لڑو اور جان لو کہ اللہ بیشک سنتا جانتا ہے۔ (۲۴۴) اور کون شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے، پھر اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا کردے اور اللہ ہی تنگی کرتا ہے اور وہی فراخی کرتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (۲۴۵)

تفسیر

پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کا ذکر کر کے یہ واضح کردیا تھا کہ زندگی اور موت کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے؛ اس لئے دشمن کے خوف سے بھاگنا نہیں چاہئے اب کھلے طور پر جہاد کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اسکے دشمنوں سے جنگ کرو۔

جہاد کیلئے جنگ کے سامان کی ضرورت ہوتی ہے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو مالدار ہیں یہ حکم دیا کہ تم دل کھول کر مال خرچ کرو تمہاری اس قربانی کو اللہ تعالیٰ کئی گنا کر کے واپس کرے گا تم ہرگز یہ نہ سمجھو کہ روپیہ خرچ کرنے سے غریب ہو جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کو قرض دینا یہ ہے کہ اس کے راستے میں مال کے ذریعے جہاد کیا جائے اس کو قرض حسن اس لئے کہا گیا ہے کہ انسان کو یقین ہو جائے کہ جہاد میں لگائی ہوئی اسکی رقم ضائع نہیں جائیگی بلکہ اس قرضِ حسن کو اللہ تعالیٰ بڑھا چڑھا کر کئی گنا کر دیگا۔ "بخاری شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خلوص کے ساتھ دیا ہوا کھجور کا ایک دانہ اُحد پہاڑ کے برابر بڑھ کر واپس ہوگا۔

جہاد کی اہمیت

جہاد میں اپنی جان اور مال لگانا بہت بڑی بات ہے اگر جہاد سے کتراؤ گے تو نہ عزت ہوگی اور نہ دین کا غلبہ باقی رہیگا بے دین اور کافر غالب آجائیں گے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے اور قرآن کریم کے مطابق جہاد نہ کرنے والے فاسق ہو جاتے ہیں یا منافق ہو جاتے ہیں، "ابوداوٗد شریف" کی روایت میں ہے کہ اگر تم جہاد کو چھوڑ کر تجارت، کھیتی باڑی یا دوسرے کاموں میں لگ گئے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت و رسوائی میں ڈال دیگا اور جب تک دین کی طرف واپس نہیں آؤ گے اللہ تعالیٰ تم سے ذلت و رسوائی کو دور نہیں کرینگے، جب تک مسلمانوں میں جہاد کا جذبہ موجود تھا ان کو عزت اور غلبہ حاصل تھا جب جذبہ جہاد میں سستی واقع ہوئی تو نہ عزت رہی، نہ غلبہ۔

وَ اللّٰهُ يَقْبِضُ وَ يَبْصُۜطُ: اور اللہ ہی تنگی کرتا ہے اور وہی فراخی کرتا ہے: یعنی: رزق میں تنگی اور فراخی تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے یہ اختیار اس نے اپنے پاس رکھا ہے اور وہی بہتر جانتا ہے کہ کس کو کتنا دینا ہے، چنانچہ وہ اس کے مطابق رزق میں کمی اور زیادتی کرتا ہے لہٰذا انسان کا یہ وہم کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے اسکا مال کم ہو جائیگا کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔

جب یہ آیت اتری تو ابوالدّ حداح رضی اللہ عنہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگتے ہیں حالانکہ وہ قرض کے محتاج نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ اس کے ذریعے سے تم کو جنت میں داخل کردیں، ابوالدّ حداح رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہاتھ بڑھائیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ بڑھادیا ابوالدّ حداح رضی اللہ عنہ نے کہنا شروع کیا کہ میں کھجور کے دو باغوں کا مالک ہوں اس کے علاوہ میرے پاس میں کچھ نہیں میں اپنے یہ دونوں باغ اللہ تعالیٰ کو قرض دیتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: ایک اللہ تعالیٰ کے راستے میں وقف کردو اور دوسرا اپنے گھر والوں کی ضرورت کیلئے باقی رکھو، ابوالدّ حداح رضی اللہ عنہ نے کہا آپ گواہ رہئے ان دونوں میں سے بہترین باغ جس میں کھجور کے چھ سو درخت ہیں اس کو میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں تمہیں جنت عطا کرینگے، ابوالدّ حداح رضی اللہ عنہ اپنے گھر آئے اور بیوی کو اسکی اطلاع دیدی تو وہ بھی ابوالدداح رضی اللہ عنہ کے اس بہترین سودے پر بہت خوش ہوئیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"کھجوروں سے بھرے ہوئے بیشمار درخت اور کشادہ محل کس قدر ابوالدّ حداح کے لئے تیار ہیں۔"

حضرت طالوت کا قصّہ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی ۘ اِذْ (وقف لازم)

کیا نہ دیکھا آپ نے طرف جماعت بنی اسرائیل کے سے بعد موسیٰ کے جب

قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ

کہا انہوں نے سے پیغمبر اپنے کے مقرر کردو لئے ہمارے بادشاہ تاکہ ہم لڑیں میں راستے اللہ کے کہا

هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَ

کیا توقع ہے تم سے کہ اگر فرض کیا گیا پر تم لڑائی کو کہ نہ لڑوگے تم وہ بولے اور

مَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ قَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا

کیاہوا ہمیں کہ نہ لڑیں میں راستے اللہ کے جبکہ نکال دیئے گئے ہم سے گھروں اپنے

وَ اَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا

اور بیٹوں اپنے سے پھر جب فرض کیا گیا پر ان لڑائی کو وہ پھر گئے مگر تھوڑے

مِّنْهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۴۶﴾

میں ان اور اللہ جانتا ہے ظالموں کو (۲۴۶)

بامحاورہ ترجمہ: ۔کیا آپ نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہ دیکھا موسیٰ کے بعد، جب انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کردو تا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑیں، پیغمبر نے کہا کیا تم سے یہ بات کچھ دور ہے کہ جب تم پر جنگ فرض کی جائے تو تم نہ لڑو وہ بولے ہمیں کیا ہوا کہ ہم نہ لڑیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں، حالانکہ ہم تو نکال دیئے گئے اپنے گھروں اور بیٹوں کے پاس سے، پھر جب ان پر لڑائی فرض کی گئی تو ان میں سے چند ایک کے سوا سب پھر گئے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔(۲۴۶)

تفسیر

اس آیت میں بھی بنی اسرائیل کی تاریخ کے ایک اہم واقعہ کا ذکر ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بادشاہ جالوت اور دوسرے دشمنوں کے حملوں سے گھبرا کر اور ہر طرف سے عاجز ہو کر یہ لوگ بیت المقدس میں جمع ہو گئے یہ زمانہ غالباً حضرت سموئیل پیغمبر کا تھا، بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سے کہنے لگے ہمارے لئے کوئی سپہ سالار مقرر کردو جس کی قیادت میں ہم جہاد کرسکیں۔

بنی اسرائیل کا زوال

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد تک بنی اسرائیل کے حالات درست رہے اگرچہ اس عرصہ میں کہیں

کہیں خرابیاں بھی پائی گئی مگر مجموعی طور پر ان کے حالات اچھے رہے، وہب ابن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق بنی اسرائیل کے حالات بڑی دیر بعد بگڑنا شروع ہوئے ان میں بھی شرک کی بیماری پیدا ہوگئی، پیغمبروں کی نافرمانی اوران کے قتل کا قرآن پاک میں ہے، بنی اسرائیل طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوگئیں تھیں تو ان کا زوال شروع ہوگیا تھا اس زمانے میں عمالقہ بڑی طاقتور قوم تھی، انہوں نے بنی اسرائیل کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کرلیا یہ قوم بنی اسرائیل کی ہمسایہ تھی، لہٰذا وہ آسانی سے ان پر غالب آ گئے، ان کے مردوں کو قتل کیا، عورتوں کو لونڈیاں بنایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد پیغمبری کا سلسلہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں جاری رہا حتیٰ کہ لاوی خاندان میں کوئی نیک آدمی باقی نہ رہا تمام کے تمام مرد نالائق اور نکمّے تھے، ایک نیک آدمی دشمنوں کے مقابلہ میں مارا گیا اس کی بیوی اس وقت حاملہ تھی اس عورت نے دعا کی کہ مولا کریم! مجھے نیک اور صالح بیٹا عطا کر، اللہ تعالیٰ نے اسے بیٹا عطا کر دیا جسکا نام اس نے سائل یا سموئیل رکھا، یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے جسکا معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دعا کو سن لیا اور بیٹا عطا کیا، گویا یہ لفظ اسماعیل کا ہم معنیٰ ہے جب یہ لڑکا بڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسے پیغمبر بنایا اس پر وحی اتاری یہ واقعہ جو بیان ہو رہا ہے یہ اسی پیغمبر سموئیل علیہ السلام کے زمانے کا واقعہ ہے۔

سپہ سالار کا تقرر

وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ

اور کہا سے ان پیغمبر ان کے نے بیشک اللہ نے مقرر کر دیا لئے تمہارے طالوت بادشاہ

قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ

وہ کہنے لگے کیونکر مل سکتی ہے اسے بادشاہت پر ہم اور ہم زیادہ حق رکھتے ہیں بادشاہت کا

مِنْهُ وَ لَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ

سے اس اور نہیں دی گئی اسے وسعت سے مال

بامحاورہ ترجمہ:۔ اوران کے پیغمبر نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے وہ کہنے لگے اسے ہم پر بادشاہت کیونکر مل سکتی ہے اور ہم اس کے مقابلہ میں بادشاہت کا زیادہ حق رکھتے ہیں اور اسے تو مال میں وسعت نہیں ملی۔

تفسیر

طالوت: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے سب سے پہلے بادشاہ بنائے، آپ بن یامین قبیلہ سے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بادشاہی تو زیادہ تر یہودا کے خاندان میں رہی جن میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تھے اور پیغمبری زیادہ تر لاوی خاندان میں رہی جس سے حضرت ہارون علیہ السلام تھے یہ طالوت بن کش حضرت یوسف علیہ السلام کے چھوٹے بھائی بن یامین کی اولاد میں سے تھے اور یہ نسبتاً چھوٹا خاندان سمجھا جاتا تھا۔

یہودیوں نے طالوت کے سپہ سالار مقرر ہونے پر یہی اعتراض کیا کہ وہ کوئی مالدار نہیں ایک غریب آدمی ہیں، بھلا! ہم دولت مندوں پر ایک غریب کو کیسے سرداری مل سکتی ہے حکومت اور سرداری تو امیروں کا حق ہے۔

طالوت کی خصوصیات

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَ

پیغمبر نے کہا بیشک اللہ نے چن لیا اسے پر تم اور زیادہ دی اسے کشادگی میں علم اور

الْجِسْمِ ؕ وَ اللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾

جسم اور اللہ دیتا ہے بادشاہت جسے چاہے اور اللہ وسعت دینے والا جاننے والا (۲۴۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پیغمبر نے کہا بیشک اللہ نے اسے تم پر چن لیا ہے اور اسے علم اور جسم میں زیادہ کشادگی دی ہے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بادشاہت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت کرنے والا جاننے والا ہے۔(۲۴۷)

تفسیر

آیت کے پہلے حصے میں ذکر تھا کہ سموئل پیغمبر نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے طالوت کی بادشاہت کا اعلان فرمایا، یہودیوں نے اپنی دولت کے گھمنڈ میں ان کے اس انتخاب پر اعتراض کیا کہ وہ ہم سے زیادہ دولت مند نہیں تو وہ ہمارے بادشاہ کیسے ہو سکتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے حکومت اور سرداری کیلئے اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی خصوصیات بیان فرمائیں، پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے علم میں وسعت عطا فرمائی ہے، دوسری یہ کہ جسمانی اعتبار سے وہ تمہارے مقابلہ میں زیادہ طاقتور ہے۔

یہاں پر علم سے مراد سیاسی علم، یعنی: نظامِ حکومت چلانے کی صلاحیت ہے، جہاں تک دینی علم کا تعلق ہے وہ تو پیغمبر کے پاس تھا، تاہم اللہ تعالیٰ نے سیاسی علم طالوت کو عطا کیا تھا، امیر کیلئے جسمانی طور پر صحت مند ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ بیمار لاغر شخص نظامِ حکومت کو اچھے طریقے سے نہیں چلا سکتا، طالوت تیس سال کا باوقار نوجوان تھا قدآور اور صحت مند تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اسے اس کام کیلئے منتخب فرمایا تھا اور اس انتخاب پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا تھا جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کو چنا اسی طرح اس نے طالوت کو بادشاہت کیلئے چنا۔

طالوت کے بادشاہ ہونے کی نشانی

وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ

اور کہا سے ان پیغمبران کے نے بیشک نشانی بادشاہت اس کی کی کہ پاس آئے تمہارے صندوق

فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ

جس میں دلی اطمینان سے رب تمہارے اور بچی ہوئی چیزیں ان میں جو چھوڑ گئی اولاد موسیٰ کی اور

اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ

اولاد ہارون کی اٹھارہے ہوں گے اسے فرشتے بیشک میں اس البتہ نشانی ہے لئے تمہارے اگر

۳۲ ع ۱۶

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾

ہو تم ایمان والے (۲۴۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور پیغمبر نے بنی اسرائیل سے کہا کہ طالوت کی بادشاہت کی یہ نشانی ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق لایا جائیگا جس میں دلی اطمینان ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جو چھوڑ گئی موسیٰ اور ہارون کی اولاد، اس صندوق کو فرشتے اٹھالائیں گے، بیشک اسی میں تمہارے لئے پوری نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو۔ (۲۴۸)

تفسیر

التَّابُوْتُ: اس صندوق میں بنی اسرائیل کے پیغمبروں کے کچھ تبرکات موجود تھے وہ اسے ہر وقت حتیٰ کہ سفر اور جنگ میں بھی ساتھ رکھتے وہ اسے بڑا بابرکت سمجھتے اور خاص طور پر لڑائی کے وقت اسکو آگے آگے رکھتے تاکہ اللہ تعالیٰ اسکی برکت سے انہیں فتح عطا فرمائے۔

حضرت سموئیل علیہ السلام نے حضرت طالوت کو بنی اسرائیل پر بادشاہ مقرر کر دیا تو ان کے اطمینان کے لئے یہ بھی بتایا کہ ان کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارا وہ مبارک صندوق جسے جالوت تم سے چھین کر لے گیا ہے وہ طالوت کی بادشاہت میں تمہیں مل جائیگا۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جالوت اور اسکی قوم جب سے یہ تابوت بنی اسرائیل سے چھین کر لے گئے انہیں ایک دن بھی چین نہ آیا جس جگہ اور جس بستی میں اسے رکھتے وہیں کوئی وبا پھوٹ پڑتی یا کوئی اور مصیبت آجاتی، آخر! عاجز آکر انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس سے چھٹکارا حاصل کیا جائے، چنانچہ انہوں نے یہ تابوت ایک بیل گاڑی میں لادا اور بغیر کسی گاڑیبان کے اسکو یونہی ہانک دیا اللہ تعالیٰ کے فرشتے اسے طالوت کے دروازے پر لے گئے

اور بنی اسرائیل ان نشانیوں کو دیکھ کر طالوت کے بادشاہ مقرر ہونے پر مطمئن ہوگئے، چنانچہ قوم نے ان کی سربراہی میں جہاد کرنے کا عزم بھی کرلیا اب اللہ تعالیٰ کا پیغمبر سموئیل بھی موجود تھا اور طالوت بادشاہ بھی موجود تھا۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تابوت بنی اسرائیل کے قبضہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد تک رہا آپ نے اسے بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے بعد اس میں رکھ دیا اس کے بعد اسکا پتہ نہیں چلتا یہودیوں کا خیال ہے کہ یہ تابوت اب بھی ہیکل سلیمانی کی بنیادوں کے اندر دفن ہے۔

طالوت بادشاہ کی سرکردگی میں فوج کی تیاری شروع ہوئی عام اعلان کیا گیا کہ تمام کے تمام صحت مند نوجوان فوج میں بھرتی ہوجائیں، چنانچہ ۸۰ اسّی ہزار کا زبردست لشکر تیار ہوا دشمن بھی بڑا طاقتور تھا، قوم عمالقہ کا سردار جالوت تھا دس فٹ قد کا یہ جوان بڑا طاقتور تھا اسے دیکھ کر دہشت آتی تھی۔

لشکر کی آزمائش

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ

پھر جب باہر نکلا طالوت ساتھ لشکروں کے کہا بیشک اللہ آزمائش کرے گا تمہاری ایک نہر کے ذریعہ

فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَ مَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ

سو! جس نے پانی پیا سے اس تو نہیں میرا اور جس نے نہ پیا اس سے تو وہ بیشک میرا ہے

اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ

مگر جو بھرے ایک چلو ہاتھ اپنے سے پھر پیا سے اس مگر تھوڑے ان میں سے

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جب طالوت لشکروں کو لیکر باہر نکلا اس نے کہا بیشک اللہ ایک نہر کے ذریعہ تمہاری آزمائش کرے گا، سو! جس نے اس نہر کا پانی پیا تو وہ میرا نہیں اور جس نے اس سے نہ پیا تو وہ بیشک میرا ہے، مگر جو کوئی اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھرے (اسکی اجازت ہے)، پھر سب نے (پیٹ بھر کر) پی لیا مگر ان میں سے تھوڑوں نے نہیں پیا۔

تفسیر

جس دریا سے اس لشکر کو گزرنا تھا اسکا نام "دریائے اردن" بیان کیا جاتا ہے، شرق اردن کی ہاشمی حکومت کا نام بھی اسی دریا کی نسبت سے ہے، یہ دریا شمال سے جنوب کو بہتا ہے اور بحیرہ مردار میں جا گرتا ہے۔

طالوت اپنے لشکروں کو لے کر چلے اور ان سے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ذریعے آزمانا چاہتا ہے، کہتے ہیں کہ یہ ایک چھوٹی سی نہر ہے جو جیرون میں شمالاً جنوباً بہتی ہے اسکی کل لمبائی دو سو میل کے قریب ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد "دریائے اردن" ہے جسے عبور کر کے دشمن کے مقابلہ پر جانا تھا جب لشکر اس نہر کے قریب پہنچا تو لشکر کے سپہ سالار نے اعلان کیا کہ تمہاری آزمائش کا وقت آ گیا ہے اگرچہ تمہیں پیاس لگ رہی ہوگی مگر اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ یہاں سے پانی نہیں پینا اور جو کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کر کے نہر کا پانی پی لے گا وہ مجھ سے نہیں ہے، یعنی: میرا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا اور جس نے اس پانی کو بالکل نہ چکھا بلا شبہ وہ مجھ سے ہے، یعنی: وہ میرے لشکر میں شامل رہیگا، ہاں! اتنی گنجائش ہے کہ جو کوئی اپنے ہاتھ سے چلو بھر لے تو اسکی اجازت ہے اس سے زیادہ پانی پینے کی اجازت نہیں۔

ہار، جیت کا دار و مدار لشکروں کے کم یا زیادہ ہونے پر نہیں

فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ

پھر جب پار ہوئے اس سے وہ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ساتھ اس کے کہنے لگے نہیں طاقت ہمیں آج

بِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ

ساتھ جالوت اور لشکروں اس کے کہنے لگے وہ لوگ جنہیں یقین تھا کہ انہیں ملنا ہے اللہ سے

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ

کتنی ہی بار سے جماعت تھوڑی غالب ہوئی جماعت بڑی پر ساتھ حکم اللہ کے اور اللہ

مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾
ساتھ ہے صبر کرنے والوں (۲۴۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جب طالوت اور اسکے ایماندار ساتھی پار ہوئے تو وہ کہنے لگے آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکروں سے مقابلہ کی طاقت نہیں وہ لوگ جنہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ سے ملنے والے ہیں، کہنے لگے کتنی بار تھوڑی جماعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب ہوئی ہے، اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کیساتھ ہے۔ (۲۴۹)

تفسیر

حضرت طالوت اپنے مؤمن ساتھیوں کو لیکر چلے تو پہلے ہی انہیں خبردار کر دیا کہ راستہ کی نہر سے چلّو بھر سے زیادہ پانی نہ پئیں ورنہ ساتھ چھوٹ جائیگا یہی ہوا چند ایک کے سوا سب نے جی بھر کر پانی پیا اور پیٹ بوجھل ہونے کی وجہ سے چلنے کے قابل ہی نہ رہے یہ تھوڑی سی جماعت دشمن کے مقابلہ پر پہنچی تو اپنی کم تعداد کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے یہ بندے کہنے لگے آج اتنے بھاری لشکر سے ہم کیسے مقابلہ کرینگے مگر کامل یقین اور پختہ ایمان والے ساتھی پکار اٹھے کہ نہیں! فتح ہماری ہوگی اکثر ایسا ہوا ہے کہ چھوٹی جماعتیں بھاری لشکروں پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے کامیاب ہوگئی ہیں، ہار جیت کا فیصلہ لشکروں کی تعداد سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور دلوں کی طاقت سے ہوتا ہے جو صبر کا دامن نہ چھوڑے، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جنگ کے میدان عمل میں ڈٹ جانے والوں کی اللہ تعالیٰ غیب سے مدد فرماتا ہے۔

حدیث شریف میں ان کی تعداد ۳۱۳ آتی ہے اور یہ تعداد بدر کے جانثاروں کی تعداد کے برابر ہے، بعض روایتوں میں ۳۱۹ کا ذکر بھی آتا ہے اسی ہزار کے لشکر میں صرف یہ تھوڑی سی تعداد آمائش میں پوری اتری۔

صبرو استقامت

وَ لَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا

اور جب سامنے ہوئے جالوت اور لشکروں اس کے کے بولے رب ہمارے ڈال دے پر ہم صبر

وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٥٠﴾ فَهَزَمُوْهُمْ

اور جمائے رکھ پاؤں ہمارے اور مدد کر ہماری پر قوم کافروں (۲۵۰) پھر شکست دی انہیں

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَ الْحِكْمَةَ

سے حکم اللہ کے اور مار ڈالا داؤد نے جالوت کو اور دی اسے اللہ نے بادشاہت اور حکمت

وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ

اور سکھایا انہیں جو چاہا اور اگر نہ دفع کرتا اللہ لوگ کو بعض ان میں سے ساتھ بعض کے

لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٥١﴾

تو برباد ہو جاتی زمین اور لیکن اللہ والا فضل پر جہان والوں (۲۵۱)

با محاورہ ترجمہ: ۔اور جب جالوت اور اسکی فوجیں سامنے ہوئیں تو (ایمان والے) بولے اے ہمارے رب! ہمارے دلوں میں صبر ڈال دے اور ہمارے پاؤں جمائے رکھ اور اس کافر قوم پر ہماری مدد کر۔ (۲۵۰) پھر مومنوں نے جالوت کے لشکر کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے شکست دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر ڈالا اور اللہ نے اسے (داؤد کو) بادشاہت وحکمت دی اور جو چاہا اسے سکھایا اور اگر اللہ اسے دفع نہ کراتا ایک کو دوسرے سے تو زمین برباد ہو جاتی لیکن اللہ جہان والوں پر فضل کرنے والا ہے۔ (۲۵۱)

تفسیر

جب حضرت طالوت کا لشکر جالوت کے مقابلے پر آیا تو اس نے اپنی قوت کے نشے میں اللہ تعالیٰ کے

بندوں کو للکارا، مؤمن کبھی اپنی کثرت تعداد کی طاقت پر بھروسہ نہیں کرتے، چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے صبر کی توفیق مانگی اور دعا کیلئے ہاتھ اٹھالئے اور کہنے لگے اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر ڈال دے اور ہمارے قدموں کو جمائے رکھ اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

جب جالوت نے دیکھا مقابلے میں معمولی سا لشکر ہے تو کہنے لگا میری ساری فوج کو لڑنے کی ضرورت نہیں ہے اس لشکر کیلئے تو میں اکیلا ہی کافی ہوں اس زمانے میں جنگ کا طریقہ یہ تھا کہ ابتداء میں دونوں طرفوں سے ایک ایک آدمی نکلتا اور مقابلہ کرتا پھر دونوں طرفوں سے ایک ایک اور سپاہی نکلتا حتیٰ کہ عام جنگ شروع ہوجاتی۔

حضرت داوٗد علیہ السلام کا کارنامہ

قرآن مجید میں آپ کا ذکر ۱۶ جگہوں پر آیا ہے آپ طالوت کی فوج میں ایک سپاہی کی حیثیت سے شامل تھے اور اس وقت تک آپ کی پیغمبری کا اعلان نہ ہوا تھا اور نہ وہ ابھی بادشاہ مقرر ہوئے تھے، حضرت داوٗد علیہ السلام کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کا لشکر کامیاب ہوا، اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہی ہے کہ ایک کے ہاتھوں دوسرے کو شکست دیکر دنیا سے خرابی اور فساد کو مٹاتا ہے۔

طالوت کے لشکر میں حضرت داوٗد علیہ السلام کے والد ایساع یا یسی بن عوبید بھی شامل تھے ان کے چھ بیٹے تھے جن میں داوٗد علیہ السلام سب سے چھوٹے تھے، کہتے ہیں کہ آپ کم عمری کی وجہ سے جنگ میں شرکت کیلئے نہیں آئے تھے بلکہ اپنے بڑے بھائیوں کو سامان پہنچانے کیلئے وہاں آئے تھے ادھر اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو حکم ہوا کہ جالوت کے مقابلہ کیلئے داوٗد کو نکالو آپ نے ان کے باپ کو چھ بیٹوں سمیت بلایا اللہ تعالیٰ کے حکم سے داوٗد علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا وہ جالوت کا مقابلہ کرینگے انہوں نے ہاں میں جواب دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے ان کو جالوت کے مقابلہ کیلئے نکالا آپ نے تلوار، تیر یا نیزہ استعمال کرنے کے بجائے دشمن پر پتھر پھینکنے کا فیصلہ کیا اگرچہ آپ کم عمر تھے مگر بڑے ذہین اور پتھر چلانے میں بڑے ماہر تھے، چنانچہ آپ نے اپنے تھیلے سے ایک پتھر نکالا اسے گوپیا

میں ڈالا اور زور سے گھما کر جالوت کو دے مارا جو جالوت کے ماتھے پر جا کر لگا اور سر کے پار نکل گیا آپ نے دوسرا اور تیسرا پتھر چلایا تو جالوت زمین پر گر گیا، آخر داوٗد علیہ السلام نے اسکے اوپر پہنچ کر اسکا کام تمام کر دیا جب لشکر نے دیکھا کہ ان کا سردار مارا گیا ہے تو اسکی جگہ دوسرے نے لینے کی کوشش کی مگر وہ بھی مارا گیا آخر دشمن کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ شکست کھا گئے۔

مناقب حضرت داوٗد علیہ السلام

حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے آپ اتنے بہادر تھے کہ دشمن کے مقابلے میں کبھی پشت نہیں پھیری، آپ بچپن میں بکریاں چراتے تھے جب کبھی کوئی بھیڑیا یا شیر بکریوں پر حملہ کرتا تو آپ اتنے طاقتور تھے کہ اسکے جبڑے پھاڑ دیتے آپ نہایت خوش الحان تھے، جب آپ تلاوت کرتے تو پرندے بھی آپ کی آواز سننے کیلئے ٹھہر جاتے، اللہ تعالیٰ نے لوہے کو آپ کے ہاتھ پر موم کر دیا تھا جدھر چاہتے موڑ لیتے، چنانچہ آپ لوہے کی زرہیں بھی بناتے تھے آپ اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ عبادت گزار تھے۔

آپ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ تھے آپ کی بہادری دیکھ کر طالوت نے اپنی بیٹی کا نکاح آپ سے کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے داوٗد علیہ السلام کو حکومت کے علاوہ حکمت بھی عطاء کی، عام طور پر حکمت سے مراد انتہائی درجہ کی عقلمندی اور سمجھداری ہوتا ہے، تاہم بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: یہاں حکمت سے مراد نبوت ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرمائی تھی، اس سے پہلے اسرائیلیوں میں حکومت اور نبوت دو مختلف شخصیتوں کے پاس ہوتی تھی جیسے نبی سموئیل علیہ السلام تھے اور حکومت طالوت کے پاس تھی مگر یہ دونوں چیزیں داوٗد علیہ السلام پر آ کر اکٹھی ہو گئیں طالوت کے بعد آپ کو خلافت ملی اور حضرت سموئیل کی بعد آپ پیغمبر بھی بنے۔

گذشتہ نشانیاں

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

یہ آیتیں ہیں اللہ کی سناتے ہیں ہم آپ کو ٹھیک ٹھیک اور بیشک آپ ہیں سے بھیجے ہوؤں (۲۵۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں ہم آپ کو ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں، اور بیشک آپ ہمارے پیغمبروں میں سے ہیں۔(۲۵۲)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ یہ گذشتہ قصے جو ہم آپ کو سناتے ہیں یہ بالکل سچ ہیں ان میں کسی طرح کا شک وشبہ نہیں ان قصوں میں بیشمار نصیحت کی باتیں ہوتی ہیں جو آنے والی قوموں اور نسلوں کیلئے نصیحت کا کام دیتی ہیں بنی اسرائیل کے ہزاروں لوگوں کا اپنے گھروں سے نکلنا، اچانک مرجانا، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہوجانا، جالوت کا ان پر حملہ کرنا، ان کا سپہ سالار کیلئے درخواست کرنا، حضرت طالوت علیہ السلام کا بادشاہ بننا، انہیں علم اور جسم میں بڑائی دینا، تابوت سکینہ کا واپس آجانا، طالوت علیہ السلام کا جالوت کے مقابلے میں نکلنا، حضرت داؤد علیہ السلام کا جالوت کو قتل کرنا اور انہیں سلطنت وحکمت کا عطا ہونا ان سب باتوں کی اطلاع اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو دیتا ہے اور ان میں ہمارے لئے نصیحتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی بتایا کہ آپ ہمارے پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر ہیں اور ان کی واضح دلیل یہ ہے کہ ہم پہلے زمانوں کے قصے اور نشانیاں آپ پر کھولتے ہیں اور یہ باتیں صرف پیغمبروں ہی کو بتائی جاتی ہیں حالانکہ یہ تمام باتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کتاب میں پڑھی ہیں نہ کسی آدمی سے سنی ہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی وحی سے آپ کو پہنچتی ہیں۔

دوسرے پارہ کا خلاصہ

دوسرے پارہ کے شروع میں تحویل قبلہ کا ذکر ہوا، یعنی: بیت المقدس کعبہ کی طرف رُخ پھیرنے کا حکم ہو،

تیسرے رکوع میں شہادت اور شہیدوں کا درجہ بتلایا اور اسکے فوراً بعد توبہ کا طریقہ بتلایا، چوتھے اور پانچویں رکوع میں حلال وحرام غذاؤں اور باپ دادا کے غلط ہونے کی رسموں کی طرف توجہ دلائی، چھٹے رکوع کی پہلی آیتوں میں نیکی کے بارے میں بتایا گیا ہے اسکے بعد قصاص، وصیت، رمضان کے روزے، دعاء اور اعتکاف کے مسائل کا ذکر نہایت خوبصورتی سے موجود ہے، آٹھویں، نویں اور دسویں رکوع میں جہاد اور حج کے مسئلے بیان ہوئے ہیں اور درمیان میں کئی دوسرے مسئلے بھی آ گئے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنے کا ذکر ہوا، شراب کی حرمت اور اہل شرک سے نکاح کی ممانعت کا حکم ہوا اور اہل کتاب کا بھی ذکر آیا۔

مسلسل چار رکوع، یعنی: بارہ سے پندرہ تک گھریلو زندگی کے مسائل سے متعلق ہیں مثلاً: حیض ونفاس، طلاق، عدت، مہر، رضاعت اور دوسرے متعلقہ مسائل۔

دوسرے پارہ کے آخری رکوع، یعنی: نمبر سولہ اور سترہ میں بنی اسرائیل کی تاریخ کا اہم واقعہ کا ذکر ہے، یعنی: جالوت کے مقابلہ میں حضرت طالوت علیہ السلام کی لشکر کشی، حضرت داوٗد علیہ السلام کی بہادری، ایمان والوں کی شاندار کامیابی اور کافروں کی رسوا کن شکست۔

پیغمبروں کے درجے

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ

یہ پیغمبر ہیں فضیلت دی ہم نے بعض کو ان کے پر بعض سے ان کوئی کلام فرمایا

اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ

اللہ نے اور بلند کئے بعض ان میں درجے

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہ پیغمبر ہیں ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ان میں سے کوئی وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور بعض کے درجے بلند کئے۔

لفظی تحقیق: مَنْ کَلَّمَ اللّٰہُ: جس سے اللہ نے کلام فرمایا، یعنی: وہ پیغمبر جن سے اللہ تعالیٰ نے گفتگو فرمائی اور براہِ راست ان تک اپنا پیغام پہنچایا، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گفتگو فرمائی۔

تفسیر

یہاں اللہ تعالیٰ نے بہت سے پیغمبروں کا مختصراً ذکر فرمایا ہے، اس سے پہلے بہت سے پیغمبروں کا ذکر آچکا ہے حضرت داوٗد علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیان آچکا ہے، یہ تمام حضرات اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں ان پر ایمان لانا ضروری ہے، کسی ایک پیغمبر کا انکار سب پیغمبروں کے انکار کے برابر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ پیغمبروں میں بعض کے درجے بعض سے بلند ہیں مثلاً: بعض سے اللہ تعالیٰ نے براہِ راست کلام فرمایا، بعض سے فرشتے کے ذریعے اور کچھ ایسے پیغمبر بھی ہوئے جو صرف پہلی شریعت کو زندہ کرنے کیلئے آئے کوئی نئی کتاب لے کر نہیں آئے، مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا عقیدہ ہے کہ جب سے دنیا بنی ہے اس وقت سے آج تک ہر زمانہ میں اور ہر امت میں جو بھی پیغمبر بھیجے گئے وہ سب ایک ہی خدا کا پیغام لائے، ہر ایک کے پیغام کی اپنے اپنے زمانے میں پیروی کرنا ضروری تھی، ہم ان سب کی سچائی پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو گناہ سے پاک رکھتے ہیں البتہ فضیلتوں کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے۔

یہاں پر ایک بات کی وضاحت ضروری ہے، وہ یہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: پیغمبروں کے درمیان ایک پیغمبر کو دوسرے پیغمبر سے بلند مرتبہ والا نہ کہا کرو یا مجھے بھی باقی پیغمبروں کے درمیان فضیلت نہ دو یا یونس ابن متیٰ کے مقابلہ میں کسی کو فضیلت نہ دو، اس کے بارے میں محدثین کرام فرماتے ہیں کہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ میں اپنی عقل سے بات نہ کرو کہ بعض کو بعض پر فضیلت دینے لگو اور بعض کی توہین کرنے لگو، ایسا نہ کرو! کیونکہ ایسا کرنے سے کفر لازم آجاتا ہے یعنی ایسی فضیلت بیان کرنا جس سے دوسرے پیغمبروں کی توہین ہو یہ ناجائز اور حرام ہے، فضیلت کا جو ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے اسی پر عمل کرتے ہو، چنانچہ اس معاملہ میں امت کے

علماء کا اتفاق ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں پر فضیلت بخشی ہے۔

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ: اور بعض کے درجات بلند کئے: اس آیت میں بعض سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات سب پیغمبروں سے زیادہ بلند کئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ محمود عطا فرمایا ہے جس کا ظہور قیامت کے دن ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کبریٰ (سب سے بڑی شفاعت) عطا ہوئی ہے، آپکی امت کو اکثریت حاصل ہے، آپکی امت تمام امتوں سے افضل ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب بھی سب سے افضل دی گئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بیشمار معجزات عطا کئے ہیں، غرضیکہ آپ کے درجات بہت بلند فرمائے ہیں۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام

وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ

اور دیئے ہم نے عیسٰی بیٹے مریم کے کو کھلے معجزے اور ہم نے قوت دی اسے ساتھ روح پاکیزہ کے

وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا

اور اگر چاہتا اللہ نہ لڑتے وہ لوگ جو تھے بعد ان کے سے بعد جو

جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَ لٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَ

پاس پہنچے ان کے کھلے حکم اور لیکن اختلاف کیا انہوں نے پھر ان میں کوئی جو ایمان لایا اور

مِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۗ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ

ان میں کوئی جو کافر ہوا اور اگر چاہتا اللہ نہ وہ لڑتے اور لیکن اللہ

ع ٥ ٣٣ ١ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

کرتا ہے جو چاہے (۲۵۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسٰی کو کھلے معجزے دیئے اور اس کو روح القدس (یعنی

جبرائیل) کے ذریعے قوت دی اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو جو لوگ ان پیغمبروں کے بعد ہوئے آپس میں نہ لڑتے اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلے حکم پہنچے لیکن انہوں نے اختلاف کیا اور پھر کوئی ان میں ایمان لایا اور کوئی کافر ہوا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو وہ آپس میں نہ لڑتے لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہیں کرتے ہیں۔ (۲۵۳)

تفسیر

قرآن کریم میں اسکی وضاحت موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزوں میں مردوں کو زندہ کرنا، کوڑھیوں کو تندرست کرنا، اللہ تعالیٰ کے حکم سے غیب کی خبریں دینا، گھر سے کھا کر آنے والے کو بتا دینا کہ کیا کھا کر آیا ہے وغیرہ شامل ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جہاں بھی قرآن کریم میں ذکر آتا ہے عیسیٰ بن مریم کے نام سے آتا ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ کا باپ کوئی نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے انہیں بغیر باپ کے پیدا فرمایا، قیامت کے دن بھی آپ کو عیسیٰ بن مریم کہہ کر ہی پکارا جائے گا اور پھر پوچھا جائے گا کہ کیا آپ نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے معبود بنالو؟ آپ جواب دیں گے اے اللہ! آپ پاک ہیں، میں ایسی بات کس طرح کر سکتا ہوں جس کا مجھے حق نہیں، میں نے تو انہیں وہی کچھ کہا جس کا آپ نے مجھے حکم دیا گویا عیسیٰ بن مریم کہہ کر ان کے خدا ہونے کی نفی کی گئی ہے۔

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ: ہم نے روح القدس کے ساتھ ان کی تائید کی: یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہی فرمایا گیا ہے، روح القدس سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں، مطلب یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جدھر بھی جاتے تھے حضرت جبرائیل علیہ السلام ان کے ساتھ ہوتے تھے اس طرح ان کی تائید ان کے ساتھ ہوتی تھی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بات حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے فرمائی تھی کہ اے حسان! تم مشرکوں کو شعروں کے ذریعہ جواب دو تمہیں جبرائیل امین کی تائید حاصل ہوگی۔

مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ: پیغمبروں کے بعد آنے والے لوگ واضح نشانیاں آجانے کے بعد نہ لڑتے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتے اور وہ ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑا نہ کرتے، اللہ تعالیٰ نے انہیں کسی کام پر مجبور نہیں کیا بلکہ اچھائی اور برائی کے دونوں راستے دکھا کر انسان کو اپنے

ارادے کے مطابق عمل کرنے کا اختیار دے دیا۔

انہوں نے اختلاف کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں کچھ لوگ ایمان دار رہے اور کچھ نے انکار کر دیا اور کفر کا راستہ اختیار کیا، جب اختلاف پیدا ہوگا تو پھر لڑائی بھی ہوگی۔

اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو یہ لوگ آپس میں نہ لڑتے سب ایک ہی راستے پر ہوتے اور ان میں کوئی اختلاف پیدا نہ ہوتا مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل اور قوت عطا کی ہے اسے اشرف المخلوقات بنایا ہے اور پھر اسے اختیار دیا ہے کہ وہ اپنے ارادے سے جو راستہ بھی چاہے اختیار کرے، اگر صحیح راستہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ایمان پر راضی ہوتے ہیں کفر پر راضی نہیں ہوتے، ایمان والوں کو نجات دیں گے اور ان کو کامیابی نصیب ہوگی۔

اللہ تعالیٰ انسان کا امتحان لینا چاہتے ہیں اور اپنے بندوں کو آزما کر اس کے مطابق جزا یا سزا دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ
اے لوگو! جو ایمان لائے ہو خرچ کرو میں سے اس جو ہم نے دیا تم کو سے پہلے کہ

يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ
آئے ایسا دن کہ نہ خرید و فروخت میں اس اور نہ دوستی اور نہ سفارش اور جو کافر ہیں

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾
وہی ظالم ہیں (۲۵۴)

با محاورہ ترجمہ:۔ اے ایمان والو! اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تم کو دیا ہے اس دن کے آنے سے پہلے کہ جس دن نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی اور نہ سفارش اور جو کافر ہیں وہی ظالم ہیں۔ (۲۵۴)

تفسیر

رَزَقْنٰکُمْ: ہم نے تمہیں عطا کیا: اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مقصد یہ ہے کہ مال و دولت اور رزق و خوشحالی جو کچھ بھی لوگوں کے پاس ہے وہ سب ہمارا ہی دیا ہوا ہے اور اصل میں ہمیں ہی حق حاصل ہے کہ جن کاموں میں چاہیں مال و دولت خرچ کرنے کا حکم دیں اور جن کاموں سے چاہیں مال و دولت خرچ کرنے سے روک دیں۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ: یَوْمٌ: دن۔ یہاں دن سے مراد قیامت کا دن ہے مطلب یہ ہے کہ نیک کاموں میں مال خرچ کرنے کا اور نیکیاں جمع کرنے کا موقع اس دنیا میں ہے اس کے بعد جب قیامت کا دن آپہنچے گا تو پھر کسی عمل کا موقع نہیں ملے گا۔

اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے عبادات اور معاملات کے متعلق بہت سے احکام بیان فرمائے ہیں ان تمام نیک کاموں میں سب سے زیادہ دشوار کام جان اور مال کی قربانی ہے، اس لئے بار بار ان کا حکم آتا ہے، ان چیزوں کی محبت ہی انسان کو گناہ کی طرف لے جاتی ہے۔

حضرت طالوت اور آپ کے دشمن جالوت کا قصہ بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے جہاد کی اہمیت جتا دی اور لوگوں کو حکم دیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کریں، سامانِ جنگ خریدنے کیلئے مال کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے جہاد کے حکم کے ساتھ ہی مال خرچ کرنے کی تاکید فرمائی اور یہ بات واضح کر دی کہ اے ایمان والو! تمہیں دینے والے ہم ہیں، تمہیں اس چیز کا خوف نہیں ہونا چاہئے کہ نیک کاموں پر مال خرچ کرنے سے تم غریب ہو جاؤ گے یا آئندہ کیلئے تم بچا نہیں سکو گے بلکہ اس چیز پر نظر رکھو کہ تمہارا اپنا کچھ نہیں یہ صرف ہماری عطا ہے ایسا نہ ہو کہ تم مال کی محبت میں پڑ کر اسے جمع کرتے رہو اور مہلت کا وقت ختم ہو جائے کیونکہ اس وقت نہ تو کہیں سے اس مال کے بدلے میں نیکی خریدی جاسکے گی اور نہ بدی کی سزا سے نجات مل سکے گی، نہ وہاں سفارش چلے گی، نہ کسی کی دوستی اور جان پہچان کام آئے گی، دنیا میں تو انسان کچھ لے دے کر یا کسی کی دوستی سے یا سفارش سے کام نکال لیتا ہے لیکن قیامت کے دن

صرف نیک عمل ہی کام آئیں گے۔

قیامت کے دن اگر کوئی قیمتی سے قیمتی چیز دے کر بھی ایمان یا کوئی نیکی خریدنا چاہے گا تو یہ ممکن نہیں ہوگا، اول تو وہاں کسی کے پاس دنیا کا مال و دولت ہوگا ہی نہیں جس سے کوئی نیکی خریدی جا سکے، دوسرے وہاں کوئی بازار نہیں لگے گا جہاں نیکیوں کی خرید و فروخت ہو سکے، یہ دنیا عمل کی جگہ ہے یہاں پر انسان اچھے عملوں کے ذریعے، عبادت کے ذریعے، مال خرچ کر کے آخرت کیلئے ذخیرہ بنا سکتا ہے مگر وہاں قیامت کے دن ایسی کوئی گنجائش نہ ہوگی کہ کوئی شخص اپنے عملوں کی کمی کو خرید و فروخت کے ذریعے پورا کر سکے، وہاں خرید و فروخت بالکل ناممکن ہوگی، وہاں نیکی حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی، آخرت تو بدلہ ملنے کی جگہ ہے، وہاں تو دنیا میں کئے ہوئے عملوں کا بدلہ ملے گا، وہاں نئے سرے سے عمل کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

اور کفر کرنے والے ہی سب سے بڑے ظالم ہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکموں، اسکی کتاب اور اس کے پیغمبروں کا انکار کیا جس کی سزا انہیں آخرت میں ملے گی۔

آیتُ الکرسی

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ؕ

اللہ نہیں معبود مگر وہ زندہ تھامنے والا نہیں پکڑ سکتی اسے اونگھ اور نہ نیند

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ

اسی کا جو کچھ ہے میں آسمان اور جو کچھ ہے میں زمین کون ہے وہ جو کہ سفارش کرے

عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ وَ

پاس اسکے مگر ساتھ حکم اس کے جانتا ہے جو کچھ سامنے ہے ان اور جو کچھ پیچھے ہے ان کے اور

لَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ

نہیں احاطہ کرتے کسی چیز کا سے علم اسکے مگر جتنا وہ چاہے وسیع ہے اس کی کرسی

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾

آسمانوں اور زمین کو اور نہیں تھکا تا اس کو حفاظت کرنا ان کا اور وہی برتر عظمت والا ہے (۲۵۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ ہیں، سب کے تھامنے والے ہیں، اس کو نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، کون ہے؟ جو اس کے پاس سفارش کرے اس کے حکم کے بغیر؟ جانتے ہیں جو کچھ ان کے سامنے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا کہ وہی چاہے اس کی کرسی نے تمام آسمانوں اور زمین کو اپنی وسعت میں لیا ہوا ہے اور ان کا تھامنا اس کو تھکا تا نہیں اور وہی سب سے برتر عظمت والا ہے۔ (۲۵۵)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے پر کئی دلیلیں ذکر کی گئی ہیں، یہ آیت ایک لمبی آیت ہے اور آیت الکرسی کہلاتی ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی کرسی کا ذکر ہے، حدیث شریف میں اس آیت کی بڑی فضیلت آئی ہے، حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ قرآن کریم میں سب سے بڑی آیت کون سی ہے؟ تو حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے نہایت ادب سے عرض کیا اللہ اور اس کا پیغمبر ہی بہتر جانتے ہیں، پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: اچھا یہ بتاؤ کہ قرآن کریم میں بہتر آیت کون سی ہے؟ انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا پیغمبر ہی بہتر جانتے ہیں پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کے سینہ پر ہاتھ مار کر وہی سوال فرمایا: تو انہوں نے جواب دیا اے اللہ کے پیغمبر! قرآن کریم کی سب سے بڑی آیت "آیت الکرسی" ہے۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ جو شخص فرض نماز کے بعد خلوصِ دل کے ساتھ آیت الکرسی پڑھے گا وہ

اگلی نماز تک اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوگا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: جو کوئی فرض نماز کے بعد خلوصِ دل کے ساتھ آیت الکرسی پڑھے گا موت کے سوا اس کے جنت میں داخل ہونے سے کوئی چیز رکاوٹ نہیں ہوگی۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ: اللہ وہی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، نہ کوئی چھوٹا، نہ بڑا، نہ عارضی، نہ مستقل، معبود صرف اور صرف وہی ہے۔

اَلْحَیُّ: وہ تو ایسی ذات ہے جو زندہ ہے اس کی حیات ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گی، اس کے علاوہ جو بھی زندہ ہیں کسی کو بھی ہمیشہ کی زندگی حاصل نہیں۔

اَلْقَیُّوْمُ: یعنی خود بھی قائم ہے اور جہان کی باقی چیزوں کو قائم رکھنے والا بھی ہے، وہ آسمانوں سے لے کر ذرہ ذرہ تک کا محافظ اور نگران ہے وہی پیدا کرنے والا ہے وہی جتنا عرصہ چاہے قائم رکھنے والا ہے اور پھر وہی فنا کرنے والا بھی ہے، لوگوں نے کئی قسم کے غلط عقیدے بنا رکھے ہیں عیسائیوں نے باپ، بیٹا اور روح القدس کا نظریہ قائم کیا ہوا ہے کہ تین خدا ہیں، اللہ تعالیٰ نے ایسے غلط عقیدوں کی تردید فرمائی۔

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ: نہ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند، اونگھ اور نیند تو غفلت کی نشانی ہے اور یہ اس کو آتی ہے جس کو تھکاوٹ ہو جائے اور آرام کی ضرورت ہو مگر اللہ تعالیٰ کی ذات تو ان چیزوں سے پاک ہے نہ وہ تھکتے ہیں نہ اسے آرام کی ضرورت پڑتی ہے، جبکہ انسان کچھ مشقت کرنے کے بعد تھک جاتا ہے اسے آرام کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے نیند جیسی نعمت تیار کی ہے، آرام کی ضرورت اللہ تعالیٰ کی شان کے مناسب نہیں ہے، وہ ان چیزوں سے پاک ہیں۔

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ: زمین و آسمان کی ہر چیز اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور اسی کے قبضے میں ہے اور اس کی فرمانبردار ہے، ہر چیز پر اسی کا اختیار ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، کسی چیز کا گھٹنا، بڑھنا، بلندی، پستی، زندہ کرنا، مارنا سب اس کے اختیار میں ہے، ہر چیز پر اسی کا حکم چلتا ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ: مشرکوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کے معبود ان کی سفارش

کریں گے، اللہ تعالیٰ خواہ راضی ہو یا ناراض یہ ہماری سفارش کر کے خدا کو ضرور ہی منالیں گے، یہودیوں اور عیسائیوں کا بھی اسی قسم کا عقیدہ ہے، حالانکہ زبردستی سفارش کا تو سوال ہی نہیں، اس سے پہلی آیت میں آچکا ہے کہ اس دن نہ خرید وفروخت ہوگی، نہ دوستی کام آئے گی اور نہ کوئی سفارش ہوگی، ہاں! اللہ تعالیٰ کے حکم سے سفارش کرنے کی اجازت ہوگی۔

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ: اللہ تعالیٰ وہ ہر چیز کو جاننے والے ہیں وہ لوگوں کے آگے اور پیچھے کے تمام حالات کو جانتے ہیں، آگے اور پیچھے کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آگے سے مراد وہ حالات ہیں جو انسانوں کیلئے کھلے ہوئے ہوں اور پیچھے سے مراد وہ حالات ہیں جو انسانوں سے چھپے ہوئے ہیں۔

وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ: مخلوق میں سے خواہ انسان ہوں، جن یا فرشتے ہوں یا کوئی اور مخلوق ہوں کوئی بھی خدا تعالیٰ کے علم کا احاطہ نہیں کرسکتی، ہاں! جس قدر اللہ تعالیٰ چاہیں کسی کو بھی اتنا علم عطا کرسکتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے علم کی کوئی انتہاء نہیں اسکی کوئی حد نہیں مگر مخلوق کا علم ایک حد تک ہے۔

وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ: اس کی کرسی آسمان وزمین سے وسیع ہے عرش اور کرسی کا ذکر قرآن پاک میں جگہ جگہ موجود ہے مگر اس کی کیفیت کو ہم نہیں جانتے ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ان چیزوں کی موجودگی پر ایمان رکھیں، یہ چیزیں ہمارے علم میں نہیں آسکتیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ساتوں زمینیں اور آسمان کرسی کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے کسی بڑے میدان میں انگوٹھی کا حلقہ ہو، اسی طرح عرش کے مقابلے میں کرسی کی ایسی ہی نسبت ہے، عرش اتنا بڑا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کو عرشِ عظیم فرمایا ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ کرسی سے مراد علم وقدرت ہے جو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

وَ لَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا: زمین وآسمان کی حفاظت اللہ تعالیٰ کو بھاری نہیں پڑتی، انسان تو مسلسل کچھ عرصہ کام کر کے تھک ہار کر بیٹھ جاتا ہے اور آرام چاہتا ہے مگر اللہ تعالیٰ تمام کائنات کی مسلسل نگرانی کے باوجود تھکتے نہیں۔

دین میں داخل کرنے پر زبردستی نہیں

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ

نہیں زبردستی میں دین بیشک جدا ہوچکی ہدایت سے گمراہی

بامحاورہ ترجمہ:۔ دین میں (داخل کرنے پر) کوئی زبردستی نہیں بیشک ہدایت گمراہی سے جدا ہوچکی ہے۔

تفسیر

اسلام ہر شخص کو مذہب کے بارے میں اختیار عطا کرتا ہے، اسلام قبول کرنے کیلئے کسی کو مجبور نہیں کرتا، یعنی: اپنے ماننے والوں پر تبلیغ کو فرض قرار دیتا ہے لیکن اس بات کی اجازت ہرگز نہیں دیتا کہ وہ کسی کو زبردستی اسلام میں داخل کریں، یعنی: اسلام قبول کرنے پر مجبور کریں۔

ایک بات خوب سمجھ لینی چاہئے کہ اس سے مراد یہ ہرگز نہیں کہ ایک شخص اسلام قبول کرنے کے بعد آزاد ہے کہ اسلام کی جس بات کو چاہے مانے اور جس کو چاہے نہ مانے یا سرے سے اسلام سے انکاری ہوجائے، جب ایک بار اسلام قبول کرلیا تو اس کے تمام حکموں کو ماننا ہوگا، اب آزادی اور اختیار کا سوال نہیں رہتا، آزادی صرف اسلام کے قبول کرنے اور نہ کرنے میں ہے اسلام لانے کے بعد عمل کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں نہیں، یہ بات اس آیت کے شانِ نزول سے بھی واضح ہے۔

شانِ نزول

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے مدینہ طیبہ میں دو قسم کے لوگ تھے ایک تو یہودی تھے جو پڑھے لکھے اور مالدار لوگ تھے دوسرے عرب تھے جو عام طور پر ان پڑھ اور غریب لوگ تھے، چونکہ یہ لوگ پسماندہ تھے اس لئے یہ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کیلئے انہیں یہودیوں کے پاس چھوڑ دیتے تھے چنانچہ

اسلام آنے کے بعد جب یہودی قبیلے بنونضیر اور بنوقینقاع کو مدینہ سے نکالا گیا تو اس وقت ایک انصاری صحابی ابو حصین رضی اللہ عنہ کے دو بیٹے یہودیوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا رکھتے تھے اور انہوں نے یہودی مذہب اختیار کرلیا تھا جب وہ مدینہ سے جانے لگے تو انہوں نے چاہا کہ اپنے بیٹوں کو زبردستی اسلام میں داخل کرکے انہیں اپنے پاس رکھ لیں، اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ دین میں زبردستی نہیں ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ کسی کو اسلام میں داخل کرنے کیلئے زبردستی کرنا جائز نہیں، لڑکے جوان ہیں انہوں نے یہودیت اختیار کررکھی ہے اب اگر وہ اپنی مرضی سے جارہے ہیں تو کسی کو ان کے روکنے اور زبردستی مسلمان کرنے کا کوئی حق نہیں۔

ہدایت اور گمراہی

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ
جوکوئی انکار کرے گمراہ کرنے والے کا اور ایمان لائے پر اللہ تو بیشک اس نے پکڑ لیا حلقہ

الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ
مضبوط نہیں ہے ٹوٹنا اس کا اور اللہ سننے والا جاننے والا (۲۵۶) اللہ مددگار لائے ان لوگوں کا

اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا
جو ایمان لائے نکالتا ہے انہیں سے اندھیرے طرف روشنی کے اور جو لوگ کافر ہوئے

اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ
مددگار ان کے شیطان ہیں نکالتے ہیں انہیں سے روشنی طرف اندھیروں کی یہی لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ ع ۳۴ ۲
والے ہیں آگ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (۲۵۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جو گمراہ کرنے والوں کو نہ مانے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تو اس نے مضبوط حلقہ پکڑ (کڑا) لیا جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتے جانتے ہیں۔ (۲۵۶) اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے مددگار

ہیں انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتے ہیں اور جو لوگ کافر ہوئے ان کے مددگار شیطان ہیں انہیں روشنی سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں یہی لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۲۵۷)

تفسیر

قرآن کریم میں طاغوت کا لفظ آٹھ مرتبہ استعمال ہوا ہے، عام طور پر اس کا ترجمہ شیطان سے کیا جاتا ہے کوئی بھی چیز جو حق سے پھیرنے والی ہے وہ طاغوت ہے گویا حق سے ہٹانے والا شیطان ہو یا انسان سب طاغوت میں شامل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک اونچے ستون پر چڑھ گئے اس کے آخری سرے پر ایک کڑا لگا ہوا تھا جسے آپ نے مضبوطی سے پکڑ لیا، صبح اٹھے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر خواب بیان کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تمہاری موت اسلام پر آئے گی یعنی مرتے دم تک تم اسلام کا کڑا پکڑے رکھو گے۔

لَا انْفِصَامَ لَهَا: کا یہی مطلب ہے کہ اسلام وہ مضبوط کڑا ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا یہ کڑا ہاتھ سے چھوٹ تو سکتا ہے مثلاً: آدمی گمراہ ہو جائے اور اسلام کو چھوڑ دے مگر یہ حلقہ ٹوٹ نہیں سکتا اور اس کو تھامنے والا آدمی محفوظ ہو جاتا ہے۔

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ: کافروں کے دوست شیطان ہیں جو کہ انہیں روشنی سے اندھیروں کی طرف نکال کر لے جاتے ہیں یعنی ہدایت سے نکال کہ گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ جب وہ شیطانوں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں تو کوئی انہیں کفر کی طرف لے جاتا ہے کوئی شرک کی طرف لے جاتا ہے اور کوئی ترغیب دلا کر گناہ کی طرف لے جاتا ہے، ایسے لوگ بہرحال ایمان کی روشنی سے نکل کر کفر و شرک کے اندھیروں کی طرف چلے جاتے ہیں، جو لوگ روشنی سے نکل کر اندھیرے کی طرف جائیں گے ان کا انجام یہ ہے کہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جلیں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ
کیا نہ دیکھا آپ نے طرف اس شخص کے جس نے جھگڑا کیا ابراہیم سے بارے رب اس کے کہ دی اسے اللہ نے

الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا
بادشاہت جب کہا ابراہیم نے میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ بولا میں بھی

اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ
زندہ کرسکتا ہوں اور مار سکتا ہوں کہا ابراہیم نے بیشک اللہ لاتا ہے سورج کو سے

الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ
مشرق تو لے آ اسے سے مغرب پس حیران رہ گیا وہ جو کافر تھا اور اللہ

لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ﴿۲۵۸﴾
نہیں ہدایت دیتا قوم ظالم کو (۲۵۸)

وقف لازم

بامحاورہ ترجمہ: کیا آپ نے اس شخص کو نہ دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کی بابت جھگڑا کیا اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بادشاہت دی تھی جب ابراہیم نے کہا میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ بولا میں بھی زندہ کرسکتا ہوں اور مار سکتا ہوں، ابراہیم نے کہا بیشک اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے لاتے ہیں اب تو اسے مغرب کی طرف سے لے آ، تب وہ کافر حیران رہ گیا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (۲۵۸)

تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بحث کرنے والا شخص ان کے زمانے کا بادشاہ تھا، اس کے باپ کا نام کنعان بن

کوش تھا لہٰذا وہ نمرود بن کنعان کہلاتا تھا بعض اوقات اسے اس کے دادا کی طرف منسوب کر کے نمرود بن کوش بھی کہا جاتا ہے، اس کی حکومت عراق میں بابل تک تھی، اس زمانے میں یہ بڑا مشہور و معروف شہر تھا جو موجودہ بغداد سے ستّر یا سو میل کے فاصلے پر تھا اس شہر سے بہت سی تہذیبیں وابستہ تھیں، نمرود کلدانی خاندان کا بادشاہ تھا اس خاندان نے چار سو سال تک حکومت کی، وہ بادشاہت کے غرور سے اپنے آپ کو سجدہ کرواتا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے سامنے آئے تو سجدہ نہ کیا، نمرود نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ: میں اپنے رب کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتا اس نے کہا کہ رب تو میں ہوں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ: رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دلیل کے جواب میں نمرود نے دو قیدی بلوائے ان میں سے جو بے قصور تھا اسے مار ڈالا اور قصوروار کو چھوڑ دیا اور کہا کہ دیکھا! میں جس کو چاہوں مارتا ہوں اور جس کو چاہوں زندہ رکھتا ہوں؛ اگرچہ نمرود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چیلنج کا صحیح جواب نہ دے سکا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ نمرود میری دلیل کو نہیں سمجھا اس لئے آپ نے سورج کی دلیل پیش کی اور فرمایا: میرا رب سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو مغرب سے نکال کر دکھا اس پر وہ مغرور لاجواب ہوگیا اور اس سے کچھ بن نہ پڑا لیکن اس کے باوجود نمرود ایمان نہ لایا، واقعی! اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت کا راستہ نہیں دکھاتا۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود کے ساتھ مناظرہ ان کے آگ میں ڈالے جانے سے پہلے ہوا یا اس کے بعد، بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے سے پہلے کا ہے، بعض دوسرے مفسرین کی تحقیق یہ ہے کہ یہ مناظرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے کے بعد ہوا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ سے زندہ بچ جانے کا معجزہ دیکھ کر بھی وہ آپ پر ایمان نہ لایا، حضرت لوط علیہ السلام کے سوا کوئی آپ ایمان نہیں لایا، البتہ گھر میں آپ کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام تھیں جنہیں ایمان کی دولت حاصل تھی ان دنوں یہ مناظرہ ہوا، واقعہ کے متعلق امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اس زمانے کا واقعہ ہے کہ جب ملک میں قحط پڑ گیا اور لوگ بھوکوں مرنے لگے اس وقت نمرود کے پاس

غلے کا ذخیرہ موجود تھا لوگ اس کے پاس غلہ لینے کیلئے جاتے تھے اور دربار میں پہنچ کر سب سے پہلے سجدہ کرتے اور پھر اپنا مقصد بیان کرتے، حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی نمرود کے دربار میں پہنچے مگر آپ نے اسے سجدہ نہیں کیا بہرحال جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو سجدہ کرنے سے انکار کردیا تو اس نے آپ کو غلہ دینے سے انکار کردیا اور آپ کو خالی واپس آنا پڑا، واپسی پر دل میں خیال آیا کہ گھر والوں کو خالی لوٹنے کا کیا جواب دوں گا، آپ نے راستے میں اپنا تھیلہ ریت سے بھر لیا تاکہ گھر والوں کو معلوم ہو کہ خالی ہاتھ واپس نہیں آئے، گھر پہنچ کر تھیلہ گھر میں رکھا اور خود سو گئے اہلیہ نے سمجھا کہ آٹا لے آئے ہیں چنانچہ وہ اٹھیں تاکہ تھیلے میں سے آٹا لیکر روٹی تیار کریں تھیلے کو کھولا تو اس میں واقعی آٹا تھا کھانا تیار کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جگایا کہ کھانا کھالیں آپ نے دریافت فرمایا کہ: روٹی کس چیز سے پکائی ہے؟ بیوی نے عرض کیا اس آٹے سے جو آپ لائے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے خاص مہربانی فرمائی ہے اور ریت کو آٹا بنا دیا ہے گویا اس سارے واقعہ سے یہ بات نکلی کہ موت وحیات کے مالک اور سورج سے متعلق نظام کو چلانے والے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہیں وہ چاہیں تو بڑے سے بڑے سرکش کو لاجواب کردیں اور چاہیں تو ریت کو غلّہ میں تبدیل کردیں یہ سب اس کی قدرت کے کرشمے ہیں جو اس کے ایک ہونے پر دلیل ہیں۔

اُجڑی بستی کی مثال

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ
یا | وہ شخص | کہ گزرا | پر | بستی | اور | وہ | گری پڑی تھی | پر | چھتوں اپنی کے | بولا

اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ
کیونکر زندہ کرے گا | اسے | اللہ | بعد | موت اس کی کے | پھر مردہ رکھا اسے | اللہ نے | سو (۱۰۰) | سال | پھر

بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ
اٹھایا اسے کہا کتنی دیر تو یہاں رہا بولا میں رہا ایک دن یا کم ایک دن سے کہا

بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ
بلکہ تو رہا سو سال اب دیکھ طرف کھانے اپنے کے اور پینے کی چیز اپنی کے نہیں

يَتَسَنَّهْ ۚ وَ انْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ
باسی ہوا اور دیکھ طرف گدھے اپنے کے اور تاکہ بنائیں ہم آپ کو نشانی کے لوگوں اور دیکھ

اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ
طرف ہڈیوں کے کس طرح ہم کھڑی کرتے ہیں ان کو پھر ان پر پہناتے ہیں گوشت پھر جب ظاہر ہوا

لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾
پر اس کہہ اٹھا مجھے معلوم ہوگیا بیشک اللہ پر ہر چیز کے قادر ہے (۲۵۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کیا آپ نے نہ دیکھا اس شخص کو کہ وہ ایک بستی کے پاس سے گزرا اور وہ بستی اپنی چھتوں پر گر پڑی تھی بولا اللہ اسے کیونکر زندہ کرے گا اس کے مرنے کے بعد؟ پھر اللہ نے اسے سو برس تک مردہ رکھا پھر اسے اٹھایا، پوچھا تو یہاں کتنی دیر تک رہا؟ بولا ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم، کہا: نہیں، بلکہ تو سو برس رہا اب دیکھ تو اپنے کھانے پینے کی چیزیں جو گلی سڑی نہیں اور دیکھ اپنے گدھے کو اور ہم نے تجھے نشانی بنانا چاہا لوگوں کیلئے اور ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم انہیں کس طرح کھڑا کر کے جوڑ دیتے ہیں پھر ان پر گوشت پہناتے ہیں پھر جب اس پر یہ حال ظاہر ہوا تو یہ کہہ اٹھے کہ مجھے معلوم ہو گیا کہ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۲۵۹)

تفسیر

جو شخص گذرا اس کے بارے میں مختلف باتیں ہیں: **بعض مفسرین** کا خیال ہے کہ یہ حضرت عزیز علیہ السلام تھے،

آپ بنی اسرائیل کے ایک مشہور پیغمبر گذرے ہیں ان کا زمانہ عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ سو سال پہلے تھا، حضرت عزیر علیہ السلام ڈیڑھ ہزار یہودیوں کو بنی اسرائیل کی قید اور جلا وطنی سے چھڑا کر فلسطین لائے، بعض کا خیال ہے کہ اس شخص سے مراد حضرت یرمیاہ نبی ہیں یہ بھی بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے اور عیسیٰ علیہ السلام سے سات سو سال پہلے تھا۔

کیا آپ کے علم میں یہ بات نہیں آئی کہ وہ شخص جو ایک بستی پر گزرا یہ بستی "یروشلم" تھی یا کوئی اور تھی اور اس بستی کی حالت یہ تھی کہ اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی تباہ و برباد ہو چکی تھی پوری بستی ملبے کا ڈھیر بن چکی تھی، وہاں کوئی زندہ سلامت آدمی موجود نہیں تھا اگرچہ عام خیال یہی ہے کہ یہ بستی بخت نصر بادشاہ نے تباہ کردی تھی مگر کہتے ہیں کہ یہ کسی حادثہ کا نتیجہ بھی ہوسکتا ہے، بہرحال اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے بستی کی بربادی کو دیکھ کر تعجب کے ساتھ فرمایا: کہ اس قدر تباہی کے بعد اللہ تعالیٰ اس بستی کو کیسے زندہ کریں گے؟ یہاں پر حیات اور موت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اگر "هٰذِهٖ" سے مراد وہ بستی ہے تو اس کا معنیٰ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس اجڑی ہوئی بستی کو دوبارہ کیسے آباد کرے گا؟ اور اگر اس سے مراد اس بستی کے لوگ ہیں جو بستی کی تباہی کے ساتھ ہی مر گئے تھے تو اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو کیسے زندہ کریں گے؟ حضرت عزیر علیہ السلام کے اس قابل حیرت سوال کا جواب اللہ تعالیٰ نے اس طرح دیا کہ آپ پر سو سال تک کیلئے موت طاری کردی پھر آپ کو اٹھایا اور کہا تم کتنی دیر ٹھہرے، یعنی: اس حالت میں کتنا عرصہ رہے ذرا بتاؤ تو سہی! عرض کیا: ایک دن یا دن سے کچھ کم ٹھہرا ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نہیں بلکہ تم ایک سو سال تک ٹھہرے اور آپ کو یقین دلائے کیلئے فرمایا: ذرا اپنے کھانے پینے کی چیزوں کی طرف دیکھو وہ باسی ہو کر گلی سڑی نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ جلد خراب ہوجانے والی چیز کو اتنے لمبے عرصے تک محفوظ رکھا اور دوسری طرف خود عزیر علیہ السلام ہیں ان کا جسم سو سال تک کھنڈرات کے درمیان پڑا رہا مگر بالکل صحیح سلامت اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی نہ ان کا گوشت گلا سڑا اور نہ ہڈیاں علیحدہ ہوئیں، جس طرح اس اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو تین سو نو سال تک آنچ نہ آنے دی، اللہ تعالیٰ جب چاہیں اپنی حکمت کے ساتھ ایسی چیزیں ظاہر فرماتے ہیں، پورا شہر آباد ہوگیا مگر جس جگہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے وہاں تک کسی کی پہنچ نہیں ہوئی؛ حضرت عزیر علیہ السلام کے خود کے

ساتھ اور کھانے کے ساتھ تو یہ معاملہ ہوا اب ان کے گدھے کا انجام دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا: ذرا اپنے گدھے کی طرف دیکھو کہ اس کا کیا حشر ہوا ہے فرمایا: یہ سب واقعات پیش کرنے کا کوئی مقصد ہے تاکہ ہم آپ کو لوگوں کیلئے نشانی بنا دیں کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد پھر کس طرح زندہ کر دیا اب دیکھو گدھا کس طرح زندہ ہوتا ہے، ان کی ہڈیوں کی طرف دیکھو گدھا مر چکا تھا گوشت گل سڑ کر ختم ہو چکا تھا اور اس کی ہڈیاں اِدھر اُدھر بکھری پڑی تھیں فرمایا: ان کی طرف دیکھو ہم کس طرح ان کا ڈھانچہ تیار کرتے ہیں پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں چنانچہ حضرت عزیر علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے ہڈیاں ابھریں ان کا ڈھانچہ تیار ہوا پھر ان پر گوشت چڑھا گدھے کی شکل وصورت بنی اور پھر وہ زندہ ہو کر ہینگنے لگا۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ: جب یہ تمام چیزیں حضرت عزیر علیہ السلام پر واضح ہو گئیں ان کے سوال کا جواب مل گیا جو انہوں نے حیرانگی کے انداز میں کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس اجڑی ہوئی بستی کو کیسے دوبارہ زندہ کریگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دکھا دیا کہ اس نے نہ صرف پورے شہر کو آباد کر دیا بلکہ خود ان کو اور ان کے گدھے کو سو سال کے بعد پھر زندہ کر دیا تو حضرت عزیر علیہ السلام نے عرض کیا میں جان گیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

مُردوں کو زندہ کرنا

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَ لَمْ

اور جب | کہا | ابراہیم نے اے رب میرے دکھلا مجھے | کیسے زندہ کریں گے آپ | مردوں | فرمایا | کیا | نہیں

تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ

تجھے یقین | کہا | کیوں نہیں | اور | لیکن | تاکہ مطمئن ہو جائے | دل میرا | کہا | آپ پکڑیں | چار | سے

الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا

پرندوں | پھر ان کو مانوس کریں | ساتھ اپنے | پھر | رکھ دیں | پر | ہر | پہاڑ | سے ان | حصے

ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيْنَكَ سَعْيًا ۚ وَ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٦٠﴾

پھر بلائیں ان کو آئیں گے پاس تیرے دوڑتے ہوئے اور جان لے کہ بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا (۲۶۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور یاد کیجیے جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب! مجھے دکھلایئے کہ آپ مردے کیسے زندہ کریں گے، فرمایا: کیا تو نے یقین نہیں کیا، کہا: کیوں نہیں! لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ میرے دل کو اطمینان ہو جائے فرمایا: تو اڑنے والے چار پرندے پکڑ لے پھر انہیں اپنے ساتھ مانوس کر لے پھر (ان کو ذبح کر لے) پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک حصہ رکھ دے پھر انہیں بلا تیرے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ (۲۶۰)

تفسیر

یہاں یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مردوں کے زندہ کئے جانے پر کوئی شک ظاہر نہیں فرمایا بلکہ صرف یہ فرمایا کہ: وہ کس خاص کیفیت کے ساتھ زندہ کئے جائیں گے ان کو دوبارہ زندگی بخشنے کا خاص طریقہ کیا ہوگا؟

مفسرین کرام فرماتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پورا پورا یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قدرت رکھتے ہیں مگر ان کے دل میں موت و حیات کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھا دیا کہ کس طرح پرندے زندہ ہو گئے۔

بعض دوسرے مفسرین اس پس منظر میں یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دریا کے کنارے پر ایک مردہ جانور پڑا دیکھا جب دریا میں لہر آتی اور پانی کناروں سے باہر نکلتا تو دریائی جانور مردہ جانور کا گوشت کھاتے اور اوپر سے پرندے بھی آ کر گوشت کھا جاتے یہ دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس مردار کا گوشت خشکی، پانی اور فضا کے جانور کھا رہے ہیں یہ گوشت کتنے مختلف پیٹوں میں جا رہا ہے تو اللہ تعالیٰ

اس کے مختلف اجزاء کس کس جگہ سے کیسے اکٹھے کر کے اس کو دوبارہ زندہ کریں گے لہٰذا ان کو خواہش پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ انہیں وہ کیفیت دکھا دیں جس طرح وہ قیامت کے دن لوگوں کو دوبارہ زندہ کریں گے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے دکھا دیں کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کریں گے؟ اللہ تعالیٰ نے سوال فرمایا کہ: کیا تمہیں اس معاملہ میں یقین نہیں ہے؟ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ: کیوں نہیں! میں یقین رکھتا ہوں مگر سوال کرنے کا مقصد یہ ہے کہ میں اس معاملہ میں دلی اطمینان چاہتا ہوں؛ اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کسی شک کی بنا پر تھا کہ واقعی کوئی شخص مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوسکتا ہے یا نہیں۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: ایسا ہرگز نہیں تھا اس معاملہ میں تو کسی عام مؤمن کو بھی شک نہیں ہوسکتا حضرت ابراہیم علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے انہیں یہ شک کیسے ہوسکتا تھا؟ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا آپ یقین نہیں رکھتے کہ مردے دوبارہ زندہ ہوجائیں گے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جواب تھا "کیوں نہیں زندہ ہوسکتے" مجھے تو پورا یقین ہے مگر صرف اپنے دل کی تسلی کیلئے اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں۔

صحیحین "بخاری و مسلم" کی روایت میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کسی قسم کا شک یا تردد ہوتا تو ہم ان کی نسبت شک کرنے کے زیادہ حقدار ہیں مگر ایسا نہیں ہے نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کبھی شک ہوا اور نہ میں نے کبھی اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک کیا ہے، پیغمبر ہمیشہ شک سے پاک ہوتے ہیں، دلی اطمینان کیلئے کسی چیز کا مطالبہ کرنا رحمان کے خلاف نہیں ہے کیونکہ دلی اطمینان ایمان سے زائد چیز ہے، بہرحال پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ بات سمجھائی کہ مردوں کو زندہ کرنے یا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کسی بھی معاملہ میں کسی پیغمبر کو شک نہیں ہوسکتا جب میں کسی معاملہ میں شک نہیں کرتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کیسے شک کر سکتے تھے؟

فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ: ان کو مانوس کرلو: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: چار پرندے پکڑلو اپنی طرف مائل کرلو "فَصُرْهُنَّ" یہ لفظ دو معنوں میں آتا ہے، اپنے ساتھ مانوس کرلو، یا ذبح کر کے بوٹی بوٹی کردو، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان پرندوں کو ذبح فرمایا ان کے پر اتار دیئے اور ان کا گوشت ٹکڑے ٹکڑے کر کے آپس میں ملا دیا جیسے

گوشت کا قیمہ کیا جاتا ہے۔

ہر پہاڑ پر اس ملے جلے گوشت کا ایک ایک حصہ رکھ دیا پھر ارشاد ہوا کہ اب انہیں بلاؤ تفسیری روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باری باری ہر ایک پرندہ کا نام لے کر بلایا اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب آپ نے مرغ کو آواز دی تو فضا میں اس کی ہڈیاں نمودار ہوئیں پھر اس کے گوشت کا جو جو حصہ جس جس پہاڑ پر تھا وہاں سے فوراً آیا اور ہڈیوں پر چڑھ گیا پھر مرغ کے پر آ کر لگ گئے اور مکمل مرغ بن کر زندہ ہو گیا اس طرح دوسرے پرندے بھی زندہ سلامت ہو گئے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا کہ وہ مردوں کو کیسے زندہ کریں گے یہ جواب تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس سوال کا کہ مجھے دکھا دیں کہ آپ کس طرح مردوں کو زندہ کریں گے۔

اس آیت سے بعض نہایت حکمت کی باتیں نکلتی ہیں جنہیں ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

(۱)....اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو اس قسم کی جو باتیں دکھائی جاتی ہیں ان سے ان کے ایمان اور یقین میں ترقی ہوتی ہے۔

(۲)....ایمان کے بڑھنے سے دل کو اطمینان ملتا ہے۔

(۳)....پرندوں کے زندہ ہونے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز سے دوڑے چلے آنے کو انہونی بات نہیں سمجھنا چاہئے؛ اس لئے کہ ہم ایک ادنیٰ سی مثال دیتے ہیں فرض کریں کہ لوہا، تانبہ، پیتل اور سونے کے باریک باریک ٹکڑے آپس میں ملا جلا کر انکے درمیان میں سے ایک مقناطیس گزاریں تو لوہے کے ٹکڑے مقناطیس کی طرف کھنچے چلے آئیں گے، اس مثال سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس قسم کے معجزے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے دور نہیں ہیں وہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔

(۴)....اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز ناممکن نہیں۔

(۵)....اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی مثال

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ

مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں مال اپنے میں راستے اللہ کے ایسی جیسے ایک دانہ

اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَ اللّٰهُ يُضٰعِفُ

اگائے سات بالیں میں ہر بالی سوسو دانے ہوں اور اللہ بڑھاتا ہے

لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ

واسطے جسکے چاہے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے (۲۶۱) جو لوگ خرچ کرتے ہیں مالوں اپنے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ

میں راستے اللہ کے پھر نہیں پیچھے لگاتے اس چیز کے جوانہوں نے خرچ کیا احسان اور نہ تکلیف لئے ان کے

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾

ثواب ان کا پاس رب ان کے اور نہ ڈر پر ان اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۲۶۲)

با محاورہ ترجمہ:۔ ان لوگوں کی مثال جو اپنے مالوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے ایک دانہ ہو اس سے سات بالیں اگیں ہر بال میں سوسو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جس کیلئے چاہیں (اس سے بھی زیادہ) بڑھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ وسعت والے جاننے والے ہیں۔ (۲۶۱) جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں انہی کیلئے ان کا ثواب ان کے رب کے یہاں ہے نہ ان پر ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (۲۶۲)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک

مثال دے کر فرمایا کہ جو لوگ اس کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں انہیں کئی گنا ثواب ملے گا جس طرح اس کا فضل ہم اس دنیا میں زمین کی پیداوار کے سلسلے میں دیکھتے ہیں اسی طرح ہمارے نیک عملوں کے اجر کے بارے میں بھی اپنے فضل سے کام لیں گے، ہم اگر دانہ بوئیں گے تو اس کے فضل و رحمت سے اس دانے سے سات سو دانے پیدا ہو سکتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ اگر چاہیں تو اس سے بھی بڑھا کر سات ہزار اور اس سے بھی زیادہ کر سکتے ہیں، وہ خرچ کرنے والے کی نیت کو جانتے ہیں اس کے خرچ کی مقدار کو بھی جانتے ہیں اور جو مال نیک نیتی سے اس کی راہ میں خرچ کیا جائے گا اللہ تعالیٰ اسکا کئی گنا اجر دیں گے، اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ضرورتمندوں پر مال خرچ کرتے ہیں اور ان پر کوئی احسان نہیں جتاتے انہیں طعنے دے کر نہیں ستاتے ان سے کسی قسم کی خدمت نہیں لیتے اور ان کو حقیر نہیں سمجھتے، انہیں پورا پورا ثواب ملے گا ایسے لوگوں کو نہ گزرے ہوئے زمانے کی جانوں پر کوئی غم ہوگا اور نہ آئندہ کی کسی بات کا ڈر ہوگا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی جہاد کے موقع پر ایک شخص نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اونٹنی پیش کی جس کو مہار لگی ہوئی تھی اور اس پر کجاوہ کسا ہوا تھا آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا: تم نے بہت اچھا کیا اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت والے دن ایسی کسے ہوئے کجاوے والی سات سو اونٹنیاں عنایت کریں گے گویا جہاد میں خرچ کئے جانے والے مال کا کم از کم اجر سات سو گنا سے شروع ہوتا ہے کیونکہ دین کی عزت اور سربلندی اسی کی وجہ سے ہے اور اعلیٰ درجے کی کوئی انتہاء نہیں ہے اللہ تعالیٰ جتنا چاہیں بڑھا چڑھا کر دے دیں وہ مالک ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں پھر اس خرچ کرنے کے پیچھے احسان نہیں جتاتے اور اذیت نہیں دیتے، یعنی: وہ کوئی چیز دے کر نہ احسان جتاتے ہیں کہ میں نے تیری فلاں وقت ضرورت پوری کی تھی اور نہ اسکو اذیت پہنچاتے ہیں، یعنی: ستاتے نہیں، بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ غریب آدمی کو صدقہ دے دیا اور پھر اسے بار بار یاد دلاتے رہے یا دوسروں کے سامنے بیان کرتے پھرتے ہیں کہ میں نے فلاں آدمی کو زکوٰۃ و خیرات دی ہے وہ لوگ جو خرچ کرنے کے بعد

ایسی بری حرکتوں سے باز رہتے ہیں ایسے ہی لوگوں کیلئے ان کے رب کے ہاں اجر ہے جو انہیں کئی گنا بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا، ایسے لوگوں کو نہ اس دنیا میں کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ اگلے جہاں میں غمگین ہوں گے بلکہ ان کی دنیا و آخرت دونوں سنور جائیں گے اور وہ کامیاب ہوں گے، برخلاف اس کے کہ اگر کسی شخص نے کسی محتاج کی مالی مدد بھی کی اور اس کو احسان جتلایا یا اذیت پہنچائی تو اس صدقہ کا اس کو کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا بلکہ کسی مسلمان کو تکلیف دینے کی وجہ سے گناہ گار ہی ہوگا، پیغمبر ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ احسان جتلانے والے شخص کی طرف شفقت کی نظر سے نہیں دیکھیں گے، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پاک بھی نہیں فرمائیں گے بلکہ ان کیلئے دردناک عذاب تیار ہوگا۔

خیرات ضائع نہ کرو

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَ
بات نرم اور درگزر بہتر ہے سے خیرات ایسی جس کے پیچھے ستانا ہو اور

اللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ
اللہ بے نیاز حوصلے والے ہیں (۲۶۳) اے وہ لوگو! جو کہ ایمان لائے نہ ضائع کرو خیراتیں اپنی

بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى ۙ
ساتھ احسان جتانے اور ایذا پہنچانے کے

بامحاورہ ترجمہ:۔ نرم جواب دینا اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ستانا ہو اور اللہ بے نیاز حوصلے والے ہیں۔ (۲۶۳) اے ایمان والو! اپنی خیراتیں ضائع نہ کرو احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا کر۔

تفسیر

اسلام نے اچھے رویئے اور صدقہ و خیرات کو بہت بڑی نیکی قرار دیا ہے اور اس طرح ضرورتمندوں پر

دولت خرچ کرنے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا شمار کیا ہے، اس سے پہلی آیت میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک پیسہ بھی خرچ کرنے کا اجر وثواب سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے، یہاں اس مسئلہ کے ایک دوسرے پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ارشاد ہے کہ: اگر کسی ضرورت مند سوالی کو تم کچھ نہ دے سکو تو کم از کم اس سے نرمی سے بات کرو اور اس سے درگذر کرو، جھڑکنا اور ڈانٹ ڈپٹ کرنا ہرگز جائز نہیں، دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ دے کر ضرورت مند پر احسان جتاتے ہو یا اسے تکلیف پہنچاتے ہو تو تمہارا دیا ہوا سب ضائع ہو جائے گا، اس کا تمہیں کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔

بعض اوقات مانگنے والا منت سماجت کرتا ہے اور اپنی بات پر اصرار پر سکرتا ہے اس صورت میں دستور کے مطابق نرم جواب دینا اور درگذر کرنا اس کے بار بار سوال پر بدزبانی سے پرہیز کرنا اس صدقہ سے بہتر ہے جسے دے کر اسکے بعد اذیت پہنچائی جائے، مطلب یہ کہ سوال کرنے والے کے بار بار سوال کرنے پر اسے نرمی کے ساتھ جواب دے دیا جائے تو بہتر ہے بجائے اس کے کہ اسے کچھ دے بھی دیا جائے اور ساتھ گالی بھی دے دی جائے یا اسے جھڑک کر اور دھکے دیکر نکال دیا جائے، ایسا کرنے سے صدقہ ضائع ہو جائے گا؛ لہٰذا ایسی باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے وقت یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے صدقات وخیرات کی ضرورت ہے، نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ تو ایسی چیزوں سے بے نیاز ہیں، صدقہ دینے سے انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا اور انسان کا اپنا نفس پاک ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ بڑے بردبار حلم والے ہیں اکثر اوقات مجرموں کو مہلت دیتے ہیں بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کی اس مہلت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر برے کاموں میں لگ جاتے ہیں مگر انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ پکڑ کرنے پر بھی قادر ہیں۔

خیرات ضائع کرنے کی مثال

كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ
اس شخص کی طرح جو خرچ کرتا ہے مال اپنا دکھانے کیلئے لوگوں کے اور نہیں ایمان لاتا پر اللہ اور دن

الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ
آخرت کے مثال اس کی ایسی جیسے صاف پتھر پر اس مٹی ہو برسے اس پر بارش زور کی بنا چھوڑا اسے

صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى
صاف نہیں ہاتھ لگتا ان کے پر کچھ اس سے جو انہوں نے کمایا اور اللہ نہیں ہدایت دیتا

الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾
قوم کافروں کو (۲۶۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کیلئے خرچ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا اس کی مثال ایسی ہے جیسے صاف پتھر اس پر کچھ مٹی پڑی ہے پھر اس زور سے بارش برسی کہ اسے بالکل صاف بنا چھوڑ، ایسے لوگوں کو اس کا (ثواب) جو انہوں نے کمایا کچھ ہاتھ نہیں لگتا اور اللہ تعالیٰ کافروں کو سیدھی راہ نہیں دکھاتے۔(۲۶۴)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: جو شخص دکھاوا کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر یقین نہیں رکھتا، صدقہ کا ثواب دکھلاوے سے ضائع ہو جاتا ہے خواہ وہ مؤمن ہی ہو۔

گذشتہ آیتوں میں خیرات کی مثال ایسی بتائی گئی تھی جیسے ایک دانہ بویا اور اس سے سات سو دانے پیدا

ہوگئے اب یہ فرمایا کہ: کئی گنا اجر وثواب حاصل کرنے کیلئے نیت کا نیک ہونا شرط ہے اگر کسی نے دکھاوے کی نیت سے صدقہ کیا تو اس کی مثال اس دانے کی ہے جو ایک پتھر پر بویا گیا جس پر تھوڑی سی مٹی نظر آتی تھی لیکن جب بارش برسی تو پتھر بالکل صاف رہ گیا اور سات سو دانے پیدا ہونے کے بجائے وہاں سے کچھ بھی پیدا نہ ہوا بلکہ اصل بیج بھی بہہ گیا۔

پتھر پر بونے کی یہ مثال دکھلاوا کرنے والوں کے بالکل حال ہے کیونکہ جس طرح ظاہری طور پر پتھر دھوکا دیتا ہے کہ شاید اس پر دانہ اگ سکے اسی طرح ایک دکھلاوا کرنے والا بھی ظاہری طور پر دیکھنے والوں کو یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے لیکن اندرونی طور پر جس طرح پتھر سے دانہ نہیں اگ سکتا اسی طرح اس شخص کا دل ظاہری حالت سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔

كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ: جو شخص لوگوں کو دکھانے کیلئے مال خرچ کرتا ہے اس کا صدقہ بھی اسی طرح ضائع جاتا ہے جس طرح احسان جتلا کر اور اذیت پہنچا کر صدقہ کرنے والے کا صدقہ ضائع ہوجاتا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دکھلاوا کرنے والے کو فرمائیں گے جاؤ! تمہارے لئے میرے پاس کوئی اجر نہیں تم ایسے صدقہ کا بدلہ ان سے لو جن کو خوش کرنے کیلئے صدقہ کیا تھا۔

لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا: یہ لوگ اس میں سے کسی چیز پر قادر نہیں ہوں گے جو کچھ انہوں نے کمایا ہے یعنی: جو صدقہ وخیرات کیا ہے کیونکہ اس میں دکھلاوا شامل ہے، لہٰذا انہیں اس کا کوئی اجر نہیں ملے گا۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ: جو لوگ بظاہر نیکی کا کام کرتے ہیں دھڑا دھڑ مال خرچ کر رہے ہیں مگر نیت میں خرابی ہے کوئی احسان جتلا رہا ہے کوئی ایذاء پہنچا رہا ہے اور کوئی صرف ذاتی شہرت کی خاطر خرچ کر رہا ہے تو ایسے لوگ ہمیشہ غلط راستے پر بھٹکتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی نہیں فرماتے، یہ ان کیلئے سزا کے طور پر ہے ورنہ اگر ان میں ذرہ بھی نیک نیتی موجود ہو تو اللہ تعالیٰ ان کی سیدھے راستے

کی طرف رہنمائی فرمادیں گے مگر جب تک یہ لوگ اپنی بری حرکتوں سے باز نہیں آئیں گے کفر، شرک اور ہر قسم کے ڈھکے چھپے اور کھلے گناہوں پر شرمندہ ہو کر اس کو نہیں چھوڑ دیں گے اور اللہ تعالیٰ سے خود صراط مستقیم سیدھے راستے کی راہنمائی نہیں مانگیں گے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب نہیں فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی ایک اور مثال

وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ
اور مثال ان کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں حاصل کرنا خوشی اللہ کی اور

تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ
ثابت کر کے سے نفسوں اپنے ایسی جیسے باغ بلند زمین پر اس پر پڑی زور کی بارش

فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَ اللّٰهُ
تو وہ لایا اپنا پھل دو چند پھر اگر نہ پڑی اس پر بارش تو پھوار اور اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾
ان کاموں کو جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے (۲۶۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ان کی مثال جو اپنے مال خرچ کرتے ہیں اللہ کی خوشی حاصل کرنے کیلئے اور اپنی طرف سے اپنے دلوں کی ثابت قدمی دکھانے کیلئے ایسی ہے جیسے بلند زمین پر ایک باغ ہے اس پر زور کی بارش برسی تو وہ باغ اپنا دوگنا پھل لایا اور اگر اس پر بارش نہ برسے تو پھوار ہی کافی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے ہیں۔ (۲۶۵)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو اس کی راہ میں صرف اس لئے مال خرچ کرتے

ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہوجائیں، وہ اس کی رضامندی حاصل کرلیں اور اپنی اطاعت کا ثبوت دیں۔

ان لوگوں کی مثال اللہ تعالیٰ نے ایسے باغ سے دی ہے جو کسی اونچی جگہ پر واقع ہو جہاں کی ہوا قدرتی طور پر پاکیزہ اور فائدہ مند ہو اس باغ پر اگر زوردار بارش برسے تو یہ باغ دوگنا پھل لائے اور زوردار بارش نہ برسے اور تھوڑی سی پھوار پڑ جائے تو پھر بھی کچھ نہ کچھ پھل لائے، بارش کی مثال مال خرچ کرنے سے دی گئی ہے اور باغ کے اونچی جگہ ہونے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اسکی نیت بالکل درست ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشی کی خاطر مال خرچ کرتا ہے اسلئے اگر وہ بہت زیادہ مال خرچ کرے تو اس کا نتیجہ ایسا ہی اچھا ہوگا جیسے باغ پر بہت زوردار بارش برسے اور اچھا پھل لائے، نیت کے صاف ہونے کی صورت میں اگر وہ تھوڑا ہی مال خرچ کرے تو بھی اسے اس کے برابر اجر ملے گا جیسا کہ پھوار پڑنے سے بھی باغ کچھ نہ کچھ پھل ضرور لاتا ہے۔

یہاں ایک اور حقیقت بھی بیان کردی گئی ہے کہ جس طرح انسان ایک برائی سے دوسری برائی کی طرف مائل ہوتا ہے اسی طرح اس کا رجحان ایک نیکی سے دوسری نیکی کی طرف ہوجاتا ہے اور فطری طور پر وہ نیکی پر ثابت قدم ہوجاتا ہے۔

مبارک ہیں وہ انسان جو نیکیوں کی طرف دوڑ کر جائیں اور برائیوں سے پرہیز کریں، ہمیں یہ بات بھول کر بھی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی مالی قربانی دکھلاوے کے لئے نہیں کرنی چاہئے۔

ریا کاری سے خرچ کرنے کی مثال

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِيْ

کیا پسند کرتا ہے تم میں سے کوئی کہ ہو اس کا باغ سے کھجوروں اور انگوروں بہتی ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَ اَصَابَهُ الْكِبَرُ

سے نیچے اس کے نہریں اس کو میں اس سے سب میوے اور اس پر آگیا بڑھاپا

وَ لَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ
اور اسکی اولاد کمزور ہیں تب اس پر آ پڑا بگولا جس میں آگ ہے جس سے وہ جل گیا

ع ۳۶ ۶

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢٦٦﴾
یوں سمجھاتا ہے اللہ تمہیں آیتیں تاکہ تم غور وفکر کرو (۲۶۶)

بامحاورہ ترجمہ: ۔کیا تم میں سے کسی کو یہ پسند آتا ہے کہ اس کا ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا اس کے نیچے نہریں بہتی ہوں اسے اس باغ میں ہر طرح کے میوے حاصل ہوں اور اس پر بڑھاپا آ گیا ہو اور اس کی اولاد چھوٹی ہو تب اس باغ پر ایک بگولا آ پڑے جس میں آگ ہو جو اس باغ کو جلا ڈالے اللہ تعالیٰ تم کو اسی طرح اپنی آیتیں سمجھاتا ہے تاکہ تم غور وفکر کرو۔ (۲۶۶)

تفسیر

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ: کیا تم میں سے کوئی شخص یہ بات پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں اس باغ میں ہر قسم کے پھل موجود ہوں اور باغ کا مالک بڑھاپے کی عمر میں ہو اور خود کام نہ کرسکتا ہو اور اس کے بچے ابھی چھوٹے ہوں جو اپنے باپ کا سہارا بننے کے بجائے خود اس پر بوجھ بنے ہوئے ہوں تو ایسی صورت میں باغ آگ کی لپیٹ میں آ جائے جو باغ کو جلا کر خاک کر ڈالے تو ذرا اندازہ کیجئے ایسی صورت میں اس باغ کے مالک کی کیا حالت ہوگی اس کی کمائی کا ایک ہی ذریعہ تھا، یہ باغ ہی اس کی کل پونجی تھی جس پر اس کا اور اس کی اولاد کا دارومدار تھا؟ ان سب باتوں کا مقصد یہ ہے کہ جوانی کی حالت میں کسی کا باغ یا کھیتی جل جائے تو اسے یہ امید ہوسکتی ہے کہ پھر باغ لگالوں گا اور جس شخص کے اولاد نہ ہو اور اس کو دوبارہ باغ لگانے کی امید بھی نہ ہو تو باغ جل جانے کے بعد بھی اس کو رزق وروزی کی کوئی خاص فکر نہیں ہوتی اکیلا آدمی جس طرح چاہے تنگی سے گذارا کرسکتا ہے اور اگر اولاد بھی ہو مگر جوان، طاقتور ہوں جن سے توقع کی جائے کہ وہ باپ کا ہاتھ بٹائیں گے اور اس کی مدد کریں گے ایسی صورت میں بھی انسان کو باغ

کے جل جانے یا الٹ جانے پر بھی کچھ زیادہ صدمہ نہیں ہوتا کیونکہ اولاد کی فکر سے فارغ ہے بلکہ اولاد اس کا بھی بوجھ اٹھاسکتی ہے غرض یہ کہ تینوں باتیں سخت محتاجی کو بیان کرنے کیلئے ذکر کی گئیں ہیں۔

احسان جتلانے والے، تکلیف پہنچانے والے یا دکھلاوے کیلئے خرچ کرنے والے کی حالت بھی قیامت کے دن ایسی ہوگی جس طرح وہ باغ اپنے مالک کا بڑھاپے کا سہارا تھا اسی طرح یہ شخص اپنے خرچ کئے ہوئے مال کے اجروثواب کی امید لگائے بیٹھا تھا مگر جب قیامت کا دن ہوگا تو ایسا شخص اسی طرح ثواب سے محروم ہوجائے گا جس طرح باغ کا مالک باغ کے جل جانے کے بعد اس کے پھلوں سے محروم ہوگیا، قیامت کے دن ایسا شخص محتاج اور خالی ہاتھ پریشان پھرے گا مگر اس کو فائدہ پہنچانے والی کوئی چیز اس کے پاس نہیں ہوگی۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ: اللہ تعالیٰ اپنے حکموں اور نشانیوں کو کھول کھول کر اسی طرح بیان کرتے ہیں کہ انسان غوروفکر کرسکے اچھی اور بری چیز میں فرق کرسکے، لہٰذا آج اگر کوئی سیدھے راستے پر چلے گا تو کل قیامت کے دن کی پریشانی سے بچ جائے گا۔

اس پوری آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ! صدقہ وخیرات کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہونے کیلئے ایک بڑی شرط اخلاص ہے کہ مال خالص اللہ تعالیٰ کی خوشی کیلئے خرچ کیا جائے کسی نام ونمود کا اس میں دخل نہ ہو، اب اس پورے رکوع کی تمام آیتوں پر دوبارہ نظر ڈالئے تو ان سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے اور صدقہ وخیرات کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہونے کی چھ شرائط معلوم ہوں گی:

(۱)....اس مال کا حلال ہونا جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔

(۲)....پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق خرچ کرنا۔

(۳)....صحیح جگہ خرچ کرنا۔

(۴)....خیرات دے کر احسان نہ جتلانا۔

(۵)....ایسا کوئی معاملہ نہ کرنا جس سے ان لوگوں کی رسوائی ہو جن کو یہ مال دیا گیا ہے۔

(۶)....جو کچھ خرچ کیا جائے خالص اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کیلئے ہو، نام ونمود کیلئے نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں اچھی چیز دو

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ

اے وہ لوگو جو! ایمان لائے خرچ کرو سے ستھری جو کماؤ تم اور میں سے اس

اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَ لَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ

جو نکالا ہم نے لئے تمہارے سے زمین اور نہ قصد کرو بےکار چیز کا میں اس کہ خرچ کرو تم

وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

حالانکہ نہیں تم لینے والے اس کو مگر یہ کہ تم چشم پوشی کرو میں اس اور جان رکھو کہ بیشک اللہ

غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾

بے پرواہ ہے خوبیوں والا ہے (۲۶۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے ایمان والو! خرچ کرو ستھری چیزیں اپنی کمائی میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا اور اس میں سے بیکار چیز (دینے کا) ارادہ نہ کرو کہ اسے خرچ کرو حالانکہ تم اسے (اپنے لئے) کبھی نہ لوگے مگر یہ کہ تم چشم پوشی کر جاؤ اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہیں خوبیوں والے ہیں۔ (۲۶۷)

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو پاک اور ستھری چیزوں کے خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے، صدقہ کے قبول ہونے کیلئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ صاف ستھری اور بہتر چیز اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کی جائے۔

مفسرین کرام نے "طیبات" کی تفصیل میں دو چیزیں بیان کی ہیں: پہلی چیز یہ ہے کہ جو مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا جارہا ہے وہ حلال ہو، جائز ذریعوں سے حاصل کیا گیا ہو، حرام مال سے دیا ہوا صدقہ قابل

قبول نہیں مثال کے طور پر اگر کوئی شخص چوری، ڈاکہ یا رشوت کا مال صدقہ کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوگا بلکہ ایسا کرنے سے انسان گناہ گار ہوگا۔

"مسند احمد" کی روایت میں ہے کہ جو شخص حرام کمائی کی خوراک کھائے گا یا لباس پہنے گا نہ اس کی عبادت قبول ہوگی اور نہ اس کا صدقہ خیرات قبول ہوگا اور اگر ایسا شخص مرگیا اور اپنے پیچھے مال چھوڑ گیا تو وہی مال اس کیلئے دوزخ میں جانے کا سبب بھی بنے گا، بعض چیزیں تو شرعاً بالکل حرام ہیں اور بعض ایسی ہوتی ہیں جن میں شبہ ہوتا ہے، ایسے مال کی خیرات بھی قبولیت کے درجہ کو نہیں پہنچتی کیونکہ قرآن کریم میں واضح حکم موجود ہے حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ، یعنی: حرام سے پرہیز کرو۔

"طیب" کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جو چیز بھی صدقہ میں دی جائے وہ اعلیٰ اور بہتر ہو نہ کہ نکمی اور خراب چیز، ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ اچھی چیز اپنے لئے رکھ لی جائے اور گھٹیا چیز زکوٰۃ میں دے دی جائے، جب انسان خود اپنے لئے خراب چیز کو پسند نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کیسے پسند فرمائیں گے لہٰذا زکوٰۃ خیرات میں بہتر چیز دینی چاہئے۔

کمائی کا پہلا ذریعہ انسان کی ذاتی محنت و مشقت ہے، کوئی تجارت کرتا ہے، دوکاندار ہے، ملازم ہے، کارخانہ دار ہے یا مزدور ہے یہ سب ذاتی آمدنی کے ذریعے ہیں آمدنی کے بعض دوسرے ذریعے انسان کے اختیار کئے ہوئے نہیں ہوتے جن میں انسان کی اپنی محنت مشقت کا دخل نہیں ہوتا مثلاً: کہیں سے ہدیہ مل گیا، وصیت کے ذریعے کوئی چیز حاصل ہوگئی یا اسے وراثت سے حصہ مل گیا ان ذریعوں سے حاصل ہونے والا مال بھی انسان کی ملکیت ہوتا ہے تو پاکیزہ چیزیں خرچ کرنے کا حکم ان تمام ذریعوں سے حاصل ہونے والی آمدنی پر ہوگا لہٰذا حکم ہوا ہے کہ تم جس حلال مال سے بھی خرچ کرنا چاہو اچھی اور بہتر چیز دو، اللہ تعالیٰ کے راستے میں گھٹیا چیز نہ دو، جب سارے کا سارا مال اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے تو پھر اسی کے نام پر اچھی سے اچھی چیز دینی چاہئے نہ کہ گھٹیا چیز کیونکہ دینے والا تو وہ خود ہی ہے براہ راست خود محنت کر کے کمانے کے علاوہ ایک آمدنی کا ذریعہ کھیتی باڑی بھی ہے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کی اسمیں سے بھی خرچ کرو۔

وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ: جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا، کھیتی باڑی کی پیداوار میں ہر قسم کا غلہ مثلاً: گندم، جو، چاول، مکئی، باجرہ اور دالیں وغیرہ شامل ہیں اس کے علاوہ ہر قسم کے پھل اور سبزیاں بھی اسی کی پیداوار ہیں، اب رہا یہ سوال کہ کتنا خرچ کیا جائے تو سب سے پہلے جو کچھ فرض ہے وہ ادا ہونا چاہئے جس طرح تجارت وغیرہ کے مال میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ فرض ہے اس طرح کھیتی باڑی کے پیداوار سے بعض صورتوں عشر یعنی: دسواں اور بعض صورتوں نصف عشر یعنی: بیسواں حصہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا فرض ہے، اس کے علاوہ اگر کوئی زیادہ خرچ کرے گا تو وہ نفل ہوگا اور دینے والا اجر وثواب کا مستحق ہوگا۔

زمین کی پیداوار کا ایک اور ذریعہ معدنیات ہیں عام زمین میں اور پہاڑوں میں کانیں پائی جاتی ہیں جن سے تانبہ، نمک، کوئلہ، لوہا، سونا، چاندی، تیل وغیرہ نکلتا ہے ان تمام چیزوں کی زکوٰۃ خمس یعنی: کل آمدنی کا پانچواں حصہ ہے چونکہ ان چیزوں کے حاصل کرنے کیلئے کھیتی باڑی کی طرح محنت کی ضرورت نہیں ہوتی نہ بیج، نہ پانی، نہ نلائی وغیرہ اس لئے اس کی کل آمدنی کا پانچواں حصہ یعنی: بیس فیصد ادا کرنا ضروری ہے۔

وَ لَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ: اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جائز اور پاک کمائی میں سے اچھی اور اعلیٰ چیزیں دی جائیں یعنی: یہ نہ ہو کہ بچا کھچا، باسی، بدبودار، خراب اور گلا سڑا مال غریبوں مسکینوں اور محتاجوں کو دے دیا جائے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر کبھی ایسا ہی گندا مال تمہیں دیا جائے تو کبھی نہ لو، ناک منہ چڑھانے لگو، نفرت کا اظہار کرو سوائے اس کے کہ کسی خاص وجہ سے تم خاموش رہو اور چشم پوشی کر جاؤ تو دوسری بات ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے نام پر خراب مال ہرگز نہیں دینا چاہئے۔

اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ: اللہ تعالیٰ بے پروا اور بے نیاز ہیں، اس کو تمہارے صدقوں اور خیرات کی کوئی ضرورت نہیں یہ تو تمہارے اپنے ہی فائدے کیلئے ہے تاکہ تم اس کی وجہ سے آخرت میں فائدہ پاسکو، یہ دنیا میں مسلمان قوم کے غریبوں اور مسکینوں کی مدد کا ایک ذریعہ ہے نیز تمہارے اپنے اخلاق بھی اس کی وجہ سے بلند ہوں گے، اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہوجائیں گے، اللہ تعالیٰ تمام خوبیوں کے مالک ہیں تم اچھا کام کرو یا برا وہ بے نیاز ہیں

تمہارے اچھے عمل نہ اس کی خدائی میں اضافہ کر سکتے ہیں اور نہ تمہارے برے عمل اسکی خدائی میں کمی کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے تو اس کی راہ میں خرچ کرو اور اسکا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں اس نعمت سے نوازا ہے۔

احکام و مسائل

مسئلہ (۱):..... جو زمین مالک کی مشقت کے بغیر سیراب ہوتی ہے اس میں سے دسواں حصہ دینا فرض ہے۔

مسئلہ (۲):..... جس زمین کو اس کا مالک نہر یا کنویں سے خود محنت کر کے پانی پہنچاتا ہے اس میں سے بیسواں حصہ نکالنا فرض ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وعدے اور انعام

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ

شیطان ڈراتا ہے تمہیں تنگدستی سے اور حکم کرتا ہے تمہیں بے حیائی کا اور اللہ کرتا ہے تم سے

مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦٨﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ

بخشش کا سے طرف اپنی اور فضل کا اور اللہ کشادگی والا جاننے والا ہے (۲۶۸) دیتا ہے سمجھ جسے

يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ

چاہے اور جسے ملی سمجھ پس دے دیا گیا خوبی بڑی اور نہیں نصیحت لیتے

اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾

مگر والے عقل (۲۶۹)

با محاورہ ترجمہ:۔ شیطان تمہیں تنگدستی سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی طرف سے بخشش اور فضل کا وعدہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بہت کشادگی والے سب کچھ جانتے ہیں۔ (۲۶۸) جسے چاہیں سمجھ دیتے ہیں اور جسے سمجھ دے دی گئی اسے تو بہت بڑی خوبی عطا کی گئی اور نصیحت وہی قبول

کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔ (۲۶۹)

تفسیر

اس آیت میں دولت کے کمانے اور خرچ کرنے کے صحیح طریقے اور اس سلسلہ میں دانشمندی پانے کو بہت بڑی بھلائی کہا گیا ہے، اس آیت میں انسان کو ایک شیطانی وسوسہ سے خبردار کیا گیا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکنے کا سبب بن سکتا ہے ساتھ ہی اس کا توڑ اور علاج بھی بتایا گیا ہے۔

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ: مال و دولت سے محبت، اسے بچا بچا کر رکھنا انسانی عادت ہے، دیکھنا! اس معاملہ میں شیطان کے بہکاوے میں نہ آجانا، شیطان کی یہ ہمیشہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ طرح طرح کے وسوسے ڈال کر انسان کو نیک عمل سے روکنے کی کوشش کرتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کے سلسلے میں شیطان تمہیں تنگدستی سے ڈراتا ہے، اور بچا بچا کر رکھنے کا کہتا ہے، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: شیطان انسان کو اس طرح وسوسہ ڈالتا ہے کہ اگر مال تھوڑا ہے تو وہ بہکاتا ہے کہ اگر یہ مال صدقہ وخیرات میں دے دیا تو پھر تمہارے پاس کچھ نہیں بچے گا تم دوسروں کے محتاج ہو کر رہ جاؤ گے، جب اس قسم کا خیال آئے تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے اگر مال کم بھی ہے تو اس میں سے کچھ نہ کچھ دے دو اللہ تعالیٰ باقی مال میں برکت دے دیں گے، خلاصہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کروگے تو اللہ تعالیٰ اسکی جگہ کسی دوسرے ذریعے سے مال دیدیں گے لہٰذا کنجوسی نہیں کرنا چاہئے بلکہ فراخدلی سے کام لینا چاہئے۔

وَ یَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ: اگر اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو بہت زیادہ مال دیا ہے تو پھر شیطان دوسرے طریقہ سے حملہ کرتا ہے، اور مالدار آدمی کو فحاشی کے کاموں کی طرف لگا دیتا ہے کہ فکر نہ کرو تمہارے پاس بہت مال ہے خوب عیش وعشرت کی زندگی بسر کرو دنیا میں بار بار نہیں آنا لہٰذا کھاؤ پیو، عیش کرو یا پھر اس کا مال کھیل تماشے اور فضول رسم ورواج پر خرچ کرواتا ہے کہیں دھوم دھام سے شادی ہو رہی ہے، سالگرہ منائی جارہی ہے، باجے بجائے جارہے ہیں، اور لاکھوں روپیہ ان فضول رسم ورواج پر ضائع کیا جارہا ہے یہ سب شیطان کے بہکاوے ہیں۔

وَ اللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا: اللہ تعالیٰ تمہیں ہمیشہ کی نعمتوں سے نوازنا چاہتے ہیں وہ تم سے بخشش اور فضل کا وعدہ کرتے ہیں اگر اس کے حکم کے مطابق اس کے راستے میں خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمادیں گے دنیا میں بھی برکت عطا کریں گے اور آخرت میں اپنے فضل سے جنت میں داخل کردیں گے یہ رب تعالیٰ کا وعدہ ہے لہٰذا شیطان کے بہکاوے میں نہ آنا بلکہ اللہ تعالیٰ کے وعدے پر یقین کرکے اس کے حکموں کو پورا کرنا لازم ہے تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کی کامیابی حاصل ہو۔

وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ: اللہ تعالیٰ بڑے ہی وسعت والے ہیں، اس کے خزانے بہت وسیع ہیں وہ اپنے بندوں کو ناامید نہیں لوٹاتے بلکہ انہیں دوگنا چوگنا عطا کرتے ہیں، وہ ہر چیز کو جاننے والے بھی ہیں وہ تمہاری نیتوں سے بھی باخبر ہیں، اخلاص تمہارے دلوں میں موجود ہوگا اللہ تعالیٰ اس کے مطابق بڑھا چڑھا کر تمہیں عطا کریں گے۔

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ: اللہ تعالیٰ جسے چاہیں حکمت عطا کرتے ہیں، بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں: حکمت ایسے علم کو کہا جاتا ہے جو فائدہ مند ہو اور انسان کو عمل تک پہنچائے، حکیم اللہ تعالیٰ کی صفت بھی ہے، اور قرآن کریم کو بھی حکمت کہا گیا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کو بھی حکمت کا نام دیا گیا ہے اس کے علاوہ باقی سمجھ یا دانائی کی باتیں بھی حکمت میں شمار ہوتی ہیں بہرحال حکمت کا اونچا درجہ پیغمبروں کو حاصل ہوتا ہے اس کے بعد عام مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں حکمت و دانائی میں حصہ عطا کرتے ہیں۔

بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: قرآن کریم کی سمجھ بہت بڑی حکمت ہے جسے اللہ تعالیٰ عطا کردیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عام مسلمانوں سے الگ کوئی خاص چیز نہیں دی، ہاں! اللہ تعالیٰ نے حکمت قرآن کریم کی سمجھ دے دی ہو تو اس سے انکار نہیں کرتے، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے اور خاص طور پر دین کی سمجھ حکمت ہے، ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے منافق کو دو چیزوں سے محروم رکھا ہے: ایک اچھا اخلاق اور دوسرے دین کی سمجھ۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے بارے میں بہتری کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین میں سمجھ عطا فرمادیتے ہیں وہ پھر جب اس سمجھ کے مطابق عمل کرتا ہے تو ایسا شخص

ہی حکیم کہلاتا ہے۔

وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَاب: یادرکھو! نصیحت کو عقل والے ہی قبول کرتے ہیں، قرآن کریم میں ایک مقام پر ہے کہ وہ لوگ بہرے اور گونگے ہیں جو عقل کو درست طریقے سے استعمال نہیں کرتے، کافروں کی مثال اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ: وہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ جانور بھی بعض باتیں سمجھتے ہیں مگر جو لوگ جانوروں سے بھی بدتر ہیں وہ کچھ بھی نہیں سمجھتے، نصیحت کو بھی وہی شخص قبول کرتا ہے جس کے اندر سمجھ ہوگی۔

خیرات کیسے کی جائے

وَ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ

اور جو خرچ کروگے تم کوئی خیرات یا نذر مانو تم کوئی منت پس بیشک اللہ جانتا ہے اس کو

وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ

اور نہیں واسطے ظالموں کے کوئی مددگار (۲۷۰) اگر ظاہر کرو خیرات اچھی بات وہ

وَ اِنْ تُخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَ يُكَفِّرُ

اور اگر چھپاؤ اسے اور پہنچاؤ دو اسے فقیروں کو پس وہ بہتر ہے لئے تمہارے اور دور کریگا

عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾

سے تم کچھ گناہ تمہارے اور اللہ وہ جو تم کرتے ہو خبردار ہے (۲۷۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور تم جو کوئی خیرات کروگے یا کوئی منت مانو گے تو بیشک اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ (۲۷۰) اور اگر خیرات ظاہر کر کے دو تو کیا ہی اچھی بات ہے اور اگر اسے چھپا کر فقیروں کو دو تو وہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے اور تمہارے کچھ گناہ دور کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہیں۔ (۲۷۱)

تفسیر

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہم جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں یا منت مانیں وہ سب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے، ناجائز کام کی نیت رکھنا، ناجائز جگہ منت ماننا یا ناجائز جگہ پر خرچ کرنے کا ارادہ رکھنا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے اور ایسے شخص کا کوئی مددگار نہ ہوگا اور نہ اس کا کام اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوگا۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ: تم صدقہ وخیرات خواہ چھپا کر دو یا ظاہر کر کے دو اللہ تعالیٰ اس کو پوری طرح جانتے ہیں، اگر یہ خوف ہو کہ لوگ اس کو ریاکاری یا دکھلاوا نہ سمجھیں تو صدقہ وخیرات چھپا کر کرو اگر لوگوں میں شوق پیدا کرنا مقصد ہو تو کھلم کھلا سب کے سامنے دیدو، بہرحال نیکی کا قبول ہونا صحیح نیت پر موقوف ہے چھپا کر اس لئے خرچ کرنا کہ لینے والے کو شرم محسوس نہ ہو یا ظاہر طور پر اس لئے خرچ کرنا کہ اوروں کو بھی شوق ہو دونوں بہتر ہیں لیکن ہر لحاظ سے موقع اور مصلحت کا لحاظ اور نیت کی درستگی ضروری ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: قیامت کے دن جن کو اللہ رب العزت کے عرش کے نیچے جگہ ملے گی ان میں سے ایک آدمی وہ ہے کہ دائیں ہاتھ سے صدقہ کرتا ہے مگر بائیں ہاتھ کو خبر تک نہیں ہوتی۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ صدقہ وخیرات تو بلاشبہ نیکی ہے مگر منت جائز ہونے کے باوجود زیادہ فائدہ مند نہیں، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منت نہ مانا کرو، کیونکہ یہ آدمی کو تقدیر سے نہیں بچاسکتی، حدیث میں ہے کہ: "جو کچھ تقدیر میں ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے"۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: منت کنجوس لوگ مانتے ہیں ورنہ سخی آدمی شرط نہیں لگاتے وہ تو بغیر شرط کے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں گویا منت ماننا مشروط عبادت ہے کہ اگر اے اللہ! آپ نے میرا فلاں کام کر دیا تو میں اتنا صدقہ خیرات کروں گا وغیرہ وغیرہ۔

"مسند احمد" میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ: قیامت کے دن صدقہ مؤمن کے حق میں سایہ کی طرح ہوگا؛ یعنی: جب حشر کے میدان میں انتہاء درجے کی تپش ہوگی اس وقت صدقہ اپنے دینے والے کے سر پر

سایہ کرے گا۔

احکام و مسائل

مسئلہ (۱):..... گناہ کے کام کیلئے منت ماننا جائز نہیں اور اگر ایسا کر ہی لیا ہے تو پھر اسکا پورا کرنا جائز نہیں بلکہ اس کو توڑ کر منت کا کفارہ ادا کر دینا چاہئے اور منت کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔

خیرات کا پورا پورا اجر

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ مَا
نہیں پر آپ ہدایت دینا ان کو اور لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہے اور جو کچھ

تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ
تم خرچ کرو گے کچھ مال پس واسطے جانوں تمہاری کے ہے اور نہیں خرچ کرو گے تم مگر حاصل کرنے رضا

اللّٰهِ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾
اللہ کی اور جو کچھ خرچ کرو گے کچھ مال پورا دیا جائے گا تمہیں اور تم سے نہ کمی کی جائے گی (۲۷۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ انہیں ہدایت دینا آپ کے ذمہ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہیں ہدایت دیں اور تم جو کچھ مال خرچ کرو گے سو اپنے ہی لئے ہے اور جو کچھ تم خرچ کرنا چاہو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو اور جو کچھ مال خرچ کرو گے تمہیں اس کا پورا پورا اجر دیا جائے گا اور تمہارے حق میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ (۲۷۲)

تفسیر

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پھر اس بات کا اعلان فرمایا کہ پیغمبر اور پیغمبر کے ماننے والوں کا فرض تبلیغ کرنا ہے ہدایت دینا اور مسلمان بنانا ان کا ذمہ نہیں؛ لہٰذا تبلیغ کا نتیجہ کچھ بھی ہو اس کا خیال کئے بغیر اپنا کام جاری

رکھنا چاہئے۔

وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ: اس بات میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ خالص نیت کیساتھ جو بھی خرچ کیا جائیگا اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں بڑھا چڑھا کر دیں گے البتہ فضیلت اس بات میں ہے کہ محتاجوں میں سے زیادہ محتاج کو دیا جائے، مثلاً: ایک نمازی ہے اور دوسرا بے نمازی ہے تو نمازی کو دینا زیادہ اجر وثواب رکھتا ہے مگر جہاں مجبوری کا معاملہ ہو وہاں کم تر آدمی کو بھی دینا چاہئے لیکن اگر کوئی بے نمازی بھوکا مر رہا ہے تو اسے پہلے دینا چاہئے اللہ تعالیٰ ہر نیکی کا پورا پورا بدلہ دیں گے، اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتے۔

احکام ومسائل

مسئلہ:..... حربی کافر، یعنی: غیر مسلم ملک کے غیر مسلم باشندے کو کسی بھی قسم کا صدقہ وغیرہ دینا جائز نہیں۔

خیرات کے حقدار

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا
لئے محتاجوں کے جو رکے ہوئے ہیں میں راستے اللہ کی نہیں طاقت رکھتے چلنے پھرنے کی

فِي الْاَرْضِ ۫ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ
میں زمین انہیں سمجھتے ہیں ناواقف مالدار سے سوال نہ کرنے تو انہیں پہچانتا ہے

بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْــَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ
چہرے ان کے سے نہیں سوال کرتے لوگوں سے لپٹ لپٹ کر اور جو خرچ کروگے تم کچھ مال

فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ ع ۳۷ ۵ ربع
پس بیشک اللہ اسے جانتا ہے (۲۷۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ خیرات ان فقیروں کیلئے ہے جو اللہ کی راہ میں رکے ہوئے ہیں جو ملک میں چل پھر نہیں سکتے ناواقف ان کے سوال نہ کرنے سے ان کو مالدار سمجھتا ہے آپ انہیں ان کے چہرے سے پہچانتے ہیں وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے اور تم جو مال اللہ کی راہ میں خرچ کروگے بیشک اللہ تعالیٰ اسے جانتے ہیں۔(۲۷۳)

تفسیر

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ صدقہ وخیرات کے اصل مستحق وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہونے کی وجہ سے چلنے پھرنے کھانے کمانے سے رکے ہوئے ہیں اور کسی پر اپنی ضرورتوں کو ظاہر نہیں کرتے، ایسے لوگوں کی مثال اصحاب صفہ کی ہے؛ پیغمبر ﷺ کی مسجد سے قریب ایک چبوترہ تھا اوپر کھجور کے پتوں کی چھت تھی اس مقام پر ایسے لوگ جمع رہتے تھے جنھوں نے اپنی زندگیاں دین کیلئے وقف کر رکھی تھیں بعض اوقات چار چار سو آدمی بھی اکٹھے ہوجاتے تھے، پیغمبر ﷺ سے تعلیم حاصل کرتے تھے اور جہاد میں جانے کی ضرورت پڑتی تو ادھر چل دیتے کوئی کاروبار نہ کرتے تھے مگر مستحق ہونے کے باوجود سوال نہیں کرتے تھے البتہ ان کی ضرورتمندی ان کے چہرے مُہرے اور رنگ وروپ سے معلوم کی جاسکتی تھی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ میں سے ہیں ان کے متعلق ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ پیغمبر ﷺ کے منبر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے درمیان بیہوش ہوکر گر پڑے تھے، فرماتے ہیں کہ لوگ میری گردن پر پاؤں رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ مجھ پر مرگی کا دورہ پڑگیا ہے حالانکہ یہ صرف بھوک کی وجہ سے ہوتا تھا (پرانے زمانے میں مرگی کے دورے پڑنے والے کی گردن پر علاج کے طور پر پاؤں رکھا جاتا تھا)، اس قدر فقروفاقہ کے باوجود آپ نے کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔

ہمیں چاہئے کہ آج بھی جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے اور علم دین سیکھنے میں مشغول ہوں ان کی مدد کریں اور ان کی ضرورتیں پوری کریں۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تم جو مال ودولت اس کی راہ میں خرچ کروگے اس کو سب معلوم ہے، یہاں بھی

اللہ تعالیٰ نے دولت کو لفظِ "خیر" کہا ہے اور ان لوگوں کو خاص طور پر مستحق قرار دیا ہے جو لپٹ لپٹ کر پیچھے نہیں پڑتے بلکہ خودداری سے کام لیتے ہیں اور اپنی محتاجی ظاہر نہیں ہونے دیتے۔

خیرات کا ثواب

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً فَلَهُمْ

جو لوگ خرچ کرتے ہیں مالوں اپنے کو رات میں اور دن (میں) چھپے طور پر اور کھلے طور پر پس لئے ان کے

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾ وقف منزل

اجر ان کا پاس رب ان کے کے اور نہ کوئی ڈر پر ان اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۲۷۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جو لوگ دن رات اپنے مال پوشیدہ اور ظاہر طور پر خرچ کرتے ہیں تو ان کیلئے ثواب ہے ان کے رب کے ہاں اور نہ ان کو کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (۲۷۴)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال و دولت خرچ کرتے ہیں، دن رات ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، صبح و شام صدقہ و خیرات سے غریبوں کی مدد کرتے ہیں اور ظاہر اور پوشیدہ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ اجر و ثواب سے مالا مال فرمائیں گے اور اپنے انعامات سے خوش کر دیں گے۔

یہاں یہ بھی بتلا دیا کہ صدقہ و خیرات کیلئے کوئی وقت مقرر نہیں، کوئی رات اور دن مقرر نہیں ہے، اسی طرح خفیہ اور اعلانیہ دونوں طرح سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ثواب ہے بشرطیکہ اخلاص کیساتھ خرچ کیا جائے، دکھلاوا مقصود نہ ہو۔

"روح المعانی" میں ابن عساکر کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار

دینار اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس طرح خرچ کئے کہ دس ہزار دن میں، دس ہزار رات میں، دس ہزار خفیہ اور دس ہزار اعلانیہ، بعض مفسرین نے اس آیت کا شانِ نزول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اسی واقعہ کو لکھا ہے؛ اس کے شانِ نزول کے متعلق اور بھی مختلف باتیں ہیں۔

یہ بات بھی بھولنی نہیں چاہئے کہ نیکی کا بدلہ اس دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں وعدہ فرمایا ہے کہ تمہیں پورا پورا اجر دیا جائیگا اور تمہارا ثواب ہرگز کم نہ کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس انعام کے علاوہ دو باتیں اور بھی فرمائی ہیں کہ ایسے نیک کام کرنے والوں کو نہ گزری ہوئی باتوں کا غم ہوگا اور نہ آنے والی باتوں کا کوئی خوف ہوگا۔

سود حرام ہے

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ

جو لوگ کھاتے ہیں سود نہیں اٹھیں گے مگر جس طرح اٹھتا ہے وہ شخص حواس کھو دیئے اس کے

الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ

شیطان نے سے لپٹ کر یہ حالت اس واسطے ہے کہ (انہوں نے) کہا کہ بیشک تجارت ایسی ہے

الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ

سود لینا حالانکہ حلال کیا اللہ نے تجارت کو اور حرام کیا سود کو پھر جسے پہنچی اسے نصیحت

وقف لازم

مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ

سے رب اس کے وہ باز رہا پس لئے اس کے جو ہو چکا اور معاملہ اسکا طرف ہے اللہ کی اور جو پھرے

فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

تو وہی والے دوزخ ہیں وہ میں اس ہمیشہ رہیں گے (۲۷۵)

با محاورہ ترجمہ:۔ جو لوگ سود کھاتے ہیں قیامت کے دن وہ ایسے کھڑے ہوں گے جیسے وہ شخص کھڑا

ہوتا ہے جس کے حواس کھو دیئے ہوں شیطان (جن) نے لپٹ کر ان کی یہ حالت اس لئے ہوگی کہ انہوں نے کہا کہ تجارت بھی تو ایسی ہے جیسے سود لینا حالانکہ تجارت کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا اور سود کو حرام کیا پھر جسے اپنے رب کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ باز آ گیا تو اس کے واسطے ہے جو ہو چکا اور اسکا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جو کوئی پھر سود لے تو وہی لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۲۷۵)

لفظی تحقیق: مَا سَلَفَ: جو گذر چکا۔ مقصد یہ ہے کہ سود حرام ہونے کے اعلان سے پہلے جو سود لیا دیا اسکی پکڑ نہیں ہوگی، پوچھ گچھ اس وقت سے شروع ہوگی جب اس حکم کے بعد بھی کسی نے سود لیا۔

تفسیر

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن سود خور سیدھے کھڑے نہ ہوسکیں گے بلکہ پاگلوں اور دیوانوں کی طرح گرتے پڑتے لڑکھڑاتے ہوئے اٹھیں گے بالکل یہی منظر دنیا میں بھی نظر آتا ہے، سود خور روپے کے پیچھے باؤلے سے رہتے ہیں یوں معلوم ہوتا ہے جیسے انہیں کوئی جن یا بھوت چمٹ گیا ہے ہر دم ان پر سود ہی کی فکر سوار رہتی ہے۔

سود کا معاملہ صدقہ وخیرات کے بالکل الٹ ہے اگر خیرات سے لحاظ ومروت بڑھتی ہے تو سود سے ظلم ترقی کرتا ہے اسی لئے خیرات کی فضیلت کے بعد سود کی برائی اور اس کی ممانعت کا ذکر ہوا ہے جو اپنی جگہ پر بے حد مناسب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے درگذر سے کام لیتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص اس نصیحت اور سود کے حرام ہونے کا حکم سننے کے بعد باز آجائے اس حکم کے نازل ہونے سے پہلے جو سود لیا دیا تھا وہ معاف ہوجائے گا لیکن جو باز نہ آیا وہ ہمیشہ دوزخ میں جلے گا۔

سود خور کافر کہتے ہیں کہ جس طرح تجارت میں مالی فائدہ مقصود ہوتا ہے اسی طرح سود میں بھی مالی فائدہ مقصود ہوتا ہے جب تجارت حلال ہے تو سود کیوں حرام ہو؟ حالانکہ انہیں معلوم نہیں کہ تجارت اور سود میں اخلاقی اور

معاشی لحاظ سے زمین اور آسمان کا فرق ہے سود خور کو تم قرض دینے پر ہر حال میں سود ملتا ہے اس کے برخلاف تجارت میں نفع ونقصان دونوں ہے تاجر کو نفع کی امید بھی ہوتی ہے اور نقصان کا خطرہ بھی لگا رہتا ہے۔

سود کی نحوست اور خیرات کی برکت

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ
مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات اور اللہ نہیں پسند کرتا ہر ناشکرے

اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ
گنا ہگار کو (۲۷۶) بیشک جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے نیک اور قائم رکھی نماز

وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
اور دیتے رہے زکوۃ لئے ان کے ہے ثواب ان کا ہے پاس رب ان کے کے اور نہ خوف ہوگا پر ان

وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾
اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۲۷۷)

با محاورہ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور خیرات کو بڑھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے گنا ہگار سے کو پسند نہیں کرتے۔ (۲۷۶) جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور نماز کو قائم رکھا اور زکوۃ دیتے رہے ان کے لئے ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور نہ انہیں خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (۲۷۷)

تفسیر

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے سود اور خیرات کا موازنہ کرتے ہوئے دونوں کا الگ الگ انجام بتلایا ہے،
ارشاد ہوتا ہے کہ: سود خور کتنا ہی بڑھتا چلا جائے اسکا انجام بربادی ہے اللہ تعالیٰ ہرگز اس کے مال میں کوئی برکت

نہیں ڈالتے، ایسی دولت کا انجام آخرت میں خرابی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا، اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ صدقات وخیرات کو بڑھاتے ہیں، ان میں برکت ڈالتے ہیں، ان کا ثواب کئی گنا بڑھاتے ہیں۔

پھر یہ بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ سود خور کو کبھی پسند نہیں کرتے جو گناہگار بھی ہے اور ناشکرا بھی، وہ گناہگار اس لئے ہے کہ بے بس اور حاجت مند لوگوں پر ظلم کرتا ہے اور ناشکرا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مال و دولت دیا تھا کہ اسکی راہ میں خرچ کرے، غریبوں مسکینوں میں تقسیم کرے، ضرورتمندوں کی مدد کرے لیکن اس کے بجائے وہ کنجوسی سے کام لیتا ہے روپیہ کو سمیٹ سمیٹ کر رکھتا ہے بھائیوں کو بھوکا مرتے، غریبی میں تڑپتے دیکھتا ہے لیکن اسے ترس نہیں آتا، لہٰذا اس کے لئے سخت دھمکی ہے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ: آیت کے اس حصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے اور صدقہ کو بڑھاتے ہیں، یہ مضمون آخرت کے اعتبار سے تو بالکل صاف ہے دنیا کے اعتبار سے بھی اگر ذرا سی حقیقت سمجھنے کی کوشش کی جائے تو بالکل واضح ہے، یہی مطلب اس حدیث کا ہے جس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: سود اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو جائے مگر اس کا انجام کمی ہی ہے۔

سود لینا چھوڑ دو

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ
اے وہ لوگو جو! ایمان لائے ڈرتے رہو اللہ سے اور چھوڑ دو جو باقی رہا سے سود اگر

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ
ہو تم ایمان والے (۲۷۸) پھر اگر نہ چھوڑو تو تیار ہو جاؤ ساتھ لڑنے سے اللہ

وَ رَسُوْلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ
اور پیغمبر اسکے اور اگر توبہ کرو تم پس لئے تمہارے اصل مال تمہارا نہ تم ظلم کرو

وَ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾

اور نہ تم پر ظلم کیا جائے (۲۷۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم مؤمن ہو۔ (۲۷۸) پھر اگر نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر سے لڑنے کو اور اگر توبہ کرتے ہو تو تمہارے واسطے تمہارا اصل مال ہے، نہ تم کسی پر ظلم کر و سود لے کر اور نہ تم پر ظلم کیا جائے اصل مال کو ہضم کر کے۔ (۲۷۹)

تفسیر

مَا بَقِيَ: جو باقی رہا: مطلب یہ ہے کہ اس حکم سے پہلے جو سود حاصل کر چکے ہو وہ معاف کیا جاتا ہے اس کے بعد سود وصول نہ کر و صرف اصل مال حاصل کر سکتے ہو۔

شانِ نزول

سود کے حرام ہونے سے پہلے عام عرب میں سود کا رواج پھیلا ہوا تھا اس آیت سے پہلی آیتوں میں اس سے منع فرمادیا تو عادت کے مطابق تمام مسلمانوں نے سود کے معاملات چھوڑ دیئے لیکن کچھ لوگوں کا دوسرے لوگوں پر سود باقی تھا، اسی میں یہ واقعہ پیش آیا کہ بنی ثقیف اور بنی مخزوم کے آپس میں سودی معاملات کا سلسلہ تھا اور بنو ثقیف کے لوگوں کا کچھ سودی مطالبہ بنو مخزوم کی طرف تھا، بنو مخزوم مسلمان ہو گئے تو اسلام لانے کے بعد انہوں نے سود کی رقم ادا کرنا جائز نہ سمجھا ادھر بنو ثقیف کے لوگوں نے مطالبہ شروع کیا کیونکہ یہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر مسلمانوں سے صلح کر لی تھی، بنو مخزوم کے لوگوں نے کہا کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ہم اپنی اسلامی کمائی کو سود کی ادائیگی میں خرچ نہ کریں گے۔

یہ جھگڑا مکہ مکرمہ میں پیش آیا اس وقت مکہ فتح ہو چکا تھا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مکہ کے امیر حضرت

معاذ رضی اللہ عنہ اور دوسری روایت میں عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے اس جھگڑے کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پوچھنے کی غرض سے خط لکھ کر بھیجا، اس پر قرآن کریم کی یہ آیت اتری جسکا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد سود کے تمام پچھلے معاملات ختم کر دیئے جائیں پچھلا سود بھی وصول نہ کیا جائے صرف اصل مال وصول کیا جائے۔

یہ اسلامی قانون رائج کیا گیا تو مسلمان تو اس کے پابند تھے ہی جو غیر مسلم معاہدہ کر چکے تھے وہ بھی اس کے پابند ہو چکے تھے لیکن اس کے باوجود جب حجۃ الوداع کے خطبہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قانون کا اعلان کیا تو اسکا اظہار فرمایا کہ یہ قانون کسی خاص شخص یا قوم یا مسلمانوں کے مالی فائدے کے پیش نظر نہیں بلکہ پوری انسانیت کی تعمیر اور اصلاح و کامیابی کیلئے جاری کیا گیا ہے؛ اسی لئے ہم سب سے پہلے مسلمانوں کی سود کی بہت بڑی رقم جو غیر مسلموں کے ذمہ تھی اس کو چھوڑتے ہیں تو اب ان کو بھی اپنے بقایا سود کی رقم چھوڑنے میں کوئی عذر نہ ہونا چاہئے، چنانچہ اس خطبہ میں ارشاد فرمایا:

زمانہ جاہلیت میں جو سودی معاملات کئے گئے سب کا سود ختم کر دیا گیا اب ہر شخص کو اصل رقم ملے گی سود کی زائد رقم نہ ملے گی نہ تم سود وصول کر کے کسی پر ظلم کر سکو گے اور نہ کوئی اصل مال میں کمی کر کے تم پر ظلم کر سکے گا اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سود ختم کرتا ہوں جن کی سود کی بہت سی رقمیں لوگوں کے ذمہ تھیں، قرآن مجید کی اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ان آیتوں میں یہ حکم دیئے گئے ہیں:

(۱)..... سود کے حرام ہونے سے پہلے جو سود لے چکے ہو سو لے چکے لیکن حرام ہونے کے بعد جو باقی ہے وہ چھوڑ دو۔

(۲)..... اگر تم باز نہ آؤ تو تمہارے ساتھ اللہ اور پیغمبر ایسا ہی سلوک کرینگے جیسا باغیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

(۳)..... اگر سود حرام ہونے کے بعد کا چڑھا ہوا سود تم مانگو تو یہ بھی ظلم ہوگا۔

(۴)....اگر قرض لینے والا غریب ہو تو اس سے فوری تقاضا نہ کرو بلکہ اسے اتنی مہلت دو کہ وہ اصل رقم واپس دینے کے قابل ہو جائے۔

اندازہ کیجئے! سود کی ممانعت کس سختی سے کی گئی ہے اس قدر واضح حکم کے بعد بھی اگر کوئی اس کے جائز ہونے کی صورتیں نکالے اور سودی لین دین سے باز نہ آئے وہ اللہ تعالیٰ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا باغی ہے۔

تنگدست سے رعایت

وَ اِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ

اور اگر ہو تنگدست پس مہلت تک کشادگی اور اگر بخش دو بہتر ہے

لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَ اتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى

لئے تمہارے اگر ہو تم جانتے (۲۸۰) اور تم ڈرو اس دن سے کہ لوٹائے جاؤ گے تم میں اس طرف

اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ ع ۳۸ ۸ ۲

اللہ کی پھر پورا پورا دیا جائیگا ہر شخص کو جو کمایا اس نے اور وہ نہ ظلم کئے جائیں گے (۲۸۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر تنگ دست ہو تو مالی وسعت حاصل ہونے تک مہلت دینی چاہئے اور اگر بخش دو تو تمہارے لئے بہتر ہے اگر تمہیں سمجھ ہو۔ (۲۸۰) اور اس دن سے ڈرتے رہو جس دن اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو جو اس نے کمایا پورا پورا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ (۲۸۱)

تفسیر

اس آیت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر مقروض ایسا غریب ہے جس میں قرض ادا کرنے کی طاقت نہیں ہے تو اس کی فراخی تک اسے مہلت دیدو تاکہ وہ آسانی کے ساتھ قرض ادا کر سکے بلکہ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ جو ادا نہیں کر سکتے انہیں معاف ہی کر دو، معافی کی یہ ترغیب ان الفاظ میں دی گئی ہے "اگر تم معاف ہی کر دو تو تمہارے

لئے بہتر ہے"۔

غور کرنے والی بات یہ ہے کہ معافی کا فائدہ ظاہر مقروض کو ہی پہنچے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تمہیں سمجھ ہو تو اسکا فائدہ خود تمہاری ذات کو ہے آخر میں آخرت کا ذکر فرما کر خدا سے ڈرنے اور آخرت میں اپنے عمل کے جواب دینے کا احساس دلایا۔

آیت کی رُو سے تنگدست کو مہلت دینا واجب ہو جاتا ہے اگر مقروض جان بوجھ کر ٹال مٹول کرتا ہے تو وہ گناہ گار ہوگا کیونکہ مال موجود ہونے کے باوجود ٹال مٹول کرنا اور قرض کی ادائیگی سے منہ موڑنا ظلم ہے اور ظالم شخص سزا کا مستحق ہوتا ہے، لہٰذا اگر شبہ ہو کہ مقروض کے پاس مال موجود ہے مگر ادا نہیں کرتا تو قرض خواہ عدالت سے رجوع کر سکتا ہے اور حاکم ایسے مقروض کو قید میں ڈال سکتا ہے اگر اس کے پاس مال موجود ہے تو قرضہ ادا کر کے رہائی حاصل کریگا اور اگر عدالت کو یقین ہو جائے کہ یہ شخص قرضہ لوٹانے کے قابل نہیں ہے تو اسے مہلت دی جاسکتی ہے۔

"طبرانی" میں ایک حدیث ہے کہ جو شخص کسی غریب قرض دار کو مہلت دیگا تو اس کو ہر روز اسکی دوگنی رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ اسکی دعا قبول ہو یا اسکی مصیبت دور ہو تو اس کو چاہئے کہ غریب قرض دار کو مہلت دیدے۔

اگر قرضدار اس قدر بدحال ہے کہ قرضہ ادا کرنے کے قابل نہیں تو ایسی صورت میں قرضہ بالکل معاف کر دینا ہی بہتر ہے، "بخاری اور مسلم شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ جس نے تنگدست مقروض کو مہلت دی یا اسے بالکل معاف ہی کر دیا تو قیامت کے دن ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے عرش کے سائے میں ہوگا اور وہ ایسا دن ہوگا جس دن عرش کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا، "بخاری شریف" میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی پچھلی امت کے ایک شخص کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ: ایک شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوگا جس کے پاس کوئی نیکی نہ ہوگی اللہ تعالیٰ فرمائیں گے دیکھو اس نے کوئی نیکی کی ہے دریافت کرنے پر وہ شخص عرض کریگا کہ میرے پاس نیکی تو کوئی نہیں

ہے البتہ ایک بات ہے کہ میں تجارت کرتا تھا، میرے نوکر چاکر تھے لوگ مجھ سے قرضہ بھی لیتے تھے میں نے نوکروں کو حکم دے رکھا تھا کہ جس کا ہاتھ تنگ ہو اس کو مہلت دیدیا کرو ایسے شخص پر سختی نہ کیا کرو اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے فرمائیں گے ہم درگذر کرنے کے زیادہ لائق ہیں، یہ شخص دنیا میں تنگدستوں کے معاملہ میں نرمی کرتا تھا، لہٰذا آج میں نے اسے معاف کر دیا؛ اسی لئے فرمایا کہ: اگر تم قرضہ معاف کر دو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم اس عمل کی حقیقت کو جانتے ہو۔

سود کے مسائل بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ: اگر ان حکموں پر عمل نہیں کرو گے تو اس دن سے ڈر جاؤ جس میں تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، یعنی: قیامت کا دن آنے والا ہے وہاں پر ہر شخص کا حساب کتاب ہوگا پھر ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائیگا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

سود کیا ہے؟

سود کے معنٰی بڑھوتری کے ہیں اور آیت میں اس سے مراد ایسی بڑھوتری ہے جس کے مقابلے میں کوئی مال نہ ہو بلکہ صرف ادھار کی مدت کے بدلے ہو، جاہلیت کے زمانے میں اپنا مال کسی کو متعین مدت کیلئے دیتے تھے اور ہر مہینہ مدت کے عوض اس کا نفع لیتے تھے اور اگر مقررہ وقت پر ادائیگی نہ کر سکا تو میعاد اور بڑھا دی جاتی تھی اس شرط کے ساتھ کہ وہ سود کی رقم مزید بڑھا دیتے تھے یہی جاہلیت کا سود تھا جس کو قرآن کریم نے حرام قرار دیا۔

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے "احکام القرآن" میں سود کے معنٰی یہ بیان فرمائے ہیں کہ کسی مدت کیلئے اس شرط پر قرض دیا جائے کہ قرض دار اسکو اصل مال سے زائد کچھ رقم ادا کریگا۔

حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کی حقیقت یہ فرمائی ہے کہ: ہر ایسا قرض جو اپنے ساتھ مشروط طور پر نفع کھینچ لائے وہ سود ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید و فروخت کی چند صورتوں کو بھی سود میں داخل فرمایا جن کو عرب سود نہ سمجھتے تھے مثلاً: چھ چیزوں کی خرید و فروخت میں یہ حکم دیا کہ اگر ان کا تبادلہ کیا جائے تو برابر سرابر ہونا چاہئے اور نقد ہاتھوں

ہاتھ ہونا چاہئے اس میں کمی زیادتی کی گئی یا ادھار کیا گیا تو وہ بھی سود ہے یہ چھ چیزیں سونا، چاندی، گیہوں، جَو، کھجور اور نمک ہیں۔

سود کے بارے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات

(۱)..... پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: سات ہلاک کر دینے والی چیزوں سے بچو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا اے اللہ کے پیغمبر! وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا:

(۱)..... اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت میں یا اسکی مخصوص صفات میں کسی کو شریک کرنا۔

(۲)..... جادو کرنا۔

(۳)..... کسی شخص کو ناحق قتل کرنا۔

(۴)..... سود کھانا۔

(۵)..... یتیم کا مال کھانا۔

(۶)..... جہاد کے وقت میدان سے بھاگنا۔

(۷)..... کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا۔

(۲)..... پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: میں نے آج رات دو شخصوں کو دیکھا جو میرے پاس آئے اور مجھے بیت المقدس تک لے گئے پھر ہم آگے چلے تو ایک خون کی نہر دیکھی جس کے اندر ایک آدمی کھڑا ہوا ہے اور دوسرا آدمی اسکے کنارے پر کھڑا ہے جب یہ نہر والا آدمی اس سے باہر آنا چاہتا ہے تو کنارے والا آدمی اس کے منہ پر پتھر مارتا ہے جسکی چوٹ سے وہ بھاگ کر وہیں چلا جاتا ہے جہاں کھڑا تھا پھر وہ نکلنے کا ارادہ کرتا ہے تو پھر یہ کنارہ پر کھڑا آدمی یہی معاملہ کرتا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: میں اپنے دونوں ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے جو میں دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے بتلایا کہ خون کی نہر میں قید کیا ہوا آدمی سود کھانے والا ہے جو اپنے عمل کی سزا پا رہا ہے۔

(۳)....پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود لینے والے پر بھی لعنت فرمائی اور سود دینے والے پر بھی اور بعض روایتوں میں سودی معاملہ پر گواہی دینے والے اور اسکے کاغذات لکھنے والے پر بھی لعنت کی ہے۔

اور "صحیح مسلم" کی ایک روایت میں ہے کہ یہ سب گناہ برابر ہیں اور بعض روایتوں میں گواہ اور لکھنے والے پر لعنت اس صورت میں ہے جبکہ ان کو اسکا علم ہو کہ یہ سود کا معاملہ ہے۔

(۴)....پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: چار آدمی ایسے ہیں کہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ ان کو جنت میں داخل نہ کریں اور جنت کی نعمت نہ چکھنے دیں وہ چار یہ ہیں: شراب پینے والا اور سود کھانے والا اور یتیم کا مال ناحق کھانے والا اور اپنے والدین کی نافرمانی کرنے والا۔

(۵)....پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: وہ آدمی جو سود کا ایک درہم کھاتا ہے وہ چھتیس مرتبہ بدکاری کرنے سے زیادہ سخت گناہ کا مرتکب ہے اور بعض روایتوں میں ہے کہ جو گوشت حرام مال سے بنا ہو وہ آگ میں جلنے کے لائق ہے۔

(۶)....پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: شبِ معراج میں جب ہم ساتویں آسمان پر پہنچے تو میں نے اپنے اوپر گرج و چمک کو دیکھا اس کے بعد ہم ایک ایسی قوم پر گزرے جن کے پیٹ رہائشی مکانات کی طرح پھولے اور پھیلے ہوئے ہیں جن میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے نظر آرہے تھے میں نے جبرائیل امین سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ: یہ سود خور ہیں۔

(۷)....پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: ان گناہوں سے بچو جو معاف نہیں کیے جاتے ان میں سے ایک مالِ غنیمت کی چوری اور دوسرے سود خوری ہے۔

لِکھت پڑھت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى

اے | وہ لوگو! | جو ایمان لائے | جب | معاملہ کرو تم | ادھار کا | تک | وقت | مقرر

فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ
تو لکھ لیا کرو اسے اور چاہئے کہ لکھے درمیان تمہارے لکھنے والا انصاف سے اور نہ انکار کرے لکھنے والا

اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ
اس سے کہ لکھدے جیسا کہ سکھایا اسے اللہ نے سو چاہئے کہ لکھدے اور بتاتا جائے وہ شخص پر جس کے قرض ہے

وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ
اور ڈرے اللہ رب اپنے کے اور نہ کم کرے سے اس کچھ پھر اگر ہے وہ شخص پر جسکے

الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ
قرض کم عقل یا کمزور یا نہیں طاقت رکھتا کہ بتائے وہ تو بتادے

وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ
سرپرست اسکا ساتھ انصاف کے اور گواہ بنالو دو آدمی سے مردوں اپنے پھر اگر نہ

يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ
ہوں وہ دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں سے جس کو پسند کرو تم سے گواہوں

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ
کہ بھول جائے ایک ان میں سے تو یاد دلائے ایک ان میں سے دوسری کو اور نہ انکار کریں

الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ
گواہ جب بلائے جائیں اور نہ کاہلی کرو کہ لکھواسے چھوٹا یا

كَبِيْرًا اِلٰۤى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ
بڑا تک اس کی مدت اس میں انصاف نزدیک اللہ کے اور درست رکھنے والا واسطے گواہی کے

وَاَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا
اور نزدیک کہ نہ شبہ میں پڑو تم مگر یہ کہ ہو سودا ہاتھوں ہاتھ لیتے دیتے رہو

بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَ اَشْهِدُوْٓا اِذَا
آپس میں پس نہیں پرتم کوئی گناہ کہ نہ لکھواسے اور گواہ بناؤ جب

تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّ لَا شَهِيْدٌ ؕ وَ اِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ
تم سودا کرو اور نہ نقصان کرے لکھنے والا اور نہ گواہ اور اگر ایسا کرو تو بیشک اس کا

فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ
گناہ تمہارے اندر اور ڈرتے رہو اللہ سے اور سکھاتے ہیں تم کو اللہ اور اللہ ہر ایک

شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾
چیز کو جانتے ہیں (۲۸۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے ایمان والو! جب تم آپس میں ادھار کا معاملہ کرو کسی وقت مقررہ تک تو اسے لکھ لیا کرو اور چاہئے کہ لکھنے والا انصاف سے تمہارے درمیان لکھ دیا کرے، اور لکھنے والا انکار نہ کرے لکھنے سے جیسا اللہ تعالیٰ نے اسے سکھایا ہے سو اسے چاہئے کہ لکھ دے اور وہ شخص جس پر قرض ہے بتاتا جائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے جو اسکا رب ہے اور اس میں سے کچھ کم نہ کرے، پھر اگر وہ شخص جس پر کہ قرض ہے کم عقل یا ضعیف ہے یا وہ خود بتانے کی طاقت نہیں رکھتا تو اسکا سرپرست انصاف سے بتادے، اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنالو پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد، دو عورتیں جن کو تم گواہی میں پسند کرتے ہو، تا کہ ان میں سے اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلادے اور انکار نہ کریں گواہ جب وہ بلائے جائیں اور اسکے لکھنے سے کاہلی نہ کرو خواہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اسکی مدت تک، یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پورے انصاف کی بات ہے اور گواہی کو بہت درست رکھنے کا بہتر ذریعہ ہے اور اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو، مگر یہ کہ وہ سودا ہاتھوں ہاتھ ہو آپس میں اسے دیتے لیتے رہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں اگر اسے نہ لکھو اور جب تم سودا کرو تو گواہ کرلیا کرو اور نہ تو لکھنے والا نقصان کرے اور نہ گواہ کا اور اگر ایسا کرو تو یہ تمہارے اندر گناہ کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ تعالیٰ تمہیں سکھلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کو جانتے ہیں۔ (۲۸۲)

تفسیر

اس آیت میں ادھار اور ایسے لین دین کا ذکر ہے جس میں کسی مدت کا وعدہ ہو بھول چوک کا امکان ہر وقت ہے اس لئے ایسے معاملہ کو لکھ لینا چاہئے اور ایسا اہتمام کیا جائے کہ آئندہ کسی جھگڑے کی نوبت نہ آئے لکھنے والے کو چاہئے کہ لکھنے میں کوتاہی نہ کرے، زیادہ مناسب یہ ہے کہ ادھار لینے والا اپنے ہاتھ سے لکھے یا لکھنے والے کو اپنی زبان سے بتلائے اور دوسرے کے حق میں کمی زیادتی نہ کرے وہ شخص جس پر قرض ہے اگر کم عقل یا کمزور ہو یا لکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو ایسی صورتوں میں اس کے سرپرست کو چاہئے کہ معاملہ انصاف سے لکھوادے۔

اس آیت میں دوسری بات یہ بیان کی گئی ہے کہ ادھار کا معاملہ جب کیا جائے تو اسکی مدت ضرور مقرر کی جائے، مدت مقرر کئے بغیر یا گول مول مدت مقرر کرکے ادھار لینا دینا جائز نہیں کیونکہ اس کی وجہ سے ادھار لینے اور دینے والے میں جھگڑا ہو سکتا ہے، گول مول مدت سے مراد یہ ہے کہ مثلاً: یوں کہا جائے کہ جب گرمی کا موسم آئے گا یا جب حاجی آئیں گے یا یہ کہ جب فصل پکے گی کیونکہ ایسے کاموں کا کوئی وقت متعین نہیں ہوتا۔

وَ لْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ: یعنی یہ ضروری ہے کہ تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے: چونکہ لکھنا اس زمانے میں عام نہ تھا اور آج عام ہونے کے بعد بھی دنیا کی زیادہ تر آبادی وہی ہے جو لکھنا نہیں جانتی تو یہ ممکن تھا کہ لکھنے والا کچھ کا کچھ لکھدے جس سے کسی کا بے جا فائدہ اور کسی کا ناحق نقصان ہو جائے، آیت کے اس حصہ میں یہ ہدایت کی گئی کہ حساب کتاب لکھنے والا کسی فریق کا حمائتی نہ ہو بلکہ غیر جانبدار رہوتا کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو، دوسرے حساب کتاب لکھنے والے کو یہ ہدایت کی گئی کہ انصاف کیساتھ لکھے دوسرے کے فائدے کیلئے اپنی آخرت کا نقصان نہ کرے اس کے بعد حساب کتاب لکھنے والے کو یہ ہدایت کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ ہنر دیا ہے وہ لکھ سکتا ہے اسے چاہئے کہ وہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔

وَ لْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ: دستاویز وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ حق ہے مثلاً: سودا خریدا اور قیمت کا ادھار کیا تو جس شخص کے ذمہ ادھار ہے وہ دستاویز کا مضمون لکھوادے کیونکہ یہ اسکی طرف سے اقرار نامہ ہوگا۔

وَ لۡيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَ لَا يَبۡخَسۡ مِنۡهُ شَيۡــًٔا: اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور حق کے لکھوانے میں ذرہ برابر کمی نہ کرے، معاملات میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس شخص پر حق ہو وہ کم عقل یا سٹھیایا ہوا بوڑھا یا نابالغ بچہ یا گونگا ہو یا کوئی دوسری زبان بولنے والا ہو جس کو لکھنے والا نہیں سمجھتا اس لئے کاغذات لکھوانے پر اسکو قدرت نہیں ہوتی؛ اس لئے اس کے بعد فرمایا کہ: اگر ایسی صورت پیش آئے تو ان کی طرف سے ان کا سرپرست لکھوادے، مجنون اور نابالغ کی طرف سے تو سرپرست کا ہونا ظاہر ہے کہ ان کے سارے معاملات سرپرستوں کے ذریعہ ہوا کرتے ہیں اور گونگے یا دوسری زبان بولنے والے کا سرپرست بھی یہ کام کرسکتا ہے اور اگر وہ کسی کو اپنا وکیل بنادے تو بھی ہوسکتا ہے قرآن مجید میں اس جگہ لفظ ولی دونوں معنٰی کیلئے ہوسکتا ہے۔

یہ آیت پورے قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت ہے، اس میں لین دین کے اندر لکھت پڑھت کرنے، گواہی دینے اور رہن یعنی کسی چیز کو گروی رکھنے کے حکم وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں۔

یہاں یہ ارشاد ہے کہ: لکھت پڑھت کے علاوہ دو گواہ بھی بنالیا کرو اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنالو تاکہ ایک بھول جائے تو دوسری عورت اسے یاددلادے ساتھ ہی گواہوں کو حکم ہوا کہ وہ گواہی کیلئے بلانے پر ٹال مٹول نہ کیا کریں کیونکہ ایسا کرنا گناہ ہے۔

معاملات کو لکھنے کے بارے میں دوبارہ یہ تاکید کی گئی ہے کہ سودا تھوڑا ہو یا زیادہ، قرض چھوٹا ہو یا بھاری لکھنے میں سستی نہ کرو اور حقیقت بھی یہی ہے کہ معاملات کی درستی اور انصاف کے تقاضے اس کے بغیر پورے نہیں ہوسکتے ہیں۔

فَاِنۡ لَّمۡ يَكُوۡنَا رَجُلَيۡنِ: معتبر گواہی یہ ہے کہ تم میں سے دو مرد گواہی دیں اور اگر دو مرد گواہ نہ ملیں ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں کافی ہیں یعنی: دو عورتوں کو ایک مرد کے برابر قرار دیا اور یہ گواہ ایسے ہوں جو تمہیں پسند ہوں ظاہر ہے کہ پسند وہی ہوں گے جو نیک اور انصاف پسند ہوں گے جن سے ٹھیک گواہی کی امید رکھی جاسکتی ہے کیونکہ غیر معتبر اور جھوٹے آدمی سے سچی گواہی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

آیت کے اس آخری حصہ میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ لکھت پڑھت کر لینے سے شک وشبہ پیدا نہ ہوگا، البتہ

ہاتھوں ہاتھ سودے میں اسکی ضرورت نہیں اسی طرح گواہوں پر اور لکھنے والے پر لازم ہے کہ وہ بھی انصاف سے کام لیں، کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کریں ورنہ وہ گناہگار ہوں گے۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ لکھنے کی صرف تحریر کو کافی نہ سمجھیں بلکہ اس پر گواہ بھی بنالیں کہ اگر کسی وقت آپس میں ناچاقی پیدا ہوجائے تو عدالت میں ان گواہوں کی گواہی سے فیصلہ ہو سکے یہی وجہ ہے کہ علماء نے فرمایا کہ: صرف تحریر شرعی طور پر دلیل نہیں جب تک کہ اس پر گواہ موجود نہ ہوں، خالی تحریر پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا آجکل کی عام عدالتوں کا بھی یہی دستور ہے کہ تحریر پر زبانی تصدیق و گواہی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتیں۔

اس آیت میں لوگوں کو یہ ہدایت بھی کی گئی کہ جب ان کو کسی معاملہ میں گواہ بنانے کیلئے بلایا جائے تو وہ آنے سے انکار نہ کریں کیونکہ گواہی ہی حق کو باقی رکھنے کا ذریعہ اور جھگڑے ختم کرنے کا ذریعہ ہے اس لئے اس کو اہم خدمت سمجھ کر تکلیف برداشت کریں اس کے بعد پھر معاملات کی تحریر لکھنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ: معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا سب کو لکھنا چاہئے اس میں اکتائیں نہیں کیونکہ معاملات کا لکھ لینا انصاف کو قائم رکھنے اور صحیح گواہی دینے اور شک وشبہ سے بچنے کیلئے بہترین ذریعہ ہے ہاں اگر کوئی معاملہ نقد ہو ادھار نہ ہو اس کو اگر نہ لکھیں تب کچھ حرج نہیں، مگر اتنا اس میں بھی کیا جائے کہ اس معاملہ پر گواہ بنالیں کہ شاید کسی وقت لینے دینے والوں میں کوئی جھگڑا پیدا ہوجائے، مثلاً: بیچنے والا کہے کہ قیمت وصول نہیں ہوئی یا خریدنے والا کہے کہ مجھے چیزیں پوری وصول نہیں ہوئیں تو اس جھگڑے کے فیصلہ میں گواہی کام آئیگی۔

اسلام میں عدل وانصاف قائم کرنے کا اہم اصول

یہ ہے کہ گواہوں کو کوئی تکلیف یا نقصان نہ پہنچے

آیت کے شروع میں لکھنے والوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ لکھنے یا گواہ بننے سے انکار نہ کریں تو یہاں ممکن تھا کہ لوگ ان کو پریشان کریں گے اس لئے آیت کے آخر میں فرمایا کہ: کسی لکھنے والے یا گواہی دینے والے کو نقصان نہ پہنچایا جائے، یعنی: ایسا نہ کریں کہ اپنے فائدے کیلئے ان کو پریشان کریں، پھر فرمایا کہ: اگر تم نے لکھنے

والے کو یا گواہ کو نقصان پہنچایا تو اس کی وجہ سے تم گناہگار ہو گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ لکھنے والے کو یا گواہ کو نقصان پہنچانا حرام ہے اس لئے علماء نے فرمایا کہ: اگر لکھنے والا اپنے لکھنے کی مزدوری مانگے یا گواہ اپنی آمدورفت کا ضروری خرچ مانگے تو یہ اسکا حق ہے اس کو ادا نہ کرنا بھی اس کو نقصان پہنچانے میں داخل اور ناجائز ہے، اسلام نے اپنے عدل وانصاف کے نظام میں جس طرح گواہ کو گواہی دینے پر مجبور کیا ہے اور گواہی چھپانے کو سخت گناہ قرار دیا ہے اس طرح اسکا بھی انتظام کیا کہ لوگ کسی نقصان پہنچنے کے خوف سے گواہی دینے سے بچنے پر مجبور نہ ہوجائیں اسی دوطرفہ احتیاط کا یہ اثر تھا کہ پہلے ہر معاملہ کے سچے اور بے غرض گواہ مل جاتے تھے اور فیصلے جلد اور آسان حق کے مطابق ہوجاتے تھے، آج کی دنیا نے اس قرآنی اصول کو نظرانداز کر دیا ہے تو عدل وانصاف کا سارا نظام برباد ہو گیا، واقعہ کے اصلی اور سچے گواہ ملنا تقریباً ختم ہی ہو گئے، ہر شخص گواہی سے جان چرانے پر مجبور ہو گیا، وجہ یہ کہ جس کا نام گواہی میں آ گیا اگر معاملہ پولیس اور فوجداری کا ہے تو روز وقت بے وقت تھانیدار صاحب اس کو بلاتے ہیں اور بعض اوقات گھنٹوں بے جا بٹھائے رکھتے ہیں، دیوانی عدالتوں میں بھی گواہ کیساتھ ایسا معاملہ کیا جاتا ہے جیسے یہ کوئی مجرم ہے پھر روز روز مقدمہ کی پیشیاں بدلتی ہیں، تاریخیں لگتی ہیں، گواہ بیچارہ اپنا کاروبار اور مزدوری چھوڑ کر آنے پر مجبور ہے ورنہ وارنٹ کے ذریعے گرفتار کیا جاتا ہے اس لئے کوئی شریف کاروباری آدمی کسی معاملہ کا گواہ بننا اپنے لئے ایک عذاب سمجھنے اور حتی الامکان اس سے بچنے پر مجبور کر دیا گیا، صرف پیشہ ور گواہ ملتے ہیں جن کے ہاں جھوٹ سچ میں کوئی فرق نہیں ہوتا، قرآن حکیم نے ان بنیادی ضرورتوں کو اہمیت کیساتھ بتلا کر ان تمام خرابیوں کی روک تھام کی ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ تمہیں صحیح اصول کی تعلیم دیتے ہیں، یہ اسکا احسان ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے جاننے والے ہیں، قرآن کریم کی عام عادت ہے کہ قانون کے بیان کرنے سے پہلے اور بعد میں خدا کا خوف اور آخرت کا خوف دلا کر لوگوں کے ذہنوں کو حکم کے پورا کرنے کیلئے آمادہ کرتا ہے، اسی طریقہ کے مطابق اس آیت کے آخر میں خدا سے ڈرنے کا ذکر کیا گیا اور یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں اگر تم کسی ناجائز طریقے سے بھی کوئی خلاف ورزی کرو گے تو خدا کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔

رہن (گروی رکھنے) کے بارے میں ہدایات

وَ اِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّ لَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ
اور اگر ہو تم پر کسی سفر کے اور نہ پاؤ لکھنے والا تو گروی رکھنے چاہئیں ہاتھ میں

فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ
پھر اگر اعتبار کرے تم میں سے ایک دوسرے پر چاہئے کہ ادا کرے وہ شخص جس پر اعتبار کیا امانت اپنی اور ڈرتا رہے

اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَ لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَ مَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ
اللہ اپنے رب سے اور نہ چھپاؤ گواہی اور جو کوئی چھپائے اسے تو بیشک گناہگار

قَلْبُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ ع ۳۹ / ۷
دل اس کا اور اللہ جو تم کرتے ہو جانتا ہے (۱۸۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ تو گروی ہاتھ میں رکھنی چاہئے پھر اگر ایک دوسرے کا اعتبار کرے تو چاہئے کہ جس شخص پر اعتبار کیا گیا ہے اپنی امانت کو پورا ادا کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو شخص اسے چھپائے گا تو بیشک اس کا دل گناہگار ہو گا اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے جانتے ہیں۔ (۲۸۳)

لفظی تحقیق: رِهٰنٌ: وہ چیزیں جو گروی رکھی جائیں: لفظ "رھن" اردو میں بھی عام استعمال ہوتا ہے یعنی: قرض کے سلسلے میں امانت کے طور پر قرض دینے والے کو کچھ دے دینا مثلاً: زیور، مکان، جائیداد وغیرہ۔

يُؤَدِّ: پورا کرے: یہ لفظ "اَدَاءٌ" سے بنا ہے جس کے معنٰی ادا کر دینے کے ہیں۔

تفسیر

اس آیت میں لکھت پڑھت اور گواہی کے سلسلہ کی آخری ہدایتیں دی گئی ہیں، ارشاد ہوتا ہے: اگر تم سفر

کی حالت میں ہو خود لکھنا پڑھنا نہیں جانتے اور کوئی دوسرا لکھنے والا بھی موجود نہ ہو تو اس صورت میں قرض دینے والے کے پاس کچھ گروی رکھ دو اور جس کے پاس امانت یا کوئی چیز گروی رکھی جائے وہ امانت کو دیانتداری کیساتھ واپس ادا کر دے۔

رہن وہ چیز ہوتی ہے جو قرض کے بدلے میں کسی شخص کے پاس رکھی جاتی ہے اور اسکا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر قرضہ کی رقم مقررہ مدت میں ادا نہ کی جائے تو قرض خواہ اس چیز کو فروخت کر کے اپنی رقم پوری کر لے اور جو کچھ باقی بچے وہ قرض دار کو لوٹا دے یہ اس وقت جائز ہے جب گروی رکھنے والا قرض دینے والے کو اس کے بیچنے کا وکیل بنا دے مثلاً: یوں کہہ دے کہ اگر میں نے دو مہینے کے اندر آپ کا قرض ادا نہ کیا تو میری طرف سے آپ کو اختیار ہے کہ میری گروی رکھی ہوئی چیز کو بیچ کر اپنا قرض وصول کر لے، منقولہ یا غیر منقولہ کوئی بھی جائیداد گروی رکھی جا سکتی ہے مثلاً: مکان، زمین، باغ، جانور، زیور، گاڑی وغیرہ۔

اس کے علاوہ ایک بار پھر تاکید کی کہ گواہی ہرگز نہ چھپاؤ ورنہ تم گناہگار ہو گے، اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے باخبر ہیں۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ: اس آیت سے رہن کیلئے سفر کی حالت کا ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تم سفر کی حالت میں ایسا کر سکتے ہو، مگر علماء فرماتے ہیں کہ: اس بات پر اتفاق ہے کہ گروی رکھنا سفر کے بغیر بھی درست ہے اور یہاں پر سفر کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ اس عمل کی ضرورت سفر میں زیادہ پڑتی ہے جب کہ لکھنے والا نہ ملے، سفر میں نہ بھی ہو تو بھی گروی رکھنا خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، "بخاری اور ترمذی شریف" کی صحیح حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھریلو اخراجات کیلئے مدینے کے ایک یہودی (ابوجہم) سے بیس صاع اور بعض روایت کے مطابق تیس صاع اناج ادھار پر لیا تھا اور اس کیلئے اپنی زرہ یہودی کے پاس گروی رکھی تھی مگر اسے آپ اپنی زندگی میں واپس نہ لے سکے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرض ادا کر کے زرہ واپس لی، مقصد یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ٹھہرنے کے دوران اپنی زرہ کو بطور گروی رکھوایا تھا نہ کہ سفر کی حالت میں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا گروی رکھنے والا گروی رکھی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھا سکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً: زیور پہن سکتا ہے یا نہیں؟ باغ کا پھل یا زمین کی پیداوار حاصل کرسکتا ہے یا کوئی دودھ دینے والا جانور ہے تو اسکا دودھ پی سکتا ہے یا نہیں؟ گروی رکھی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے گروی رکھوانے والا اگر اپنی گروی رکھی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دے تب بھی گروی رکھنے والے کو اس چیز کا فائدہ اٹھانا حلال نہیں کیونکہ یہ سود ہے اور سود اجازت سے بھی جائز نہیں ہوتا۔

فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ: اگر تم میں سے بعض کو بعض پر اعتبار ہو تو جس شخص کے پاس امانت رکھی گئی ہے اسے چاہئے کہ اپنی امانت واپس کر دے مقصد یہ ہے کہ اگر قرض خواہ قرض دار پر اعتبار کر کے بغیر کسی گواہ کے یا بغیر کسی چیز کے گروی رکھے ہوئے قرض دیدیتا ہے تو پھر قرض کی رقم مقروض کے پاس امانت ہے اسے یہ امانت مقررہ مدت پر واپس لوٹانی چاہئے، اس ضمن میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "چیز حاصل کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ اسے واپس بھی کرے" اس کو امانتدار سمجھ کر رقم یا کوئی دوسری چیز دی تھی لہٰذا امانت میں خیانت نہیں ہونی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ حساب کتاب لیں گے

لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ

لئے اللہ کے جو میں آسمان اور جو ہے میں زمین اور اگر ظاہر کرو جو ہے میں دلوں تمہارے

اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ

یا چھپاؤ گے اسے حساب لینگے تم سے اس کا اللہ پس بخشیں گے جسے چاہیں اور عذاب دینگے

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

جسے چاہیں اور اللہ پر ہر چیز کے قادر (۲۸۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اگر تم اپنے دل کی بات ظاہر

کردیا اسے چھپاؤ ہر حال میں تم سے اللہ تعالیٰ حساب لیں گے، پھر جسے چاہیں بخشیں گے اور جسے چاہیں گے عذاب دیں گے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔ (۲۸۴)

تفسیر

شانِ نزول

يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللهُ: جب یہ آیت اتری کہ تم اپنے دل کی بات ظاہر کردیا چھپاؤ اللہ تعالیٰ تم سے حساب لیں گے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان ہو گئے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا، حضور! ہم نماز، روزہ، صدقہ، جہاد وغیرہ کی تکلیفیں برداشت کرسکتے ہیں مگر اب ایک ایسی چیز کا حکم آیا ہے جو ہمارے بس میں نہیں دل میں خیالات کا آنا ایک ایسی چیز ہے جسے خود سے ٹال نہیں سکتے اگر اس پر حساب کتاب شروع ہو گیا تو ہمارے لئے کوئی بچنے کی جگہ نہ ہوگی ہم اللہ تعالیٰ کے ہاں کیسے کامیاب ہونگے؟

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: تم اس طرح کے لوگ نہ بنو جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی قوم تھی جنہوں نے کہا تھا ہم نے حکم سُن لئے مگر ان پر عمل نہیں ہوسکتا بلکہ تمہارا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی حکم آئے اس کو مانو اور اس کی اطاعت کے جذبہ کا اظہار کرو اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا مانگو، چنانچہ جیسا کہ آگے آرہا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر حکم کی تصدیق اس طرح کیا کرتے تھے اے ہمارے رب! ہم نے آپ کا حکم سن لیا، اسکی اطاعت کی، آپ ہمیں معاف فرمادیجئے، چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جواب میں فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ میری امت کے دلوں میں غیر اختیاری طور پر آنے والے وسوسوں پر پکڑ نہیں فرمائیں گے بلکہ ان باتوں کی پکڑ ہوگی جو دل سے نکل کر زبان پر آجائیں گے یا ان کے مطابق عمل کیا جائے گا، صرف خیالات پر پکڑ نہیں ہوگی جب تک عمل نہیں ہوگا۔

اجزائے ایمان

آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ

ایمان لایا پیغمبر اس چیز پر جو اتاری گئی طرف اسکی سے رب اسکے اور مؤمن (ایمان والے) سب ایمان لائے

بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ
پراللہ اور فرشتوں اسکے پر اور کتابوں اسکی پر اور پیغمبروں اسکے پر نہیں فرق کرتے ہم درمیان کسی ایک کے سے

رُّسُلِهٖ ۟ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝۲۸۵
پیغمبروں اسکے اور کہہ اٹھے سنا ہم نے اور مانا ہم نے بخشش آپکی (طلب کرتے ہیں) اے رب ہمارے اور طرف آپ ہی کی لوٹنا ہے (۲۸۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پیغمبر نے مان لیا جو کچھ اس پر اس کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اور مان لیا اس کو مسلمانوں نے بھی، سب نے اللہ تعالیٰ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اسکی کتابوں اور اس کے پیغمبروں کو مانا، ہم کوئی فرق نہیں کرتے اس کے پیغمبروں میں سے کسی ایک کے درمیان بھی اور کہہ اٹھے کہ ہم نے سنا اور مانا، اے ہمارے رب! ہم آپ ہی کی بخشش چاہتے ہیں اور آپ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (۲۸۵)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف فرمائی ہے کیونکہ انہوں نے دلی محبت کیساتھ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو قبول کیا اور اس میں کسی قسم کا ٹال مٹول نہ کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کیا اور فرمایا: کہ ہم نے سنا اور مانا اور ہم پیغمبروں میں سے کسی ایک کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں، سارے پیغمبروں پر ایمان لانا ضروری ہے، کسی ایک پیغمبر کا انکار سب پیغمبروں کے انکار کے برابر ہے، اللہ تعالیٰ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ بات پسند آئی اور اس کیساتھ ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک بھی ہے جس کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان اور بھی بلند ہوگئی، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر کے یہ بات واضح کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ایماندار تھے۔

دعائیں

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا
نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی کو مگر مطابق گنجائش اسکی کے لئے اسکے ہے جو کمایا اس نے اور پر اسی کے ہے جو

اکْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَ

کمایا اس نے اے رب ہمارے نہیں پکڑ کریں ہماری اگر بھولیں ہم یا چوکیں ہم اے رب ہمارے اور

لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا

نہیں رکھیے پر ہم بوجھ بھاری جیسا رکھا تھا (آپ نے) اسے پر ان لوگوں جو تھے سے پہلے ہمارے اے رب ہمارے

وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَ اعْفُ عَنَّا ۗ وَ اغْفِرْ لَنَا ۗ

اور نہ اٹھوایئے ہم سے وہ کہ نہیں طاقت ہمیں جسکی اور درگزر کیجئے سے ہمارے اور بخش دیں ہمیں

ع ۴۰ ۸ وَ ارْحَمْنَا ۗ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

اور رحم کیجئے ہم پر آپ رب ہیں ہمارے پس مدد کیجئے ہماری پر قوم کافروں کے (۲۸۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔اللہ تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی وسعت کے مطابق، ہر شخص کیلئے وہی ہے جو اس نے نیک عمل کیا اور اسی پر پڑتا ہے جو اس نے برا کام کیا، اے ہمارے رب! ہمیں نہ پکڑیئے اگر ہم بھولیں یا چوکیں، اے ہمارے رب! ہم پر بوجھ نہ رکھیئے جیسا ہم سے اگلے لوگوں پر رکھا تھا، اے ہمارے رب! اور ہم سے وہ بوجھ نہ اٹھوایئے جس کی ہمیں طاقت نہیں اور ہم سے درگذر کیجئے اور ہمیں بخش دیجئے اور ہم پر رحم کیجئے آپ ہی ہمارے رب ہیں کافروں پر ہماری مدد کیجئے۔ (۲۸۶)

تفسیر

یہ اس سورت کی آخری آیت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ہر شخص کو جزا و سزا اس کے عملوں کے مطابق ملے گی اگر کسی نے نیکی کی تو اسکا اجر اسکو ملے گا اور اگر کسی نے برائی کی تو اسے اس کی سزا ملے گی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ دعائیں سکھائیں۔

(۱)....اے ہمارے رب! اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو آپ ہماری پکڑ نہ فرمایئے گا۔

(۲)....اے ہمارے رب! ہم سے پہلی امتوں پر جیسا بوجھ ڈالا وہ ہم پر نہ ڈالیئے گا۔

(۳)..... ہم پر ایسی ذمہ داریاں نہ ڈالیئے گا جو ہم پوری نہ کر سکیں۔

(۴)..... ہمیں معاف فرما دیجئے ہمیں بخش دیجئے اور ہم پر رحم فرمایئے۔

(۵)..... آپ ہی ہمارے مولیٰ اور آقا ہیں کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کیجئے۔ آمین

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "سورۃ بقرہ" کے آخر میں جو دعائیں ہیں جب بندہ ان کو ادا کرتا ہے تو ہر دعا کے اختتام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اے میرے بندے! ہاں میں نے ایسا کر دیا تیری دعا قبول کر لی، اس کے بعد دعا کا اگلا حصہ یہ ہے کہ اے ہمارے پروردگار! آپ ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیئے جیسا کہ آپ نے ہم سے پہلی امتوں پر بوجھ ڈالا، یہاں پر بوجھ سے مراد وہ مشکل حکم ہیں جو پہلی امتوں کیلئے تھے۔

مفسرین کرام مثال کے طور پر فرماتے ہیں کہ: بنی اسرائیل کی شریعت میں یہ حکم بھی تھا کہ جس کپڑے اور چمڑے سے بنی ہوئی چیز پر گندگی لگ جاتی تھی وہ دھونے سے پاک نہیں ہوتی تھی بلکہ قیمتی سے قیمتی کپڑا اور چمڑے سے بنی ہوئی چیز بھی گندگی والی جگہ سے کاٹ دی جاتی تھی۔

نسیان: یعنی: بھول ایسی غلطی کا نام ہے جس میں نیت یا ارادے کو دخل نہ ہو بلکہ کوئی کام بھول کر ہو جائے مثلاً: روزے کی حالت میں بھول کر کھا پی لیا تو یہ نسیان ہے اور "خطاء" سے مراد یہ ہے کہ نیت کسی اور کام کی تھی مگر ارادے کے بغیر کوئی دوسرا کام ہو گیا مثلاً: کسی شخص نے شکار کے جانور کیلئے گولی چلائی مگر وہ کسی انسان یا دوسرے جانور کو لگ گئی یہ خطاء کہلاتی ہے۔

تمت بالخیر

❁.....❁.....❁

دفتر ریسرچ اینڈ رجسٹریشن آفیسر اوقاف

(حکومتِ سندھ)

جامع مسجد آرام باغ۔ کراچی

فون نمبر 021-99332012 موبائل : 0300-3311811

نشانِ عجاریہ: ا۔آر۔آر۔او (اوقاف) A-64/2017 مورخہ 28/9/2017

MUFTI MUNEER AHMED TARIQ
RESEARCH & REGISTRATION OFFICER
AUQAF DEPARTMENT GOVT. OF SINDH

تصدیق نامہ

میں نے مکتبہ ربانیہ کراچی کے مطبوعہ قرآن پاک مترجم بنام: آسان تفسیر القرآن مکمل (۱۰ جلدیں)، تالیف وترتیب حضرت مولانا مفتی اصغر علی ربانی صاحب مدظلہم کے عربی متن کو بغور پڑھا اور اسکے تمام حروف واعراب (زبر، زیر، پیش وغیرہ) کی پروف ریڈنگ اپنی زیرِ نگرانی کروائی ہے۔

الحمدللہ! بہت معیاری اور صحیح کتابت کرائی گئی ہے۔ تصدیق کی جاتی ہے کہ مذکورہ بالا قرآن پاک (اردو مترجم) آسان تفسیر القرآن (۱۰ جلدیں) تمام اغلاط سے پاک اور مبرا ہے۔ ان شاء اللہ

المصدق

مولانا مفتی منیر احمد طارق

ریسرچ ورجسٹریشن آفیسر اوقاف

حکومت سندھ
مفتی منیر احمد طارق
ریسرچ ورجسٹریشن آفیسر
محکمہ اوقاف سندھ کراچی

مکتبہ ربانیہ کراچی

ISLAMIC STUDIES PUBLISHERS